حقیقتِ مذہبِ شیعہ

○

حکیم فیض عالم صدّیقی

○

مرکزِ اشاعتِ دینِ اسلام
گارڈن ٹاؤن لاہور (پاکستان)

عقیدہ لائبریری
www.aqeedeh.com

یہ کتاب عقیدہ لائبریری سے ڈاؤن لوڈ کی گئی ہے.

www.aqeedeh.com/ur/

E-mail: book@aqeedeh.com

بعض مفید اسلامی ویب سائٹس:

www.aqeedeh.com	www.islamic-forum.net
www.sadaislam.com	www.khatm-e-nubuwwat.com
www.zekr.tv	www.kitabosunnat.com
www.kalemeh.tv	www.muhammadilibrary.com
www.ahlehaq.org/hq	www.islamqa.info/ur
www.islamhouse.com	www.quran-o-sunnah.com
www.eeqaz.com	www.deeneislam.com
www.tauheed-sunnat.com	www.nadwatululama.org

حقیقتِ مذہبِ شیعہ

○

حکیم فیض عالم صدیقی

○

مرکزِ اشاعتِ دینِ اسلام
گارڈن ٹاؤن لاہور (پاکستان)

Variety Book Stall
41 BANK ROAD
RAWALPINDI
PH 583397

نام کتاب ——— حقیقتِ مذہب شیعہ
اہتمام ——— پسران حکیم فیض عالم صدیقی
مطبع ——— النور پرنٹرز لاہور
قیمت مجلد ——— اسّی روپے (=/۸۰)

فہرست

نمبر	عنوانات	صفحہ
۱	نذرِ عقیدت	۱۷
۲	عرضِ حال	۱۹
۳	خلافت	۲۱
	پہلا باب	
۵	محمد رسول اللہ اور صحابہ کرامؓ	۳۲
۶	صدیقِ اکبرؓ شیعہ کتب کی روشنی میں	۴۰
۷	سابق الایمان	۵۱
	دوسرا باب	
۸	کفرِ ملّتِ واحدہ	۵۴
۹	شیعیّت کا پس منظر	۵۷
۱۰	ایران کے مجوسی	۶۳
۱۱	یہود و مجوس کا گٹھ جوڑ	۶۶
۱۲	سیّدنا علیؓ کی خلافت	۶۷
۱۳	حضرت علیؓ، حسنؓ اور حسینؓ نے اصحاب ثلاثہؓ اور معاویہؓ و یزید کے ہاتھ پر بیعت کی	۷۵
۱۴	حضرت علیؓ اور حسنینؓ صحابہ کرام کے حق میں کیا کہتے ہیں	۷۷
۱۵	حضرت علیؓ کا خط امیر معاویہؓ کے نام	
۱۶	تبصرہ	۷۹
۱۷	معاویہؓ و یزید اور علیؓ، حسنؓ، حسینؓ ایک دوسرے کی نظروں میں	۸۰
۱۸	شیعہ اور صحابہ کرامؓ	۸۲
۱۹	صرف تین	۸۲
۲۰	ایک بھی نہیں	۸۲
۲۱	کور باطنی	۸۳
۲۲	تفہیم	۸۵
۲۳	امیر یزید اور واقعۂ کربلا	۸۹
۲۴	تضاد بیانی کا دوسرا رُخ	۹۵
۲۵	حضرت علیؓ نے تبرّکاً اپنے بیٹوں کے نام اصحابِ ثلاثہؓ کے نام پر رکھے	۹۵
۲۶	دیگر فاطمیوں کے نام اصحابِ ثلاثہؓ کے علاوہ معاویہؓ اور یزید بھی تھے	۹۵ ۹۶
۲۷	امیر یزید کا سلوک سوگواروں کے ساتھ	۹۷
۲۸	سانحۂ کربلا کے اثرات	۹۸
۲۹	ہاشمی اور اموی	۱۰۴
۳۰	دَورِ جاہلیت میں اموی اور ہاشمی قرابت داریاں	۱۰۶
۳۱	عہدِ اسلام میں ہاشمی اور اموی رشتہ داریاں	۱۰۷
۳۲	معرکۂ صفین کے بعد رشتہ داریاں	۱۰۹
۳۳	کربلا کے بعد رشتہ داریاں	۱۱۰
۳۴	تاریخِ شیعیّت پر ایک اجمالی نظر	۱۱۷
۳۵	اسلامی فتوحات کا سہرا کس کے سر؟	۱۳۰

نمبر	عنوانات	صفحہ
۳۶	فتوحات کا پہلا دور	۱۳۰
۳۷	فتوحات کا دُوسرا دَور	۱۳۴
۳۸	مزعومہ دوازدہ آئمہ، حضرت علیؓ	۱۳۹
۳۹	عبدالمطّلب کے انتقال کے بعد نبی علیہ السّلام کی کفالت	۱۴۰
۴۰	سیّدنا علیؓ کے متعلّق چند غلط فہمیاں اور ان پر تحقیقی نظر	۱۵۰
۴۱	سیّدنا علیؓ کا حُلیہ	۱۵۶
۴۲	صدّیقۂ کائنات اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ	۱۶۷
۴۳	اکابر صحابہؓ کی گوشہ نشینی	۱۷۴
۴۴	شیعانِ علیؓ کا اپنے امام کے ساتھ سلوک	۱۷۵
۴۵	حضرت عبداللہ بن زبیرؓ	۱۸۰
۴۶	تحقیقِ حدیثِ مدینۃُ العلم	۱۸۲
۴۷	حضرت حسنؓ	۱۹۰
۴۸	حضرت حسنؓ کی زہر خُورانی کا لغو قصّہ	۱۹۵
۴۹	حضرت حسینؓ اور اُن کے شیعہ	۱۹۷
۵۰	کیا ابنِ زیاد، ابن سعد اور شمر بھی شیعہ تھے؟	۱۹۹
۵۱	ابنِ سعد	۱۹۹
۵۲	شمر	۲۰۰
۵۳	قاتلینِ حُسینؓ سب شیعہ تھے	۲۰۰
۵۴	واقعۂ کربلا	۲۰۱
۵۵	چند تنقیحات	۲۰۴
۵۶	تبصرہ	۲۱۳
۵۷	قِصّہ شہر بانو	۲۱۶
۵۸	وہ جسے اللہ نے بخش دیا مگر اس کے بندوں نے نہیں بخشا	۲۱۸
۵۹	امیر یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے صحابہ کرامؓ	۲۲۴
۶۰	مختار ثقفی	۲۳۸
۶۱	سیّدنا علیؓ (زین العابدین) چوتھے مزعومہ امام	۲۴۱
۶۲	واقعہ حرّہ اور علیؓ بن حسینؓ	۲۴۲
۶۳	شیعانِ امام چہارم کے کرتوت	۲۴۴
۶۴	مزعومہ امام پنجم محمد باقر	۲۴۶
۶۵	پانچویں امام کی موت کا ڈرامہ	۲۴۷
۶۶	چھٹا امام جعفر (الصّادق)	۲۴۸
۶۷	شیعوں کا اپنے چھٹے امام سے سلوک	۲۵۳
۶۸	امامِ ہفتم موسٰی کاظم	۲۵۵
۶۹	امامِ ہشتم علی رضا	۲۵۶
۷۰	امامِ نہم محمد تقی	۲۵۸
۷۱	امامِ دہم علی نقی	۲۵۹
۷۲	گیارھواں امام حسن عسکری	۲۵۹
۷۳	تبصرہ	۲۶۰
۷۴	امام حسن عسکری کے وقت شیعوں کی تعداد	۲۶۱
۷۵	قائم آلِ محمدؐ کی پیدائش کا افسانہ	۲۶۲
۷۶	حُسینؓ کی شہادت سے حسن عسکری کی موت تک	۲۶۳
۷۷	بارھویں امام کی کارستانیاں	۲۶۳
۷۸	محمد مہدی کے متعلّق شیعوں کے مفروضہ عقائد	۲۶۶
	تیسرا باب	
۷۹	دینِ محمدؐ بدعات	۲۶۸
۸۰	تَوَلّا و تبرّا	۲۷۰
۸۱	شیعہ اور قرآن	۲۷۵
۸۲	ماتم اور تعزیہ داری	۲۷۹
۸۳	تبصرہ	۲۸۱
۸۴	شیعہ اور اذان	۲۸۳
۸۵	مُتعہ	۲۹۰
۸۶	ندائے لغیر اللہ	۲۹۳
۸۷	موعظت	۲۹۶
۸۸	مسجدِ نبوی اور مقصورۃ النّبویۃ الشّریفہ	۳۰۱
۸۹	باغِ فدک	۳۰۵
	چوتھا باب	
۹۰	اہل التشیع کا عقیدۂ امامت	۳۱۹
۹۱	شیعوں کے فرقے	۳۳۷
	پانچواں باب	
۹۲	مزعومہ آئمہ کی موجُودگی میں خُروج کرنے والے علوی	۳۴۰
۹۳	صرف علوی ہی کیوں بار بار خرُوج کرتے رہے	۳۴۳
۹۴	شیعوں کے آئمہ کے متعلّق اہلسنّت کا عقیدہ	۳۴۳
۹۵	خلافتِ موقتہ کے خلاف خروج کرنے والے علوی	۳۴۴
۹۶	شجرۂ حسنؓ کی اولاد سے خروج کرنے والے	۳۴۷
۹۷	حسنؓ کی اولاد سے خرُوج کرنے والوں کے حالات	۳۴۸
۹۸	اولادِ حُسینؓ سے خرُوج کرنے والے	۳۷۰
۹۹	اولادِ حُسینؓ سے خرُوج کرنے والوں کا شجرۂ نسب	۳۷۲
	چھٹا باب	
۱۰۰	عبداللہ میمون القداح	
۱۰۱	میمون القداح کا شجرۂ نسب	۳۹۲
۱۰۲	عبداللہ بن میمون القداح کے حالات	۳۹۷
۱۰۳	فاطمینِ مصر	
۱۰۴	عبداللہ المہدی باللہ	۴۰۳
۱۰۵	قائم بامر اللہ	۴۰۳
۱۰۶	ابُوطاہر اسمٰعیل	۴۰۴
۱۰۷	المعزّ الدّین اللہ	۴۰۴
۱۰۸	نزار العزیز باللہ	۴۰۵
۱۰۹	الحاکم بامر اللہ	۴۰۵
۱۱۰	سب سلف اور الحاکم	۴۰۶
۱۱۱	فرقۂ دروزیہ کی ابتداء	۴۰۹
۱۱۲	روضۂ رسول اللہؐ سے گستاخی	۴۱۱
۱۱۳	حجرِ اسود سے گستاخی	۴۱۲
۱۱۴	اعزاز دین اللہ	۴۱۲
۱۱۵	المستنصر	۴۱۳
۱۱۶	فرقۂ نزاریہ کی ابتداء	۴۱۴
۱۱۷	ابو القاسم احمد المستعلی باللہ	۴۱۵

نمبر	عنوانات	صفحہ
۱۱۸	اسدالدّین شیرکوہ اور صلاح الدّین ایّوبی	۴۱۷
۱۱۹	اسماعیلی فرقے کی اہم شاخیں یا آغاخانی	۴۱۹
۱۲۰	نزاریہ یا باطنی	۴۲۰
۱۲۱	حسن بن صباح	۴۲۱
۱۲۲	حسن بن صباح کے جانشین	۴۲۴
۱۲۳	دروزیہ	۴۲۷
۱۲۴	طیبی یا بوہرے	۴۲۹
۱۲۵	امام طیب	۴۳۰
۱۲۶	بوہرے	۴۳۱
۱۲۷	دولتِ عبیدیہ پر تبصرہ	۴۳۳
	ساتواں باب	
۱۲۸	خلافتِ عبّاسیہ اور شیعہ	۴۳۹
۱۲۹	برآمکہ	۴۴۶
۱۳۰	بریدی	
۱۳۱	معزّالدّولہ کی لعنتی کارروائیاں	۴۵۱
۱۳۲	بنی بویہ پر ایک نظر	۴۵۲
۱۳۳	مستعصم باللہ عبّاسی	۴۵۳
۱۳۴	خلافتِ عثمانیہ اور شیعہ	۴۵۶
۱۳۵	مغلیہ دَور میں شیعہ اور جاہل سُنّیوں پر شیعوں کا اثر	۴۶۳
۱۳۶	سیّد محمّد جونپوری	۴۷۰
۱۳۷	شجرہ نوابانِ اودھ	۴۷۵
۱۳۸	برہانُ المُلک	۴۷۶
۱۳۹	صفدر جنگ	۴۷۷
۱۴۰	شجاع الدّولہ	۴۷۸
۱۴۱	مزید چند بدکرداریاں	۴۷۹
۱۴۲	آصف الدّولہ	۴۷۹
۱۴۳	سعادت علی خان غازی الدّین حیدر	۴۸۳
۱۴۴	بادشاہ بیگم	۴۸۴
۱۴۵	نصیر الدّین حیدر	۴۸۶
۱۴۶	محمّد علی پسر سعادت علی خان	۴۸۷
۱۴۷	امجد علی، واجد علی	۴۸۷
۱۴۸	برّصغیر میں شیعیّت کی مختلف چند شکلیں	۴۹۴
۱۴۹	امام شاہی پنتھ	۵۰۰
۱۵۰	پیر مشائخ اور اس کے پیروکار	۵۰۱

کتابیات

رودِ کوثر
روضۃ القیومہ
روضہ کافی
ریاض الشہادہ
رسالہ مباسم البشارت فی اثبات الامامۃ الحاکم
سیر المتاخرین
سیر الجلبیہ
سفرنامہ حجاز قاضی سلیمان منصورپوری
سالنامہ نقوش آپ بیتی نمبر
شہادتِ حسینؓ
شرحِ مواقف
شیعانِ ہند ہولسٹر
صراح
طلسمِ ہند
طبقات الکبرٰی
طرازِ مذہب مظفری
طبری
طبقات ابنِ سعد
عُمدۃ المطالب
عقد الفرید
عبرت نامہ اُندلس ودین ہارٹ ڈوزی
غُنیۃ الطّالبین
غزواتِ حیدری
فضائلِ مُرتضوی
فلک النجاہ
فاطمی دعوۃ اسلام حسن نظامی
فاطمینِ مصر
فتوحُ البلدان
فتح الباری
فتاوٰی بزازیہ
فتاوٰی شاہ رفیع الدّین
فتاوٰی عالمگیری
قمقام
قزوینی
کافی کتاب الرّوضہ
کتاب الخطط والآثار
کتابِ ظرائف
لکامل للمبرّد
کشف الغمّۃ
کتاب النّسب قریش
کتاب مختصر شیخ حسن بن سلیمان بحوالہ مختار نامہ
کتاب المصابیح فی اثبات الامامت
کوکب فلک
کتاب الہمہ فی اتباع الائمۃ
کتاب الادلّہ والشواہد لجعفر بن منصور الیمن
مجالس المومنین
مہیج الاحزان
محاظرات تاریخ اسلام
من لایحضرہ الفقیۃ
مشکوٰۃ
مجاہدِ اعظم شاکر حسین نقوی
مجموعہ واجدیہ
مرآۃ العقول
معجم البلدان
منازل الائمۃ وقائم الاسلام
مقریزی
مجمع ارباب الملک
مشرقِ وسطیٰ میں مذہب مؤلفہ پروفیسر اے جی آر برجی
نہج البلاغۃ
ناسخ التواریخ
نورُ الہدٰی
وفاء الوفاء
ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام
ہسٹری آف اسلام
یادِ ایّام مولانا عبدالحی
یادگارِ انیس
یعقوبی
ISLAM BELIEVES INSTITUTION
اسلام معتقدات وآئین مصنّفہ ہنری لامن
D.B. MGDDNALD DEVEL OF MUSLIMS THEOLOGY P. 42
MEMOIR SERLES BY DE GOEOE
FALESTINE UNDER THE FATEMID CALIPHS BY-S-LPNE POOLE P–170
SPRINGETT

مقدمہ حقیقت مذہب شیعہ

طبع ثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

در سفالیں کاسۂ رنداں بخواری منگرید
کیں حریفاں خدمت جام جہاں بیں کردہ اند

قدسیاں بے بہرہ انداز جرعہ کاس الکرام
ایں تطاول بیں کہ با عشاق مسکیں کردہ اند

آج تلبیسات، تحریفات، تدلیسات اور تشکیکات کے خارہائے واژگونہ نے حق و یقین کے چمنستانوں کو ڈھانپ کر بیک ظرف و زمان "دین اسلام" کے صراط مستقیم پر گامزن قافلوں کے قلوب و اذہان کو اشراک و بدعات اور یاس و قنوطیت کے سراب کی بھول بھلیوں میں دھکیلنے پر پورا زور صرف کر دیا ہے۔

حاملین علوم نبویہ نے یقین و حکمت کے ان سرچشموں سے جو نور نبوت سے مستنیر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے راحت بخش، سرور آور اور عدل و احسان کے ظل رافت و مودت کے سکون بخش سایہ میں چار دانگ عالم میں پھیلے ہوئے تھے صرف نظر بلکہ غض بصر کر کے بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔

اور چند بد باطن، بد کردار، بد اعمال، بد افعال اور بد نہاد وجودوں کی دسیسہ کاریوں کو جو لاکھوں بلکہ کروڑوں قلوب و اذہان کو اپنی لپیٹ میں لے چکے تھے کی ہمنوائی کو عین اسلام سمجھ لیا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔

بد کردار اغیار کی اس یلغار کے پاس علمی، عقلی، یا روایتی قسم کی کوئی متاع نہ تھی اور نہ ہے۔ ان کے پاس صرف سالوسی، چاپلوسی اور دنیوی مفاد کے ہتھیار تھے اور ہمارے حاملین جبہ و دستار، مسند نشینان منبر و محراب اور بزعم خویش ابرار و اخیار نے ہمیشہ اپنے آپ کو ذلیل رواداری کی اصطلاح کے نقاب میں ان کے مالۂ و ما علیہ کے سمجھنے سے

بلند رکھا کہ اشرار کی یہ پُرفن یلغار اندر ہی اندر کس طرح امّتِ ملّت سے نورِ ایمان اور روحِ اسلام کا آخری قطرہ بھی نچوڑ لینے پر اپنی تمام تر توانائیاں داؤ پر لگائے ہوئے ہے۔

جن عبادِ الطواغیت کے ہاں الوہیت ندرِ بداء، رسالت بے کار، قرآن محرف صحابیت مجروح اور امہات المومنین رض کی طہارت و عصمت داغدار ہو ایسے مشککین، مجوبین، منافقین، مشرکین اور لا ادریین سے اس امید پر گفتگو کہ یہ گروہ ضالین و مضلین راہِ راست پر آجائے گا۔ اور یا ان کے اعتراضات و شبہات جن کا منبع و سرچشمہ یونانیات ملاحدات، مادیات، مجوسیات، یہودیات اور اسرائیلیات کے دفاتر و مقالات کا چربہ ہوں ان کے سامنے حق و یقین کی شاہراہ کی طرف راہنمائی نتیجہ خیز ثابت ہو گی، بالکل خیالِ خام ہے۔

اس لیے یہ جو کچھ بھی ہے اپنے ان خود فراموش فریب خوردہ بھولے بھٹکے ہم کیش و ہم نواؤں کے لیے ہے جو ان بدنہاد ابالسہ کے چکموں میں آکر اپنے وظائف کو بھول چکے ہیں۔ اور یہ طواغیت و ابالسہ؟

کہا جاتا ہے کہ دوا بیمار کو کھلائی جاتی ہے اگرچہ بحالت جانکنی ہی کیوں نہ ہو مگر ٹھنڈی لاش کو بقراط و جالینوس کی مسیحائیاں تو درکنار خود دستِ مسیحا سے زندگی کا لوٹ آنا ناممکن ہے۔

جن کی ذہنی توانائیاں نذرِ طاغوت عقل کی تمام پہنائیاں تلبیس ابلیس کی بھینٹ بھر افہام و تفہیم؟

جوہرِ طینت آدم زخمیر دگر است　　تو توقع ز گلِ کوزہ گراں میداری

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ

فرزندانِ اسلام کا خالق، مالک، رازق اور معبود ایک، اور اس کے ملائکہ، کتابیں، رسول برحق، تقدیر، معاد، حشر و نشر برحق مگر اچانک ایک آفت نے سر نکالا اور ہانک لگائی۔ رب سے جھوٹ کا صدور ممکن۔ یہ قرآن وہ نہیں جو محمد رسول اللہ پر نازل ہوا تو بتلائیے باقی کیا رہ گیا۔

یہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ہ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ہ سب کچھ کیا کرایا، دھرا دھرایا رہ گیا۔ اور اس کے بجائے تین چار قد آور شخصیتوں کے

علاوہ سات آٹھ مجہول الاحوال قسم کے لوگ ربّ اللوح والقلم، رب السمٰوٰت والارض بنا دیئے گئے اس دعوٰی کے مدعی خود ہی بنائیں، اس تحقیق انیق کے خالق اور محقق خود ہی فیصلہ کر لیں کہ ایسے عقائد کے حامل بھی اپنے اس دعوٰی میں کچھ صداقت رکھتے ہیں کہ ہم بھی مسلمان ہیں؟ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ہ

اور اپنوں کی طرف سے ہمیں وعظ پلائے جا رہے ہیں کہ وہ اپنے ان دعاوی میں صادق ہیں یا کاذب۔ ان کو ان کے "دین و مذہب" میں سرمست چھوڑ دیا جائے مگر ایسے عقل کے پیدل، ابن الدراہم والدینار ان باتوں کو کیوں بھولے جا رہے ہیں کہ انہیں ان کی دنیا میں جب بھی مست چھوڑ دیا گیا انھوں نے کیا کیا گل کھلائے جن لوگوں کے جبڑوں سے آج تک فاروق اعظم رض کے خون کے قطرات ٹپک رہے ہوں۔ جن کے پنجوں میں ابھی تک عثمان رض کے گوشت کے لوتھڑے لٹک رہے ہوں۔ جن کے خنجر ابھی تک علی رض کے خون سے آلودہ ہوں جن کے نیزے حسین رض کے قلب کو شگافتہ کر چکے ہوں، جنہوں نے بغداد میں ایک کروڑ سے زائد فرزندان اسلام کو گھائل کیا ہو۔ جن کی بے نیام تلواروں نے دہلی میں قتل عام کیا ہو جن کی دسیسہ کاریوں نے ملیسور کا جنازہ نکال کر فرنگی کی برات کے محمل کو کندھا دیا ہو جن کی عبادت کا مرکزی نقطہ امہات المومنین رض پر دشنام طرازی اور سبّ صحابہ رض ہو۔ جن کا مذہبی شعار ہی مسلمانوں کے احساس و جذبات کو کچلنا ہو تو ایسے گروہ کے لیے ایک مسلمان پر فرض عظیم عائد ہوتا ہے۔ بشرطیکہ اس کے دل میں ایک خشخش بھر ہی ایمان کی رمق ہو کہ مجوس و یہود کے کاشتہ اس زہر آلود پودے کی مسموم فضا سے فرزندانِ توحید کو بچایا جائے۔

مگر جب بعض داعیان حق نے اپنوں کو اس زہر آلود، متعفن اور کرب آلود فضا سے بچنے کی تلقین کی طرح ڈالی تو چند ایسے ہاتھ جو بظاہر اپنوں کے تھے مگر اس متعفن فضا کی آلودگیوں سے يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ کے مصداق نور ایمان سے تہی ہو چکے تھے اور انہیں کے سُر تال پر جھوم رہے تھے ایسے آڑے آگئے جو اپنوں میں ٹھن گئی اور ایسی ٹھنی کہ داعیان حق بھی اپنے نصب العین کو بھول کر انہی اپنوں سے دست بگریبان ہو کر غیر محسوس انداز میں اپنی توانائیاں صرف کرنے میں مصروف ہو گئے۔ اور نتیجہ یہ کہ "وہ لوگ" اپنے تخریبی مقاصد میں کامیاب ہوتے چلے گئے۔ دور نہ جائیے۔ ماضی قریب

میں سرکاری مدارس کے طلبار کے لیے دینیات کا نصاب مرتب ہوا۔ ان لوگوں نے اپنی حسبِ مرضی جو چاہا شامل نصاب کرا لیا۔ مگر اپنوں کی بے خبری، بے علمی، بے حسی، اور ناسمجھی کا یہ عالم کہ ان کے مرتب کردہ نصاب پر صرف انگوٹھا چسپاں کر کے یہ سمجھ لیا کہ "ہم بھی" ہیں اور پوری ملت کے لیے ایک المیہ پیدا کرنے کا موجب بن گئے۔ اور پوچھنے پر اسے مذہبی رواداری کے منافقانہ جواب سے مطمئن کرنے کی کوشش کی گئی۔

میں نے ۱۹۷۵ء میں "اختلافِ اُمت کا المیہ" لکھا۔ دورانِ تحریر شرک و بدعت کے مالۂ وما علیہ کے سرچشموں کی جستجو ہوئی۔ میں ابھی اس جستجو میں چند قدم ہی چلا تھا کہ عجیب عجیب انکشافات نے چکرا کر رکھ دیا۔ کتاب پریس میں پہنچ گئی تو ضمیر نے کہا میاں! تم کس احمقوں کی دنیا میں کھو گئے۔

ان احناف یا شوافع یا حنابلہ یا مالکیوں میں چند لوگوں کی صراطِ مستقیم سے پھسلاہٹ پر تم بھڑک اٹھے۔ مگر یہ کوئی بات نہ ہوئی۔ بات تو تب تھی کہ ان بھولے بھٹکے لوگوں کو بتاتے کہ بھئی اپنے خرمنِ ایمان کے ان قزاقوں کو پہچانو۔

اسی "پہچان" کے لیے ۱۹۷۷ء میں "حقیقت مذہب شیعہ" طبع ہوئی، وقت گزرتا رہا اور میں ان سنگلاخ چٹانوں عظیم صحراؤں، طویل و عریض دلدلوں اور ناپیدا کنار سمندروں کو عبور کرتا آگے بڑھتا رہا۔

"حقیقت مذہب شیعہ" کے آخری باب قدرِ مشترک میں جامد قسم کی تقلید نام نہاد تصوف اور چند عجمی اصطلاحات کے چہرے کی نقاب کشائی کی گئی تھی۔ بوجوہ زیرِ نظر کتاب میں وہ باب شامل رکھنا ناگزیر ہو گیا[1]۔

ترمیم و اضافہ کی وجہ سے کتاب کی موجودہ ضخامت اب اس کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی نیز اس باب میں جن اشارات پر مبنی ایک راستے کا تعین کیا تھا اب اس پہ باقاعدہ چند کتابیں منصۂ شہود پر آ چکی ہیں جن میں سے توحید خالص[2] اور اسلامی تصوف[3] بڑی خاصے کی وزن دار چیزیں ہیں۔

---

[1] ان شاء اللہ عنقریب اس موضوع پر ایک مبسوط تالیف قارئین کی خدمت میں پیش کی جائے گی۔

[2] تالیف ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی حزب اللہ کراچی۔

[3] شائع کردہ ماہنامہ میثاق لاہور ستمبر اکتوبر ۱۹۷۶ء تالیف پروفیسر یوسف سلیم چشتی۔

قدرِ مشترک پر جن نام نہاد متصوفین کی ابکائیاں آنی شروع ہو گئیں تھیں۔ خدا کرے ان کے مطالعہ سے استفراغ کی صورت میں ان کے فاسد مادہ کا اخراج ہو جائے۔

حقیقت مذہب شیعہ کی اشاعت پر جن صاحبانِ علم و فضل نے حوصلہ افزائی کی ان کی فہرست طویل ہے۔ چند قد آور اور بلند و بالا شخصیتوں میں سے۔

کسی نے اسے مذہب شیعہ کی انسائیکلوپیڈیا کہا۔

کسی نے اسے شیعیت پر حرفِ آخر قرار دیا۔

کسی نے نظرِ بد سے بچنے کی دعائیں دیں۔

کسی نے ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند کے کلمات سے حوصلہ بڑھایا۔

کسی نے اسے تحفہ اثنا عشریہ، آیاتِ بیّنات، نصیحۃ الشیعہ اور کتاب شہادت کی ایک کڑی قرار دیا۔

اور کہیں کہیں سے یہ آوازیں آئیں کہ اگر ہم "حقیقت مذہب شیعہ" کا مطالعہ نہ کرتے تو مشرک ہی مرجاتے وغیرہ وغیرہ۔

اخبارات و رسائل نے جو کچھ لکھا وہ بھی سینکڑوں صفحات سے کیا کم ہوگا۔ چنانچہ تعلیم القرآن راولپنڈی نے اپنے شمارہ اپریل ۷۳ء میں لکھا:۔

"دورِ حاضر میں جبکہ اہلسنت اپنے عقائد و حقوق کے تحفظ سے غافل ہیں ردِ شیعیت کے سلسلہ میں نہایت توجہ اور بہت کوشش کی ضرورت ہے مؤلف اس حیثیت سے شکریئے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے طویل عرصہ تاریخ شیعیت کے مطالعہ میں گزارا اور قدیم و جدید سنی، شیعہ مصادر کی روشنی میں یہ ضخیم کتاب مرتب کی۔ جس میں شیعہ مذہب کا آغاز پس منظر، ان کے مختلف آئمہ اور فرقے، عہد بعہد ترقی، اسلام کش سرگرمیاں

موذی اہلبیت کوششیں، دین میں بدعات، خلافت بنو امیہ، بنو عباس اور خلافت عثمانیہ اور سلطنت مغلیہ میں شیعوں کے کارنامے، اسماعیلی فرقہ کے عقائد اور شاخیں علویوں اور امویوں کے تعلقات اور حادثہ کربلا وغیرہ بہت سے متنازعہ اُمور پر مورخانہ گفتگو کی گئی ہے اہل سنت پر شیعی اثرات کے ضمن میں کئی حقائق سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔"

مگر اس سب کچھ میں میری دلچسپی کا کوئی سامان نہ تھا۔ البتہ دنیائے شیعیت کی طرف سے ع دیکھنا، لینا، پکڑنا، دوڑنا، جانے نہ پائے کی ہاہا کار سن کر بڑا لطف آیا۔ ملاحظہ ہو المبلغ سرگودھا اپریل ۷۵ء۔

" انہوں (حسین رض) نے اپنے خون کی سرخی سے اسلام کی صداقت کی ایک ایسی ان مٹ (؟) چھوڑی ہے کہ جسے اب دنیا محمود احمد عباسی، حیرت دہلوی اور فیض عالم صدیقی جیسے لاکھوں یزید پیدا کرتی رہے اس کو مٹا نہ سکے۔"

یہاں اس پر تبصرے کا وقت ہے نہ موقعہ وہ سب کچھ قارئین کے لیے زیرِ نظر کتاب میں موجود ہے، دیکھنے اور غور کرنے کی بات صرف اس قدر ہے کہ کم و بیش ساڑھے بارہ سو سال سے ایک یزید کو آج تک کوسنے دینے والوں نے اگر حیرت یا عباسی کو چند کوسنے دینے کے بعد مجھے بھی اس صف میں لاکھڑا کرنے کی زحمت گوارہ فرمائی ہے تو غم نہ کرنا چاہیئے فیض عالم کی زندگی میں ہی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہزاروں سے متجاوز زبان رسالتمآب ﷺ سے اس مغفور مردِ مجاہد کے خاکِ پا کو اپنی آنکھوں کے لیے کحل الجواہر سمجھنے والے پیدا ہو چکے ہیں اور فیض عالم کی زندگی میں نہ سہی اس کے مرنے کے بعد یہ تعداد انشاءاللہ لاکھوں کروڑوں تک پہنچ جائے گی۔ انہیں خواہ مخواہ اس غم میں ہلکان ہوکر اپنا خون خشک نہ کرنا چاہیئے ان کی دسیسہ کاریاں، ابلہ فریبیاں اب کوئی ڈھکی چھپی نہیں رہ گئیں ان کی وہ خبث آمیز شیطنت جو کبھی یہود و مجوس کی تیار کردہ اسلام کش سرگرمیوں کی طفیلی تھی اب وقت کے تقاضوں کے تحت جس طرح اسلام دشمن جذبات سے مغلوب ہوکر ہمسایہ ملک بھارت میں جن سنگھ کے حضور میں سجدہ ریز ہوئی ہے یہ کسی دوسری دنیا کا واقعہ نہیں۔

نیشنل ہیرالڈ لکھنؤ ۲۹ ستمبر ۱۹۶۹ء میں دیکھئے:۔

کہ کس طرح کوئی کلب صادق، مولوی علی ناصر سعید جن کے نام کے ساتھ مجتہد کا لاحقہ بھی ہے ڈاکٹر منصور نواب وغیرہ نے مل کر مشہور اسلام دشمن جماعت جن سنگھ سے رجوع کیا (صرف

صحابہ کرامؓ کی شان میں دشنام طرازی کے لیے (مؤلف) چنانچہ ڈاکٹر پی ڈی کپور ایم ایل سی گری راج دھرن، سابق میئر، لال جی ٹنڈن کارپوریٹر اور شوراج بہادر جن سنگھیوں نے شیعوں کو تعاون کا بھرپور یقین دلایا چنانچہ چند دنوں میں صرف لکھنو میں پندرہ ہزار سے زائد شیعوں نے جن سنگھ کی ممبری کے فارم پر کر دیئے۔ جن سنگھ کا چوٹی کا لیڈر نانا جی دیش مکھ ڈاکٹر کپور کے ہمراہ فوراً لکھنو پہنچا اور شیعوں کو بھرپور امداد کا یقین دلایا شیعوں نے تہ دل سے دیش مکھ کا شکریہ ادا کیا۔ اسی دوران نہایت گہری سازش سے سنیوں کو ذلیل و رسوا کرنے کے لیے اور ہندوؤں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے الفتح اور مسلم سینا کے فرضی ناموں سے چند پوسٹر طبع کرا کے شہر کے بعض مقامات پر چسپاں کرا دیئے گئے مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ چنانچہ امام باڑہ آصفی میں شیعوں کی دعوت پر نانا جی دیش مکھ نے ایک طویل تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اگر حکومت آپ (شیعوں) کی حفاظت نہ کرے گی تو ہم آپ کی حفاظت کریں گے اور دیکھیں گے کہ آپ کی مذہبی رسموں میں مداخلت کون کرتا ہے (شیعوں کی ان مذہبی رسموں سے مراد سب صحابہ کرام رض ہے مؤلف) میں لکھنو ہی نہیں بلکہ ہندوستان کی ما جدھانی دہلی تک ہلا کر رکھ دوں گا۔

انہیں ایام میں یہ علم بھی تراشی گئی کہ حضرت حسین رض کے مہاراجہ چندر گپت سے بڑے دوستانہ تعلقات تھے۔ چنانچہ آپ کربلا سے آنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ (ماخوذ از انسانیت کی فریاد مولفہ ڈاکٹر مظہر الحسینی)

مگر ان جنت الحمقاء کے باسی افسانہ طرازوں کو اتنا بھی علم نہیں کہ چندر گپت تو ۳۳۰ ھ میں مر گیا تھا اور حسین رض ۶۲۶ ھ میں پیدا ہوئے۔ گویا چندر گپت کے مرنے کے دو سو چھیانوے (۲۹۶) سال بعد۔ ہو سکتا ہے کہ یہ بھی امامت کے دوسرے رازوں کی طرح کا کوئی راز ہو۔

ایک دیدہ ور، ایک صاحب بصیرت جو اس بات کا مدعی ہو کہ میں مسلمان ہوں، یا ایک ان پڑھ اور جاہل جو صرف مسلمانی کے نام تک ہی اسلام کا واقف ہو ان میں سے جو بھی اس قسم کے اسلام دشمن عناصر کی ہمنوائی کا سُر الاپنے کا ارتکاب کرے گا۔ ایک سچے مسلمان کی نظروں میں اس کا اسلام یقیناً مشکوک ہے۔ بے غیرتی کی ایسی ذلیل رواداری کی اسلام میں گنجائش نہیں۔

فیض عالم راجوروی

ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ

نذرِ عقیدت

اس معلوم دنیا میں وہ وقت صرف ایک بار ہی آیا کہ چالیس لاکھ مربع میل پر مشتمل مہذب ترین انسانوں کی آبادی کا ملجاء و ماویٰ، ریگزار حجاز کا مرکزی مقام مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنا۔ قیصر و کسریٰ کی ہزار سالہ عظیم الشان سلطنتیں صفحہ ارضی سے نیست و نابود ہو چکی ہیں۔ معلوم دنیا کا ہر ادنیٰ و اعلیٰ فرد وقت کے "شہنشاہ اعظمؓ" کی خوشنودی کے حصول کے لیے مدینۃ النبیؐ کا رُخ کیے ہوئے ہے۔ وحدت دین۔ وحدت فکر وحدت اعمال کا یہ دور اپنی مثال آپ ہے۔ امن، فراغت، آسودگی، خوشحالی اور للہیت کا یہ عالم ہے کہ کوئی زکوٰۃ قبول کرنے والا نہیں ملتا۔ گویا اسلامی عروج کا نقطۂ انجام ہے۔ اس عظیم الشان سلطنت کا شہنشاہ اعظم علم الٰہی میں رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ملاءِ اعلیٰ کی زبان میں ذوالنورینؓ اور ساکنین سطح ارضی کی زبان میں امیر المومنین کے لقب سے ملقب ہے۔ حجاز کے بدو اسے عثمانؓ کے نام سے پہچانتے اور جانتے ہیں؟

مجوسیت کا باطنی بغض، ناطق بالصدق والصواب خلیفہ دوم کو ابو لولو کی شکل میں شہید کر چکا ہے۔ جس سے متاثر ہو کر یہودیت عبد اللہ بن سبا کی شکل میں پر پرزے نکال رہی ہے اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ کی بجائے رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کی رافت، نرم دلی، تواضع انکسار اور رحم نے مجوسیت اور یہودیت کو کھلم کھلا گٹھ جوڑ کا موقع دیا۔ تو تمام سلطنت میں ان کی تخریبی سرگرمیوں نے ایک جال پھیلا دیا۔ امیر المومنینؓ کو خبریں پہنچتی ہیں تو وہ سب کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مگر تخریبی عناصر مدینہ میں گھس کر قصر امارت کو گھیر لیتے ہیں۔ یہ دیکھ کر تمام بزرگ ہستیاں عرض پرداز ہیں۔

امیر المومنین! حکم دیجئے کہ ان باغیوں کو بزور شمشیر مدینہ سے نکال دیا جائے۔

نہیں میرے بھائیو! امیرالمومنین جواب دیتے ہیں۔
میں نہیں چاہتا کہ میری ذات نبیؐ کے شہر میں کسی انسانی جان کے ضیاع کا موجب بنے۔ اور پھر اپنے طور پہ چند نوجوان قصرِ امارت پر پہرہ دے رہے ہیں۔ مگر باغی عقبی دیوار پھاند کر اس عظیم انسان کو شہید کر دیتے ہیں۔

آپ کی شہادت

ملت اسلامیہ کا وہ المیہ ہے جو آگے چل کر جمل و صفین کے معرکوں میں ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں کی شہادت کا موجب بنا۔ مگر شہادت عثمان رضؓ کا یہ قصاص بھی کارکنانِ قضا قضا و قدر کے ہاں پورا نہ اترا۔ اور رُبع صدی تک تمام عالم اسلام خاک و خون میں تڑپتا رہا اور آج تک شیعہ سنی کی چپقلش کی صورت میں موجود ہے۔

ایک ذرہ ناچیز اپنی حقیر ترین کوششوں کا یہ نذرانہ
اسی شہید اعظمؓ
کے حضور میں عقیدتمندانہ پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں
اور اس شہید اعظمؓ کے نقش قدم پہ چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔
آمین

عرضِ حال

شیعوں اور سنیوں کے درمیان نامعلوم کب مباحثوں، مناظروں اور مجادلوں کی بنا رکھی گئی کہ آج تک یہ سلسلہ روز بروز ترقی پذیر ہے۔ ہر دور میں فریقین خم ٹھونک کر آستینیں چڑھائے ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار نظر آتے ہیں اور فریقین کی ان باہمی چپقلشوں نے اصل حقیقت کے چہرے کو اس طرح غبار آلود کر دیا ہے کہ آج اصلیت کا سراغ لگانا ناممکن ہو کر رہ گیا ہے۔ اور پھر فریقین نے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور ایک دوسرے کا منہ بند کرنے کے لیے ایک دوسرے کی کتابوں سے ایسے ایسے الزامی جوابات ڈھونڈھ نکالے ہیں جنہیں آج ایک نظیف الطبع آدمی سننا بھی پسند نہیں کر سکتا۔ اس باہمی منافرت میں فریقین کے جن پڑھے لکھے لوگوں نے زیادہ حصہ لیا اب ان کے پاس یہی ایک کام باقی رہ گیا تھا جس کے ذریعے وہ تنور شکم کا ایندھن فراہم کرتے۔ ان میں اس قسم کے بھی چند لوگ ضرور ہوئے ہیں جنہوں نے بات کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی اور آخر وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی ہوئے۔ نواب محسن الملک[1] کی قسم کے لوگوں سے کوئی زمانہ خالی نہیں رہا۔ لیکن اَلنّادِرُ کَالمَعدُوم کے مصداق اکیلا چنا بھاڑ نہ جھونک سکا۔

شیعہ سنی چپقلش نے ہزاروں کتابوں کو جنم دیا جن پر جی بھر کر فریقین نے ایک دوسرے پر اپنے دل کا غبار بھی نکالا اور اپنے حواریوں سے واہ واہ کی داد بھی لی اور پھر اس ذریعہ سے دولت بھی کمائی۔ یہ سب کچھ ہوا اور اس وقت تک ہوتا رہے گا

---

[1] نواب محسن الملک سرسیدؒ کے جانشین تھے پہلے شیعہ تھے پھر اپنی تحقیق سے مسلک اہلحدیث اختیار کیا اور اپنی تحقیق کے نتائج کے طور پر ایک کتاب آیاتِ بینات قلمبند کی مگر سرسیدؒ نے اپنی زندگی میں اسے شائع نہ ہونے دیا۔

جب تک اس قسم کے لوگ زندہ ہیں ؏

ثنائے خود زخود گفتن نہ زیبد مرد عاقل را

یہ تعلی ہے نہ مجذوب کی بڑ۔ بلکہ میں نے جو کچھ لکھا ہے اسے حق سمجھ کر لکھا ہے اور اسے تحدیث نعمت کے طور پر بیان کرتے ہوئے اپنے قلب و وجدان میں ایک قسم کا سرور، راحت، اطمینان اور کیف محسوس کرتا ہوں کہ شیعہ مذہب کے مَالہٗ وَمَاعلیہ اس انداز میں اس سے پہلے کچھ بھی قلمبند نہیں کیا جا سکا اس کتاب میں آپ بیک وقت شیعہ مذہب کے پس منظر کے علاوہ اس کے عقائد و نظریات اس کی عہد بعہد ترقی اور اسلام دشمن سرگرمیوں سے واقفیت حاصل کر سکیں۔

فیض عالم راجوروی

خلافت

خلافت کا مادہ خلف ہے اور اگر ایک شخص کے بعد دوسرا اس کا نائب یا جانشین ہو تو اسے خلیفہ کہتے ہیں خواہ یہ نیابت موت و عزل کی وجہ سے ہو یا اپنے اختیار اور منصب کو سپرد کرنے کی وجہ سے۔

قرآن میں یہ لفظ متعدد مقامات پر آیا ہے آدم علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ نے خلیفہ فی الارض فرمایا ہے۔ آدم علیہ السلام کے بعد ان کی نیابت جن کے سپرد ہوئی وہ سب خلیفہ فی الارض ہوئے اور اس زمین کی وراثت و خلافت یکے بعد دیگرے جن قوموں کے سپرد ہوتی رہی اور وہ اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت گزار رہیں وہ سب اس خلافت کی مستحق رہیں۔ قرآن مجید کی ان آیات میں اسی امر کی طرف اشارات ہیں۔

وہی پروردگار ہے جس نے تم کو زمین میں خلافت دی۔

پھر ان قوموں کے بعد ہم نے تم کو ان کی جگہ دی تاکہ دیکھیں تمہارے کام کیسے ہیں۔

اور یاد کرو جب تم کو قوم نوح ؑ کے بعد ان کا جانشین بنایا۔

اے داؤد! ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا۔

پھر فرمایا:

اگر تم نے اپنا فرض ادا نہ کیا تو میرا پروردگار تمہاری جگہ کسی دوسرے کو دے گا۔

اسی خلافت فی الارض کو وراثت سے تعبیر کیا۔

یقیناً زمین کی حکومت ہمارے صالح بندوں کی وراثت میں آئے گی۔ اسی خلافت فی الارض کو "تمکین" سے بھی تعبیر کیا۔

اسی طرح ہم نے یوسف کی عظمت مصر میں قائم کر دی۔

اسی تمکین کا مسلمانوں سے وعدہ فرمایا۔

وہ لوگ کہ اگر ہم ان کی طاقت زمین میں جما دیں تو ان کا کام یہ ہو گا کہ نماز کو قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔

غرضیکہ خلافت، وراثت، تمکین کا اصلی مقصد نیکی اور راستی کے اعلان کا ظہور

اور برائی سے لوگوں کو بچانا ہے۔

اب ذرا واضح طور پر سنیئے:

"جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے اللہ کا ان سے وعدہ ہے کہ انہیں زمین کی خلافت دے گا۔ ٹھیک اسی طرح جیسے پہلی قوموں کو دی گئی۔ اور ایسا کرے گا کہ ان کے لیے ان کا دین حق قائم ہو جائے گا اور خوف کی گھڑیاں امن کی خوشحالی اور کامرانی سے بدل دی جائیں گی"

ابوالعالیہؒ کی روایت کے مطابق یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب ہجرت کے بعد مسلمانوں کا کفار کے حملوں اور منافقین کی ریشہ دوانیوں سے یہ حال تھا کہ وہ ایک لمحہ کے لیے بھی اپنے ہتھیار اپنے جسم سے الگ نہیں کر سکتے تھے۔

مندرجہ بالا تمام آیات سے واضح ہوتا ہے خلافت سے مراد زمین کی حکومت و تسلط ہے اور جب کسی کو زمین پر کامل حکومت و اختیار نہ ہو تو وہ خلیفہ نہیں ہو سکتا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان تمام خصائص سے ہمہ صفت موصوف خلیفہ ہوئے آپ نے اڑھائی سال کی قلیل مدت میں منکرین زکوٰۃ، مدعیان نبوت، اور منافقین کا قلع قمع اس طرح کیا کہ آج ہم وہ حالات پڑھ کر حیران ہو جاتے ہیں۔ واقعات اس حد تک سرکشی وطغیان، نافرمانی و بغاوت کی صورت میں امنڈ کر مدینۃ النبیؐ کو گھیرے میں لے چکے تھے کہ کبار صحابہؓ تک آپؓ کی خدمت میں عرض کرنے پر مجبور ہو گئے کہ اسامہؓ کا لشکر واپس بلا لیا جائے۔ نبی علیہ السلام کے دور نبوتؐ و رحمت کی نہج کا مکمل نقشہ صدیق اکبرؓ کی خلافت و رحمت کا طرۂ امتیاز بنا رہا صدیق اکبرؓ کے بعد سطح ارضی کا وہ کامل ترین انسان خلعتِ خلافت کا جامہ در بر کیے نمودار ہوا۔ کہ ایک طرف قادسیہ اور یرموک میں دنیا کی دو بڑی سلطنتوں کا تختہ الٹا جا رہا ہے اور دوسری طرف خلیفۂ وقت ایک بدّو کے چولہے میں پھونکیں مار مار کر آگ جلا رہا ہے اور اس کی بیوی بدّو کی دردِ زہ میں مبتلا عورت کو خیمہ میں سنبھالے ہوئے ہے۔ اور جب اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو چوالیس لاکھ مربع میل کا علاقہ ایک خوشحال اور فارغ البال سلطنت کی صورت میں پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔

اب خلعتِ خلافت کا جامہ شہید اعظم حضرت ذوالنورینؓ کی ذات گرامی سے

زینت افروز ہوتا ہے کہ سلطنت کی وسعت ملک میں فارغ البالی، نومسلموں کے جھگڑے یہودیت نصرانیت اور مجوسیت کی ملی بھگت اندر ہی اندر ایک آتش فشاں لا دا بن چکی ہے اور آخر خلیفۂ ثالثؓ شہید کر دیئے جاتے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تک خلافت کا انعقاد اور خلافت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برائی غرضیکہ امورات سلطنت "خلافت علیٰ منہاج النبوۃ" کا جیتا جاگتا نمونہ تھا۔

حالات کی ستم ظریفی کہ اب خلافت کا جامہ سیدنا علیؓ کو پہنایا جاتا ہے مگر صورت یہ ہے کہ سب سے پہلے قاتلین عثمان کا سرکردہ لیڈر اشتر نخعی آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے اور بیعت کے لیے آگے بڑھنے والے ہاتھ رُک جاتے ہیں۔ کبار صحابہؓ کشمکش و پیچ میں پڑ جاتے ہیں۔ تمام ملک میں پھیلے ہوئے اجل صحابہؓ ششدر و حیران رہ جاتے ہیں۔

ابن خلدون کہتے ہیں —— رہا علیؓ کا واقعہ تو لوگ عثمانؓ کی شہادت کے وقت مختلف شہروں میں تھے اور علیؓ کے بیعت کے وقت موجود نہ تھے ان میں سے بعض نے بیعت کی اور بعض نے توقف کیا تاآنکہ جمہور کا اجماع ہو جائے اور وہ کسی امام پر متفق ہو جائیں۔ ان میں سعدؓ، سعیدؓ، ابن عمرؓ، اسامہ بن زیدؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، عبداللہ بن سلامؓ قدامہ بن مظعونؓ۔ ابوسعید خدریؓ، کعب بن عجرہؓ، کعب بن مالکؓ، نعمان بن بشیر حسان بن ثابتؓ، مسلمہ بن مخلد، فضالہ بن عبیدؓ غرضیکہ بڑے بڑے صحابہ کرام بیعت سے رُکے رہے۔

ابن خلدون آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ایسے حضرات کی رائے تھی کہ ان کی بیعت منعقد نہیں ہوئی جو صحابہ اہل حل و عقد تھے وہ دور دور بکھرے ہوئے تھے اور بہت تھوڑے اصحاب موقع پر موجود تھے۔ بیعت اس وقت منعقد ہوتی ہے جب اہل حل و عقد متفق ہو جائیں آگے چل کر لکھتے ہیں۔ کہ ان کے بعد کی صدی کے لوگوں نے اس پر اتفاق کر لیا کہ سیدنا علیؓ کی بیعت ہو گئی تھی اور تمام مسلمانوں پر اس کی پاسداری لازمی تھی اور یہ کہ رائے سیدنا علیؓ کی درست تھی نیز یہ کہ سیدنا معاویہؓ اور ان کے ساتھی خطا پر تھے خصوصًا سیدنا طلحہؓ اور زبیرؓ کیونکہ انہوں نے بقول بعض راویوں کے بیعت کر کے توڑ دی تھی (مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۱۵۰، طبع مصر المطبعۃ البھیہ) حالانکہ ابن خلدون کا یہ قول غلط ہے کہ طلحہؓ اور زبیرؓ

نے بیعت کر کے توڑ دی تھی بلکہ بعض روایات کے مطابق بیعت کی ہی نہیں تھی حضرت علی رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں میں اکثریت قاتلین عثمانؓ کی تھی اور اسی وجہ سے کبار صحابہؓ کی اکثریت اس معاملہ میں بالکل کنارہ کش رہی۔ الغرض جنگ جمل اور صفین کے بعد سیدنا علی رضؓ اپنے ایک لشکری کے ہاتھ سے جو بعد میں خارجی ہو گیا تھا شہید ہو گئے۔ آپؓ کی شہادت کے بعد سیدنا حضرت حسن رضؓ چھ ماہ سے کم عرصہ میں ہی تمام امورات سے دستبردار ہو گئے اور سیدنا معاویہ رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے گوشہ نشین ہو گئے اور تمام اُمت نے نہایت خوشی سے سیدنا معاویہ رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

اسی موقعہ کے لیے کسی من چلے نے حدیث سفینہؓ گھڑی جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں درج کر کے دنیائے رفض کے ہاتھ میں ایک بہت بڑا ہتھیار تھما دیا۔

اس حدیث کے الفاظ ہیں خلافت تیس برس رہے گی اور پھر ملک ہو جائے گا۔

یارانِ طریقت نے ہر دور میں تمام نصوص کے مقابلہ میں اس حدیث کو حرف آخر کے طور پر پیش کر کے اس پر بے شمار عمارتیں کھڑی کیں یہاں تک کہ ابوالکلام آزاد اور ابو الاعلیٰ مودودی بھی اس تسامح کا شکار ہو گئے، یا نسلی عصبیت کی بھینٹ چڑھ گئے — گویا قید زمانی و مکانی سے آزاد دین کو تیس برس کے زمانہ میں محدود کر کے رکھ دیا اور خیال نہ کیا کہ حضرت علی رضؓ کی شہادت اگر ۴۱ھ میں نہ ہوتی اور مزید چند برس زندہ رہتے تو خلفائے راشدین کے زمرہ سے نکل جاتے یا اگر سیدنا معاویہ رضؓ کی بجائے اور کوئی جلیل القدر صحابی بن جاتے تو وہ بھی کھٹکنے بادشاہ ہوتے پھر یہ بھی دریافت طلب امر ہے کہ حضرت سفینہؓ نے سیدنا معاویہ رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی یا نہیں اگر کی تھی تو کیا انہیں یہ حدیث یاد نہ تھی اور پھر انہوں نے کسی دور میں یہ حدیث بیان کیوں نہ کی۔ درائت کے علاوہ روایت کے لحاظ سے ابن العربیؒ نے العواصم من القواصم میں اس حدیث کو غیر صحیح بتایا ہے اور فرمایا ہے کہ بفرض محال یہ حدیث صحیح ہی سہی مگر نصوص صریحہ یعنی کتاب اللہ سُنت رسولؐ اجماع صحابہ رضؓ اور قیاس سب کے خلاف ہے۔ یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ کیا صرف حضرت سفینہ رضؓ کو ہی خلافت جیسے اہم مسئلے کا جمہور صحابہ رضؓ سے ہٹ کر کوئی مخصوص علم دیا گیا تھا کہ خلافت تیس برس تک رہے گی[1]

---

[1] میں نے اپنے رسالہ "مشکوٰۃ المصابیح جلد ۳ کے فوائد غزنویہ پر ایک نظر" میں اس موضوع پر تفصیلی بحث

پھر یہ حدیث بیان کرنے سے کیا بہتر نہیں تھا کہ وہ خود حضرت معاویہ رضؓ کو کہتے کہ تم خلیفہ نہیں ہو اس لیے تمہیں اللہ اور رسولؐ کی بیعت لینے کا حق حاصل نہیں عقلاً و نقلاً روایتاً و درایتاً غرضیکہ کسی صورت میں باور نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت سفینہ رضؓ نے یہ لفظ کہے ہوں رفض کی ہمنوائی میں حدیث سفینہؓ کو تو خوب اچھالا گیا۔ جو روایت و درایت دونوں طرق سے قابل حجت نہیں مگر سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضؓ کی روایت کا کہیں ذکر نہیں۔

عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال تدور رحی الاسلام بخمسین وثلاثین او سبع وثلاثین فان یھلکوا فسبیل من ھلک وان یقم لھم دینھم یقم بھم سبعین عاماً قلت ایھما قلت ایھما بقی او مما مضیٰ قال مما مضیٰ۔

عبد اللہ بن مسعود رضؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی علیہ السلام سے روایت کی فرمایا نبی علیہ السلام نے پھرتی رہے گی چکی دین اسلام کی پینتیس سال یا چھتیس سال یا سینتیس سال پس اگر ہلاک ہوں پس ان کا راستہ ہے ہلاکت کا اور اگر دین کا کاروبار ان کے لیے مضبوط ہو جائے تو ستر برس تک رہے گا۔ کہا میں نے ستر برس اس وقت سے ہیں کہ باقی رہے گا اس وقت سے کہ گزرا فرمایا تمام ہو گا ابتدا اس وقت سے کہ گزرا۔ (ابوداؤد)

اس حدیث کے واضح طور پر تین حصے ہیں۔ پہلا حصہ ۳۵-۳۶ یا ۳۷ سال کا جو نبی علیہ السلام کے معاہدہ یہود سے شروع ہوا یعنی جب اسلامی سٹیٹ کی بنیاد رکھی گئی اور شہادت ذوالنورین رضؓ پر ختم ہو گیا۔ دوسرا دور فَاِنْ یُّھْلِکُوْا فَسَبِیْلُ مَنْ ھَلَکَ یہ دور سیدنا علی رضؓ کی برائے نام خلافت کا دور ہے اور تیسرا دور وَاِنْ یَّقُمْ لَھُمْ دِیْنُھُمْ یَقُمْ لَھُمْ سَبْعِیْنَ عَامًا یہ دور سیدنا معاویہ رضؓ کی خلافت سے شروع ہو کر ۱۰۵ھ ہشام تک پہنچا یہاں ایک بات اور ذہن میں رکھیے اَلْخِلَافَۃُ بِالْمَدِیْنَۃِ سیدنا ذوالنورین رضؓ پر ختم اور وَالْمُلْکُ بِالشَّامِ سیدنا معاویہ سے شروع۔ سیدنا علی رضؓ تو کوفہ میں تھے اس روایت کو ان روایات سے ملا کر دیکھیے جن کا مفہوم اس قسم کا ہے یعنی اکثر مواقع پر نبی علیہ السلام نے فرمایا: میں نے ابوبکرؓ عمرؓ اور عثمانؓ نے فلاں کام کیا۔

سیدنا معاویہ رضؓ کا صحابی اور مجتہد ہونا مسلم ہے آپ نے بیس سال تک خلافت کا منصب سنبھالے رکھا اور ہمیں کسی مقام پر ان کے دور خلافت میں یہ جھول نظر نہیں

آتی کہ ان سے کسی ایک فرد نے کسی ایک امر میں کسی ایک مقام پر بھی اختلاف کیا ہو جبکہ یہ نظر آتا ہے کہ جمل و صفین کے معرکوں کے بعد جو خلا پیدا ہو گیا تھا اس کو کس طرح آپ نے پُر کیا۔ خوارج جو حضرت علی رض کی شہادت کا موجب بنے تھے انہیں کس طرح حضرت معاویہ رض نے ختم کیا۔ تاریخ اسلام کا یہ دورِ امن، فارغ البالی، خوشحالی، آزادی رائے میں اپنی مثال آپ تھا۔ حتیٰ کہ حضرت عقیل رض نے اپنے سگے بھائی حضرت علی رض کا ساتھ چھوڑ کر آپ کی مصاحبت قبول کر لی تھی۔ سیدنا حسین رض سیدنا عبداللہ بن جعفر رض سیدنا عبداللہ بن عباس رض سیدنا محمد بن علی رض بن ابی طالب اور دیگر اجلّہ صحابہ دمشق جاتے رہتے تھے اور مہینوں وہاں قیام کرتے تھے۔

یہاں بعض اذہان نے افضل و مفضول کا مسئلہ تخلیق کر کے اس بحث کا ایک اور انداز میں ذکر شروع کرنے کی طرح ڈالی مگر ان عقل اور دیانت سے محروم لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ سیدنا علی رض اگرچہ بے مثل عالم عارف، زاہد اور فقیہہ ہونے کے علاوہ شجاعت، سخاوت، عزیمت، خطابت اور جوانمردی میں ایک خاص مقام رکھتے تھے مگر یہ تمام مناقب و فضائل اور اخلاقی مکارم ان کی ذات تک ہی محدود رہے اس لیے آپ کی بیعت کے وقت جن لوگوں کی اکثریت آپ کے گرد جمع ہوئی تھی وہ ایسے لوگ تھے جن کے کردار، جن کے اخلاق، جن کی ذہنیتیں نہایت گھٹیا تھیں وہ لوگ خون عثمان رض میں اپنے ہاتھ رنگ چکے تھے ان کے پیش نظر حضرت علی رض کی آڑ میں اُمت کو تباہ و برباد کرنا تھا اور جو واقعی مخلص تھے ان کی رائے دب کر رہ گئی اور یہی وجہ تھی کہ سگا بھائی ساتھ چھوڑ کر الگ ہو گیا تھا۔ بخلاف آپ رض کے حضرت امیر معاویہ رض کی پشت پر ایسی طاقت تھی جو مخالف اور تباہ کن تحریکوں کو سر اٹھانے سے پہلے ہی اس کا سر کچل دینے کی طاقت اپنے اندر رکھتی تھی۔

جو لوگ حضرت علی رض کی شہادت کا موجب بنے جن لوگوں نے چھ ماہ کی قلیل مدت میں حضرت حسن رض کو خلع خلافت پر مجبور کیا۔ وہی لوگ حضرت معاویہ رض کی خلافت کے پرچم کے نیچے آتے ہی تمام چوکڑیاں بھول گئے۔

حضرت امیر معاویہ رض نے بڑی دور اندیشی، عقل مندی اور فراست سے تمام حالات کا جائزہ لے کر ہی امیر یزید رح کی ولی عہدی کی بیعت لی اور جن لوگوں نے حضرت امیر معاویہ رض کے ہاتھ پر بیعت کی تھی انہوں نے بصدقِ دل امیر یزید کی ولی عہدی کو قبول کیا۔

بے شک سیدنا سعد رض ابن وقاص یا حضرت عبداللہ بن عمر رض یا حضرت عبداللہ بن عباس رض کو بھی نامزد کیا جا سکتا تھا مگر انہوں نے خود برضا و رغبت امیر یزید رح کی ولیعہدی کو قبول کر لیا۔ تو دوسروں کو اس میں کلام کرنے کا کیا حق ہے۔

بیس سال کی کامیاب خلافت کے بعد امیر معاویہ رض کا انتقال ہو گیا اور امیر یزید رح خلیفہ بنے آپ مخالف و موافق تاریخوں کے تمام کونے کھدرے کھنگا لیئے اور ایڑی چوٹی کا زور لگا کر دیکھ لیجئے آپ کو صرف دو اشخاص کے علاوہ ایک فرد نظر نہیں آئے گا جس نے امیر یزید رح کے ہاتھ پر بیعت نہ کی ہو اور ان دونوں نے بھی بیعت سے اس وقت صرف توقف کیا خود مدعی خلافت بعد میں ہوئے اور دونوں یعنی عبداللہ بن زبیر رض اور حسین بن علی رض کعبہ شریف میں پناہ گزین ہو کر بیٹھ گئے۔

(حضرت امیر یزید رح کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے کبار صحابہ کے اسماء گرامی اپنے مقام پر آئیں گے)

یہ ہے خلافت امیر یزید رح کی اصل صورت حال جسے جبر و زور کہا جائے یا سیاسی چال، مکر و فریب کہا جائے یا لالچ و تحریص لیکن قانوناً اور شرعاً اجماع تھا اور ان لوگوں کا اجماع تھا جنہیں اللہ تعالیٰ نے بہترین جماعت قرار دیا اور زمین پر اپنا گواہ بنایا اور فرمایا؛

أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ

اور یہ وہ لوگ تھے جو اپنی اخلاقی جرأت، ایمانی جوش، ثباتِ قلب، سیاسی اور ملی حمیت میں انسانیت کی ان اعلیٰ اقدار کے مالک تھے کہ معمولی سی وجہ سے امیر المومنین حضرت علی رض کی خلافت پر مجتمع نہ ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رض جیسے عابد اشجع علم و ادب کے آفتاب پیکر شجاعت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دہن سے سیراب کا ساتھ دینے سے الگ ہو گئے۔

انہیں امیر یزید رح کی ایسی کس ہیبت نے مرعوب کیا کہ وہ اپنی تمام دینی استقامت سے دستبردار ہو کر اسے خلیفۃ المومنین ماننے پر تیار ہو گئے پھر امارت یزید رح اور آپ کی ولی عہدی کے درمیان دنوں یا مہینوں کا فاصلہ نہیں بلکہ پورے دس سال کا طویل زمانہ ہے تمام اُمت جانتی تھی کہ ہمارے ہونے والے خلیفہ یہی امیر یزید ہیں مگر کامل دس سال سب کے سب خاموش رہے۔ اور انہیں اس وقت امیر یزید رح میں شراب نوشی اور زناکاری

اور دیگر فسق و فجور کا شمہ بھر نظر نہ آیا۔

اب کس شرعی یا عقلی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ امیر یزید کی خلافت پر تمام امت کا اجماع نہیں ہوا تھا۔ ہمعصر اکابرین ملت انہیں نہایت ناہد، صوم و صلوٰۃ کا پابند شجاع ترین خلیفہ، علم و عمل کا پیکر، اخلاص و ایثار کا منبع جانتے اور سمجھتے تھے۔

سیدنا ابن عباس رح صلوات اللہ علیہ نے امیر یزیدؒ کے خلیفہ ہونے کے وقت حضرت امیر معاویہ رضؓ کے لیے دعا مغفرت کی اور فرمایا۔

"ان کے فرزند (یعنی یزیدؒ) ان کے گھر کے صالح افراد میں سے ہیں آپ لوگ اپنی جگہ پر بیٹھے رہیں اور اپنی اطاعت اور بیعت پر مستقیم رہیں۔"

(الانساب والاشراف بلاذری)

بلاذری المتوکل علی اللہ اور دیگر عباسی خلفاء کے ندیموں میں سے تھے اور عباسی خلفاء کے سامنے انہوں نے امیر یزید کو امیر المومنین کے لقب سے ہی اپنی کتاب میں ذکر کیا مگر کسی عباسی خلیفہ نے انہیں نہ ٹوکا۔

حضرت نافع سے روایت ہے کہ جب اہل مدینہ کے چند افراد نے امیر یزیدؒ کی بیعت توڑ دی تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضؓ نے اپنے متعلقین اور فرزندوں کو جمع کر کے فرمایا میں نے نبی علیہ السلام سے یہ سنا ہے کہ قیامت کے دن ہر غدر کرنے والے کے لیے ایک جھنڈا ہو گا۔ ہم نے اس شخص (یزیدؒ) سے خدا اور رسول کی بیعت کی ہے اور مجھے اس سے بڑا کوئی غدر نظر نہیں آتا کہ ہم ایک شخص سے اللہ اور اس کے رسول کی بیعت کریں اور پھر اس کے خلاف لڑنے کھڑے ہو جائیں۔ اگر مجھے معلوم ہوا کہ تم میں سے کسی نے اس کی بیعت توڑ لی ہے یا ہنگامہ میں کوئی حصہ لیا ہے تو پھر میرا اور اس کا کوئی تعلق نہیں رہے گا (صحیح بخاری کتاب الفتن)

حضرت عبد اللہ بن زبیر رضؓ کے داعی عبد اللہ بن مطیع اپنے ساتھیوں کے ساتھ محمد بن علی رضؓ بن ابوطالب المعروف بابن الحنفیہ کے پاس گئے اور کہا کہ یزیدؒ شراب پیتا ہے نماز نہیں پڑھتا کتاب اللہ کے احکام کی پیروی نہیں کرتا آپ اس کی بیعت توڑ کر حضرت عبد اللہ بن زبیر رضؓ کا ساتھ دیں تو آپ نے فرمایا کہ:

میں کافی عرصہ امیر یزیدؒ کے ساتھ رہا ہوں۔ میں نے ان میں ایسی کوئی بات نہیں

دیکھی میں نے انہیں ہمیشہ نماز کا پابند۔ خیر کا متلاشی۔ فقہ کا سائل اور سنّت کا متبّع پایا ہے عبد اللہ بن مطیع رضؓ نے جواب دیا کہ وہ صرف آپ کو دکھانے کے لیے ایسا کرتے تھے تو محمد ابن حنیفہ نے فرمایا انہیں مجھ سے کیا خوف تھا جو وہ میرے سامنے بندگی کا اظہار کرتے تم جو شراب کی بات کرتے ہو کیا انہوں نے تمہارے سامنے پی ہے اور تم خاموش رہے تو تم بھی اس گناہ میں برابر کے شریک ٹھہرے اور اگر چھپا کر پی ہے تو جس بات کا تمہیں علم نہیں اس کا بیان کرنا جائز نہیں یہ طویل گفتگو البدایہ والنہایہ ۸ : ۲۳۳ اور العواصم والقواصم میں موجود ہے اور اس بات کو بھی ذہن میں رکھیئے کہ "محمد بن علی بن حسین رضؓ کے بھائی اور یزید حسین کا مفروضہ قاتل۔"

بالکل یہی موقف تمام بنو ہاشم کا تھا۔ سیدنا علیؓ (زین العابدین) جو سیدنا حسین رضؓ کے وارث اور ولی الدم تھے سیدنا زید بن حسن رضؓ سیدنا حسن المثنیٰ رضؓ بن حسن رضؓ جو کہ کربلا میں موجود تھے ان سب نے امیر المومنین یزیدؒ کو اپنا بزرگ اور مربّی سمجھا۔ ان کی بیعت پر مستقیم رہے اہل مدینہ کی بغاوت کی خبر سب سے پہلے انہوں نے امیر المومنین کو دی تو ابون اور مختار ثقفی سے کوئی تعلق نہ رکھا سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضؓ کا ساتھ نہ دیا سیدنا علی زین العابدین رضؓ نے کربلا کا تمام واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اگر وہ امیر یزیدؒ کو اپنے والد کا قاتل سمجھتے تو ایسا ہرگز نہ کرتے۔

ان کے علاوہ سیدنا عمر بن علی بن ابی طالب سیدنا عبد اللہ بن جعفر رضؓ بن ابی طالب سیدہ زینب رضؓ کے شوہر سیدنا عبد اللہ بن جعفر رضؓ بلکہ سب بنو ہاشم امیر یزیدؒ کی بیعت میں تھے اور آخر تک سبائیوں کی فتنہ انگیزیوں سے الگ تھلگ رہے بلکہ ایک موقع پر سیدنا حسن المثنیٰ بن سیدنا حسن بن سیدنا علی رضؓ نے ایک رافضی سبائی کو کہا کہ بخدا اگر اللہ نے ہم کو تم پر قابو کا موقع دیا تو ہم تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالیں گے اور تمہاری توبہ قبول نہیں کریں گے (امام ابن عساکر ۴ : ۱۶۵ منقول از العواصم من القواصم حاشیہ ص۱۸۵)

بلکہ سیدہ زینبؓ نے مدینہ کی نسبت اپنے اس نیک طبع داماد کے ہاں باقی زندگی گزار کر داعی اجل کو دمشق میں ہی لبیک کہا ان کا مزار آج تک دمشق میں موجود ہے۔

امیر یزیدؒ سیدنا عبد اللہ ابن جعفر کے داماد تھے۔ سیدنا عبد اللہ کی دختر کا نام ام محمد تھا جو سیدہ زینبؓ کی سوتیلی بیٹی تھیں۔ بلکہ قرائن اس بات کے موید ہیں کہ وہ سیدہ

زینبؓ کی سگی بیٹی تھیں۔

غرضیکہ امیر یزیدؒ کی خلافت پر اجماع امت نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ آپ خلیفہ برحق تھے اور اسی وجہ سے وہ تمام تحریکیں جو بنو امیہ کے خلاف وقتاً فوقتاً ابھرتی رہیں ظاہراً باطناً ہر طرح سے ناکام رہیں۔

اور یہ تحریکیں کیوں فنا نہ ہوتیں جبکہ اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے کہ:

اے ایمان والو! تابعداری کرو اللہ کی اور تابعداری کرو رسول کی اور ان کی تابعداری کرو) جو تم میں حکم والے ہیں۔

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر مسلم شخص پر امیر کی بات سننی اور اطاعت کرنی واجب ہے۔ حکم اُسے پسند ہو یا ناپسند بشرطیکہ معصیت کا حکم نہ ہو اگر معصیت کا حکم دیا جائے تو پھر نہ سننا ہے نہ اطاعت کرنا۔

(رواہ احمد عن عبداللہ بن عمرؓ)

جس نے اطاعت کا عہد کرنے کے بعد توڑ دیا تو اللہ کے سامنے اس طرح حاضر ہوگا کہ اس کے پاس کوئی حجت نہیں ہوگی اور جو ایسی حالت میں مرگیا کہ اس کی گردن میں بیعت نہ ہو تو جاہلیت کی موت مرا۔

(رواہ مسلم عن عبداللہ بن عمرؓ)

غرضیکہ اس قسم کی تصریحات کا احاطہ ایک طویل وقت کا مقتضی ہے۔

افسوس کہ سیدنا حسین رضؓ کوفیوں کے چکمہ میں آکر مکہ سے روانہ ہوئے مگر حقیقت حال کے انکشاف کے بعد جب مقام کربلا میں فرمایا کہ مجھے اپنے ابن عم (امیر یزید) کے پاس جانے دو تو جو کوفیوں کے وفد کے لوگ آپ کے ساتھ تھے انہوں نے حضرت حسینؓ کے اس اقدام میں اپنی موت کے سائے لہراتے دیکھ کر آپس میں فیصلہ کیا کہ ہمارے بچاؤ کی صرف ایک یہی صورت ہے کہ حسینؓ کو ختم کر دیا جائے اور اپنے فیصلہ کے مطابق حضرت حسینؓ پر ہلہ بول دیا امیر سعد نے یہ ہڑبونگ دیکھی تو لشکر لے کر پہنچ گئے مگر حسین رضؓ معہ اپنے چند خاندان والوں کے شہید ہو چکے تھے غدار کوفی امیر ابن سعد کے ہاتھوں دراصل واصل بجہنم ہو گئے مگر آج تک کئی خود ساختہ مجدد اور مجتہدان بدباطن اور کذاب رافضیوں کی روایات کے بل بوتے پر امیر یزیدؒ کو حضرت حسینؓ کا قاتل گردان کر انہیں جہنمی بنانے کی فکر میں

اپنے آپ کو جہنم کا ایندھن بنانے کا سامان کر رہے ہیں۔

امیر یزیدؒ کی وفات کے بعد سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ پر بھی انعقاد خلافت نہ ہو سکا۔ اور مرج راہط میں امیر مروان خلیفہ منتخب ہو گئے اور یہ سلسلہ خلافت سلطان عبدالحمید عثمانی تک چلتا رہا۔ یہاں تک کہ اسی یہودی سازش کے ہاتھوں خلافت کا خاتمہ ہوا[1]

---

[1] آج ہر بصیرت سے کورا دیانت سے عاری، بظاہر علم و تحقیق کا مدعی مگر بہ باطن ضد اور عصبیت کا شکار یہی رٹ لگائے جا رہا ہے کہ ظالم یزیدؒ کے ہاتھوں مظلوم حسین شہید کر دیئے گئے۔ کیا کبھی اس طرف بھی کسی نے غور کیا کہ حضرت حسین رضؓ ۹، ۱۰ ذی الحجہ کو مکہ سے روانہ ہو کر ۹ صد میل کا فاصلہ طے کر کے کس طرح یکم محرم کو کربلا پہنچے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے یہ سفر تیس دن میں طے کیا اور ۹ محرم کو کربلا پہنچے۔ اگر آپ کی روانگی کے بعد مکہ کے گورنر نے امیر یزید کو اطلاع دی تو مکہ سے دمشق کا سفر ۱۲۸۰ میل کا ہے جو ۳۷ دن میں قاصد نے طے کیا۔ پھر امیر یزیدؒ کا حکم لے کر قاصد نے دمشق سے کوفہ کا ۴۴۰ میل کا سفر ۱۳ دن میں طے کیا پھر کوفہ سے ایک دن میں کربلا پہنچا۔ اس حساب سے سفر میں اس کے ۵۰ دن صرف ہوئے جس سے صاف یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ حضرت حسینؓ قاصد کے کربلا پہنچنے سے ۲۰ دن پہلے شہید ہو چکے تھے۔ اور قاصد کے کربلا پہنچنے سے ۷ دن پہلے حضرت حسینؓ کا کنبہ چار سو چالیس میل کا سفر کر کے دمشق پہنچ چکا تھا۔ اس زمانہ میں سفر کی منزلیں مقرر تھیں۔ منزل سے ادھر یا ادھر جنگلوں یا صحراؤں میں قیام کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ حضور نبی کریمؐ نے جمعرات ۱۳ ستمبر مکہ سے ہجرت فرمائی تھی اور ۲۴ ستمبر سوموار کو مدینہ میں نزول اجلال فرمایا تین دن غار ثور کے نکال کر باقی سفر وہی ۳۰/۳۲ میل کا بنتا ہے مگر چند مجہول رافضیوں کی وضعی روایات نے آج بڑے بڑے نابغہ عصر کے ذہنوں کو تلپٹ کر کے رکھ دیا ہے۔

اسی طرح اس امر کی طرف بھی غور کیجیئے کہ آج ہر شخص حضرت حسینؓ کے ساتھیوں کی تعداد ۷۲ بیان کرتا ہے مگر مشہور شیعہ فاضل آل محمد بحوالہ ملائے مجلسی محمد حسن قزدینی اور صاحب تمقام اپنی مشہور تصنیف تصویر کربلا میں ۱۴۵ افراد کے نام لکھتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ان میں سے ۹ زندہ بچ گئے تھے مشہور شیعہ مورخ مسعودی پانسو سوار اور اس سے زیادہ بیان کرتا ہے ابوالقاسم زیدی ہزار سوار سو پیادے اور پچاس دکاندار بیان کرتا ہے۔ ملا مجلسی کا بیان ہے کہ اس روز ۳۲ نفر ابن سعد کے لشکر سے کٹ کر حضرت حسینؓ کے ساتھ آکر مل گئے تھے

ملخص تصویر کربلا۔ منازل کی تفصیل کیلیئے ملاحظہ ہو خلافت معاویہؓ ویزیدؒ علامہ محمود احمد عباسی)

اس موضوع پر راقم کی تالیف واقعہ کربلا میں تفصیلی بحث تھی جو حکومت سرحد اور پنجاب کے حکم سے ضبط ہو چکی ہے۔

پہلا باب

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ

کے

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

حضرت عیسیٰ کو گزرے چھ صدیاں گزر چکی ہیں۔ عیسائیت تثلیثی شکنجہ میں کسی جا چکی ہے۔ یہودیت بھی عزیرعؑ کو خدا کا بیٹا کہہ رہی ہے۔ ہندوستان میں ۳۳ کروڑ دیوی اور دیوتاؤں کے علاوہ ہر کنکر شنکر ہے۔ جزیرہ نما عرب میں ہر قبیلہ کا بت الگ ہے۔ اس سطح ارضی پہ انسان بتوں کی بھینٹ چڑھائے جاتے ہیں۔ لڑکیاں زندہ درگور کی جا رہی ہیں۔ سوتیلی ماؤں کو گھروں میں ڈالا جا رہا ہے۔ حقیقی بیٹیوں اور بہنوں سے حرم خانے آباد کیے جا رہے ہیں انسان انسانوں کو جانوروں کی طرح بیچتے اور خریدتے ہیں۔ غرضیکہ معلوم دنیا میں ایک اللہ کا نام لینے والا ایک متنفس بھی موجود نہیں۔

ریگ زار حجاز کا مرکزی مقام مکہ ہے جس میں بیت اللہ ہے مگر اس میں بھی تین سو ساٹھ "معبود" براجمان ہیں، کفر، شرک، زنا کاری، مے خواری، جوا، ڈاکہ زنی، غارت گری قتل وغارت سے کرہ ارضی ڈانواں ڈول ہو رہا ہے کہ اچانک چشم فلک دیکھتی ہے کہ مکہ کے بازاروں گلیوں، خانہ کعبہ کے صحن اور کبھی کبھی کسی مجلس میں ایک نوجوان نمودار ہوتا ہے وہ سب سے نرالا ہے سب سے الگ تھلگ رہتا ہے۔ سب لوگ اپنے آپ کو اسکی تعظیم کرنے پر مجبور پاتے ہیں۔ کیونکہ وہ یتیموں کا ہمدرد ہے۔ غلاموں کا سہارا ہے۔ بیواؤں کا آسرا ہے۔ بھوکوں کو کھانا کھلاتا ہے۔ مسافروں کی خبر گیری کرتا ہے۔ بات کا سچا اور قول کا پکا ہے۔ اکثر لوگ اس کا اصلی نام تک بھول چکے ہیں۔ بلکہ صرف صادق اور امین کے نام سے جانتے اور پہچانتے ہیں۔ اسے کنواری لڑکیوں سے بھی زیادہ شرم وحیاء کا پتلا سمجھتے ہیں۔

مگر چالیس سال کا طویل دور گزارنے کے بعد وہ یک لخت لوگوں کی نظروں میں ایک خطرہ بن جاتا ہے۔ اس کی دشمنی صرف مکہ تک محدود نہیں بلکہ وہ پورے عرب معاشرہ کی دشمنی مول لے چکا ہے۔ پوری قوم، پورا معاشرہ۔ پورا شہر بلکہ پورا ملک زہر آلود کنچلیاں نکال کر اس پر اُمڈ پڑتا ہے۔

وہ کیا کہتا ہے؟ کیوں کہتا ہے؟ یہ بات سمجھنے کی ضرورت نہیں۔ اس کی دشمنی کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ان کے خود ساختہ خداؤں کو بُرا کہتا ہے اور ایک ان دیکھے خدا کی پرستش کا حکم دیتا ہے، گھروں میں، مجلسوں میں، بازاروں میں گلیوں میں جہاں بھی دو چار آدمی اکٹھے ہوتے ہیں موضوع سخن صرف ایک ہے کہ محمدؐ کو ختم کر دیا جائے یہ ہمارے بتوں کو بُرا کہتا ہے۔ ان حالات میں کسی طرف سے حمایت ومدد یا نصرت وتائید کی آواز کا بلند کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے مگر اس حالت میں بھی چند سائے ابھر کر اس انسان اکمل کی طرف لپکتے ہیں۔ اور اس کی ہر بات پر آمنا وصدقنا کہتے ہوئے اس کے ہر قول کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ ان کی یہ حرکت کفر کی برداشت سے باہر ہے اور وہ اپنے پورے تعذیبی حربوں سے ان پر ٹوٹ پڑتا ہے۔

اس کے ان ساتھ دینے والوں کو گھنٹوں اور پہروں نیزوں کی انیوں سے کچوکے دے دے کر شہید کیا جاتا ہے۔ ماؤں سے بچے چھینے جاتے ہیں۔ خاوندوں سے عورتیں الگ کی جاتی ہیں ان کی جائیدادیں چھین لی جاتی ہیں۔ انہیں مادر زاد ننگا کر کے شہر بدر کیا جاتا ہے ان کے جسموں پر خنجر کی نوکوں سے خراشیں لگائی جاتی ہیں مگر ان تمام تعذیبی شکنجوں میں جکڑے ہوئے ہونے کے باوجود ان کے عزم وثبات میں کوئی فرق نہ آتا۔

حضرت یاسرؓ۔ حضرت عمارؓ، حضرت سمیہؓ۔ حضرت زنیرہؓ، حضرت نہیرہؓ، حضرت بلالؓ، حضرت خباب بن ارتؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عثمان بن عفانؓ۔ حضرت سالمؓ، حضرت زید بن حباب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تعذیبی واقعات پڑھ کر آج بھی جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے چند تو ان غیر انسانی اذیتوں اور عقوبتوں کی تاب نہ لا کر انہیں تعذیبی شکنجوں میں کسے ہوئے ہی فردوس بریں کو سدھار گئے اور زندہ بچنے والوں میں سے بعض کو اگر غیر انسانی سزاؤں کی یاد بھی آجاتی تھی تو بے ہوش ہو جاتے تھے۔

اور پھر جب انہوں نے مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں قیام کیا تو کفر نے "بدر" "احد" اور "خندق" میں ان کو صفحہ ہستی سے ملیامیٹ کرنے کا پورا زور لگایا۔ مگر یہ وہاں سے بھی کندن بن کر نکلے۔

ایک مسلمان کی کشمکش حیات کا مقصد صرف اور صرف اس قدر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرے تخلیق انسانی کا مقصد، عبادت کی غرض وغایت اور اسلام کا مدعا یہی تھا کہ نبی علیہ السلام جس تعلیم کو لے کر تشریف فرما ہوئے تھے اس کا آخری سبق یہی تھا۔ اور صحابہ کرامؓ اس تمام معیار پر پورے اترے اور اس مقصد کی تکمیل میں انہوں نے وہ سب کچھ کر دکھایا جس کے بعد اس کا کوئی مقام نہیں۔

رحمۃ للعالمینؐ دیکھتے ہیں کہ

"آل یاسرؓ عذاب کے شکنجے میں کسے ہوئے ہیں آپ (صلے اللہ علیہ وسلم) پاس سے گزرتے ہیں مگر ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے اور صرف اس قدر فرما کر رہ جاتے ہیں کہ آل یاسر تمہیں جنت کی بشارت ہو۔"

مگر وہ مظلوم ان حالات میں بھی آگے بڑھتے ہیں اور بڑھتے چلے جاتے ہیں ہر مصیبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں ہر آزمائش کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہیں۔ اہل مکہ کے ہر ظلم و ستم کو برضا و رغبت قبول کرتے ہیں۔ ہر طرح سے ستائے جاتے ہیں۔ انہیں کوڑوں سے ضربیں لگائی جاتی ہیں۔ انہیں دہکتے انگاروں پر لٹایا جاتا ہے۔ انہیں زنجیروں میں باندھ کر تپتی زمینوں پر لٹایا جاتا ہے۔ تختہ دار پر کھینچا جاتا ہے۔ غرضیکہ ان کے ساتھ ہر وہ سلوک کیا جاتا ہے جو ظلم کے عنوان سے ایک انسان تصور کر سکتا ہے۔ مگر ان تمام تعذیبی حربوں نے ان تمام آزمائشوں نے انہیں راہ حق سے شمہ بھر بھی ادھر ادھر نہ کیا۔ ان صاحبان "عزم و استقلال" نے کسی ترہیب کسی تحریص کسی ترغیب اور کسی تخویف سے داعی برحق کی مفارقت گوارا نہ کی اور آپؐ کی معیت و مصاحبت کو ترک نہ کیا۔

یہ معیت و مصاحبت محض تعلق کی بنا پر نہ تھی بلکہ عشق و محبت کے آخری نقاط سے بھی آگے بڑھی ہوئی تھی۔

کائنات کا ذرہ ذرہ گواہ ہے کہ وہ لوگ بیس سال سے زائد زمانہ تک مختلف قسم کی نت نئی

مصیبتوں، اذیتوں، بلاؤں اور آفتوں کا نشانہ بنے رہے مگر اُف تک نہ کی اور اپنے ہادی، اپنے رہنما، اپنے قائد، اپنے محبوب، اپنے سالار اپنے محسن کا ساتھ نہ چھوڑا۔

یہ لوگ آگے چل کر اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب سے ملقب ہوئے اور یہ وہ سعادت ہے جو مقام نبوت کے بعد تمام سعادتوں کا حرف آخر اور نقطہ انجام ہے۔

صحابہ اصحابی کی جمع ہے۔ صحابی کے لفظی معنی ساتھی اور رفیق کے ہیں اور اصطلاحاً صحابہ سے وہ نفوس قدسیہ مراد ہیں جنہوں نے نبی علیہ السلام کی رفاقت اور محبت اختیار کی اسلام میں اصطلاحی حیثیت سے ہر اس شخص کو صحابی کہتے ہیں جس نے حالتِ اسلام میں نبی علیہ السلام کی زیارت کی۔

صحابہ کرامؓ کا وجود اس سطح ارضی پر اپنی مثال آپ تھا نہ اس سے پہلے کوئی گروہ اس قسم کا پیدا ہوا اور نہ قیامت تک ہوگا۔

نبی علیہ السلام جس دین کو لے کر آئے تھے صحابہ کرامؓ نے نہ صرف اسے قبول کیا بلکہ اسے چاردانگ عالم میں قائم و نافذ کرنے کے لیے سب کچھ قربان کر دیا۔ سطح ارضی پر پیغمبران علیہم السلام کے بعد تمام کائنات میں پاکیزہ تر، اعلیٰ تر، ممتاز تر، افضل تر یہی جماعت تھی یہ نفوس قدسیہ روشنی کے مینار۔ پہاڑی کے چراغ۔ اقوام عالم کے رہنما اور فاتح تھے کسی انسان کے لیے جو اعلیٰ سے اعلیٰ معیار مقرر کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ کا کردار اس معیار سے بھی ہزار گنا بلند تھا۔ ان کی زندگی کا ہر گوشہ ان کی سیرت کا ہر لمحہ ان کے کردار کی ہر کروٹ سب کے سب مثالی حیثیت کے حامل تھے خواہ اس کا تعلق معاشرت سے ہو یا معاملات سے سیاست سے ہو یا عبادات سے۔ اسلام لانے سے پہلے ان میں بڑے بڑے ثروت مند تاجر بھی تھے اور بھیڑ بکریوں کی طرح بکنے والے غلام بھی، ذی وجاہت اور ذی عزت مقام کے حامل بھی تھے اور گمنام مزدور بھی۔ رستم و اسفندیار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے والے بھی تھے اور اپنے سایہ سے بدکنے والے بھی۔ مگر جب حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو سب ایک صف میں کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے ورثہ میں پائی ہوئی کسی خوبی کا کسی مقام پر ذکر تک نہ کیا۔ انہیں اگر فخر تھا تو صرف اس بات کا کہ ہم محمدؐ کے غلام ہیں۔ خاتم النبیینؐ کی رفاقت کی سعادت نے انہیں قرآن مجید کا اولین مخاطب بنایا۔ ان میں سے بعض کو اسی دنیا میں جنت کی بشارت سے سرفراز فرمایا۔

ان پاکباز ہستیوں نے ایک لمحہ کے لیے بھی نبی علیہ السلام کی رفاقت کو چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ ان کے پیشِ نظر قرآن کا یہ ارشاد تھا۔

اے نبی کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز و اقارب اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمہارے وہ گھر جو تمہیں پسند ہیں تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ کی جدوجہد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے (توبہ)

صحابہ کرام رض کو حضورؐ سے جو محبت تھی وہ اپنے ماں باپ بھائی بہن اعزہ و اقارب بلکہ دنیا کے تمام رشتوں سے زیادہ تھی وہ اس بات کو گوارا کرنا تو بڑی بات ہے اس کا تصوّر تک نہ کر سکتے تھے کہ حضور کو ایک کانٹا بھی چُبھے۔ وہ اس کے بدلے میں اپنی جان تک پروانہ وار نثار کرنے کے لیے تیار ہو جاتے تھے۔ صحابہ کا یہ عشق ہمہ گیر تھا۔ آپؐ کی خاطر تکلیفیں اٹھائیں۔ آپؐ کے لیے ہجرتیں کیں اور زندگی کے ہر مرحلے میں آپؐ کے دوش بدوش چلے۔ انہوں نے اس صداقت کو پا لیا تھا اور ان کو یہ حقیقت سمجھ آ گئی تھی کہ ہمارا سب کچھ اللہ کا ہے اور نبیؐ کا حکم اللہ کا حکم ہے، یہ دنیا اور اس کے لوازمات سب عارضی ہیں۔ ابدی اور حقیقی زندگی اُخروی ہے۔ اور اُخروی زندگی کی کامیابی کا انحصار نبیؐ کی جان نثاری۔ نبیؐ کی تابعداری، نبیؐ کی خوشی اور نبیؐ کی فرماں برداری پر منحصر ہے انہوں نے اس حقیقت کو جس طرح سمجھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تائید، حمایت، مدد اور دلجوئی کا پروانہ بدیں الفاظ ان کے حق میں جاری فرمایا اور ان کے لیے ابدی نجات کی سند بدیں الفاظ انہیں مرحمت فرمائی۔

جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑا اور جدوجہد کی اور جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی وہی سچے مومن ہیں۔ ان کے لیے خطاؤں سے درگزر ہے اور بہترین رزق ہے۔ اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کر کے آئے اور تمہارے ساتھ مل کر جدوجہد کرنے لگے وہ بھی تم میں شامل ہیں۔

(انفال)

جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے وہ افضل خلائق ہیں۔ ان کا بدلہ ان کے رب کے یہاں یہ ہے کہ بسنے والے باغ ہیں۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یہ (بدلہ) ملتا ہے (ہر) اس (شخص) کو جو اپنے رب سے ڈرتا ہے۔

(بیّنہ)

صحابہ کرام رض نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات پر ایمان لاتے ہوئے اپنا تن من دھن سب کچھ لٹا دیا اور یہ ساری متاعِ دنیا دراصل ہے بھی بے مایہ۔ اس مایہ کے مقابلہ میں جو انہیں ملا۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے ان کے نفس اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لیے وہ اللہ کی راہ میں لڑتے اور مارتے مرتے ہیں۔ ان سے جنت کا وعدہ) اللہ کے ذمہ ایک پختہ وعدہ ہے، توراۃ، انجیل اور قرآن میں اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہے۔ (توبہ)

بشارتوں پر بشارتوں کا نزول ہو رہا ہے۔

اے نبیؐ آپ کے لیے اور تابع فرمان مومنین کے لیے اللہ کافی ہے۔ (انفال)

لیکن رسولؐ اور جو ان کے ساتھ ایمان لائے (ان سب نے) اپنی جان و مال سے (خدا کی راہ میں) جہاد کیے۔ یہی لوگ ہیں جنکے لیے (دنیا اور آخرت کی سب) خوبیاں ہیں اور (آخرکار) یہی فلاح پانے والے ہیں۔ (توبہ)

اور مہاجرین میں سے جن لوگوں نے (اسلام قبول کرنے میں) سبقت کی اور سب سے پہلے (ایمان لائے) اور (نیز) وہ لوگ جو ان کے بعد خلوص نیت سے مسلمان ہوئے خدا ان سے خوش اور وہ خدا سے خوش اور خدا نے ان کے لیے (بہشت کے ایسے) باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اور یہ) ان میں ہمیشہ رہیں گے (اور) یہی بڑی کامیابی ہے۔ (توبہ)

(اے پیغمبرؐ) جب مسلمان ایک درخت کے نیچے تمہارے ہاتھ پر (لڑنے مرنے کی) بیعت کر رہے تھے خدا ان مسلمانوں سے خوش ہوا اور اس نے ان کی دلی عقیدت کو جان لیا اور ان کو اطمینان عنایت کیا اور انکو فتح دی (سورۂ فتح)

محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے لیے بڑے سخت ہیں (مگر) آپس میں رحم دل ہیں (اے مخاطب) تو ان کو رکوع کرتے سجدہ کرتے دیکھے گا (وہ) خدا کے فضل اور خوشنودی کے طلب گار ہیں۔ ان کی شناخت یہ ہے کہ ان کی پیشانیوں پر سجدوں کے نشان ہیں۔ ان کے یہی اوصاف تورات اور انجیل میں بھی ہیں اور وہ روز بروز ترقی کرتے جائیں گے جس طرح کھیتی کہ اس نے (پہلے زمین سے) سوئی نکالی پھر اس نے اس (سوئی) کو قوی کیا۔ چنانچہ وہ (رفتہ رفتہ) موٹی ہوئی۔ آخر کار اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہو گئی (اور اپنی ہریاول سے) کسانوں کو خوش کرنے لگی (اور خدا نے ان کو روزافزوں ترقی دی) اس لیے کہ (ان کی ترقی سے ترسا ترسا کر) کافروں کو جلائے۔ ان میں سے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان سے خدا نے مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا۔ (سورۃ الفتح)

تم (مسلمانوں) میں سے جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے پہلے (راہِ خدا میں مال) خرچ کیے اور (دشمنوں سے) لڑے۔ وہ (دوسرے مسلمانوں کے) برابر نہیں ہو سکتے۔ یہ لوگ درجے میں ان (مسلمانوں) سے بڑھ کر ہیں۔ جنہوں نے (فتح مکہ) کے پیچھے (مال) خرچ کیے اور لڑے اور اللہ نے سب سے حسنِ سلوک کا وعدہ کر رکھا ہے۔ (سورۃ الحدید)

بے شک جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے بھلائی ہے وہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے۔ (سورۃ الانبیاء)

(وہ مال جو بے لڑے ہاتھ لگا ہے منجملہ اور حقداروں کے) محتاجوں مہاجرین کا (بھی حق) ہے جو (کافروں کے ظلم سے) اپنے گھر اور مال سے بے دخل کر دیئے گئے (اور اب وہ) خدا کے فضل اور (اس کی) خوشنودی کی طلبگاری میں لگے ہیں۔ اور خدا اور اس کے رسول کی مدد کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہی لوگ سچے مسلمان ہیں۔ (سورۃ الحشر)

صحابہ کرامؓ کی نجی اور مجلسی زندگیاں بہت پاکیزہ تھیں۔ صحابہ کرام کے سوا دنیا کے کسی آدمی کو ہم مثال کے طور پر پیش نہیں کر سکتے۔ کہ اس کی ظاہری اور باطنی زندگی یکساں

تھی۔ متقون۔ مفلحون، فائزون۔ راشدون۔ شاکرون کے تمغوں کے براہِ راست وہی حامل تھے۔ کسی انفرادی نوعیت کے معاملہ میں یا کسی اجتماعی نوعیت کے معاملہ میں ان میں غفلت کوشی، سہل انگاری یا سُستی نے کبھی راہ نہیں پائی۔ ان کے قدم ہر آن ہر لحظہ، ہر وقت اور ہر مقام پر رب العالمین کی رضا جوئی اور خوشنودی کی طرف ہی بڑھتے رہے۔

صحابہ کرام رضؓ کے متعلق قرآن مجید کے چند اور ارشادات سے اپنے قلب و روح کو گرمایئے۔

اور جن لوگوں نے اللہ کے لیے ہجرت کی بعد اس کے کہ وہ ستائے گئے ضرور ہم ان کو دنیا میں اچھی جگہ دیں گے اور یقیناً آخرت کا ثواب بہت بڑا ہے کاش وہ اس کی تفصیل جانتے۔ (نحل)

لیکن اسلام کے لیے اپنی ان عظیم الشان اور عالی خدمات کے باوجود انہیں اس بات کا مطلق احساس نہ تھا کہ وہ بھی کچھ ہیں۔ سب کچھ قربان کرنے کے باوجود غرور، تکبر بڑائی کسی قسم کی دنیاوی حرص، آرزو اور خواہش کا ایک شمہ بھر بھی ان کے دلوں میں پیدا نہ ہوا۔ وہ خوب جانتے تھے کہ یہ سب کچھ جو ہم سے ہوا یا ہو رہا ہے ہماری کوششوں کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی توفیق کا نتیجہ ہے۔ وہ ہر لمحہ سہمے سہمے اور خوفزدہ رہتے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری کسی کوتاہی کی وجہ سے یہ ہماری حقیر سی خدمات قبول بارگاہ نہ ہو سکیں پھر وہ آخرت کے اجر کے ایسے حریص تھے کہ ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں ہمیں دنیا میں ہی ایسی نعمتیں نہ مل جائیں کہ وہاں خالی ہاتھ رہ جائیں۔ اسی بنا پر وہ ہر لمحہ استغفار میں گزارتے تاکہ اس جدوجہد میں بر بنائے بشریت جو لغزشیں ہو گئی ہوں ان کی تلافی ہو جائے وہ پکار اٹھتے:

مالک! ہم ایمان لائے۔ ہماری خطاؤں سے درگزر فرما۔ اور ہمیں آتش دوزخ سے بچالے۔ یہ لوگ صبر کرنے والے ہیں۔ راست باز ہیں۔ فرمانبردار اور فیاض ہیں۔ اور رات کی آخری گھڑیوں میں اللہ سے مغفرت کی دعائیں مانگا کرتے ہیں (آل عمران)

پس سیرت و کردار، حسنِ اعمال، ثبات و استقلال، ایثار و قربانی کا یہی وہ نمونہ ہے جس کے متعلق مخبر صادق صلعم نے فرمایا ہے کہ

"ان میں سے جس کی بھی تم پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔"

تعداد صحابہ رضؓ کے متعلق سیرت کی کتابوں میں معمولی سا اختلاف ہے مگر ایک لاکھ چوبیس ہزار

پر اکثر کا اتفاق ہے ۔ ان میں سے ۲۶۷۹ کے حالات تفصیلاً مختلف سیرت کی کتابوں میں ملتے ہیں ۔ اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے بھی کتاب الاصابہ فی تمیز الصحابہ میں ذکر کیا ہے۔

متعدد صحابہ کرام رضہ کے حق میں براہِ راست قرآن مجید نے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشنودی کا پیغام سنایا ہے۔ یہاں تک کہ صلح حدیبیہ کے وقت حضرت عثمان رضہ کے ہاتھ کو نبی علیہ السلام نے اپنا ہاتھ قرار دیا تو اللہ تعالیٰ نے یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ کے مژدۂ جانفزا سے اس کی تصدیق فرمائی۔

میں دل کی گہرائیوں سے رقت بھرے جذبات لے کر شیعہ اصحاب کے صاحب علم بزرگوں دوستوں اور بھائیوں کی خدمت میں عرض کروں گا کہ آخر کس چیز نے آپ کو اصحاب ثلاثہ رضہ کے سب و شتم پر آمادہ کیا۔ کیا سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی زبان مقدس سے آپ کوئی ایک واقعہ بھی ثبوت کے طور پر پیش کر سکتے ہیں کہ ان بزرگوں نے کسی مقام پر اصحاب ثلاثہ رضہ یا دیگر صحابہ کرام رضہ کے متعلق دشنام طرازی تو درکنار کبیدہ خاطری کا ہی اظہار کیا ہو۔

خدارا ذرا غور کر کے بتلائیے کہ اگر اصحاب ثلاثہ رضہ کا دور تاریخ اسلام سے نکال دیا جائے تو آج ہمارے پاس کیا رہ جاتا ہے۔ اصحاب ثلاثہ رضہ کے متعلق آپ کی معتبر تفاسیر اور دیگر کتب میں کیا لکھا ہوا ہے۔ کیا کبھی آپ نے اس طرف نظر ڈالنے کی زحمت گوارا فرمائی ہے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقام شیعہ کتب کی روشنی میں

۱۔ وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ الخ پ ۲۴ کی تفسیر میں شیعہ مذہب کی اہم ترین تفسیر مجمع البیان میں لکھا ہے کہ جَآءَ بِالصِّدْقِ سے مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور صَدَّقَ بِہٖ سے مراد حضرت ابوبکر صدیق ہیں (مجمع البیان جلد ۴ ص ۴۹۸)

۲۔ اَنْ مَنْ اَسْلَمَ بَعْدَ خَدِیْجَۃَ رضہ اَبُوْبَکْرٍ رضہ یعنی حضرت خدیجہ رضہ کے اسلام لانے کے بعد حضرت ابوبکر رضہ اسلام لائے (مجمع البیان جلد ۳ ص ۶۵)

۳۔ نہج البلاغۃ شیعہ حضرات کے نزدیک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خطبات فرمودات ارشادات عالیہ اور بیانات کا مجموعہ ہے۔ نہج البلاغہ کی آج تک سینکڑوں شرحیں لکھی گئی ہیں۔ چنانچہ نہج البلاغہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک ارشاد بدیں الفاظ مرقوم ہے۔

خلیفہ رسول جناب صدیق رضہ اسلام میں سب سے افضل اور اس کے رسول کے سب سے زیادہ مخلص تھے اور خیر خواہ تھے۔ اور اس خلیفہ کے خلیفہ فاروق اعظم رضہ اسی طرح تھے جیسا تو نے سمجھا۔ میں قسمیہ کہتا ہوں کہ ان دونوں حضرات کا مرتبہ اسلام میں بڑا عظیم الشان ہے اور بے شک ان کی موت سے اسلام کو سخت صدمہ اور زخم پہنچا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں پر رحمت کرے اور ان کے احسن اور بہترین اعمال کی ان کو جزا دے۔

(شرح نہج البلاغۃ شیعہ مجتہد ابن میثم بحرانی جز ۳۱ ص ۴۸۶)

یہ امر دو فرقوں کے نزدیک مسلمات کا درجہ رکھتا ہے کہ نبوت کے بعد مقام صدیقیت ہے اور قرآن بھی اس بات کا شاہد ہے اور شیعوں کے امام اوّل یعنی ان کے مزعومہ خلیفہ بلافصل نبوت کے بعد صدیقیت کے مرتبہ و مقام پر حضرت ابوبکر رضہ کو ہی متمکن دیکھتے ہیں اور انہیں ہی خلیفہ اوّل سمجھتے ہیں۔

۴۔ شیعوں کی ایک معتبر ترین کتاب احقاق الحق میں حضرت امام جعفر رضہ کا ایک ارشاد تحریر ہے

"جناب ابوبکر رضہ میرے نانا ہیں۔ کیا کوئی آدمی اپنے اجداد کو گالی دینا پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے کوئی شان اور عزت نہ دے اگر میں صدیق رضہ کی عزت و عظمت اور تعظیم و تکریم کو تسلیم نہ کروں" (ترجمہ احقاق الحق ص ۸)

شیعوں کے مزعومہ امام ششم کا یہ ارشاد جہاں اس بات پر دلالت کرتا ہے۔ کہ صدیق اکبر رضہ کو آپ بھی صدیق سمجھتے تھے وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امام ششم متوفی ۱۴۹ھ کے زمانہ تک شیعوں کا یہ "اصول دین" یعنی تبرّا ابھی تک معرض وجود میں ہی نہیں آیا تھا۔ یہ یارانِ طریقت کی بہت بعد کی پیداوار ہے۔

پھر امام جعفر صادق رضہ کے قول سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ کسی بدبخت نے آپ کے سامنے ایسی حرکت کی ہے جس پر آپ نے یہ ارشاد فرمایا۔

۵۔ اسی کتاب کے اسی صفحہ پر آپ کا یہ ارشاد بھی منقول ہے کہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اولاد میں دو طرح سے شامل ہوں۔ آپ کے اس ارشاد کی تشریح اسی کتاب پر نیز دیگر متعدد معتبر کتب شیعہ میں بدیں الفاظ مرقوم ہے۔

" امام جعفر صادق کی ماں ام فروہ، قاسم بن محمد بن ابوبکرؓ کی بیٹی تھیں اور فروہ کی ماں اسماء، عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ کی بیٹی تھیں۔"

گویا آپ کی والدہ کا شجرہ نسب دو طریقوں سے صدیق اکبرؓ پر منتہی ہوتا ہے اور اس بات پر آپ کو فخر تھا۔ (صافی شرح اصول کافی ص ۲۱۴ کشف الغمہ ص ۲۱۵ ص ۲۲۲، جلاء العیون احتجاج طبرسی ص ۲۰۵، ص ۲۴۸)

۶۔ واقعہ غار ثور کے متعلق شیعہ حضرات نے عجیب عجیب نا معقول اور سوفیانہ انداز میں حضرت صدیقؓ کو نشانہ تضحیک و تذلیل بنایا ہے۔ یہی واقعہ امام جعفر صادقؓ کی زبان سے سنیئے؛

" جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غار میں تھے تو آپؐ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ میں ایک کشتی دیکھ رہا ہوں اور اس میں جعفر اور اس کے ساتھی ہیں (واقعہ ہجرت حبشہ) صدیق اکبرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ انہیں دیکھ رہے ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا۔ ہاں! صدیقؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ مجھے بھی دکھایئے تو نبی علیہ السلام نے ان کی آنکھوں پر مسح کیا۔ پس صدیقؓ نے بھی جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں کو کشتی میں سوار دیکھ لیا۔"

(تفسیر قمی مطبوعہ ایران ص ۱۵۷)

۷۔ غزوات حیدری شیعوں کی ایک معتبر کتاب ہے اس میں لکھا ہے۔ کہ

" حضرت ابوبکرؓ کا بیٹا ہر روز شام کے وقت کھانا اور پانی لاتا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فرمایا۔ کہ تو نہایت وفادار صاف اور شفاف ہے۔"

(غزوات حیدری ص ۶۶)

جو شیعہ کہتے ہیں کہ ابوبکرؓ غار میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے ہاتھوں گرفتار کرانا چاہتے تھے وہ ذرا غور کر کے دیکھیں کہ کیا ابوبکرؓ اپنے بیٹے کے ذریعے کافروں کو مطلع نہیں کر سکتے تھے۔ جب قلب و نظر پر جہالت، شقاوت، بدبختی، کور باطنی، تعصب

ہٹ دھرمی اور خباثت کی پٹیاں چڑھ جائیں تو ان کا علاج ناممکن ہو جاتا ہے اور ایسا آدمی جو چاہے لکھتا رہے مگر کم از کم اس قدر تو سوچ لیا جاتا کہ ابوبکرؓ مکہ کے ایک ذی مرتبہ تاجر اور رئیسانہ انداز کے شہری ہیں۔ آخر وہ اس قدر ٹھاٹھ چھوڑ نبی اکرمؐ کا ساتھ دینے کے لیے تیار کیوں ہوئے تھے۔

۸۔ مجالس المومنین شیعوں کی نہایت اہم ترین تصنیف ہے۔ قاضی نور اللہ شوستری جسے شیعہ شہید ثالث کہتے ہیں۔ اس میں مرقوم ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ صحابہؓ کی جماعت میں فرمایا کرتے تھے کہ ابوبکرؓ صدیق کی سبقت و فضیلت صوم و صلوٰۃ سے نہیں بلکہ ان کے دل کی عقیدت مندی اور اخلاص کا ثمرہ ہے (ترجمہ مجالس المومنین ص ۸۸)

۹۔ شیعوں کے مزعومہ امام نہم حضرت محمد تقی متوفی ۲۲۰ھ کا ایک قول احتجاج طبرسی میں مرقوم ہے۔

میں "جناب عمرؓ کے فضائل کا منکر نہیں لیکن ابوبکر صدیقؓ فاروق اعظمؓ سے افضل ہیں۔ (ترجمہ احتجاج طبرسی ص ۲۵)

گویا تیسری صدی کے شروع تک یعنی امام نہم تک مزعومہ ائمہ یا دیگر فاطمی حضرات شیخینؓ کی توصیف میں رطب اللسان تھے۔

۱۰۔ امام جعفر صادقؓ کا ایک اور قول سن لیجئے؛

امام موصوف نے ایک شخص کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ دونوں کے دونوں عادل و منصف امام تھے۔ حق ہی پر زندگی گذاری اور حق ہی پر دنیا سے تشریف لے گئے۔ قیامت والے دن دونوں پر رحمت ہو۔

(ترجمہ احقاق الحق ص ۱۶)

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ کے متعلق امام جعفرؒ (صادق) کے الفاظ ہیں دونوں عادل اور منصف امام تھے۔

کیا فرماتے ہیں علمائے شیعہ بیچ مسئلہ اصولات دین "عدالت" اور "امامت" کے آپ تو کہتے ہیں عدالت و امامت مختص ہے ساتھ دوازدہ ائمہ کے اور امام ششم عدالت و امامت کی

فضیلت کی دستار حضرات شیخین رضؓ کے سر باندھ رہے ہیں۔

۱۱۔ واقعہ افک کے ضمن میں سورۃ نور کی آیت نمبر ۱۲ ﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ﴾ کے متعلق شیعوں کی معتبر ترین تفسیر مجمع البیان جلد ۴ ص۱۳۳ پر مرقوم ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر رضؓ اور مسطح رضؓ کے بارے میں نازل ہوئی۔ مسطح حضرت ابوبکر رضؓ کا قریبی رشتہ دار تھا اور نہایت غریب تھا آپ اسے ماہوار کچھ رقم دیا کرتے تھے۔ واقعہ افک کے بعد آپ نے اس کی مدد سے ہاتھ کھینچ لیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "فضیلت والے" اور کشائش والے مالدار لوگ اپنے رشتہ داروں کی مدد سے ہاتھ نہ کھینچیں۔ گویا شیعہ قرآن مجید کی اس آیت کے مصداق یہ تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضؓ "أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ" تھے۔

۱۲۔ ﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ﴾ کی تفسیر میں مجمع البیان جلد ۵ ص۵۰۱ پر لکھا ہے کہ ابن زبیر رضؓ نے کہا کہ یہ آیت حضرت ابوبکر رضؓ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ حضرت ابوبکر رضؓ نے ہی حضرت بلال رضؓ حضرت عامر بن فہیرہ جیسے مسلمان ہونے والے غلاموں کو ان کے کافر مالکوں سے خرید کر آزاد کیا تھا۔ شیعوں کی مشہور اور معتبر ترین تفسیر میں گویا تسلیم کیا گیا ہے کہ:

اور اس سے ایسا شخص دور رکھا جائے گا۔ جو بڑا پرہیز گار ہے۔ جو اپنا مال (محض) اس غرض سے دیتا ہے کہ پاک ہو جائے اور بجز اپنے عالی شان پروردگار کی رضا جوئی کے (کہ یہی اس کا مقصود ہے) اس کے ذمے کسی کا احسان نہ تھا کہ اس دینے سے) اس کا بدلہ اتارنا (مقصود) ہو اور یہ شخص عنقریب خوش ہو جائے گا (یعنی آخرت میں اسے بے حساب نعمتیں ملیں گی) (سورۃ اللیل آیت ۱۷تا۲۱)

ایک طرف یہی شیعہ صاحبان ان کے لیے تبرا کی لم تراش کر ان پر سب و شتم کا طوفان باندھتے ہیں اور دوسری طرف اللہ کے بے پناہ فضل و کرم، خوشنودی اور رضامندی کا صرف انہیں ہی حامل قرار دیتے ہیں۔

نہج البلاغۃ کی شرح درنجفیہ میں شیعوں کے مجتہد اعظم لکھتے ہیں۔

كَانَ عِنْدَ خِفَّةِ	نبی علیہ السلام کا مرض جب تک خفیف
مَرَضِهِ يُصَلِّي بِالنَّاسِ	رہا خود لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے
بِنَفْسِهِ فَلَمَّا اشْتَدَّ بِهِ	اور جب بیماری میں شدت پیدا ہو گئی تو

الْمَرَضُ أَمَرَ أَبَا بَكْرٍ أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ۔	ابوبکر رضؓ کو حکم دیا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔
وَأَنَّ أَبُوبَكْرٍ صَلَّى بِالنَّاسِ	اس کے بعد حضور کی زندگی میں
بَعْدَ ذٰلِكَ يَوْمَيْنِ ثُمَّ مَاتَ	ابوبکر دو دن لوگوں کو نمازیں پڑھاتے
	رہے پھر حضور وفات پا گئے ص۲۵۵

نبی علیہ السلام نے اپنی زندگی میں حضرت ابوبکر رضؓ کو نمازوں میں جو دین کا اہم ترین ستون ہے۔ امام بنا کر۔ اس بات کو واضح کر دیا۔ کہ میرے بعد ابوبکر رضؓ ہی خلیفہ ہوں گے اور حضرت علی رضؓ نے بصد شوق آپ کی خلافت کو قبول کیا تھا۔

۱۔ حضرت علی رضؓ اٹھے نماز کی تیاری کر کے مسجد میں حاضر ہوئے اور حضرت ابوبکر رضؓ کے پیچھے نماز پڑھی۔ (احتجاج طبری ص۶۰ س ۳ ترجمہ)

۲۔ حضرت علی اٹھے نماز کا ارادہ کیا مسجد میں حاضر ہوئے اور حضرت ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھی۔ (تفسیر قمی)

۳۔ حضرت علی رضؓ مسجد میں پہنچے اور ابوبکر رضؓ کے پیچھے نماز پڑھی۔ (مراۃ العقول ص۳۱۸)

۴۔ شیعوں کے مقبول احمد کے ترجمہ قرآن کے ضمیمہ ص۴۱۵ میں بھی مرقوم ہے۔ کہ حضرت علی رضؓ نے حضرت ابوبکر رضؓ کے پیچھے نماز پڑھی۔

۵۔ غزوات حیدری ص۶۲۷ پر بھی یہی عبارت مرقوم ہے۔

۶۔ اسامہ نے حضرت علی رضؓ سے پوچھا کہ آپ نے ابوبکر رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے آپ نے کہا ہاں اور یہ بیعت بیعت خلافت تھی۔ (احتجاج طبرسی ص۵۶)

۷۔ حضرت علی رضؓ نے حضرت ابوبکر رضؓ کا ہاتھ پکڑ کر بیعت کی۔

(احتجاج طبرسی ص۵۲ روضہ کافی صفحہ ۱۱۵۔ ۱۳۱)

ایک نہایت ہی حیران کن بات اور بھی سن لیجیے۔ اہل سنت و جماعت کے مختلف فرقوں نے مختلف نظائر و شہود سے صدیق اکبر رضؓ کی خلافت پر استدلال کیا ہے مگر شیعہ حضرات نے اس ضمن میں ایک حدیث پیش کر کے صرف حضرت ابوبکر رضؓ کی خلافت کا ثبوت ہی پیش نہیں کیا بلکہ حضرت عمر رضؓ کی خلافت کا ثبوت بھی پیش کر دیا ہے اور ساتھ ہی امہات المومنین رضؓ کے بلند مقام کا اقرار بھی کیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت صفیہ رضؓ ایک دفعہ کچھ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت صفیہ رضؓ ایک دفعہ کچھ غمگین سی بیٹھی تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو غمگین بیٹھے دیکھ کر فرمایا کہ میں تم کو ایک خوشخبری نہ سناؤں کہ میرے مرنے کے بعد میرے جانشین ابوبکرؓ ہوں گے۔ اور ان کے مرنے کے بعد تمہارے باپ عمر ان کے جانشین ہوں گے۔ یہ سن کر حضرت حفصہ رضؓ نے پوچھا یا رسول اللہ آپ کو کیسے معلوم ہوا تو آپؐ نے فرمایا۔ مجھے اللہ علیم وخبیر نے بتایا ہے۔

(تفسیر قمی ص ۳۵۴ تفسیر صافی ص ۵۲۳ تفسیر مجمع البحرین ص ۳۱۴)

گویا بقول شیعہ مفسرین حضرت ابوبکر رضؓ اور حضرت عمر رضؓ کی خلافت کا حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے دیا تھا۔

ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ کی تفسیر میں امام حسن عسکریؒ فرماتے ہیں کہ ہجرت کا سفر مشکلات، ایذاؤں اور صعوبتوں کا سفر تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہجرت میں رفاقت سفر کے لیے نبی علیہ السلام کو فرمایا کہ ابوبکر رضؓ لائق ترین شخص ہیں چنانچہ انہیں ساتھ لے کر جائیے۔ تفسیر امام حسن عسکری کے الفاظ ہیں وَاَمَرَكَ فَاِنَّهٗ اِنْ اٰنَسَكَ وَمَا عَدَّكَ وَاَدَّاكَ كَانَ فِی الْجَنَّةِ مِنْ رُفَقَائِكَ (۲۱۳)

اسی تفسیر امام حسن عسکری میں چند سطور کے بعد مرقوم ہے:

پھر نبی علیہ السلام نے حضرت ابوبکر رضؓ سے فرمایا کیا تو اس بات پر راضی ہے کہ تو اس سفر میں میرے ساتھ رہے اور کفار جس طرح مجھے قتل کرنے کے لیے تلاش کریں۔ تجھے بھی تلاش کریں اور یہ بھی مشہور ومعروف ہو کہ تو نے ہی شرک کے خلاف توحید والوہیت اور رسالت ونبوت کے دعویٰ پر مجھے آمادہ کیا۔ اور میں جو کچھ کر رہا ہوں تیرے ہی کہنے سے کر رہا ہوں۔ اور میری دوستی ورفاقت کے باعث تجھ پر طرح طرح کے عذاب پڑیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضؓ صدیق نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں تو وہ ہوں کہ اگر جناب کی محبت دائمی میں شدید تر سے شدید اور اشد تر سے اشد بلاؤں اور مصیبتوں میں مبتلا کیا جاؤں اور قیامت کے روز تک ان میں پھنسا رہوں مجھے موت بھی نہ آئے جو ان مصائب سے نجات کا موجب بنے اور نہ کسی قسم کی کشائش ملے جو ان مصائب سے رہائی دلائے اور یہ سب مصائب آپ کی محبت میں

ہوں تو مجھے زیادہ پسند ہے دنیا کی عیش وعشرت اور خوشحالی کی زندگی کی نسبت اور اس دنیا میں اگر تمام بادشاہوں کی حکومتوں اور سلطنتوں کا مالک بن جاؤں۔

آپ کی مخالفت کی صورت میں زندگی گزارنا ہرگز پسند نہیں۔ میرے اہل وعیال اقربا ورشتہ دار اولاد اور والدین سب آپ پر قربان ہوں ص ۲۱۳

۱۷۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبرؓ کو بحکم خداوندی ہجرت میں اپنے ساتھ رکھا۔ مصنف حیات القلوب لکھتا ہے۔

اللہ رب العزت نے اے نبیؐ آپ کو حکم دیا ہے کہ جناب ابوبکرؓ کو ساتھ لے جائیے

(جلد ۲ ص ۳۲۰)

۱۸۔ بہرحال حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہجرت کرنا اور ابوبکرؓ کو اپنے ساتھ لے جانا اللہ تعالیٰ کے فرمان کے بغیر نہ تھا۔ (مجالس المومنین ص ۲۰۳)

۱۹۔ نبی علیہ السلام ہجرت کی رات کو جب حضرت ابوبکرؓ کے دروازے پر پہنچے اور ان کے کان میں سفر کی آواز دی تو حضرت ابوبکرؓ فوراً گھر سے نکلے اور ہمراہ ہوئے جب بیابان کا حصہ طے ہوا۔ تو نبی علیہ السلام کے پاؤں مبارک زخمی ہو گئے۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے آپؐ کو کندھے پر سوار کر لیا۔ اور یہ بہت تعجب کی بات ہے۔

(حملہ حیدری)

اقوال: شیعہ کہتے ہیں کہ فتح مکہ کے وقت خانہ کعبہ کی دیواروں سے بتوں کو دور کرتے وقت نبی علیہ السلام حضرت علیؓ کے کندھوں پر سوار ہوئے کسی اور کے کندھوں پر اس لئے سوار نہ ہوئے کہ نبوت کا بوجھ امام کے بغیر کوئی نہ اٹھا سکتا تھا۔ مگر حملہ حیدری کا مصنف کہتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے آپؐ کو کندھوں پر سوار کر کے سفر کیا۔

یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ

۲۰۔ ابغزوات حیدری بھی ملاحظہ ہو۔ مرزا باذل مشہور شیعہ عالم لکھتے ہیں:۔

ہر گاہ جناب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم دولت سرا سے نکلے تو پہلے در خانہ ابوبکرؓ بن ابی قحافہؓ پر آئے کس واسطے کہ ابوبکرؓ کو آپؐ نے مطلع کر دیا تھا کہ ہمارے ساتھ چلنا۔ پس آپؐ نے آواز دی اور گھر سے بلا کر اپنے ہمراہ لیا۔ جب شہر سے باہر نکلے تو یثرب کا راستہ پیش نظر رکھا۔

حضرت رسولؐ خدا نے نعلین مقدس کو پاؤں مبارک سے نکال لیا اور پا برہنہ راہی سفر ہوئے
یہ حال دیکھ کر ابوبکرؓ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے شانے پر بٹھایا اور تھوڑی دور
اور چلے۔ ناگاہ صبح کے آثار نمودار ہوئے۔ مجبوراً لب راہ ایک جائے پناہ تلاش کی اس
دشت میں ایک غار نظر آئی جسے عرب کے لوگ غارِ ثور کہتے تھے۔ آخر کار بوجہ خوف
اس غار میں پناہ لی پہلے حضرت ابوبکرؓ غار میں داخل ہوئے وہاں بہت سوراخ دیکھے
تو اپنی قبا پھاڑ پھاڑ کر سوراخ بند کئے۔ ایک سوراخ رہ گیا تو مردانہ وار اپنا قدم اس میں
استوار کیا۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی غار میں تشریف فرما ہوئے اور آسودہ ہو کر بیٹھے (ص ۶۵)

مندرجہ بالا تمام حوالہ جات شیعوں کی معتبر کتب سے لئے گئے ہیں۔ ان میں چند
امورات مستنبط ہوتے ہیں۔

۱۔ حضرت ابوبکرؓ کی رفاقت ہجرت اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھی۔
۲۔ صدیق اکبرؓ کی اس مواسات و غمخواری کا صلہ انہیں یہ ملے گا کہ وہ جنت میں بھی نبی اکرمؐ کے رفیق اور ساتھی ہوں گے۔
۳۔ صدیق اکبرؓ نے مصائب و شدائد کو بخوشی قبول کر کے کماحقہٗ رفاقت کا حق ادا کیا۔ اور دنیا کی ہر چیز نبی علیہ السلام پر قربان کر دی۔
۴۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود حضرت ابوبکرؓ کے گھر پہنچے اور انہیں ساتھ لیا۔
۵۔ حضرت ابوبکرؓ نے نبی اکرمؐ کو اپنے کندھوں پر سوار کرنے کا شرف حاصل کیا۔
۶۔ غار میں خود پہلے داخل ہو کر سوراخ بند کئے اور جو باقی رہ گیا۔ اُسے اپنے پاؤں سے بند کر دیا۔

۲۱۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے ہی حضرت علیؓ کو سیدہ فاطمہؓ سے رشتہ کے متعلق نبی کریمؐ سے عرض کرنے کی جرأت دلائی اور رضامند کیا۔ ورنہ حضرت علیؓ میں نبی علیہ السلام کی خدمت میں یہ عرض کرنے کی جرأت ہی نہ تھی۔

(ملخص الزہرا ص ۲۱ مصنفہ خان بہادر اولاد حیدر فوق)

شیعہ اصحاب اس بھری دنیا میں ایسی قربانی، رفاقت، خدمت و ایثار کا کوئی نمونہ
پیش کر سکتے ہیں؟

شیعوں کی تاریخوں میں تو اس قسم کے نظائر بے شمار ملیں گے کہ علیؓ کے ساتھیوں

نے ان سے دھوکا کیا۔ حسنؓ کے ساتھیوں نے انہیں زخمی کیا۔ حسینؓ کو بلانے والوں
یعنی ان کے شیعوں نے انہیں شہید کیا۔ الغرض یازدہ ائمہ اپنے ہی ساتھیوں کی
نافرمانیوں، عیاریوں اور غداریوں سے شہید ہوتے رہے۔ تکلیفیں اٹھاتے رہے
اور ذلیل ہوتے رہے۔ شاید اپنے ائمہ کے ساتھیوں کی بدکرداریوں پر پردہ ڈالنے
کے لئے یہ لوگ نبی علیہ السلام کے ساتھیوں کو نشانہ سب و شتم بنانے پر آمادہ ہوئے۔

سیدنا صدیق اکبرؓ کی شخصیت کے نکھار کے بعد سیدنا فاروق اعظمؓ یا دیگر
صحابہ کرامؓ کے اذکار جلیلہ کی اس مقام پر چنداں ضرورت نہ تھی۔ چونکہ اس تالیف
کے بعد نہایت شرح و بسط سے صحابہ کرامؓ کے حالات "مقام صحابہؓ" میں بیان کئے
جا چکے ہیں۔ تاہم سیدنا فاروق اعظمؓ کے عدل، انصاف، سطوت، طنطنہ، جرأت،
حق گوئی، بے باکی، عزم و استقلال، خشیت الٰہی، صبر و ثبات اور فتوحات کی ایک
وسیع دنیا ہمارے سامنے موجود ہے۔ اس لئے یہاں کتب شیعہ سے ہی چند واقعات
کے اعادہ کے بغیر آگے بڑھنا ناگزیر رہے۔

یہاں ایک قاری کے ذہن میں یقیناً یہ خلش پیدا ہو گی کہ دنیائے رفض و شیعیت
سبِّ صحابہؓ کو جزو ایمان سمجھتی ہے۔ پھر ان کی کتب میں صحابہ کرامؓ کی توصیف یعنی چہ؟
بات دراصل یوں ہے کہ قلم جب تک ناصر علی، یادر علی اور حیدر علی کے قسم کے
شیعوں کے ہاتھ میں رہا۔ انہیں خوب معلوم تھا کہ تاریخ اسلام صرف اور صرف اذکار
صحابہؓ سے عبارت ہے۔ ان کو مجبوراً یہ کڑوی کسیلی گولیاں نگلنا پڑیں۔ مگر جب قلم
کلب علی، کلب عباس اور کلب حسین کے ہاتھوں میں آگیا تو انہوں نے یک جنبش قلم
سب کچھ پیچھے پھینک دیا۔ یہی وجہ ہے کہ مذہب شیعہ بھان متی کا ایک ٹوکرا اور
شعبدہ بازی کا ایک پٹارا ہو کر رہ گیا۔ اس میں ہاتھ ڈالو اور جو چاہو نکال لو۔

جملہ معترضہ کے طور پر یہ چند سطور قلمبند ہو گئیں۔ ذکر تھا ناطق الصدق و
الصواب سیدنا فاروق اعظمؓ کا۔ ان لوگوں کی امہات الکتب سے حضرت فاروقؓ
کے متعلق چند توصیفی کلمات سن لیجئے:۔

سیدنا علیؓ فرماتے ہیں۔ جب ابوبکرؓ کا آخری وقت آیا تو انہوں
نے عمرؓ کو بلایا اور خلافت سپرد کر دی۔ ہم نے ان کی بات مان لی، اطاعت

کی بیعت سے انکار نہ کیا۔ وہ خیر خواہی کے وطیرے پر قائم رہے۔
عمرؓ کی سیرت پسندیدہ تھی اور وہ عمر بھر اقبال مند رہے۔
(نہج البلاغۃ مترجم رئیس احمد جعفری اقتباس خط۔ ۸۸۰ تا ۸۸۵)

تفسیر مجمع البیان اور منہاج الصادقین میں شیعہ مفسرین لکھتے ہیں کہ:۔
اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ حضرت عمرؓ کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے بدر کے قیدیوں کے متعلق حکم دیا کہ ہر قیدی کو اس کا مسلمان رشتہ دار قتل کر دے۔

سیدنا علیؓ نے وفات فاروقؓ کے وقت کہا۔ اَدّٰی اِلَی اللّٰہِ طَاعَتَہٗ وَاتَّقَاہُ بِحَقِّہٖ یعنی عمرؓ نے اللہ کی پوری پوری اطاعت کی۔ اور کما حقہ تقویٰ اختیار کیا۔

(نہج البلاغۃ)

سب سے اہم بات:۔
سیدنا علیؓ نے اپنی لخت جگر سیدہ ام کلثومؓ کا سیدنا فاروق اعظمؓ سے نکاح کر دیا۔

تفصیل کے لیے:۔
فروع کافی جلد ۲ صفحہ ۱۴۱ مطبوعہ نولکشور۔ باب المتوفی ص۳۱۱۔
الصافی مطبوعہ نولکشور کتاب الحجۃ جز سوم بات شصت ویکم صفحہ ۲۸۱-۲۸۲
الاستبصار فی اختلف من الاخبار جلد ثانی مطبع جعفریہ ص۱۸۵۔
تہذیب میں محمد بن احمد سے روایت۔
مجالس المومنین، مصائب النواصب، سیف صارم، خرائج وجرائح، بحار الانوار، شرائع قمی، کتاب شہادت، الفرق۔
استیعاب جلد اول صفحہ ۲۲۔ تحفۃ العوام صفحہ ۱۱۲، اصول کافی باب مولد النبی،
حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۸۹، ۱۸، ۲۸،
ناسخ التواریخ جلد ۱۔ کتاب ۲، شافی شرح اصول کافی باب مولد النبی[1]

---

[1] تفصیل کے لیے راقم کی تالیف "مقام صحابہ" کتب شیعہ مذہب کی روشنی میں۔

سابق الایمان

بلا اختلاف اس بات پر تمام شیعہ و سنی متفق ہیں کہ تمام امت میں سابق الایمان ہونے کا مقام صرف چار اصحاب کو حاصل ہے۔ مردوں میں حضرت ابوبکرؓ۔ عورتوں میں ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ، لڑکوں میں حضرت علیؓ اور غلاموں میں زید بن ثابتؓ چنانچہ طبرسی شیعی نے بھی اپنی تفسیر میں سیدہ خدیجہؓ کے بعد حضرت ابوبکرؓ کا نام لکھا ہے۔

میرے نزدیک اس شخص سے بڑھ کر بدنصیب کوئی نہیں جو آج اپنے قلب و ذہن میں ہر قسم کی آلائشوں اور غلاظتوں کا انبار سموئے ہوئے ہو۔ اور پھر ان پاک بزرگوں کے ایمانوں کو ناپنے اور ماپنے میں بلاوجہ ہلکان ہوتا پھرے۔ وہ سب چمنستان نبوت کے شاداب پھول تھے۔ ان سب کی خوشبوؤں سے قیامت تک زمانہ مہکتا رہے گا۔ جس طرح گلاب کے پھول کی خوشبو اپنے مقام پہ روح افزا ہے۔ اسی طرح موتیا کی خوشبو اور دید اپنے نرالے پن میں باصرہ نواز اور دماغ کو معطر کرنے والی ہے۔ جس طرح چنبیلی کی خوشبو روح کو وجد میں لانے والی ہے۔ اسی طرح گل شبو روح و وجدان میں وجد پیدا کرتی ہے مگر اس کے باوجود جس طرح ان کی خوشبوؤں میں فرق ہے اسی طرح ان کے طبعی خواص اور افعال بھی جدا جدا ہیں۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ کے مراتب و فضائل بھی جدا جدا ہیں۔ صدیقؓ اپنے مقام پر ام المومنینؓ اپنے مقام پر۔ علیؓ اپنے مقام پہ اور زیدؓ اپنے مقام پر الگ الگ مقام رکھتے ہیں مگر ان میں جو مقام صدیق اکبرؓ کا ہے۔ وہ اپنی مثال آپ ہے[1]

---

[1] ہم ان چار ہستیوں کو سابق الایمان سمجھتے ہیں مگر فرق مراتب کو سمجھنے کے لیے میری زندگی کی اس سرگذشت پر غور کیجیے: ۱۹۵۴ء سے لے کر ۱۹۶۷ء تک میرا قیام دھریالہ جالپ ضلع جہلم میں رہا۔ جامع مسجد کی خطابت کے فرائض کے علاوہ درس و تدریس کا بھی شغل تھا۔ ۱۹۶۲ء میں قصبہ کے مرکز میں ایک نئی مسجد کی تعمیر شروع کی اور درس و تدریس کے کام کو آگے بڑھایا۔ بارہ تیرہ سال زندگی کا ایک اچھا خاصہ حصہ ہوتے ہیں۔ اچانک ۱۹۶۷ء میں چند ایک واقعات سے متاثر ہو کر ایسی جامد تقلید سے کنارہ کش ہو گیا جو غیر محسوس انداز میں رفض کی ترجمان تھی۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

مگر قربان ہوں میرے ماں باپ حضرت صدیق اکبرؓ کی روح پر فتوح پر کہ آپؓ نے جونہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سُنا آپؐ پر ایمان لے آئے وہ ورقہ بن نوفل جس نے آپؐ کے نبی برحق ہونے کا توضرور اعلان کیا۔ اس کے متعلق بھی اس قسم کی کوئی روایت نہیں ملتی۔ کہ وہ ایمان لایا اور وہ عبد مناف (ابوطالب) جو بچپن سے نبوت تک آپؐ کو دیکھتا رہا۔ وہ بھی اس سعادت سے محروم رہا۔ نبوت کے وقت حضرت علی رضؓ کی عمر پانچ سال کے قریب تھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ام المومنین رضؓ کو نماز پڑھتے دیکھا مگر پانچسالہ بچہ کیا سمجھ سکتا ہے آخر ایک روز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپؐ نے شفقت آمیز انداز میں اصول دین سمجھائے اور فرمایا کہ انہیں قبول کر لو۔ مگر حضرت علی رضؓ نے کہا کہ میں اپنے ابا سے پوچھ لوں۔

الغرض بیوی یا غلام یا پانچسالہ بچے کا ایمان لانا اپنی جگہ اور حضرت صدیق اکبرؓ کا ایمان لانا اپنی جگہ۔ اس حقیقت کی روشنی میں ہم صرف صدیق اکبرؓ کو ہی سابق الایمان کہہ سکتے ہیں گھر کے لوگ تو لازماً، یقیناً بغیر کسی سوچ کے گھر کے سربراہ کے دین پر ہوں گے، مگر ہمت جرأت، استقلال، ایثار، قربانی اس مرد مجاہد کی قابل داد ہے جو دوسرے قبیلے، دوسرے محلے دوسرے خاندان کا ہو۔ معاشرہ میں بلند مقام رکھتا ہو۔ کامیاب تاجر ہو۔ ثروت مند ہو اور اسے اس بات کا یقین ہو کہ میں صرف ایک اکیلے انسان کا اکیلا ساتھی بن کر پوری قوم کو اپنا دشمن بنانے کی دعوت دے رہا ہوں۔ یہ تھے صدیق اکبرؓ جنہیں ہم سابق الایمانؓ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) میرا ایسا کرنا یک لخت ان لوگوں کی نظروں میں ناقابل معافی جرم بن گیا جو اس فقیر کے جوتے سیدھے کرنا بھی باعث فخر سمجھتے تھے مگر میری دونوں بیویوں، بیٹیوں اور بیٹوں نے بغیر کسی حیل وحجت کے میرا ساتھ دیا۔ خیال معاً اس طرف منقلب ہوا کہ گھر کے لوگوں کا دین گھر کے سربراہ کا دین ہوتا ہے سیدہ خدیجہ رضؓ سیدنا علی رضؓ یا سیدنا زیدؓ کا فوراً مشرف باسلام ہونا وہ مقام نہیں رکھتا جو سیدنا صدیق اکبرؓ کا مشرف باسلام ہونا رکھتا ہے میری تیرہ سال کی صاف شفاف اور مثالی زندگی ایک آدمی کو میرا ساتھ دینے پر آمادہ نہ کر سکی قربان جائیں ہم اور ہمارے ماں باپ اس ازلی سعید اعظمؓ پر جس نے جونہی محمد رسول اللہ کی زبان سے سنا میں نبی ہوں اس نے کہا صدقت اور کائنات کے گوشہ گوشہ سے آوازیں آنے لگیں ایسے ہوتے ہیں صدیق رضؓ۔

کے اصل مقام پر فائز دیکھتے ہیں۔

آج

یارانِ طریقت نے یہاں بھی اپنی جدت طرازی سے مردوں میں ابوبکر رضؓ۔ عورتوں میں خدیجۃ الکبریٰ رضؓ۔ لڑکوں میں علی رضؓ اور غلاموں میں زید رضؓ کی لم صرف حضرت صدیق اکبرؓ کا مقام کم کر کے دکھانے کے لیے تراشی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سابق الایمان صرف ابوبکر رضؓ صدیق ہی ہیں۔ گھر کے لوگ تو لامحالہ سربراہ کے دین پر ہوتے ہیں۔ چونکہ آپؐ ایک کامیاب تاجر نہایت ملنسار اور بامروت انسان تھے اور لوگ آپؐ کی بڑی عزت کرتے تھے اس لیے آپؐ کی تبلیغ سے چند روز میں ہی حضرت عثمان رضؓ حضرت زبیر بن العوامؓ۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ۔ طلحہ بن عبداللہ رضؓ سعد بن ابی وقاص رضؓ بلال حبشی رضؓ۔ نہدیہ رضؓ مہدیہ کی لڑکی۔ بنی الموصل کی ایک لونڈی ام عبیس رضؓ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ آخر الذکر پانچ چونکہ غلام تھے اور کفار نے ان پر تشدد کرنا شروع کر دیا۔ اس لیے آپ نے ان سب کو خرید کر آزاد کر دیا۔

قبول اسلام سے لے کر نبی علیہ السلام کی وفات تک صدیق اکبر رضؓ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ نبی علیہ السلام کی معیت میں گزرا۔ ہجرت کے متعلق بھی شیعوں کی منشور منظوم کتاب حملہ حیدریہ سے سن لیجئے۔ شعر

ے ز نزدیک آں قوم ہر مکر رفت   بسوئے سرائے ابوبکرؓ رفت
پیئے ہجرت او نیز آمادہ بود   کہ سابق رسولش خبر دار بود
نبی بر در خانہ اش چوں رسید   بگوشش ندائے سفر در کشید
چوں بوبکر رضؓ زاں حال آگاہ شد
ز خانہ بروں رفت و ہمراہ شد   (حملہ حیدریہ)

مگر افسوس کہ شیعیت تو صدیق اکبرؓ کی دشمن تھی ہی ——— اس کے خدا واسطے کے وکیل بھی خدا کے خوف سے بے نیاز ہو کر کہہ اٹھے:

"اسلام کا یہ نازک ترین مطالبہ ہے اور اتنا نازک ہے کہ ایک مرتبہ صدیق اکبرؓ جیسا بے نفس متورع اور سراپا للّٰہیت انسان بھی اس کو پورا کرنے سے چوک گیا۔

(ترجمان القرآن ربیع الثانی ۵۷ھ جلد ۲، عدد ۴ ص۲۸۹)

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

کفر ملّتِ واحد ہے

اسلام کے خلاف مجوسیت، یہودیت اور عیسائیت کا گٹھ جوڑ

وَلَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا

۵ : ۸۲

اور تو سب لوگوں میں سے مسلمانوں کے ساتھ زیادہ دشمنی کرنے والا یہودیوں اور مشرکوں کو پائے گا۔

حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کے بعد دشمنانِ اسلام کی خفیہ سازشوں، خفیہ سوسائٹیوں اور خفیہ انجمنوں کا جو سلسلہ شروع ہوا، وہ آج تک دنیا میں مسلسل موجود ہے اور کوئی زمانہ ایسا نہیں بتایا جا سکتا جس میں یہ دشمن اسلام خفیہ گروہ اپنی سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں مصروف نہ رہا ہو۔ کبھی یہ گروہ ابولولو[1] کی شکل میں تھا کبھی یہ عبداللہ بن سبا اور سبائیہ گروہ کی شکل میں دیکھا گیا۔ کبھی ان کا نام خوارج ہوا اور کبھی یہ عباسیوں اور علویوں کی صورت میں بنوامیہ کے خلاف سازش میں مصروف اور کبھی یہ عباسیوں کے خلاف علویوں کی طرف سے کوششوں میں مصروف رہا۔ کبھی اس کا نام فدائی اسماعیلیہ گروہ ہوا۔ کبھی اس نے فریملین کی شکل اختیار کی۔ کبھی اس خفیہ سوسائٹی نے نہلسٹوں اور انارکسٹوں کی شکل و صورت میں ظہور کیا۔ کبھی اس نے ڈپلومیسی اور ڈیماکریسی کا جامہ پہنا۔ کبھی شہنشاہیوں کی وزارتِ خارجہ کے دفتروں میں اس کو جگہ ملی۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری ایام سے ربع صدی بعد کا تمام زمانہ کبھی ان خفیہ سازشوں والے گروہ سے خالی نہیں رہا۔ غرضیکہ دنیا میں صرف بیس پچیس سال ہی ایسے گزرے ہیں کہ جب ہم اس سازشی خفیہ گروہ کو معدوم اور غیر معلوم پاتے ہیں اور یہ زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کا زمانہ تھا۔ اس سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی یہ خفیہ گروہ برابر دنیا میں موجود پایا جاتا رہا۔

یہی لوگ آگے چل کر جمل اور صفین کے المیہ کا موجب بنے سانحہ کربلا کی باگ ڈور بھی انہی کے ہاتھوں میں تھی۔ یہی لوگ سادہ لوح علویوں کو سٹیج پر لا کر کھڑا کرتے رہے۔ اور ان کے قتل کا موجب بنتے رہے۔ تاریخ اپنے ورق الٹتی رہی اور یہ کبھی قرامطہ کی صورت میں نمودار ہوئے کبھی آل بویہ کی شکل میں مسلمانوں کے قتل عام کا موجب بنے۔ ان لوگوں میں ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں سادہ لوح اور فریب خوردہ مسلمان شریک

---

[1] ابولولو آج شیعوں میں بابا شجاع کے نام سے مشہور ہے اور شیعہ بڑے اہتمام اور باقاعدگی سے بابا شجاع کے نام کی عید مناتے ہیں۔ تفصیل آگے آئے گی۔

تھے مگر بطور تخم کام کرنے والے ہر دور میں چند افراد ہی رہے۔ بغداد کے لئے ہلاکو کے دلیل راہ یہی بنے۔ بایزید یلدرم کے مقابلہ میں تیمور کو یہی لوگ لائے۔ اسماعیل صفوی کے مشیر کار یہی تھے تو ایران اودھ کی صورت میں یہی لوگ سٹیج پر نمودار ہوئے ہمیشہ ان کا ہاتھ ایک رہا۔ مگر تخریبی انداز بدلتے رہے۔ ترکی میں انجمن اتحاد ترقی کی طرح ڈال کر خلافت کا خاتمہ انہوں نے کیا۔ اور "ترکی ترکوں کیلئے ہے" کا نعرہ لگا کر اسلامی اقدار کو ترکی سے خارج البلد کرایا۔ ناصر کے پیچھے عرب قومیت کے نعرے کے خالق یہی تھے۔ جنہوں نے مصریوں سے "ہم آل فرعون ہیں" کا نعرہ لگوایا۔ اور لاکھوں فرزندانِ توحید کو خاک و خون میں تڑپا کر شہید کیا۔

مجوسیت اور سبائیت کے گٹھ جوڑ میں جن سادہ لوح مسلمانوں نے "حُبِّ اہلبیت رض" کے پُر فریب نعرے سے متاثر ہو کر ایک مذہبی شکل اختیار کی۔ اس کتاب میں انہیں فریب خوردہ مسلمانوں کا تاریخی اور مذہبی جائزہ لیا گیا ہے۔

مشرکین اور یہود کی دوسری صورتیں جو آج فری میسن۔ لائنز اور روٹری کی شکل میں تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان کا مقصد بھی صرف اور صرف اسلام دشمنی ہے۔

یہود کے ہاتھوں جو لوگ اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے فریب خوردگی کا شکار ہوئے انہیں بروئے کار لانے کیلئے جن حربوں سے کام لیا گیا ان میں سے اولین مقام شرک کو ملا۔ اور شرک و بدعت کی تمام صورتیں آج شیعیت اور کسی حد تک بعض جامد مقلّدین کے ہاں عین اسلام ہیں۔ ان کے خالق یہی لوگ تھے۔

آج یہود کے تخریبانہ انداز سراسر بدل چکے ہیں مگر اسلام میں سادہ لوح مسلمانوں کا جو فریب خوردہ گروہ شیعیت کی صورت میں موجود ہے اس نے اپنے معتقدانہ اور مشرکانہ افعال کے دور رس اثرات سے دنیائے توحید کے اذہان کو سمیت شرک سے مسموم کر کے توحید کے شجرۂ طیّبہ کے پہلو بہ پہلو شرک کے شجرۂ خبیثہ کی آب یاری کی ہے اس کی بیخ کنی ؟

مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

شیعیت کا پس منظر

زیر نظر سطور میں مذہبی سیاسی اور تاریخی نقطۂ نگاہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد منصب خلافت کے جھگڑے کو صاحب اوراک شیعہ اصحاب کی خدمت میں پیش کرنا مطلوب ہے۔ نبی علیہ السلام کی وفات کے وقت دو طاقتیں اس ربع ارضی پر حکمران تھیں۔ عیسائی اور مجوسی۔ مگر ان دو طاقتوں کے علاوہ تیسری اور طاقت بھی تھی جو کسی ملک کی حکمران تو نہ تھی مگر ان دونوں سے خطرناک، چالاک اور اپنے عیارانہ حربوں میں بے مثال تھی۔ قرآن نے اصحاب الاخدود کے نام سے ان کا ذکر کیا ہے۔ مولوی رومی نے ایک عیار یہودی کے قصے میں ان کی فطرت کا نقشہ کھینچا ہے کہ اس نے کس طرح اپنے کان اور ناک کٹوا کر عیسائیوں میں پہنچ کر انہیں تباہ کرایا۔

ہجرت کے وقت مدینہ میں یہود کا بڑا زور تھا۔ عبداللہ رض بن سلام مشہور یہودی عالم کے اسلام لاتے وقت جو کچھ پیش آیا وہ یہودی ذہنیت کی منہ بولتی تصویر تھی۔

حضرت صفیہ رض بنت حی بن اخطب اپنے چچا اور والد کی گفتگو کے متعلق فرماتی ہیں کہ چچا نے میرے والد سے پوچھا کہ یہ وہی (پیغمبر) ہے۔ والد نے کہا۔ ہاں! پھر چچا نے پوچھا تو اس کے متعلق تمہارے دل میں کیا جذبہ ہے؟ والد نے کہا۔ دشمنی ہی دشمنی۔

مسلمانوں کی ہجرت کے وقت مدینہ کے تمام کاروبار پر یہودی چھائے ہوئے تھے۔ مسلمان بھی ان سے قرض لیتے رہے۔ مگر ان مفلوک الحال اور غریب الدیار اور بے یار و مددگار مسلمانوں کی حالت جب جنگِ بدر، اُحد اور خندق وغیرہ کی لڑائیوں کے بعد ایک خود مختار ریاست کی ہو گئی تو یہودی چکرائے گو اس سے پہلے بھی یہودیوں نے ہر موقع پر مسلمانوں کی مخالفت کی۔ غزوۂ خندق کے خالق اور غزوۂ احد کے روحِ رواں بھی یہی تھے مگر فتح مکہ کے بعد ان کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔

اس سے پہلے بنو نضیر، بنو قریظہ، بنو قینقاع یعنی یہود کے تینوں بڑے بڑے قبیلے اپنی ریاستی اور رؤسانہ سطح سے اپنی بداعمالیوں، وعدہ خلافیوں اور بدکرداریوں کی وجہ سے گر چکے تھے اور ان کا حاسدانہ جذبۂ عمل اور مخالفانہ رویہ براہ راست حملہ کرنے کی طاقت کھو

چکا تھا۔ اس لئے انہیں اپنے اسی نک کٹے باپ کی سنت پر عمل کرنے کی سوجھی اور وہ مسلمان ہونے شروع ہوگئے۔ سعد بن حنیف، زید ابن الصلت، نعمان اوفی ابن عمرو، رافع بن حریملہ رفاعہ بن زید بن تابوت، سلسلہ ابن برہام، کنانہ ابن صوریا ان لوگوں کے سرخیل تھے۔

مدینہ میں مسلمانوں کو جن مشکلات سے دوچار ہونا پڑا ان میں سب سے بڑی مشکل انہیں یہودی کی پیدا کردہ تھی ان لوگوں کی زیر زمین (UNDER GROUND) تحریک اس وقت زوروں پر تھی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس جہان فانی سے دار البقا کو عازم سفر ہوتے آپؐ کی وفات کے بعد یک لخت ارتداد اور مانعین زکوٰۃ کے فتنے اٹھ کھڑے ہوئے صدیق اکبرؓ کی بصارت و بسالت اور تدبر و فراست نے ان فتنوں کا خاتمہ کیا ہی تھا کہ راہئ ملک بقا ہوگئے۔ آپؓ کے بعد تخت خلافت فاروق اعظمؓ کے قدوم میمنت لزوم سے مزین ہوا۔ تو ایران اور روم کی دو عظیم الشان سلطنتوں سے ٹکراؤ ناگزیر ہوگیا۔ اگر اس وقت مسلمانوں کی فوجیں یرموک اور قادسیہ میں آگے بڑھ کر مجوسی اور عیسائی افواج قاہرہ کو ان کی سرحدوں سے پیچھے نہ دھکیلتیں تو شاید نتیجہ الٹ ہوتا۔

اس ہنگامہ اور فتوحات کے دور میں یہودی ریشہ دوانیاں بدستور اپنی اندرونی طاقت بڑھانے میں مصروف رہیں۔ حتیٰ کہ حضرت ذوالنورینؓ کی خلافت کا زمانہ آگیا۔ خلیفہ ثالثؓ کے زمانہ تک مختلف صوبوں میں یہودی ذہن اپنے اپنے طور پر کام میں لگے رہے۔ یہاں تک کہ یہود کو عبداللہ بن سبا یمنی نو مسلم یہودی کے وجود میں ایک شاطر کی راہنمائی میسر آگئی۔ مشہور شیعہ کتاب رجال کشی کے صفحہ ۱ پر مرقوم ہے کہ عبداللہ بن سبا شہر صنعا یمن کا رہنے والا ایک یہودی تھا۔ بظاہر مسلمان ہو کر اس نے چند روز مدینہ میں گزارے اور حالات کا مطالعہ کرتا رہا۔ پھر بصرہ پہنچ کر حکیم بن جبلہ سے ملا۔ جو ذمیوں کو لوٹنے کی وجہ سے حضرت عثمانؓ کے حکم سے نظر بند تھا۔ یہاں اس نے بڑی چابکدستی سے کہنا شروع کیا کہ بڑی حیرانی کی بات ہے کہ مسلمان حضرت عیسیٰؑ کے دوبارہ آنے کے تو قائل ہیں۔ لیکن ان سے افضل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوبارہ آنے کے قائل نہیں۔

(تاریخ اکبر شاہ خان اور ابن کثیر مصری ص ۱۶۷)

چند نو مسلم اس کے چکر میں پھنس گئے تو اس نے کہنا شروع کیا کہ جس طرح نبوت پر ایمان لانا فرض ہے امامت پر ایمان لانا بھی فرض ہے۔ بعض موقعوں پر کہا کہ جناب امیرؓ

پیکر انسانی میں خدا ہیں (غنیۃ الطالبین) علیؓ خدا ہیں اور میں ان کا نائب ہوں (رجال کشی) پھر اس نے کھل کر کہنا شروع کیا کہ حضرت علیؓ کے سوا دوسروں کو خلیفہ بنانا بڑی حق تلفی ہے۔ اس کی تلافی یوں ہو سکتی ہے کہ خلیفہ کو قتل کر کے علیؓ کو خلیفہ بنایا جائے۔

(البدایہ والنہایہ اور تاریخ اکبر شاہ خان)

جب حاکم بصرہ عبداللہ بن عامر کو اس کی ان ریشہ دوانیوں کا علم ہوا اور اس نے بلا کر ڈانٹ پلائی تو یہ چپ چاپ وہاں سے بھاگ کر کوفہ جا پہنچا۔ مگر بصرہ میں اپنے کافی ہم خیال چھوڑ گیا۔ اور کوفہ کو اپنا مرکز بنا کر ایسے ہی عقائد کا پرچار شروع کیا۔

کوفہ میں سعید بن عاص گورنر کو اس کی فتنہ انگیزیوں کی خبر ہوئی تو یہ شام کی طرف بھاگ نکلا۔ مگر کوفہ میں مالک بن اشتر نخعی، کمیل بن زیاد، علقمہ بن قیس، ثابت بن قیس جندب بن زہیر عامری، جندب بن کعب ازدی، عروہ بن جعد، عمرو بن حمق خزاعی وغیرہ اپنے متعدد جانشین پیدا کر گیا۔

مگر شام میں حضرت معاویہؓ اس کے کردار سے پہلے ہی واقف ہو چکے تھے اس لئے وہ شام میں نہ ٹک سکا اور مصر جا پہنچا۔ اس کے مصر پہنچنے پر اس کے مجوزہ دستور العمل کے مطابق کوفہ اور بصرہ کے لوگوں نے اپنے عمال کے خلاف حضرت عثمانؓ کی خدمت میں شکایتیں لکھ کر بھیجنا شروع کیں۔ اور پھر مصر سے بھی یہ سلسلہ شروع ہو گیا۔

حضرت عثمانؓ نے چند لوگوں کو دریافت حالات کے لئے ان مقامات پر بھیجا۔ مگر معلوم ہوا کہ ایسی کوئی بات نہیں۔

۳۳ھ میں حج کے موقعہ پر تمام عمال اکٹھے ہوئے اور حالات پر غور کیا گیا اور چند اصلاحی تدابیر سوچنے کے بعد مجلس برخاست ہو گئی۔ مگر سازش کی یہ کھچڑی اندر اندر پکتی رہی۔

ایک دفعہ عبداللہ بن سبا نے حضرت ابو درداءؓ کے سامنے بھی بڑے محتاط انداز سے اپنے خیالات کا اظہار کیا تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ مجھے تو تم یہودی نظر آتے ہو۔ عبادہ بن صامتؓ سے اس قسم کی گفتگو کی تو انہوں نے پکڑ کر معاویہؓ کے پاس بھیج دیا۔ انہوں نے اسے دمشق سے نکال دیا۔

اب دوبارہ پھر تخریبی خط و کتابت شروع ہوگئی۔ حضرت عثمانؓ نے ۳۴ھ کے حج پر سب کو جمع کیا۔ ان ایام میں عبداللہ بن سبا کے سازشی مدینہ میں جمع ہوئے۔ حج کے موقعہ پر

اچھی خاصی بحث و تمحیص ہوئی۔ لوگ ہر قسم کے اعتراض کرتے رہے اور آپ جواب دیتے رہے۔ مگر بغیر کسی ٹھوس فیصلہ پر پہنچنے کے اجلاس برخاست ہو گیا۔ اور لوگ رخصت ہو گئے۔

عبداللہ بن سبا نے مصر میں بیٹھے بیٹھے اپنے تمام خفیہ انتظامات مکمل کر لئے تحریک کا اصل راز سوائے چند خاص الخاص مسلم نما یہودیوں کے کسی اور کو معلوم نہ تھا۔ گویا ان لوگوں نے حبِّ علیؓ اور حمایت اہل بیتؓ کی آڑ میں اسلامی خلافت کو درہم برہم کرنے کا منصوبہ تیار کر لیا۔ اور عرب کے سادہ لوح اور عجم کے نو مسلم عبداللہ بن سبا کے فریب میں آ گئے۔

آخر مصر، کوفہ اور بصرہ کے سازشیوں نے آپس میں رابطہ قائم کر کے مدینہ کا عزم کیا۔ شوال ۳۵ھ میں مصر سے چھ سو، بصرہ سے چھ سو، کوفہ سے چھ سو کا قافلہ نکلا۔ ان لوگوں نے مدینہ کے قریب پہنچ کر علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ سے رابطہ قائم کیا۔ ان سب نے ملامت کی۔ آخر فیصلہ ہوا کہ کم از کم مصر کا عامل ضرور تبدیل کر دیجئے۔ چنانچہ محمد بن ابو بکرؓ کو ان کے ساتھ کر دیا گیا۔

واپس جانے کے تین چار روز بعد قافلے پھر اکٹھے ہو کر نعرے لگاتے ہوئے مدینہ میں داخل ہوئے اور حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ حضرت علیؓ نے وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے غلام عبداللہ بن سعد کے ہاتھ مصر کے عامل کو رقعہ لکھا ہے کہ ان لوگوں کے مصر پہنچتے ہی انہیں قتل کر دیا جائے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ مدینہ سے مصر، کوفہ اور بصرہ ایک دوسرے کی مختلف سمتوں کی طرف واقع ہیں۔ اگر مصر کے لوگوں کو یہ شکایت پیدا ہوئی تو مخالف سمتوں میں سفر کرنے والوں کو اس بات کا کیسے علم ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہودی اپنی اس سازش کو جو انہوں نے سالہا سال کی کوششوں سے تیار کی تھی۔ پروان چڑھا کر ہی دم لینا چاہتے تھے۔

الغرض حضرت عثمانؓ کے مکان کا محاصرہ کر لیا گیا۔ اور چالیس روز یہ محاصرہ قائم رہا۔ آپ نے اپنے بچاؤ کے تمام انتظامات سے انکار کر دیا تھا۔

غرضیکہ خلیفہ ثالثؓ شہید کر دیئے گئے۔[1]

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

[1] سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے حالات کیلئے "شہادت ذو النورین" کا مطالعہ کیجئے۔

یہودیوں کی ان تمام کارروائیوں سے مجوسیوں کا باہر رہنا مستبعد نہیں بلکہ یہودیوں نے مجوسیوں کی تحریک سے متاثر ہو کر کام شروع کیا تھا۔ یہودیوں کی ان سازشوں سے سالوں پہلے ایک فرزند مجوس، ناطق بالصدق والصواب عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ثانی کو شہید کر چکا تھا۔[2]

ابن سبا کے تیار کردہ گروہ میں مجوسی بھی موجود تھے دونوں کا مقصد ایک، دونوں کا مطمع نظر ایک، دونوں کا ارادہ ایک۔ پھر یہ یقینی بات ہے کہ یہودیوں کے ساتھ مجوسی بھی ضرور تھے۔ خلیفہ دوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجوسی شقاوت کا شکار ہوئے۔ اور جامع القرآن کامل الحیاء والایمان ذی النورین حضرت عثمانؓ ابن عفان خلیفہ ثالث یہودی ریشہ دوانیوں کی بھینٹ چڑھ گئے۔

"قاتلینِ عثمانؓ شہادت عثمانؓ کے وقت پورے طور پر مدینہ پر قابض تھے ابن سبا کا ایک نائب غافقی بن حرب العلی جو مصری بلوائیوں کا لیڈر تھا۔ تین دن تک امیر مدینہ رہا۔ حضرت ذوالنورینؓ کی محصوری کے ابتدائی ایام میں مسجد نبوی میں نمازیں بھی یہی پڑھاتا رہا۔ (طبری جلد ۵، صفحہ ۱۲۹) صرف جمعہ کی نماز حضرت علیؓ پڑھاتے رہے۔ نہایت حیران کن بات یہ ہے کہ حضرت ذوالنورینؓ شہید ہو جاتے ہیں۔ شیعوں کے خلیفہ بلافصل حضرت حیدر کرارؓ موجود ہیں۔ نمازیں باغی پڑھاتے ہیں اور آپؓ ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عبداللہ بن سبا یہ بات ہزاروں سے متجاوز افراد کو ذہن نشین کروا چکا تھا کہ علیؓ وصی ہیں۔ امام ہیں۔ بلکہ اپنے خاص خاص لوگوں کو یہ بھی بتا چکا تھا کہ علیؓ خدا ہیں، وہ میں ان کا نائب ہوں۔ مگر علیؓ کو آگے لا کر خلافت ان کے حوالے نہیں کرتے۔ مقام غور ہے کہ کیا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس تمام سازش کے مالہ اور ماعلیہ سے قطعاً بے خبر تھے۔

صحابہ کرامؓ پر ایک سکتہ کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ باغی مدینے کی گلیوں میں دندناتے پھر رہے تھے ہر شخص اپنی جگہ پر ہراساں اور مبہوت تھا۔ تین روز تک یہ کیفیت رہی اور

[2] ابو لولو کو حضرت عبدالرحمان چند روز پہلے ہرمزان نو مسلم مجوسی اور جفینہ عیسائی غلام کے پاس دیکھ چکے تھے۔ ابو لولو آپ کو دیکھ کر گھبرا اٹھا تو اس سے دو نا خنجر گر پڑا جس سے بعد میں حضرت فاروق اعظمؓ شہید کئے گئے۔

چوتھے روز باغیوں نے خلافت کا تاج سیدنا علیؓ کے سر پر رکھ دیا۔ صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے ان کے ہاتھ پر بیعت نہ کی۔ سیدنا طلحہؓ و زبیرؓ جو اجل صحابہ میں سے تھے باغی ان کے سروں پر تلواریں لے کر کھڑے ہو گئے اور کہا بیعت کرو ورنہ تمہارے سر قلم کر دیئے جائیں گے۔

ذرا اطمینان کی فضا پیدا ہوئی تو آپؓ کو عبداللہ بن سبا کے نظریات بھی معلوم ہوئے۔ اب آگے مناقب آل ابی طالب تالیف محمد بن علی مازندرانی مطبوعہ بمبئی جلد ثانی صفحہ ۱۲ سطر ۱۲ ملاحظہ کیجئے۔

عبداللہ بن سنان سے مروی ہے کہ عبداللہ بن سبا نبوت کا مدعی اور علی مرتضیٰ امیر المومنینؓ کی الوہیت کا معتقد تھا۔ پس جب امیر المومنین کو عبداللہ بن سبا کے اس عقیدے کا علم ہوا تو آپؓ نے اسے بلا کر دریافت کیا۔ اس نے اعتراف کیا اور کہا آپ معبود برحق ہیں۔ پس کہا علیؓ نے اس سے افسوس ہے تجھ پر تحقیق شیطان تم سے تمسخر کرتا ہے۔ تیری ماں تیرے ماتم پر روئے۔ اس عقیدہ سے باز آجا اور توبہ کر۔ پس جب اس نے انکار کیا۔ تو آپ نے اسے قید کر دیا۔ تین روز متواتر اسے توبہ کی ہدایت کی جب وہ تائب نہ ہوا تو اسے آگ میں جلا دیا۔

تھوڑے سے لفظی تغیر کے ساتھ یہی واقعہ کتاب الصادقین فی شرح الاربعین تصنیف علی حسین زنگی پوری مطبوعہ مطبع اثنا عشری سید عابد علی ص ۴۴ پر مرقوم ہے البتہ وہاں پر یہ الفاظ زائد ہیں کہ:۔

اس نے جہال شیعہ کی طرف رجوع کر کے امیر المومنین علی مرتضیٰؓ کی الوہیت کا انہیں سبق دیا۔ اور آپؓ نے اس کو معہ اس کے متبعین کے آگ میں جلا دیا۔

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ شہادت ذوالنورینؓ کا کرتا دھرتا ابن سبا تھا۔ جہاں شیعہ کو علیؓ کی الوہیت کی طرف راغب کرنے والا ابن سبا تھا اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس فرقہ کا بانی ابن سبا ہی تھا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ علیؓ نے اسے معہ اس کے متبعین کے جلا دیا۔ اس سے صاف

واضح ہوتا ہے کہ بعد میں حضرت علیؓ کی طرف امامت، وصایت، الوہیت اور بلافصل خلافت کے جو نظریات منسوب کئے گئے وہ عبداللہ بن سبا کے جلائے جانے پر ختم نہیں ہوئے بلکہ پوشیدہ کر دیئے گئے۔ اور بہت بعد دوبارہ اجاگر کئے گئے۔

عبداللہ بن سبا کے آگ میں جلانے کی روایت بھی من گھڑت ہے۔ تمام تاریخیں اس بات کی شاہد ہیں کہ جنگ جمل سے پہلے حضرت ام المومنینؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان مفاہمت کی فضا پیدا ہو چکی تھی۔ مگر سبائیوں نے اپنے گرد کے ایماء پر ام المومنینؓ کی فوج پر حملہ کر کے جنگ شروع کرا دی۔ جنگِ صفین میں بھی انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اور جب قاتلین عثمانؓ کو حضرت علیؓ نے اپنے لشکر سے الگ کرنا چاہا تو بیس ہزار آدمی لشکر سے الگ ہو کر کہنے لگے کہ ہم سب قاتلین عثمانؓ ہیں۔ گویا اب عبداللہ بن سبا ایک ابن سبا نہیں تھا بلکہ بیس ہزار ابن سبا تھے۔ اور ابن سبا خود ان میں موجود تھا۔ علی کرم اللہ وجہہ نے ابن سبا کو کب جلایا، کہاں جلایا اور کس تاریخ میں لکھا ہے کہ آپ نے ابن سبا کو جلایا تھا۔ یہ ایک من گھڑت اور وضعی بات ہے۔ عبداللہ بن سبا کے نظریات پر تو بعد میں یہ تمام عمارت کھڑی کی گئی بعض تاریخوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ آپ نے ابن سبا کو جلا وطن کر دیا تھا۔ مگر کب جلا وطن کیا۔ وہ تو آخر وقت تک آپ کے ساتھ رہا۔ حضرت حسنؓ کے خلع خلافت کے وقت اسی کے ایماء سے آپ پر حملہ کیا گیا اور بہت بعد کہیں اپنی موت مرا۔

ایران کے مجوسی

ان لوگوں کے دلوں میں کینہ کی پہلی چنگاری اس روز بھڑکی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ھ میں باقی بادشاہوں کو دعوتِ اسلام کے نامہ ہائے مبارک لکھتے وقت پرویز شاہِ ایران کو بھی نامہ لکھا۔ پرویز نے بغیر پڑھے ہی اسے چاک کر کے اپنے ایک گورنر کو جو یمن کا عامل تھا لکھا کہ محمدؐ کو گرفتار کر کے دربار میں پیش کرے۔ مگر جب باذان کے فرستادہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے تو آپؐ نے فرمایا کہ آج کی شب تمہارے بادشاہ پرویز کو اس کے بیٹے نے قتل کر دیا ہے۔ اور پرویز کے نامہ مبارک چاک کرنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی فرما دیا تھا کہ اس نے میرا رقعہ نہیں چاک کیا

بلکہ اپنی سلطنت کو چاک کیا ہے۔

اب آگے مشہور شیعہ مورخ جین کاظم زادہ کی زبان سے سنیئے:۔

جس دن سعدؓ بن ابی وقاص خلیفہ دومؓ کی جانب سے ایران کو فتح کیا۔
۔۔۔ ایرانی اپنے دلوں کے اندر کینہ و انتقام کا جذبہ پالتے رہے ۔۔۔
۔۔۔ یہاں تک کہ فرقہ شیعہ کی بنیاد پڑ جانے سے پورے طور پر اس کا اظہار کرنے لگے۔

صاحبان واقفیت و اطلاع اس بات کو بخوبی جانتے اور مانتے ہیں۔ کہ شیعیت کی بنیاد و ظہور میں اعتقادی مسائل اور نظری و نقلی اختلافات کے علاوہ ایک سیاسی مسئلہ بھی تھا۔

آگے چل کر اس سیاسی مسئلہ کو یہی مصنف واضح کر کے لکھتا ہے کہ:۔

ایرانی ہرگز اس بات کو کبھی نہ بھول سکتے تھے نہ معاف کر سکتے تھے اور نہ قبول کر سکتے تھے کہ مٹھی بھر ننگے پیر دن پھرنے والے عربوں نے جو جنگل و صحرا کے رہنے والے تھے ان کی مملکت پر تسلّط کر لیا ہے۔ ان کے قدیم خزانوں کو لوٹ کر غارت کر دیا ہے اور ہزاروں لوگوں کو قتل کر دیا ہے۔

آگے چل کر یہی مصنّف لکھتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے مدائن وغیرہ کے مفتوح ہزاروں ایرانیوں کو لونڈی و غلام بنا لیا۔ اور حضرت علیؓ اور حسینؓ نے اپنے اپنے حصے میں آئے ہوئے قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ اور پھر ان کی دیکھا دیکھی اور لوگوں نے بھی آزاد کر دیا۔ اس طرح تمام قیدی آزاد ہو گئے۔

ایرانیوں کی نفرت کا ایک اور واقعہ بھی اسی جین کاظم زادہ کی زبان سے سنیئے:

ہرمزان ایرانی کو جو خوزستان کا سابق والی اور "یکے از بزرگ زادگان و صاحب افسران ایران" تھا۔ معہ ایک اور شخص کے قتل کر دیا۔ کیونکہ ابولؤلؤ اکثر ہرمزان کے پاس جاتا رہتا تھا حضرت عثمانؓ نے سیاست کو عدالت پر ترجیح دے کر خون بہا اپنے پاس سے ادا کر کے عبیداللہؒ کو آزاد کر دیا۔ حالانکہ حضرت علیؓ نے عبیداللہؒ کو قصاص میں قتل کر

دینے کا مشورہ دیا تھا۔

مصنّف یہ واقعہ لکھنے کے بعد اس پر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے کہتا ہے:۔

اس معاملہ نے ایرانیوں کے دلوں میں عمرؓ و عثمانؓ کے خلاف غصہ اور کینہ کی آگ کو بھڑکا دیا اور حضرت علیؓ امیر المومنین کے ساتھ انکی محبت کو اور زیادہ کر دیا۔ ایرانی جو اپنے بادشاہ اور سرپرست سے محروم ہو گئے تھے۔ اس دن سے حضرت علیؓ کو اپنا حامی اور مہربان سمجھنے لگے۔ اور ان کے اور ان کی اولاد کے حق میں اپنے اخلاص و محبت کا اظہار کرنے لگے۔

(ملخص از تجلیات روح ایران در ادوار تاریخی)

حالانکہ یہ سب جھوٹ اور فریب ہے۔ حضرت عثمانؓ نے عبیداللہؒ کو ہرمزان کے بیٹے قباذان کے حوالے کیا تھا۔ ہرمزان بظاہر مسلمان تھا مگر درپردہ پکا اسلام دشمن مجوسی تھا۔ اور اس کا بیٹا قباذان پکا مسلمان تھا۔ اور اپنے باپ کی سازش سے بھی واقف تھا۔ اس نے عبیداللہؒ کو "اللہ کے واسطے چھوڑ دیا تھا۔ طبری اس واقعہ پر الگ عنوان قائم کر کے تبصرہ کرتا ہے (طبری ج ۵ ص ۴۳-۴۴) حضرت عثمانؓ نے اپنے پلے سے کوئی خون بہا ادا نہیں کیا تھا۔ یہ صرف مجوسی سازش کی سحر کاری ہے اور لطف یہ کہ بڑے بڑے محققین اور مورخین نے اُسے درست تسلیم کر لیا۔

اسی طرح لونڈی اور غلام بنانے والا پہلا واقعہ بھی سراسر غلط ہے۔ صرف اہواز کے مقام پر بغاوت ہوئی تو ابوموسیٰ اشعریؓ نے بغاوت کچل کر وہاں کے لوگوں کو گرفتار کیا۔ مگر حضرت عمرؓ کے حکم سے سب چھوڑ دیئے گئے۔ مدائن کی فتح کے وقت بھی سب نے جزیہ دینا قبول کیا۔ اور ذمی بن کر رہنا منظور کیا۔ اور وہ بدستور اپنی جائدادوں اور املاک پر قابض رہے۔ صرف جلولا کی جنگ میں مال غنیمت کے علاوہ غلام اور لونڈیاں مسلمان لشکریوں کے ہاتھ آئیں ان میں اعلیٰ خاندان کی لڑکیاں بھی تھیں۔ حضرت عمرؓ سبایا الجلولیات سے پناہ مانگا کرتے تھے۔

(ماخوذ و ملخص طبری ج ۴ ص ۱۳-۱۱ تاریخ الامم اسلامی ج ۲ ص ۲۸ اخبار الطوال ص ۱۶۴)

یہود و مجوس کا گٹھ جوڑ

عبداللہ بن سبا کی زیرزمین سرگرمیاں اور مجوسیوں کی ریشہ دوانیاں ایک دوسرے سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھیں۔ دونوں اسلام دشمن تھے۔ دونوں کے دل میں اسلام کے خلاف بغض و عناد کی چنگاریاں سلگ رہی تھیں۔ دونوں اپنے اپنے مقام پر پورے طور پر اسلام کے خلاف محاذ قائم کر چکے تھے مگر دونوں کے طریق کار میں معمولی سا فرق تھا۔ مجوسی اپنی زبان، طرز معاشرت، نشست و برخاست اور زندگی کے دوسرے پہلوؤں میں عرب کے طریق زندگی میں اپنے آپ کو مدغم نہیں کر سکتے تھے۔ مگر یہود عربی النسل تھے ان کا طرز زندگی بالکل عربی تمدن کو اپنائے ہوئے تھا۔ مجوسی پہلی نظر میں پہچانے جاتے تھے کہ یہ غیر عرب ہیں۔ مگر یہودیوں کو مسلمانوں میں گھل مل جانے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ دونوں کے مل جانے پر قیادت کا یہودیوں کے ہاتھ میں آجانا قدرتی امر تھا اس لئے یہاں مورخین نے اسلام دشمنی میں صرف یہودیوں کا نام لیا ہے۔ ورنہ فلسفہ تاریخ کا ایک مبتدی بھی حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتا کہ سبائی عنصر صرف یہودی اسلام دشمن گروہ پر مشتمل نہیں تھا بلکہ پورا مجوسی ذہن، مجوسیوں کا سرمایہ، مجوسیوں کی ہمدردیاں ان کے ساتھ تھیں۔ آگے چل کر معلوم ہوگا کہ شیعیت کی پوری دینیات مجوسیت اور ثنویت کا چربہ ہے۔

اسلام دشمنی میں سبائیت کی نسبت مجوسیت کو اولیت کا مقام ہے سبائیت سے پہلے مجوسیت شہادت فاروقؓ کا کارنامہ انجام دے چکی تھی۔ گو قیادت کا تاج سبائیت کے سر رہا۔ مگر اس میں روح پھونکنے والی قوت مجوسیت کی تھی۔ حضرت علیؓ کے متعلق جن عقائد کا اظہار سبائیت نے کیا وہ تمام مجوسی اعتقاد کا چربہ تھا۔ اور جس طرح یہودیوں کو عرب کی اجارہ داری کے چھن جانے کا صدمہ یا مجوسیوں کو ایرانی سلطنت کے خاتمہ کا افسوس تھا۔ اسی طرح عیسائیوں کو مصر سے ملک بدر ہونے کا غم تھا اور یرموک میں پٹنے کا صدمہ، عیسائی وفد جو مصر سے مدینہ پہنچا اس میں عیسائی نومسلم کی اکثریت تھی اور کوفہ کے وفد میں مجوسی نومسلم زیادہ تھے یوں سمجھئے کہ مجوسی، یہودی اور عیسائی پورے طور پر اسلام کو مٹانے کے لئے ایک لائحہ عمل تیار کر چکے تھے اور آخر انہوں نے علیؓ کی آڑ میں ذوالحجہ ۳۵ھ

میں مدینۃ النبیؐ میں عین روضۂ نبویؐ کے سامنے حضرت ذوالنورینؓ کو شہید کر دیا۔

سیدنا علیؓ کی خلافت

۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو حضرت عثمانؓ شہید ہوئے۔ ۲۱ ذی الحج ۳۵ھ کو قاتلین عثمانؓ نے سیدنا علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے انہیں خلیفہ منتخب کر دیا۔

صحابہ کرامؓ کا زیادہ سنجیدہ اور سمجھدار طبقہ جان چکا تھا کہ فتنہ کا دروازہ کھل چکا ہے اس لئے ان میں سے متعدد نے بیعت نہ کی البتہ طلحہؓ، سعدؓ، زبیرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ چونکہ معززہ اور نامور صحابہ میں شمار ہوتے تھے اس لئے انہیں بیعت کے لئے مجبور کیا گیا۔

امیر مروانؒ بن حکم بھاگ گئے اور ان کے خاندان والوں کو سیدنا علیؓ (زین العابدینؒ) اپنی جاگیر ینبع میں لے گئے اور بعد میں اپنے بیٹوں کے ہمراہ انہیں دمشق پہنچا دیا۔ اموی حضرت عثمانؓ کا خون آلودہ کرتہ اور حضرت نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں لے کر دمشق پہنچ گئے۔

ادھر حالات یہ تھے ادھر طلحہؓ اور زبیرؓ نے قاتلین عثمانؓ سے قصاص کا مطالبہ شروع کر دیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا میں حضرت عثمانؓ کے معاملہ میں پورا انصاف کرونگا مگر ابھی بلوائیوں کا زور ہے۔ اور امر خلافت ابھی مستحکم نہیں ہوا۔ میں اطمینان اور سہولت حاصل ہونے کے بعد اس طرف توجہ دوں گا۔

تیسرے دن آپؓ نے حکم دیا کہ کوفہ، بصرہ اور مصر سے آئے ہوئے تمام لوگ واپس چلے جائیں یہ حکم سن کر ابن سبا اور اس کے ساتھیوں نے واپس جانے سے انکار کر دیا۔ یہ گویا آپؓ کی خلافت کی پہلی بدفالی تھی کہ جن لوگوں نے آپؓ کے نام پر آپؓ کا نام لے کر عثمانؓ کو شہید کیا انہوں نے ہی حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ یہ تھا شیعانِ علیؓ کا پہلا کردار اس کے بعد آپؓ نے عثمانی عمالؓ کی معزولی اور اپنے عمال کی تقرری کے پروانے جاری کئے۔ جو سب صرف کاغذی پروانے ہی رہے شام سے مخالفت کے نعرے بلند ہونے شروع ہو گئے گویا اب ان تمام فتنوں کا سدِ باب شام پر حملہ تھا۔ مگر اس حملہ کی تیاری سے پہلے ہی صدیقۂ کائناتؓ جو حج سے واپس آرہی تھیں حضرت عثمانؓ کے قتل سے آگاہ ہو کر واپس مکہ چلی گئیں۔ طلحہؓ اور زبیرؓ بھی حضرت علیؓ کی اجازت سے مدینہ چھوڑ کر مکہ پہنچ چکے تھے۔

حالات نے کچھ ایسی صورت اختیار کر لی تھی کہ:-

۱۔ حضرت عثمانؓ کے قاتل ابھی تک حضرت علیؓ کی فوج کے ساتھ تھے یعنی مجوسی یہودی اور عیسائی گروہ۔

۲۔ حضرت علیؓ نے عثمانی عمال کی معزولی اور اپنے معاون و انصار کی تقرری کے پروانے جاری کئے مگر کسی پر عمل نہ ہوا۔

۳۔ طلحہؓ، زبیرؓ اور صدیقہ کائناتؓ کی طرف سے قاتلین عثمانؓ سے قصاص کا تقاضا شروع ہو گیا۔

۴۔ اکثر اہل مدینہ گوشہ نشین ہو گئے۔

ادھر مکہ سے صدیقہ کائناتؓ نے شدت سے خون عثمانؓ کا مطالبہ شروع کر دیا۔ واقعات کے سیاق و سباق سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن سبا کے سازشی یقیناً مکہ پہنچ چکے ہوں گے۔ مگر صدیقہ کائناتؓ ان کے فریب میں نہ آئیں۔

حضرت علیؓ ذی قار میں پہنچے تو طلحہؓ و زبیرؓ بصرہ پہنچ کر اہالیان بصرہ سے خون عثمانؓ پر بیعت لے چکے تھے۔ غرض خانہ جنگی کی فضا تیار ہو گئی۔ حضرت علیؓ نے قعقاع کو سفیر بنا کر ان کے پاس بھیجا اور حالات کچھ سنبھلتے نظر آئے۔ مگر سبائیوں نے خطرہ محسوس کر کے الگ ایک مجلس منعقد کی۔ اس میں اشتر نخعی، شریح بن اوفی، عبداللہ بن سبا، سالم بن ثعلبہ، علباء بن ہیثم کے علاوہ اڑھائی ہزار افراد شامل تھے۔

فیصلہ ہوا کہ اگر عائشہؓ اور علیؓ کے درمیان صلح ہو گئی تو دونوں کی تلواریں ہماری گردنوں پر ہوں گی۔

امن کی فضا سازگار ہوتی جا رہی تھی کہ رات کو سبائی یہودیوں، مجوسیوں اور عیسائیوں نے طلحہؓ اور زبیرؓ کی فوج پر حملہ کر دیا۔ گھبراہٹ میں طلحہؓ اور زبیرؓ نے علیؓ کی فوج پر حملہ کر دیا۔ ہر فریق نے یہ سمجھا کہ دوسرے فریق نے دھوکا دیا پس وہ ہوا جو ہونا تھا۔ جنگ ہوئی اور دس ہزار مسلمان کھیت رہے۔

حضرت علیؓ نے حضرت عائشہؓ کو با احترام مدینہ روانہ کیا۔ فریقین کے مقتولین پر نماز جنازہ پڑھا کر دفنایا۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے اسی ہزار کا لشکر جمع کیا اور دریائے فرات عبور کر کے شام کی سرحد میں داخل ہو گئے۔

ادھر سے معاویہؓ کا لشکر پہنچ گیا۔ بات وہی قاتلین عثمانؓ کے قصاص سے شروع ہوئی۔ اسے سن کر تقریباً بیس ہزار سبائیوں نے علوی فوج سے الگ ہو کر کہا کہ ہم سب عثمانؓ کے قاتل ہیں۔

یہاں شیعی اثرات نے بعض اذہان کو اس حد تک متاثر کیا ہوا ہے کہ وہ فوراً اس قسم کے سوالات پیدا کر دیتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کی حیثیت ایک صوبائی عامل کی تھی اور حضرت علیؓ کی حیثیت ایک سربراہ مملکت کی۔ معلوم نہیں کس ضابطہ یا قانون کے تحت معاویہؓ حضرت علیؓ سے خون عثمانؓ کا مطالبہ کر رہے تھے اور پھر وہ عثمانؓ کے جائز وارث بھی نہیں تھے بلکہ ایک دور کے رشتہ دار تھے۔ مگر ایسے اعتراض کرنے والے اس وقت کی ابتری کی کیفیات کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ جن سے پوری مملکت دوچار تھی۔ معاویہؓ حقیقت میں اس قسم کا مطالبہ کر کے حضرت علیؓ کو مجوسیت، یہودیت اور عیسائیت کے گٹھ جوڑ سے نکالنا چاہتے تھے۔

فریقین یعنی شیعہ سنی دونوں نے اس موضوع پر جی بھر کر طبع آزمائی کی ہے مگر ابھی تک بات وہیں کی وہیں ہے۔

حضرت علیؓ نے شام پر حملہ کا ارادہ کر لیا۔ اور جنگ صفین ہو کر رہی مقتولین کی تعداد ستر اور نوے ہزار کے درمیان بیان کی جاتی ہے اور یہ فوج کی وہ تعداد تھی جو تمام کرۂ ارضی کو فتح کر سکتی تھی۔ آخر جب شامی افواج میں شکست کے آثار نظر آنے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ عمرو بن العاصؓ کے مشورہ سے قرآن کو نیزوں پر بلند کر کے کہا گیا کہ اے گروہ عرب خدا رومیوں اور ایرانیوں کے ہاتھ سے تمہاری عورتوں اور بچوں کو بچائے تم فنا ہو گئے۔ دیکھو یہ کتاب اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان حکم ہے۔

عمرو بن العاصؓ اس فتنہ سے پورے طور پر باخبر تھے اور اگر معاویہؓ حضرت علیؓ کے حق میں دستبردار ہو جاتے تو تمام ملک کا ایک جیسا حشر ہوتا۔

حضرت علیؓ نے لڑائی بند کرانے کا حکم دے دیا۔ لیکن اشتر اور اس کے سبائی گروہ کے آدمی لڑائی بند کرنے کے حق میں نہ تھے بلکہ وہ تو مسلمانوں کا قتل عام چاہتے تھے۔ سال بھر کی جنگ کے بعد ۱۳ صفر ۳۷ھ کو ایک معاہدہ لکھ کر ابو موسیٰ اشعریؓ اور عمرو بن العاصؓ کو حکم مقرر کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ ابو موسیٰ اشعریؓ کو عمرو بن العاصؓ نے چکمہ دے کر علیؓ کو معزول

کا اعلان کروا دیا۔ حالانکہ یہ فیصلہ قطعاً غلط ہے۔ ابوموسیٰ اشعریؓ کسی کے چکمے میں آنے والے نہیں تھے۔ وہ بہت بڑے مدبر اور تجربہ کار انسان تھے اور نہ عمرو بن العاصؓ اتنی گھٹیا ذہنیت کا مظاہرہ کر سکتے تھے۔ علیؓ کی نام نہاد حکومت سے معزولی کا فیصلہ سینکڑوں صحابہؓ سے مشورہ کے بعد ہوا تھا۔ جس پر عمل نہ ہو سکتا تھا اور نہ ہوا اور اب اسی سبائی گروہ نے کہنا شروع کر دیا کہ علیؓ کافر ہو گیا ہے۔

یہ سبائیوں کا دوسرا زیر زمینی حملہ تھا (تفصیل دوسرے مقام پر ہے) حکمین کے فیصلے کے بعد معاویہؓ بدستور امیر شام رہے۔

نہروان کی شکست کے بعد خوارج میں سے تین آدمیوں نے علیؓ، معاویہؓ اور عمروؓ بن العاص کے قتل کے فیصلہ پر متفق ہو کر رمضان ۴۰ھ میں بیک وقت تینوں پر حملہ کیا۔ علیؓ شہید ہو گئے۔ اور مؤخر الذکر دونوں بچ گئے۔

یہاں ایک نہایت توجہ طلب نکتے کی طرف قارئین کو توجہ دلائی جاتی ہے کہ جنگ صفین کے موقع پر حضرت علیؓ کا بھائی عقیلؓ ابن ابی طالب معاویہؓ کے ہمراہ تھا اور معاویہؓ کا بھائی زیاد بن ابی سفیانؓ حضرت علیؓ کی طرف سے فارس کا گورنر تھا۔

(ملخص از تاریخ اسلام جلد دوم اکبر شاہ خاں وغیرہم)

حضرت علیؓ کے بعد حضرت حسنؓ خلیفہ منتخب ہو گئے مگر وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشن گوئی کے مطابق معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ یہودی تحریک اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکی تھی۔ مسلمان تین گروہوں میں بٹ چکے تھے۔ خوارج، شیعہ اور سنی۔ خوارج تو ختم ہو گئے مگر شیعہ اور سنی کی چپقلشیں جاری رہیں۔

تمام عالم اسلام اموی حکومت پر مطمئن ہو کر خاموش ہو چکا تھا۔ مسلمان جمل اور صفین کی خانہ جنگیوں میں ایک لاکھ تک اپنے فرزندوں کو قربان کر چکے تھے اور وہ کسی حد تک اس فتنہ سے واقف بھی ہو چکے تھے۔ اب معاویہؓ نے سربراہ مملکت بننے کے بعد اس گروہ کی گوشمالی کی طرف توجہ کی۔ ان کے سب بل نکال کر رکھ دیئے اور وقتی طور پر یہ فتنہ دب کر رہ گیا۔ معاویہؓ کے مرنے کے بعد یزیدؒ کے زمانہ میں واقعہ کربلا پیش آیا۔ تو اس بجھی ہوئی راکھ سے مختار ثقفی مسلمانوں کے سروں پر برق جہندہ بن کر کوندا۔ مختار جس کے عقائد و نظریات اور حالات دوسرے مقام پر لکھے گئے ہیں کے قتل ہونے کے کچھ عرصہ

بعد اموی گورنر حجاج بن یوسف نے اس فتنہ کو نیست و نابود کرنے کے لئے بڑی بڑی جلیل القدر ہستیوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ان حالات میں سبائی نظریات کے پنپنے کے مواقع تقریباً ختم ہو چکے تھے۔

سبائیت کو خوب معلوم ہو چکا تھا کہ جزیرہ نما عرب میں اب اس کے پنپنے کی گنجائش نہیں اور سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہیں کہ مجوسیت کے مرز و بوم میں پناہ لی جائے۔ ایران میں شہادتِ فاروقؓ کے دن کو بابا شجاع کی عید کے نام سے در پردہ منانے والے پیدا ہو چکے تھے۔ سبائیت کو اپنے دین و مذہب سے کوئی غرض نہ تھی۔ اس کا دین و مذہب صرف یہی تھا کہ اسلام کو ختم کیا جائے اب یہ لوگ گروہ در گروہ ایران میں پہنچنے شروع ہو گئے۔ ایران کی سرزمین مرکز سے بہت دور تھی اور ابھی اس ملک میں بڑے بڑے مرزبان اور دہقان اپنے آبائی مذہب پر کاربند تھے۔ انہوں نے ان نواردوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور انہیں اپنے نظریات پھیلانے میں پورے تعاون کا یقین دلایا۔ چونکہ کھلم کھلا یہ لوگ اسی صورت میں اپنے نظریات پھیلا سکتے جب "خاک از تودۂ کلاں بردار" کے مصداق کسی جلیل القدر ہستی کو اپنی آڑ بنا لیتے۔ اور وہ ہستی حضرت علیؓ کی صورت میں پہلے ہی ان کے اذہان میں مقام حاصل کر چکی تھی۔ حضرت علیؓ کو آڑ بنا کر عوام میں اثر و رسوخ پیدا کرنے کے لئے وصایت، ولایت اور امامت کے نظریات کی اشاعت ہی ایک کارگر حربہ تھا۔ اور اس حربہ سے اس قدر کام لیا کہ آج شیعہ مذہب کی بنیاد ہی ان باتوں پر ہے۔

امام مظلوم سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے آخری زمانہ میں جب سبائیوں نے یہ جھوٹا الزام لگایا کہ انہوں نے اصلی قرآن جلا دیا ہے تو یہ سن کر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ یہ بہتان ہے آپ نے اختلاف والی چیز کو جلایا ہے اور متفق علیہ کو باقی رکھا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ خدا کی قسم اگر حضرت عثمانؓ کی جگہ میں ہوتا تو وہی کچھ کرتا جو انہوں نے کیا ہے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۱۷۱)

شہادت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ قاتلانِ عثمانؓ پر لعنت بھیجا کرتے تھے چنانچہ مشہور شیعہ عالم سید علی نقوی لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ خدا کی لعنت ہو ان لوگوں

پر جنہوں نے عثمانؓ بن عفان کو قتل کیا۔

(رجال بخاری جلد ا صفحہ ۱۵۰۔ امامیہ مشن لکھنؤ)

ایک موقع پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ حضرت عثمانؓ ہم سب سے افضل، سب سے زیادہ رحیم، سب سے زیادہ متقی اور سب سے زیادہ پاکباز تھے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۹۳)

جنگ صفین کے بعد حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کو لکھا کہ اے ابن عم جو ہونا تھا ہو چکا۔ اب آپ کو صلح کر لینی چاہیے۔ اس پر حضرت علیؓ راضی ہو گئے۔

(تاریخ ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۳۲۴)

جنگ صفین کے زمانے میں کسی عیسائی حکمران نے حضرت معاویہؓ کو امداد کی پیش کش کی انہوں نے جواب دیا کہ اگر میرے بھائی علیؓ تیرے خلاف فوج کشی کریں تو میں ان کی فوج میں ایک سپاہی کی حیثیت سے تیرے خلاف جنگ کروں گا۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۱۹)

جب بعض یہودی سبائیوں نے حضرت معاویہؓ کو کافر کہنا شروع کیا تو حضرت علیؓ نے اپنے تمام مفتوحہ ممالک میں اعلان کر دیا کہ ہمارا اور اہل شام کا خدا ایک، رسول ایک اور اسلام ایک ہے۔ ہاں خونِ عثمانؓ کے بارے میں ہمارے درمیان اختلاف ہے۔ اور ہم خونِ عثمانؓ سے بری ہیں۔

(نہج البلاغہ جلد ۳ ص ۱۲۵)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ ہر نماز کے بعد حضرت معاویہؓ پر لعنت بھیجا کرتے تھے لیکن لعنت تو کجا؟ وہ تو دوسروں سے ان کے خلاف کوئی بات سننا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ واقعہ صفین کے بعد جب چند لوگوں کو آپ نے معاویہؓ کو برا کہتے ہوئے سنا تو فرمایا۔ معاویہؓ کو برا مت کہو۔ معاویہؓ جب تم لوگوں سے اٹھ جائیں گے تو تم دیکھو گے کہ کتنے سر تن سے جدا ہوتے ہیں۔

(تاریخ الخلفاء بحوالہ ابن عساکر صفحہ ۲۱۸)

جب حضرت معاویہؓ کو خبر پہنچی کہ حضرت علیؓ کو ان کے ایک شیعہ (جو بعد میں خارجی ہو گیا تھا) نے شہید کر دیا ہے تو بے اختیار رونے لگے۔ بیوی نے حیران ہو کر وجہ

پوچھی تو کہنے لگے آج دنیا کا سب سے بڑا عالم شہید ہو گیا ہے۔

مشہور شیعہ مؤرخ ابن ابی الحدید لکھتا ہے کہ معاویہؓ دنیا میں پہلے شخص تھے جنہوں نے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو دس لاکھ درہم عطا کیے۔

(ناسخ التواریخ ۶/۷ - ابن ابی الحدید ۳/۸۲۴ تاریخ الامت ۴/۷)

جب حضرت حسنؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے کوفیوں سے فرمایا کہ میرے والد مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ معاویہؓ کی امارت قبول کرنے سے کراہت نہ کرنا۔

(البدایہ جلد ۸ ص ۱۳۱ ابن ابی الحدید ۳/۸۳۶

حضرت حسنؓ کی طرح حضرت حسینؓ بھی حضرت معاویہؓ کی بہت عزت کرتے تھے۔ ایک دفعہ جامع کوفہ میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اے آلِ محمدؐ تم میں سے جو بھی حشر کے دن لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتا ہوا آئے گا بخشا جائے گا۔ اس پر معاویہؓ نے پوچھا اے بھتیجے آلِ محمدؐ کون ہے۔ حضرت حسینؓ نے جواب دیا۔ کہ جو لوگ حضرت ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ اور آپ کو گالیاں نہیں دیتے۔ (ابنِ عساکر ۸/۳۱۲)

مشہور شیعہ مؤرخ ابن طقطقی نے لکھا ہے کہ امیر معاویہؓ نہایت حلیم اور بردبار تھے جب ابن عباسؓ ان کے پاس گئے تو انہوں نے ان کا خیر مقدم کیا اور ان کا وظیفہ مقرر کیا۔ اس کے علاوہ عطیات بھی دیتے رہے۔ (الفخری ص ۹۴)

سنہ ۵۳ھ میں جب امیر یزیدؒ امیر الحج بن کر مکہ گئے اور حج کے بعد مدینہ پہنچے۔ تو عبداللہؓ بن جعفر طیارؓ نے جو حضرت علیؓ کے داماد اور حسینؓ کے بہنوئی تھے اپنی بیٹی سیدہ ام محمدؒ کا عقد یزید بن معاویہؓ کے ساتھ کر دیا۔ (جمہرۃ الانساب ص ۶۲)

آج مروانؒ اور یزیدؒ کے نام گالی کے طور پر استعمال ہوتے ہیں یہ لوگ جو تاریخ سے نابلد، دین سے کورے، علم سے بے بہرہ اور عقل و خرد سے بیگانہ ہیں صرف شیعوں کی دیکھا دیکھی ایک رٹ لگائے جا رہے ہیں اور اس بات کا ذرہ بھر خوف ان کے دلوں میں نہیں کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں اور کن لوگوں کے حق میں کہہ رہے ہیں۔

ذرا مروان بن حکم کے متعلق بھی سن لیجیے۔ حضرت حسینؓ کی دو بہنیں خدیجہؒ بنت علیؓ اور رملہؒ بنت علیؓ اسی مروان کے دو بیٹوں سے بیاہی گئی تھیں اور خود حسینؓ کی بیٹی سیدہ سکینہؒ مروان کے پوتے اصبغ ابن عبدالعزیز کے نکاح میں تھیں۔

(طبقات ابن سعد ۴۷۵/۸ - ابن قتیبہ ۱۲۲/۱)

آگے چلیئے :-

مروان رضؓ کا آخری وقت ہے ایسے وقت میں لوگ اپنی ذات اور اپنی اولاد کے خیال میں پھنسے ہوتے ہیں - مگر مروان رضؓ اپنے بیٹے عبدالملک کو کہتے ہیں کہ علیؓ (زین العابدینؒ) نے مجھ سے ایک لاکھ درہم قرض لئے تھے - میرے مرنے کے بعد ان سے اس قسم کا مطالبہ نہ کرنا -

(البدایہ جلد ۹ صفحہ ۱۰۴) [1]

امیر یزیدؒ مدینہ کی بغاوت فرو کرنے کے لئے فوج بھیجتے ہیں - مگر امیر لشکر کو ہدایت کرتے ہیں کہ علیؓ (زین العابدین) بن حسینؓ کی رعایت کرنا اور ان کی پوری عزت و تکریم ملحوظ رکھنا - کیونکہ انہوں نے ہی مجھے اس بغاوت کی خبر دی ہے -

(طبری جلد ۲ صفحہ ۲)

خود شیعہ مصنفین نے اس واقعہ کی تصدیق کی ہے - حضرت محمد باقرؒ بیان کرتے ہیں کہ جب میرے والد مسلم بن عقبہ رضؓ سے ملنے گئے تو اس نے میرے والد کو تخت پر بٹھایا - مزاج پرسی کی - والد صاحب نے جواب میں اللہ کا شکر ادا کیا - مسلم نے کہا امیر المومنین یزیدؒ نے مجھے آپ سے حسن سلوک کی ہدایت کی ہے - والد صاحب نے فرمایا - ان کے لئے اللہ کی سلامتی ہو اور اس کی طرف سے جزائے خیر -

(جلاء العیون صفحہ ۲۷۶ الامامۃ و السیاسۃ جلد ۱ صفحہ ۲۳)

محمد بن حنفیہ یعنی حضرت علیؓ کے فرزند ایک بار امیر یزیدؒ کی ملاقات کو گئے - واپس آئے تو باغیوں کے امیر ابن مطیع نے ان سے کہا کہ یزید فاسق فاجر اور شرابی ہے - اس لئے آپ اس کی بیعت توڑ دیں - آپ نے فرمایا - خدا سے ڈرو - کیا تم نے اسے سب کچھ کرتے دیکھا ہے؟ میں تم سے زیادہ عرصہ اس کے پاس رہا ہوں - مگر میں نے ان میں سے کوئی بات اس میں نہیں دیکھی -

(البدایہ جلد صفحہ ۲۳۳)

مروان کے مرنے کے بعد عبدالملک خلیفہ ہوئے تو جن لوگوں نے سب سے پہلے ان کی بیعت کی ان میں علیؓ (زین العابدین) بن حضرت حسینؓ بھی تھے - اسی لئے عبدالملک

---

[1] امیر مروان بن حکم کے تفصیلی حالات کیلئے میری تالیف "امیر المومنین حضرت امیر مروان بن الحکم" کا مطالعہ کیجئے -

ان کی بہت زیادہ عزت کرتے تھے -

(طبقات الکبریٰ جلد ۵ صفحہ ۱۵۹ - تابعین صفحہ ۳۰۲)

حضرت علیؓ حسنؓ اور حسینؓ نے اصحاب ثلاثہؓ اور معاویہؓ و یزید کے ہاتھ پر بیعت کی

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خلفائے ثلاثہؓ کی بیعت کی -

جنگ صفین سے واپسی کے موقع پر حضرت حسنؓ سے فرمایا :-

امیر معاویہؓ کی امارات کو برا نہ سمجھنا - اور اگر تم نے ان کی امارت سے علیحدگی اختیار کی تو تم دیکھو گے کہ کس مقدار میں لوگوں کی گردنوں کی کھوپڑیاں اڑیں گی -

(نہج البلاغۃ صفحہ ۸۳۶)

حضرت علیؓ نے ایک بار معاویہؓ اور ان کے رفقاء کے متعلق فرمایا :-

(نہج البلاغۃ بحوالہ تفسیر اثنا عشریہ صفحہ ۵۳۸)

حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ کو کہتے ہیں تو داماد ہے - پیغمبر کے اس مرتبہ پر پہنچا ہوا ہے جس تک یہ دونوں (ابوبکرؓ اور عمرؓ نہیں پہنچے)

(خطبہ جناب علیؓ نیرنگ فصاحت ترجمہ نہج البلاغۃ مترجمہ سید ذاکر حسین مطبع یوسفی دہلی صفحہ ۱۷۱)

حضرت حسنؓ نے معاویہؓ سے صلح کی - شیعہ ان کی خدمت میں آئے اور بعض ان میں سے امامؑ پر معاویہؓ سے بیعت کرنے کی وجہ سے ملامت کرنے لگے -

(جلاء العیون)

ہم میں سے کوئی نہیں مگر یہ کہ اس کی گردن میں بیعت خلیفہ ہو جو زمانہ سے واقع ہوتی ہے - مگر ہمارے امام قائم کہ عیسیٰؑ ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے -

(جلاء العیون بحوالہ احتجاج طبری)

اسی مضمون کی ایک حدیث بحوالہ کافی، حق الیقین صـ ۲۴۱ پر بھی مضمون ہے۔

حضرت حسین رضؓ نے حضرت معاویہ رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ جس پر سلیمان بن خرد نے کہا کہ معاویہ رضؓ بدرک داصل شد حسین بیعت خود را شکستہ۔

(مہیج الاحزان صـ ۴۸)

حضرت موسیٰ (کاظم) نے مہدی عباسی کے ہاتھ پر بیعت کی اور اُسے یا امیرالمومنین کر کے خط لکھا۔ (اصول کافی کتاب الحج)

حالانکہ بقول حضرت جعفر (الصادق) امیرالمومنین کا خطاب جناب امیر رضؓ سے پہلے کسی کا نہ تھا اور اگر کوئی بعد کو اختیار کرے تو وہ کافر ہے۔ حتیٰ کہ امام مہدی بھی اس لقب سے ملقب نہ کیے جائیں گے۔ (اصول کافی کتاب الحجۃ)

حضرت علی رضؓ کا ایک قول ہے کہ ہم دونوں فریق مسلمان ہیں۔ ایک خدا اور ایک رسول کو ماننے والے ہیں ہم ان سے زیادہ مسلمان نہیں ہیں کہ انہیں بُرا کہا جائے۔

(تلخیص نہج البلاغۃ صـ ۱۵۹)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کے متعلق روضہ میں حضرت علی رضؓ کا ایک قول بدیں الفاظ مرقوم ہے۔

نَوَّرَ اللّٰہُ قَبْرَ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی کَمَا نَوَّرَ مَسَاجِدَ اللّٰہِ بِالْقُرْآنِ۔

حضرت ابوبکر رضؓ کی خلافت کے شروع میں چند روز تک حضرت علی رضؓ نے آپؓ کے ہاتھ پر بیعت نہ کی تو ابوسفیان رضؓ نے حضرت علی رضؓ کو ابوبکر صدیق رضؓ کے خلاف خروج میں آمادہ کرنا چاہا۔ مگر حضرت علی رضؓ نے ابوسفیان رضؓ کو حقارت سے جھڑک دیا۔ کیونکہ وہ اس فعل کو بُرا جانتے تھے جب ان کی سمجھ میں یہ بات آگئی کہ خلافت کے معاملہ میں کسی کی رشتہ داری کو کوئی دخل نہیں۔ بلکہ اس کے لیے اور ضروری باتیں قابل لحاظ ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کے مستحق ہیں تو وہ خود بخود آکر صدیق اکبر رضؓ کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے۔ اور اس کے بعد سب سے زیادہ صدیق اکبر رضؓ کے وہی معین و مددگار اور دل سے فرمانبردار رہے۔

(تاریخ اسلام جلد اوّل صـ ۵۶۴ اکبر شاہ نجیب آبادی)

حضرات علیؓ اور حسنینؓ صحابۂ کرامؓ کے حق میں کیا کہتے ہیں؟

اہل سنت والجماعت کی معتبر کتابوں میں تقریباً اسّی سندوں سے حضرت علی رضؓ سے مروی ہے کہ اس اُمت میں نبیؐ کے بعد سب سے افضل ابوبکرؓ ہیں۔ پھر ان کے بعد عمر رضؓ۔ چونکہ شیعہ حضرات کے سامنے یہ کوئی سند نہیں اس لیے آیئے ہم ان کی معتبر کتابوں کو سرسری نظر سے ہی دیکھ کر اندازہ کریں کہ حضرت علی رضؓ صحابہ کرام رضؓ کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔

۱۔ اور تجھے سب سے افضل اسلام میں جیسا کہ تم نے بیان کیا اور سب سے زیادہ مخلص اللہ اور رسول کے خلیفہ صدیق رضؓ اور خلیفہ کے خلیفہ فاروق رضؓ اور قسم اپنی جان (کے مالک) کی کہ یہ تحقیق مرتبہ ان کا اسلام میں بڑا ہے اور ان کی وفات سے اسلام میں سخت زخم پہنچا اللہ ان دونوں پر رحم کرے اور ان کے اچھے کاموں کا بدلہ دے۔ (شرح نہج البلاغۃ مطبوعہ طہران جلد ۳)

(حضرت علی رضؓ کا خط بنام امیر معاویہ رضؓ)

۲۔ جناب امیرؓ کا ایک خط سب شہروں کے مسلمانوں کی طرف بیان کیا جاتا ہے۔ اس میں وہ قصہ جو ان میں اور اہل صفین میں واقع ہوا (آپؓ فرماتے ہیں) ابتداء ہمارے معاملہ کی یہ ہوئی کہ ہمارا اور اہل شام کا مقابلہ ہوا اور ظاہر ہے کہ ہم دونوں کا رب ایک، نبیؐ ایک اور دعوائے اسلام بھی ایک تھا نہ ہم ان میں زیادتی چاہتے تھے۔ اللہ پر ایمان اور رسولؐ کی تصدیق میں اور نہ وہ ہم میں زیادتی چاہتے تھے مگر جھگڑا پڑ گیا۔ ہم دونوں میں خون عثمان رضؓ پر اور ہم اس سے پاک ہیں۔ (نہج البلاغۃ)

۳۔ میں ایسی کوئی بات نہیں جانتا جو آپ نہ جانتے ہوں نہ آپ کو کوئی ایسی بات بتاتا ہوں جس کو آپ نہ پہچانتے ہوں۔ بہ تحقیق جو میں جانتا ہوں۔ آپ بھی جانتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہے جیسا ہم نے دیکھا اور سُنا ہے۔ آپ نے رسولؐ کی صحبت پائی جیسے ہم نے پائی۔ اور ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ حق پر عمل کرنے کے آپ سے زیادہ حقدار نہ تھے آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ نسبت ان کے قرابت قریبہ رکھتے تھے آپ نے دامادیٔ رسول پائی جو انہوں نے نہیں پائی۔[1]

[1] حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس واضح فرمان کے علی الرغم آج کے شیعہ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

یہ تھا حضرت علی رضؓ کا عثمان رضؓ سے تخاطب (نہج البلاغۃ قسم اوّل مطبوعہ مصر ص۳۲۲)

۴۔ امیر معاویہ رضؓ کے نام خط کا ایک ٹکڑا۔

اور سوا اس کے نہیں کہ انتخاب کا مشورہ مہاجرینؓ وانصارؓ کا حق ہے اگر وہ کسی شخص پر اتفاق کرلیں اور اس کو امارت کے لیے نامزد کر دیں۔ وہ خدا کا پسندیدہ امام ہے[1] (نہج البلاغۃ قسم دوم مطبوعہ مصر ص۷)

۵۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ایک حدیث۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا یہ فرزند سردار ہے اور مجھے خدا سے امید ہے کہ وہ مسلمانوں کے دو گروہوں میں مصالحت کرائے گا۔ (ناسخ التواریخ ص۵۵)

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر معاویہ رضؓ کی خلافت کی بیعت کی۔

۶۔ حضرت حسن رضؓ کو حضرت علی رضؓ کے بعد خلیفہ بنایا گیا۔ مگر آپ رضؓ نے بطیب خاطر امیر معاویہ رضؓ سے صلح کر کے اپنی خلافت ان کے سپرد کر دی اور ان کی بیعت کر لی۔ اور وظیفہ لے کر الگ ہو گئے۔ (فضائل مرتضوی وغیرہ)

امیر معاویہ رضؓ نے مروان کو لکھا کہ تمہارا خط ملا۔ تم ہرگز معترض امام حسین رضؓ نہ ہونا اور جب تک وہ تم سے تعلق نہ رکھیں تم بھی ان سے علاقہ نہ رکھنا کہ جب تک وہ میری بیعت پر وفا کریں گے۔ میں ان کا معترض نہ ہوں گا۔ (جلاء العیون ص۳۶۹)

۷۔ حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ:۔

خدا کی طرف بلانے اور جہاد کرنے کی اجازت خدا کی طرف سے اس کو ملتی ہے جو مظلوم ہو۔ مظلوم وہ ہوتا ہے جو مومن ہو۔ مومن وہ ہے جس میں مندرجہ ذیل باتیں پائی جائیں:

(۱) غیر اللہ کی عبادت نہ کرے۔ (۲) اس کے ایمان میں شرک کی آمیزش نہ ہو۔
(۳) کافروں پر سخت ہو (۴) مسلمانوں پر مہربان ہو۔
(۵) اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا طالب ہو (۶) قتل ناحق اس سے صادر نہ ہو
(۷) زنا کار نہ ہو (۸) اپنے گناہوں سے توبہ کیا کرتا ہو۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) حضرات نبی علیہ السلام کی دوسری بیٹیوں کے ہی سرے سے منکر ہیں۔

[1] آج کے شیعہ حضرات خلافت کو منصوص مانتے ہیں جو صریحاً حضرت علی رضؓ کے ارشاد کے خلاف ہے۔

(۹) ہر حال میں اللہ کا شکر کرتا ہو (۱۰) روزہ اور نماز کا پابند ہو

اور اس کی تائید میں امام صاحب رحؒ نے بہت سی آیات پڑھیں اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ جن مہاجرینؓ نے روم[1] اور فارس میں جہاد کیا۔ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ماذون بہ جہاد تھے۔ پھر فرماتے ہیں مہاجرینؓ پر دو طرح کے ظلم ہوئے۔ اہل مکہ نے ان پر ظلم کیے۔ ان کو گھروں سے نکالا۔ اور ان کا مال چھین لیا گیا۔ پس انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اذن سے جہاد کیا پھر قیصر وکسریٰ اور قبائل عرب وعجم نے ان پر ظلم کیے۔ پس انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اذن سے قیصر وکسریٰ سے جہاد کیا۔

(فروغ کافی جلد اوّل کتاب الجہاد صفحہ ۶۰۹ تا ۶۱۲ سے ملخص)

حضرت علیؓ کا خط امیر معاویہ رضؓ کے نام

۵۔ اِنَّہٗ بَایَعَنِی الْقَوْمُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا اَبَا بَکْرٍؓ وَعُمَرَؓ وَعُثْمَانَؓ مَا بَایَعُوْھُمْ عَلَیْہِ فَلَمْ یَکُنْ لِلشَّاھِدِیْنَ یَخْتَارُ وَلَا لِلْغَائِبِ اَنْ یَرُدَّ وَاِنَّمَا الشُّوْرٰی لِلْمُہَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ فَاِنِ اجْتَمَعُوْا عَلٰی رَجُلٍ وَّسَمُّوْہُ اِمَامًا کَانَ ذٰلِکَ لِلّٰہِ رِضًی ـ ـ ـ ـ

ترجمہ: بہ تحقیق مجھ سے بیعت کی ہے ان لوگوں نے جنہوں نے بیعت کی تھی۔ ابوبکر رضؓ عمر رضؓ اور عثمان رضؓ سے انہیں شرائط پر۔ جن شرائط کے ساتھ ان سے کی تھی لہٰذا اب نہ حاضر کو اختیار حاصل ہے کہ کسی اور کو پسند کرے اور نہ غائب کو کہ میری خلافت کو رد کر دے۔ خلافت کا حق مہاجرینؓ اور انصارؓ کا ہے۔ وہ اگر اس شخص پر متفق ہو جائیں اور اس کو امام کہہ دیں تو وہ اللہ کا پسندیدہ امام ہے۔ (نہج البلاغہ)

تبصرہ

حضرت علی رضؓ اپنی خلافت کے انتخاب کے جواز میں حضرات ابوبکر رضؓ عمر رضؓ اور عثمان رضؓ

[1] روم کے جہاد میں یزید کی شمولیت سے کسی کو انکار نہیں۔

کے انتخاب کی شرائط پیش فرماتے ہیں۔ جس کا صاف مطلب ہے خلفائے ثلاثہ خلافت کو علی برحق جانتے تھے۔

اس خط سے ثابت ہوتا ہے کہ "امام کا منصوص ہونا" یاران طریقت کی بہت بعد کی ایجاد ہے۔

حضرت علی رضؓ نے بطیب خاطر اصحاب ثلاثہ رضؓ کی خلافت کو تسلیم کیا۔

مُعاویہؓ ویزیدؒ اور علی رضؓ، حسن رضؓ، حسین رضؓ ایک دوسرے کی نظر میں

امیر معاویہ رضؓ رحلت کے وقت امیر یزید کو وصیت کرتے ہیں:

"لیکن امام حسین رضؓ پس ان کی نسبت وقرابت جناب رسالت مآبؐ سے تجھے معلوم ہے۔ وہ حضرتؐ کے بدن کے ٹکڑے ہیں۔ انہی کے گوشت وخون سے انہوں نے پرورش پائی ہے۔ مجھے علم ہے کہ عراق والے ان کو اپنی طرف بلائیں گے۔ اور ان کی مدد نہ کریں گے۔ اگر تو ان پر قابو پالے تو ان کے حقوق اور عزت کو پہچاننا۔ اور ان کا مرتبہ اور قرابت جو رسولؐ سے ہے اس کو یاد رکھنا۔ ان کے افعال کا ان سے مواخذہ نہ کرنا۔ اور اس مدت میں جو روابط کہ میں نے ان سے مضبوط کیے ہیں ان کو نہ توڑنا اور خبردار ان کو کوئی تکلیف نہ دینا۔

(ترجمہ جلاء العیون صفحہ ۴۲۱، ۴۲۲)

اے بیٹا ہوس نہ کرنا اور نیک کردار رہنا۔ تاکہ جب اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو تو تیری گردن پر حسین رضؓ بن علی رضؓ کا خون نہ ہو ورنہ کبھی آسائش نہ دیکھے گا اور ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہے گا۔ (ناسخ التواریخ)

ایک دفعہ چند مصاحبوں نے امیر معاویہ رضؓ کو کہا کہ حسین رضؓ ہر وقت آپ کو برا بھلا کہتے ہیں۔ اور آپ خاموش ہی رہتے ہیں تو معاویہ رضؓ ہنسے اور فرمایا تم دونوں نے غلط کہا۔ میں حسین رضؓ بن علی رضؓ کا کیا عیب بیان کر دوں۔ مجھ جیسے کو کب درست

ہے کہ کسی کی غلط عیب جوئی کر کے دوسروں سے تکذیب کرائے۔ حسین رضؓ کا عیب کس طرح کروں کہ واللہ میں ان میں کوئی عیب نہیں پاتا۔ الغرض ایسی کوئی بات جو امام حسین رضؓ کو ناگوار خاطر ہوتی معاویہ رضؓ نے نہ کہی۔" (ناسخ التواریخ ج ۶ صـ)

امیر معاویہ رضؓ کا معمول تھا کہ ہر سال ہزار ہزار درہم بیت المال سے امام کی خدمت میں بھیجتے۔ اس کے علاوہ بیش بہا تحفے تحائف بھی بکثرت روانہ کرتے رہتے تھے۔ (ناسخ التواریخ)

ایک بار یمن کا خراج شام کی طرف لے جایا جا رہا تھا۔ جب قافلہ مدینہ پہنچا تو امام حسین رضؓ نے تمام مال ضبط کر کے تقسیم کر دیا۔ اور امیر معاویہ رضؓ کو بذریعہ خط اطلاع دی تو معاویہ رضؓ نے جواب میں لکھا؛

اگر آپؓ اونٹوں کا قافلہ مجھ تک آنے دیتے تو جو کچھ آپؓ کا حصہ ہوتا میں اس سے دریغ نہ کرتا۔ لیکن میں خیال کرتا ہوں کہ اے میرے بھتیجے آپؓ آمادۂ مخالفت نہیں ہیں۔ اور جب تک میرے دم میں دم ہے آپ کو تکلیف نہ ہوگی۔ کیونکہ میں آپؓ کی قدر ومنزلت کو جانتا ہوں اور آپؓ کو اس اقدام پر بھی معاف کرتا ہوں۔

(ناسخ التواریخ صفحہ ۵۷-۵۸)

یزیدؒ نے ولید بن عقبہ بن ابوسفیان کو جو خیر خواہان نبوت تھا اور امام حسینؓ کے خلاف کسی قسم کی کارروائی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

(جلاء العیون صفحہ ۴۲۴-۴۲۵)

مدینہ کا حاکم اور مروان رضؓ بن حکم کو جو جناب امیر اور ان کی اولاد کا دشمن تھا برخاست کیا۔ (جلاء العیون صفحہ ۴۲۴) امیر مروانؒ پر یہ صریحاً بہتان ہے کہ وہ حضرت علی رضؓ کا دشمن تھا۔ علی رضؓ کی شان میں معاویہ رضؓ کا یہ شعر اکثر کتب شیعہ میں مرقوم ہے ؎

خَیْرُ الْبَرِیَّةِ بَعْدَ اَحْمَدَ حَیْدَرٌ
فَالنَّاسُ عَرْضٌ وَالْوَصِیُّ سَمَاءٌ

امیر یزیدؒ کے متعلق سید منیر حسین زیدی لکھتے ہیں کہ یزیدؒ صبح اٹھ کر نماز پڑھتا تھا اور طلوع آفتاب تک وظیفہ میں مشغول رہتا تھا۔ (ملخص مختار نامہ ص ۱۰-۱۱)

شیعہ اور صحابہ کرام رضؓ

مگر ایسی واضح، ٹھوس، بیّن اور شگاف تصریحات کے باوجود بعد میں آنے والے شیعہ مصنفین نے کس تضاد بیانی سے کام لیا۔

صرف تین

عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ کَانَ النَّاسُ اَھْلُ رِدَّۃٍ بَعْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَّا ثَلَاثَۃً قُلْتُ وَمَنْ ثَلَاثَۃٌ فَقَالَ الْمِقْدَادُ ابْنُ الْاَسْوَدِ وَاَبُوْذَرٍّ الْغِفَارِیُّ وَسَلْمَانُ الْفَارِسِیُّ۔ (دھنہ کافی ص۱۱۵)

حضرت محمد باقرؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ کے بعد سوائے تین آدمیوں کے سب مرتد ہو گئے (راوی کہتا ہے) میں نے پوچھا وہ تین بزرگ کون تھے آپ نے فرمایا: مقداد بن الاسود رضؓ۔ ابوذر غفاری رضؓ۔ سلیمان فارسی رضؓ کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون اِلّا کذبا۔

صرف چار

یعنی علی رضؓ اور ہمارے چار شخصوں کے سوا اُمت میں سے سب نے بخوشی بیعت کی (احتجاج طبرسی ص۴۸) چوتھے سے مراد حضرت عمار رضؓ ہیں — شیعوں کے مجتہد علامہ حسن علی المعروف ابن المطہر کشی سے روایت کرتے ہیں۔ قَالَ اَبُوْ جَعْفَرٍ رضؓ اِرْتَدَّ النَّاسُ اِلَّا ثَلٰثَۃَ نَفَرٍ سُلَیْمَانُ، اَبُوْذَرٍّ وَمِقْدَادُ۔ قُلْتُ فَعَمَّارٌ قَالَ کَانَ حَاصَ حَیْصَۃً ثُمَّ رَجَعَ الخ کہ حضرت باقرؒ نے کہا کہ سلیمانؓ، ابوذرؓ و مقدادؓ کے سوا سب مرتد ہو گئے ابوبکر حضرمی نے پوچھا کہ عمارؓ؟ تو امام نے کہا ایک بار اس کو حیض آیا پھر رجوع کر گیا۔ آگے چل کر امام نے کہا کہ سچا مسلمان صرف مقدادؓ رہ گیا تھا (کشی)، ایک بھی نہیں۔ حضورؐ کی وفات کے بعد تمام بنی ہاشم مرتد ہو گئے (مجالس المومنین جلد سوم)

بارہ ہزار: اصحابِ رسولؐ بارہ ہزار تھے۔ آٹھ ہزار مدینہ سے دو ہزار غیر مدینہ سے۔ دو ہزار رہا کہ وہ لوگوں میں سے اور کوئی ان میں نہ قدری تھا نہ مرجی نہ حروری نہ معتزلہ نہ خود رائے۔ پس سب شب و روز روتے تھے اور دعائیں کرتے تھے کہ یا اللہ خمیری روٹی کھانے سے پہلے ہماری روح قبض کر لے۔ (از امام جعفر۔ کتاب خصائل ابن بابویہ و حیات القلوب ملا باقر مجلسی ج۲ ص۵۸۸)

کہتے ہیں دروغگورا حافظہ نباشد پہلی روایت کے مطابق تین دوسری کے مطابق چار تیسری کے مطابق ایک بھی نہیں اور چوتھی کے مطابق بارہ ہزار اور پہلی روایت میں اس محب اہل بیت نے علی رضؓ فاطمہ رضؓ اور حسنینؓ کو بھی نہ بخشا۔ اگر کہا جائے کہ وہ تو امام اور معصوم تھے ان کے ارتداد کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ تو دوسری روایت میں بھی حضرت علی رضؓ کے نام کی ضرورت نہ تھی۔ پھر سب کے ارتداد میں تو ایک بھی نہ بچا۔ چوتھی روایت میں جن فرقوں کے نام مذکور ہیں ان فرقوں کے بانیوں کے باپ بھی اس زمانہ میں پیدا نہیں ہوئے تھے جن کا ذکر فاضل مصنف نے کیا ہے معلوم ہوتا ہے یہ روایت گھڑنے والے سب کے سب تاریخ سے بھی اور دین سے بھی جاہل تھے جن لوگوں نے حیات القلوب مجالس المومنین اور اختصاص کا مطالعہ کیا ہے وہ ان باتوں سے بے خبر نہیں جو بڑی شدومد سے بیان کی گئی ہے کہ کسی کو علی رضؓ کی امامت میں شک تھا کسی نے نافرمانی کی اور کسی پر کوئی ظالم مسلّط ہوا اور کسی پر عذاب نازل ہوا۔

کتاب اختصاص میں معتبر سند سے امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے سلیمانؓ تیرا علم اگر مقدادؓ پر پیش کیا جاوے تو وہ کافر ہو جائے پھر آنحضرتؐ نے مقداد کو فرمایا۔ کہ اے مقداد رضؓ اگر تمہارا صبر سلیمانؓ پر پیش کیا جائے تو وہ ضرور کافر ہو جائے۔ (ترجمہ از حیات القلوب جلد۲)

کچھ معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا

کور باطنی

مگر سینکڑوں واضح آیات اور ہزارہا فرمودات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علی الرغم

ایک گروہ نبی علیہ السلام کے وصال کے ربع صدی بعد پیدا ہوتا ہے اور دبی زبان میں اکثر صحابہ رضہ کرام کی شان میں گستاخیاں شروع کر دیتا ہے نصف صدی گزرنے کے بعد کہنا شروع کرتا ہے کہ نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد آپؐ کے تمام صحابیؓ مرتد ہو گئے تھے۔ گویا نبی علیہ السلام کی تئیس سالہ محنت سے سینچی ہوئی کھیتی اجاڑ کر رکھ دی جاتی ہے۔ آپؐ کی محنت سے لگایا ہوا تر و تازہ پُر بہار باغ جلا کر راکھ کر دیا جاتا ہے۔ دین حق کی تبلیغ کی مرکزی ریاست مرتدوں کے حوالے کر دی جاتی ہے گویا محمدؐ کو پیدا کر کے نہ اللہ اپنی مشیت کو پورا کرنے پر قادر ہو سکا نہ نبیؐ تئیس سال میں منافقوں اور فاسقوں سے اپنے آپؐ کو بچا سکا۔ دنیا جس طرح کفر و عصیان کے سمندر کے بحر مواج میں غوطے کھا رہی تھی اس سے بھی اسفل مقام پر پہنچ گئی۔ اس سے بڑھ کر ناانصافی، فراست کی کمی، بصیرت کا فقدان عقل کی بے مائیگی اور کیا ہو سکتی ہے کہ بیک جنبش قلم۔ بیک اشارہ ابرو۔ بیک حرکت مجنونانہ اپنے نظریات کو پھیلانے کے لیے اسلام کو ہی سرے سے ختم کر دیا جائے۔ اور اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے میں ذرہ بھر خوف نہ کیا جائے کہ جن کی زد میں آکر صحابہ کرامؓ تو درکنار نہ اللہ کی الوہیت قائم رہے اور نہ رسولؐ کی رسالت بچ سکے۔ ایک صدی گزرنے کے بعد مجوسیت و یہودیت کا وہ پودا جو فاروق اعظم رضہ اور عثمان غنی رضہ کی شہادت کا موجب بنا تھا اور اپنے آپ کو شیعان علی رضہ کے نام سے منسوب کرتا تھا۔ اس نے علی رضہ اور اس کے جانشینوں کو بھی نہ بخشا عملاً تو وہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حسنین رضہ سے نپٹ چکے تھے اب علمی طاقت کھو کر زبانوں کے تیر چلانے لگے اور حضرات علی رضہ و حسنین رضہ کے فرمودات کے خلاف وہ کچھ کہنا شروع کر دیا جس کا تصور بھی ان نفوس قدسیہ کے سایہ تک بھی رسائی نہ کر سکتا تھا۔ شیعوں کی تبرا بازی سے متنفر ہو کر زمانہ حال کے ایک شیعہ مورخ کو اپنی قوم سے احتجاج کرنا پڑا کہ:

اسلام کی آسمانی کتاب کسی مذہب کے بزرگوں کو وہ خواہ کیسے ہی ہوں بُرا کہنے کی اجازت نہیں دیتی مذہبی احکام سے قطع نظر عقلاً اور اخلاقاً بھی کوئی ضمیر کسی دوسرے کی توہین کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتی۔۔ سنی اگرچہ ائمہ اہل بیت کی خلافت (خلافت بلافصل مؤلف) کے قائل نہیں

تاہم ان کا احترام کرتے ہیں۔

شیعوں کے اس فعل نے انہیں ہمیشہ مغلوب و مقہور رکھا۔ انہوں نے سیاسی و مذہبی نقصان اٹھائے۔ طرح طرح کی مصیبتیں اور تکلیفیں جھیلیں دوسروں کی نظروں میں حقیر و ذلیل ہوئے تاہم اپنی ضد پر جمے ہوئے ہیں اور خود کو مومن کہتے ہیں۔ مگر یہ خبر نہیں کہ قرآن مومنوں کی تعریف میں وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ یعنی وہ بے ہودہ باتوں سے پرہیز کرتے ہیں۔ کہتا ہے ہو سکتا ہے کہ کسی وقت اس رسم کو جسے شیعہ اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں۔ دوسروں کی مذہبی توہین اور دلآزاری بلکہ موجب نقص امن سمجھ کر جبراً و حکماً روک دیا جائے۔

مجاہد اعظم جلد اوّل ص۴۲۳ مولفہ شاکر حسین نقوی

اصحاب ثلاثہ رضہ سے سیدنا علی رضہ کو ہرگز کسی قسم کی کوئی شکایت نہ تھی۔ اور نہ ان کے کسی کلام سے اس قسم کا کوئی ثبوت ملتا ہے۔ تعزیہ، تبرا، ماتم وغیرہ کی بدعات کے متعلق کسی دوسری جگہ شیعوں کی کتابوں سے ثابت کیا گیا ہے کہ تیسری صدی ہجری کے وسط کی ایجاد ہیں۔ حضرت علی رضہ کو اصحاب رضہ ثلاثہ سے بڑی محبت تھی اور انہیں جذبات محبت کے نتیجہ میں انہوں نے اپنے تین بیٹوں کے نام اصحاب ثلاثہ رضہ کے نام پر رکھے۔

تفہیم

یہاں قطع نظر لمبی چوڑی علمی موشگافیوں کے صرف قرآنی شواہد سے اپنے دیدہ و دل منور کیجیے:

ارشاد ہوتا ہے: اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔

اس مژدہ جانفزا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت شاد کام فرمایا جاتا ہے جب حجۃ الوداع کے موقعہ پر سوا لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کے سامنے آپؐ اپنا الوداعی

پیغام حاضرین کو سنا کر استفسار فرماتے ہیں۔ اے لوگو! کیا میں نے تم کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا۔

جواب میں جاں نثار اور فدائی عرض کرتے ہاں یا رسول اللہ! آپؐ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا۔ تین بار اس تکرار کے بعد پھر آپ اپنی انگشت مبارک آسمان کی طرف بلند کر کے اپنی مقدس زبان سے گوہر بار ہوتے ہیں اے اللہ تو گواہ رہ اے اللہ تو گواہ رہ اے اللہ تو گواہ رہ!!

سبحان اللہ! "قربان جایئے اس مولائے قدوس کے" اس بھری دنیا کے اندر وہ دن ازل سے لے کر ابد تک اپنی مثال آپ تھا۔ نبیؐ اور کون سا نبیؐ، ختم الرسلؐ اور افضل البشر نبیؐ، مجمع اور کیسا مجمع رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کا مجمع۔

ایسا پاک، مقدس، بزرگ اور بے مثال مجمع چشم فلک نے اس سے پہلے دیکھا تھا! اور نہ بعد میں دیکھے گی ـــــ دن اور حج اکبر کا دن، مقام اور دنیا بھر سے مقدس مقام مجمع اور کیسا مجمع ـــــ انبیاءؑ کے بعد مقدس ترین انسانوں کا مجمع پھر کیسے ہو سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس بے مثال اجتماع السعادات میں اپنی رحمت و ربوبیت سے سرفراز نہ فرماتے ارشاد ہوا تو کیسا ارشاد اور کیا ارشاد؟

دین	اور مکمل دین
نعمتیں	اور بھرپور نعمتیں
رضامندی	اور سلامتی کے دین پر رضامندی

گویا سرٹیفکیٹ ملتا ہے کیا سرٹیفکیٹ۔ مکمل دین کا۔ نعمتوں کے اتمام کا اور سلامتی کے دین پر رضامندی کا۔ سبحان اللہ سبحان اللہ!

ہے کوئی مذہبی اور آفاقی طاقت جو اس سرٹیفکیٹ کو منسوخ کرنے یا مٹا ڈالنے کی جرأت کرے۔ یہ جرأت نہ نصاریٰ سے ہوئی نہ یہود سے اس گستاخی کا ارتکاب نہ مجوسی کر سکے نہ مظاہر پرست نہ بدھ شنٹو کے اندر یہ یارائے دریدہ دہنی پیدا ہو سکا۔ اور نہ ہنود میں ہاں اس میدان میں اگر کوئی اترا بھی تو کون اترا؟

جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ بھی پڑھتے ہیں اور بیک جنبش قلم اشارہ ابرو بیک لفظ زبان، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تئیس سالہ محنت سے سینچی ہوئی بار آور کھیتی

کو بزعم خویش جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیتے ہیں۔

بڑی آسانی سے کہہ دیا کہ نبیؐ کے مرنے کے بعد سب مرتد ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ایسے نبیؐ کو مبعوث ہی کیوں فرمایا تھا۔ جس کے جسم مقدس کا پاکیزہ و مطہر خون مبارک بہا بہا کر اس کے نعلین مبارک تک تر کرا دیئے جس کے شکم مبارک پہ فاقوں کی وجہ سے پتھر بندھوائے جس کے دندان مبارک شہید کرائے اور جب وہ اس دنیا سے رخصت ہوا تو اس کے تمام ماننے والوں کو مرتد بنا دیا۔ ایسا خدا نہ اس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا تھا اور نہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس امت کے لیے رسول تھا جس امت کے ایک ایک فرد نے بکہ و تنہا معلوم دنیا کے ظالم و جابر شہنشاہوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گھورا۔ جس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کے غلام شہنشاہوں کے تاج پاؤں سے مسلتے معلوم دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ گئے۔ اور جب سطح ارضی کی آخری سرحدوں تک پہنچے اور اپنے سامنے سمندروں اور دریاؤں کو حائل پایا۔ تو اپنے گھوڑوں کو بے دریغ پانی میں ڈال کر ہنستے اور مسکراتے دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔ کتنے پاک اور مقدس تھے وہ لوگ جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے دجلہ و فرات کو پایاب کر دیا۔ اور کہیں پکار اٹھے کہ الہ العالمین اگر ہم اپنے راستے میں یہ بحر ذخار حائل نہ پاتے تو جہاں تک پہنچ سکتے تیرا نام بلند کرتے چلے جاتے۔

کیا سورۃ اذا جاء نصر اللہ کے نزول کے بعد کوئی آدمی، آدمی ہوتے ہوئے کوئی انسان، انسان ہوتے ہوئے چہ جائیکہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ بھی پڑھتا ہو یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ معاذ اللہ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ نبیؐ نے اپنی تمام زندگی، منافقوں، مرتدوں اور کافروں میں گھر کر گذار دی اس کے ساتھی مرتد اس کی عورتیں منافق اس کے ساتھ چوبیس گھنٹے رہنے والے کافر اس پر پروانہ وار نثار ہونے والے سب کے سب فاسق و فاجر تھے۔ مگر منافقوں کا اتنا عظیم گروہ ایک نبیؐ سے ڈر کر مسلمان کیوں بنا رہا اس گروہ نے معاذ اللہ نبیؐ کو قتل کیوں نہ کر دیا اور یا معاذ اللہ وہ محسن انسانیتؐ وہ دانائے سبلؐ ان ساتھیوں سے ڈر کر تیئس سال کا طویل دور اپنے دل کی بات ان کے سامنے پیش نہ کر سکا کہ تم سب منافق ہو یا میرے مرنے کے بعد منافق ہو جاؤ گے اللہ تعالیٰ تو اپنے نبیؐ کو تبلیغ اور اشاعت دین سے خوش ہو کر کہتا ہے۔ کہ اب تمہاری

محنت اور کوشش کی ضرورت نہیں تم نے اپنا فرض پورا کر دیا۔ اب میرا کام دیکھو۔

وَإِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِيْنِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا

فوجوں کی فوجیں تیرے پاس بھیجتا ہوں کہ وہ تیرے حضور میں حاضر ہو کر میرا دین سیکھیں۔ اب تو اس جسمانی مشقت کو چھوڑ دے اور اب صرف اپنے رب کی حمد کر اور اس سے بلندیٔ مراتب کی دعا مانگ وہ تمام بھولے بھٹکوں کو جب لوٹ کر آتے ہوئے پاتا ہے تو خود ان کی طرف لوٹ آتا ہے۔

پہلے سرٹیفکیٹ کے بعد یہ ڈپلومہ اور ڈگری کس کی طرف سے؟ خالق کائنات کی طرف سے کس کو ملا ؟

محمد ﷺ عربی کابروئے ہر دو سرا ست

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کارکردگی کی تعریفی سند اور پھر اس کے بعد اسے آرام کرنے کی چھٹی۔ یعنی جو مشیت کو منظور تھا وہ ہو چکا۔ جوانی میں محنت اور جذبات کے صلے میں پنشن مل جاتی ہے۔

اب اذا جاء نصر اللّٰہ الخ گویا نبی علیہ السلام کے لیے خوشنودی کی سند اور پنشن کا پروانہ آگیا —— منشاء مشیت پورا ہو گیا ——

مگر فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّہٖ کا کوئی علاج نہیں رہا۔

ہیہات ہیہات! آج ہر بھنگی چرسی، داڑھی منڈا، بے نماز، توحید کا منکر، سنت سے متنفر، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے نہ اللہ کا نام نہ رسول ﷺ پر درود اور نہ کلمہ شہادت، یہ پکارتا پھرے کہ نبی ﷺ کے بعد اس کے تمام ساتھی مرتد ہو گئے تو اس میں نہ اللہ تعالیٰ کی شان میں کوئی گھاٹا نہ نبی ﷺ کی ذات اقدس میں کوئی کمی نہ اور نہ اس پاکباز گروہ کے اعمال صالحہ میں کچھ نقصان —— اگر بگڑتا ہے تو اس کا اپنا ہی کچھ بگڑتا ہے۔

فضل عنهم ما كانوا يفترون

امیر یزیدؒ اور واقعۂ کربلا

ولیدؒ کے بعد مدینہ کا حاکم عمرو بن سعید ہوا۔ اس کے زمانہ میں ہی حضرت حسین رضؓ نے مدینہ سے ہجرت کا ارادہ کیا تھا جب آپؓ کی ہجرت کی خبر آپؓ کے بہنوئی اور چچازاد یعنی عبد اللہؓ بن جعفرؓ بن طیار کو پہنچی تو عبد اللہؓ بن جعفرؓ نے اپنے بھائیوں عونؓ اور محمدؓ[1] کو حسینؓ کی خدمت میں ایک تاکیدی خط دے کر روانہ کیا کہ رُک جائیے۔ میں بھی آتا ہوں۔ پھر خود عمرو بن سعید کے پاس پہنچے اور اس سے ایک امان نامہ لکھوایا۔ عمرو نے امان نامہ بھی لکھ دیا۔ اور اپنے بیٹے یحییٰ کو بھی ساتھ کر دیا۔ عبد اللہؓ بن جعفرؓ اور یحییٰ ابن عمرو نے خدمت میں پہنچ کر حاکم مدینہ کا تحریری امان نامہ بھی دیا۔ اور اصرار بھی کیا کہ آپؓ سفر سے رُک جائیں مگر آپؓ سفر عراق سے باز نہ آئے۔ (جلاء العیون ص ۲۴۷)

اگر یزیدؒ یا عامل مدینہ امام کے دشمن ہوتے تو امام کے لیے خیر خواہانہ امان نامہ لکھ کر نہ بھیجا جاتا یزید کے دربار میں زجر بن قیس امام حسین رضؓ کی شہادت کی خبر پہنچاتا ہے۔ آگے ناسخ التواریخ کے الفاظ پڑھیے:

"یزید کچھ دیر سر بگریبان دم بخود رہا۔ پھر سر اٹھا کر کہا۔ میں اس پر راضی تھا کہ بلا قتل حسین رضؓ میری اطاعت کی جاتی لیکن میں اگر ان کے ساتھ ہوتا تو حسین رضؓ کو ضرور معاف کر دیتا۔ (ص ۳۶۹)"

اسی طرح دربار یزیدؒ میں محضر بن ثعلبہ نے حضرت حسین رضؓ کی شان میں کوئی گستاخانہ کلمہ کہا تو یزیدؒ نے غصے سے کہا:

" محضر کی ماں نے ایسا کمینہ اور سخت لڑکا نہ جنا ہو گا۔ مگر ابن مرجانہ (ابن زیاد) کا خدا برا کرے۔ (ناسخ التواریخ)

جب ولیدؒ نے گورنر بننے کے بعد رات کے وقت حضرت حسین رضؓ کو بلا کر یزیدؒ کا خط پیش کیا۔ جس میں امیر معاویہؓ کی وفات اور یزیدؒ کی بیعت کا ذکر

---

[1] عونؓ اور محمدؓ بن عبد اللہؓ بن جعفرؓ کے بھائی تھے۔ عبد اللہ کے بیٹے کا نام علی الزینبی تھا۔ انہوں نے زینبؓ کے سفر کربلا پر نہ رُکنے کی وجہ سے طلاق دے دی تھی اور الزینبی کو روک لیا تھا۔

تھا تو آپؓ نے اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر فرمایا کہ میرے خیال میں تو اس بات پر راضی نہ ہوگا کہ میں خفیہ یزیدؒ کی بیعت کر لوں۔ بلکہ یہ چاہتا ہوگا کہ علانیہ لوگوں کے سامنے مجھ سے بیعت لے تاکہ سب آدمیوں کو معلوم ہو جائے۔ (جلاء العیون ص۲۲۴)

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسین رض امیر معاویہؓ کو اپنا دشمن نہیں جانتے تھے اور نہ ہی کافر سمجھتے تھے۔ ورنہ کافر کی موت کو سن کر انا للہ پڑھنے کا کیا مطلب۔

یزیدؒ کی پوشیدہ بیعت کرنے سے بھی انہیں انکار نہ تھا آپؓ کو صرف اعلانیہ بیعت سے انکار تھا اور اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ حضرت علیؓ کی معاویہ رض سے صلح کے وقت خوارج کا الگ ہونا دیکھ چکے تھے حضرت حسن رض کے ساتھ شیعوں نے جو سلوک کیا تھا وہ بھی دیکھ چکے تھے پس اعلانیہ بیعت سے اگر انہیں خوف تھا تو اپنے شیعوں کی طرف سے تھا۔ وہ یزیدؒ کو کافر تو درکنار فاسق فاجر بھی نہیں جانتے تھے۔ ورنہ خفیہ بیعت پر رضامند نہ ہوتے کاش کہ ولید اس وقت حضرت حسینؓ کی خفیہ بیعت پر رضامند ہو جاتا تو آگے چل کر کربلا کا واقعہ پیش نہ آتا۔

گو آپؓ نے علانیہ بیعت سے انکار کر دیا تھا۔ مگر میدان کربلا سے خود یزیدؒ کے پاس جانے کے لیے تیار تھے۔

(رسالہ القتیل شیعہ مشن لاہور و خلاصۃ المصائب ص۱۰۳)

حضرت حسین رض امیر یزیدؒ کو اپنا دشمن سمجھتے تو اس کے پاس جانے کے لیے ہرگز آمادہ نہ ہوتے۔

ایک اور بات قابل توجہ ہے کہ رات کا وقت ہے ولید مدینہ کا گورنر ہے حضرت حسینؓ اکیلے اس کے پاس ہیں۔ مروانؓ وہاں موجود ہے۔ وہ ولید کو قتل امام کے لیے اشارہ بھی کرتا ہے۔ مگر ولید خاموش رہتا ہے اگر ولید کو یزیدؒ کا حکم ہوتا کہ بصورت انکار حسین رض کو قتل کر دینا تو وہ ہرگز دریغ نہ کرتا۔ مگر مروان کے اشارہ کرنے کی روایت بھی وضعی ہے۔

اس موقع پر امام حسین رض مروان رض کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔ اے ولد الزنا، ازرق زانی کے بیٹے تو مجھے قتل کرے گا۔ خدا کی قسم تو جھوٹ بولتا ہے۔

(جلاء العیون)

اب ولید، مروان کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ تیری خرابی ہو تو مجھے ایسا مشورہ دیتا ہے جو میرے دین و دنیا کی تباہی کا سبب ہے۔ خدا کی قسم میں اس پر راضی نہیں ہوں کہ ساری دنیا مجھ کو مل جائے اور میں خون حسینؓ میں شریک ہوں۔ سبحان اللہ! کیا تو اسے پسند کرتا ہے کہ میں حسین رض کو عدم بیعت یزیدؒ پر قتل کر دوں۔ خدا کی قسم جو خون حسین رض میں شریک ہو گا۔ قیامت کے روز اس کی ایک نیکی بھی نہیں رہے گی۔ (جلاء العیون)

یقیناً یزید کی طرف سے ولید کو قتل حسین رض یا ان پر سختی کا حکم نہیں تھا۔ امیر مروان کے متعلق جلاء العیون کی یہ بکواس سراسر واقعات کے خلاف ہے (مؤلف)

اسی ولید کے سر سے ایک بار امامؓ نے تن تنہا عمامہ اتار لیا اور اس کی گردن میں لپیٹ کر زمین پر دے مارا۔

(جلاء العیون ص۳۶۵۔ ناسخ التواریخ ص۲۷۲ ج۲)

ایک بار حضرت حسین رض نے ایک آہنی کرسی ولید کو کھینچ ماری۔

(خلاصۃ المصائب ص۱۵)

قافلہ اہل بیت دمشق میں پہنچتا ہے۔ یزیدؒ حسین رض کی شہادت کی خبر سنتا ہے تو جو کچھ کہتا ہے شیعوں کی معتبر کتابوں سے سنئیے:

۱۔ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتا ہے (خلاصۃ المصائب ص۳۰۳)

۲۔ یہ واقعہ سن کر دانتوں تلے انگلی دباتا ہے (نہج الاحزان ص۲۲۱)

۳۔ روا اٹھتا ہے۔ (خلاصۃ المصائب صفحہ ۲۹۳ - ۳۲۶)

۴۔ اس کی عورت روتی ہوئی بے پردہ محل سے باہر دربار یزید میں پہنچ جاتی ہے۔

(خلاصۃ المصائب ص۳۱۵)

۵۔ یزید اپنی عورت کو کہتا ہے اے ہند فرزند رسولؐ خدا اور بزرگ قریش پر نوحہ وزاری کرو۔ (جلاء العیون)

۶- یزید نہ صرف جلوت میں بلکہ خلوت میں بھی روتا تھا (خلاصۃ المصائب ص۲۹۲)

۷- اس کی دختران روتی تھیں۔ (" " ص۲۹۲)

۸- اس کی ہمشیرگان روتی تھیں۔ (" " ص۲۹۴)

۹- اہل بیتؑ نے ماتم کی اجازت مانگی۔ یزیدرح نے ایک مکان خالی کرا دیا۔ جس میں سات شبانہ روز ماتم ہوتا رہا۔ (خلاصۃ المصائب ص۲۹۲)

۱۰- تباہ حال قافلہ جب دمشق پہنچا تو یہ دیکھ کر یزید رو پڑا۔ اس کے ہاتھ میں ایک رومال تھا جس سے آنسو پونچھتا جاتا تھا۔ اس نے سب کو اپنی زوجہ ہند بنت عامر[1] کے پاس بھیج دیا۔ جب اہل بیتؑ حسینؓ محل میں پہنچے۔ تو گریہ زاری بلند ہوئی جس کی آواز بھی سنائی دیتی تھی۔ (ایضاً ص۲۹۳)

۱۱- امام حسین رضؓ کا سر سونے کے طشت میں رکھا اور کہا اے حسین رضؓ تم پر اللہ کی رحمت ہو۔ تمہاری ہنسنے کی جگہ کیسی اچھی ہے۔ (ایضاً ص۳۴)

۱۲- حضرت علیؓ (زین العابدینؓ) کی عزت کی اور اہل بیتؓ کو اپنے گھر میں جگہ دی اور صبح و شام امام زین العابدینؓ کو اپنے دسترخوان پر بلاتا تھا۔ (جلاء العیون)

۱۳- یزیدرح نے حکم دیا کہ اہل بیتؓ کو خاص مکان میں اتارا جائے اور ان کی ضرورت کی ہر چیز بہم پہنچائی جائے۔ جب تک حضرت علیؓ (زین العابدینؓ) دسترخوان پر نہ آتے یزیدرح کھانا نہ کھاتا نہ آرام کرتا۔ (طراز مذہب مظفری ص۴۶۸)

۱۴- ملا اسحٰق الفرائینی اور صاحب ناسخ التواریخ نے لکھا ہے کہ یزید نے مجمع عام میں ایک تقریر کی جس میں فرداً فرداً سب قاتلین حسین رضؓ پر لعنت کی۔

(ملخص ترجمہ مقتل امام الفرائینی ص۱۹۸)

۱۵- علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھتیجے اور داماد، حضرت حسین رضؓ کے بہنوئی یعنی زینبؓ کے خاوند جنہوں نے حضرت حسین رضؓ کی کوفہ کی طرف روانگی کے وقت زینبؓ کو روکنا چاہا مگر وہ نہ رکیں اور انہوں نے طلاق دے دی اور اپنا بیٹا ان سے لے لیا۔ یزید کو فداک امی و ابی سے خطاب کیا کرتے تھے۔ حضرت عبد اللہؓ کے ایک بیٹے کا نام معاویہؓ تھا۔ یہ معاویہؓ یزید کے بڑے دوست تھے۔ مدح یزیدؒ میں ان کا ایک

---

[1] وہ ہند بنت عامر نہ تھی بلکہ عبد اللہؓ بن جعفرؓ طیار کی بیٹی ام محمدؓ یعنی سیدہ زینبؓ کی سوتیلی بیٹی تھی۔

شعر ہے ؎

اِذَا مَزَقَ الْاَخْوَانُ بِالْغَیْبِ وَدَھُمْ
فَسَیِّدُ اَخْوَانِ الصَّفَا یَزِیْدُ

(شیعوں کی مشہور کتاب الاعلام الزرکلی ص۱۷۳)

اسی معاویہ کے بیٹے عبد اللہ نے فرقۃ الطیاریہ کی بنیاد رکھی۔ یہ حلول و تناسخ کا قائل تھا اور مروان کے زمانہ میں اس نے خروج کیا۔

شمر جب حضرت حسین رضؓ کا سر یزید کے دربار میں پیش کر کے کہتا ہے ؎

اَمْلَاْ رِکَابِیْ فِضَّۃً وَّذَھَبًا
قَتَلْتُ خَیْرَ الْخَلْقِ اُمًّا وَّ اَبًا

یعنی میرے رکاب کو سونے چاندی سے بھر دے۔ میں نے اسے قتل کیا ہے جو ماں باپ کی طرف سے تمام جہان سے بہتر تھا تو اس کا جواب صاحب خلاصۃ المصائب کی زبان سے سنیئے۔

یزید غصے ہوا اور بنظر غضب اس کی طرف دیکھ کر کہا خدا تیرے رکاب کو آگ سے بھرے۔ تیرے لیے خرابی ہو جب تو جانتا تھا کہ حسین رضؓ بہترین خلق ہیں تو تو نے انہیں کیوں قتل کیا۔ نکل جا میرے سامنے سے تیرے لیے میرے پاس کوئی جائزہ نہیں۔ (ص۳۰۴)

اس موقع پر صاحب ناسخ التواریخ کے کلمات بھی سن لیجئے:۔

"میری طرف سے ہرگز تجھے انعام نہ ملے گا۔ یہ سن کر شمر خائف و خاسر واپس ہوا۔ اور اس طرح وہ دین و دنیا سے بے نصیب رہا۔ (۲۶۹)

دمشق سے بوقت، ضرورت حضرت علی رضؓ (زین العابدینؓ) کو مخاطب کر کے امیر یزیدؒ کہتے ہیں:

"خدا برا کرے ابن مرجانہ کا کہ حسین رضؓ سے یہ سلوک کیا۔ واللہ اگر میں موجود ہوتا تو حسین رضؓ جو مانگتے انہیں دیتا اور ان سے اس بلا کو دفع کرتا۔ اگرچہ موجب ہلاکت میرے بعض فرزندوں کا بھی ہوتا۔ مگر جو مشیت خدا میں تھا ہوا۔ پس تم اپنے حوائج ضروری مجھے لکھ کر بھیجو تاکہ میں انہیں پورا کروں۔

(خلاصۃ المصائب ص۴۰۵)

ابن زیاد ملعون نے حسین رضؓ کے معاملہ میں جلدی کی۔ میں ان کے قتل پر راضی نہ تھا۔ (جلاء العیون ص۵۲۷)

حسین رضؓ کو اس نے قتل کیا۔ خدا اس کو غارت کرے"

(ناسخ التواریخ ص۳۷۸)

خدا ابن زیاد کو غارت کرے۔ اس نے حسین رضؓ کو قتل کیا اور مجھ کو دونوں جہان میں بدنام کیا۔ (طراز مذہب مظفری ص۴۵۶)

خدا لعنت کرے ابن مرجانہ کو۔ میں نے اسے آپ کے والد کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا۔ اگر میں ان سے لڑتا تو ہرگز قتل نہ کرتا۔ (احتجاج طبرسی)

خلاصۃ المصائب ص۳۹۲، جلاء العیون، ناسخ التواریخ میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ دمشق سے رخصت کے وقت یزید رح نے حضرت ام کلثوم رضؓ کو ایک تھیلی دیتے ہوئے کہا یَا اُمَّ کُلْثُوْمِ خُذْ هٰذَا الْمَالَ عِوَضَ مَا اَصَابَکُمْ اے کلثوم! یہ مال آپ کی مصیبتوں کا معاوضہ ہے۔

نیز بحضرت علی بن حسینؓ تقدیم کرو۔ اور کہا کہ اس قلیل رقم کو قبول کیجئے اور وہ رقم کتنی تھی خود ہی مؤلف دو لاکھ دینار بیان کرتا ہے۔ (ص۴۶۰)

پھر حضرت علیؓ (زین العابدینؓ) سے کہا کہ ہمیشہ خط لکھتے رہیں اور مجھ پر برابر اپنے حوائج ضروری لکھا کریں تاکہ میں بجا لاؤں۔

(خلاصۃ المصائب ص۴۰۵ جلاء العیون ص۵۲۲)

پھر امیر یزید رح نے نعمانؓ بن بشیرؓ کو جو محب اہل بیتؓ تھا اہل بیتؓ کی حفاظت اور رفاقت کے لیے متعین کیا۔ جس نے پانچ سو سوار لے کر بحفاظت تمام اہل بیتؓ کو مع الاحترام مدینہ پہنچایا۔

شیعوں کی چند اور روایات سنیئے:

حضرت علیؓ (زین العابدینؓ) یزید کے ساتھ سخت کلامی سے پیش آتے ہیں مگر یزید کہتا ہے۔ میں نے تمہارے قتل کو معاف کیا (خلاصۃ المصائب ص۴۰۵)

امیر ابن زیاد کے متعلق امیر یزید رح کی زبان سے جو کلمات کہلوائے گئے ہیں۔ سراسر جھوٹ ہے۔

تضاد بیانی کا دوسرا رُخ

انہیں محبان اہل بیتؓ کی تضاد بیانی کا دوسرا رُخ دیکھئے۔

حضرت علیؓ (زین العابدینؓ) یزید کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔

"میں تیرا ایک مجبور غلام ہوں۔ چاہے مجھ سے خدمت لے چاہے بیچ ڈال۔" (کافی کتاب الروضہ)

امیر یزید رح کے تفصیلی حالات دوسرے باب میں حضرت حسین رضؓ کے ذکر کے تحت اپنے مقام پر آئیں گے۔

حضرت علیؓ نے اپنے بیٹوں کے نام تبرّکاً

اصحابِ ثلاثہ رضؓ کے نام پر رکھے

۱۔ ابوبکرؓ بن علی رضؓ: کربلا میں شہید ہوئے۔

(ریاض الشہادتین بحوالہ تصویر کربلا ص۸۱)

۲۔ عمرؓ بن علی رضؓ: کربلا میں یزید ابطحی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

(تمقام۔ بحوالہ کربلا ص۸۳)

۳۔ عثمانؓ بن علی رضؓ: کربلا میں خولی بن یزید کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

(تمقام بحوالہ تصویر کربلا ص۸۲)

کربلا میں ان کا رجز تھا۔

إِنِّي أَنَا عُثْمَانُ ذُو الْمَفَاخِرِ   شَيْخِي عَلِيٌّ ذُو الْفِعَالِ الطَّاهِرِ
وَابْنُ عَمِّ نَبِيِّ الطَّاهِرِ   أَخِي حُسَيْنٌ خِيرَةُ الْأَخَايِرِ
وَسَيِّدُ الْكِبَارِ وَالْأَصَاغِرِ
بَعْدَ الرَّسُولِ وَالْوَصِيِّ النَّاصِرِ (ذبح عظیم طبع جدید ص۲۰۹)

حسینؓ کے بیٹوں کے نام

۴۔ ابو بکرؓ بن حسنؓ بن علی رضؓ : کربلا میں شہید ہوئے۔ (ریاض الشہادتین بحوالہ تصویر کربلا صـ۵۹)
۵۔ عمرؓ بن حسنؓ بن علی رضؓ : میدان کربلا میں شدید زخمی ہوئے اور علاج سے بچ گئے۔
علاج کرنے والے کون تھے؟
(مؤلف) تصویر کربلا صـ۴۹ سطر ۱۵۔ مصنفہ سید آل محمد بحوالہ جلاء العیون
ریاض الشہادۃ)

دیگر فاطمیوں کے نام اصحابؓ ثلاثہ کے علاوہ
معاویہؓ اور یزیدؒ بھی تھے

۶۔ زین العابدینؒ کے ایک بیٹے کا نام عمرؒ تھا۔ جس کے پوتے محمد بن قاسم نے مامون
کے خلاف خروج کیا۔
۷۔ اسی عمرؒ بن زین العابدینؒ کے پڑپوتے محمد بن جعفر بن حسن بن عمر نے المستعین باللہ کے
خلاف خروج کیا۔
۸۔ اسی عمر کے ایک پڑپوتے حسن الاطروش ۳۰۱ھ میں دیلم میں المقتدر باللہ کے زمانہ
میں خروج کیا۔
۹۔ اسی کے بیٹے یحییٰ نے المتوکل علی اللہ کے خلاف جہاد کیا۔
۱۰۔ عمرو بن یحییٰ بن حسین بن زید کے بیٹے یحییٰ نے المستعین باللہ کے خلاف خروج کیا
(تاریخ اسلام حصہ دوم اکبر شاہ خان صـ۴۹۴)
۱۱۔ معاویہؒ بن عبداللہؓ بن جعفر طیارؓ برادر علی کے بیٹے عبداللہ نے فرقہ الطیاریہ کی بنیاد
رکھی۔ جس کا عقیدہ تھا کہ آدم کی روح دراصل خدا کی روح ہے۔ اس نے امیر مروانؒ

کے خلاف خروج کیا۔
۱۲۔ عقیلؓ بن ابی طالبؓ یعنی علیؓ کے بھائی کے ایک بیٹے کا نام یزید تھا۔ اور وہ اسی
بیٹے کی وجہ سے ابو یزید مشہور تھے۔
۱۳۔ عبداللہؓ بن جعفرؓ کے ایک پوتے کا نام یزید تھا۔

شیعہ اسماء الرجال کی کتب مثلاً تنقیح المقال للمامقانی اور منتہی المقال لابی علی وغیرہ میں معاویہؓ نام کے ۴۱ اور یزید نام کے ۱۲۴ محدثین و روات کا تذکرہ ہے۔
اہل سنت کے ہاں معاویہ نام کے ۱۹۷ اور یزید نام کے ۵۳ محدثین و روات کا ذکر ہے۔

امیر یزیدؒ کا سلوک سوگواروں کے ساتھ

طراز مظفری کا مؤلف جو رکن سلطنت ایران اور مؤلف ناسخ التواریخ کا بیٹا ہے رقمطراز ہے کہ یزید نے زین العابدینؓ کے سامنے ان کے والد بزرگوار کا قصاص دس لاکھ روپیہ پیش کیا تھا اور وہ اس امر کی تردید کرتا ہے کہ وہ رقم دو ہزار درہم نہیں تھی بلکہ دو سو ہزار درہم (یعنی دس لاکھ) تھی۔
مرزا دبیر کے ایک مرثیے کے چند بند بھی ملاحظہ ہوں۔ جن میں اس بات کا اظہار ہے کہ یزید کے گھر سے اس کی بیوی کھانا لاتی تھی۔

ہر کشتی و طبق میں یہ ہدیہ جُدا جُدا　　ہاتھوں پہ اور خواصوں کے سر پہ رکھ دیا
خود مشک و جام اٹھا کے سوئے قبلہ یہ کہا　　نذر حسین کرتی ہوں سقائی اے خدا
ہمراہیوں سے بولی کہ حق پر نظر کرو
چلتی ہوں سوگواروں میں عریاں سر کرو

واں سے بڑھی اسیروں کی جانب وہ نیک نام　　پڑھتی ہوئی درود تو کرتی ہوئی سلام
تھا خلق فاطمہؓ کا جو زینبؓ پہ اختتام　　چپکے سے بولی فضہ سے وہ خواہر امامؓ
رکھتی ہے دوست یہ میرے مظلومؓ بھائی کو
جا میرے بدلے ہندہ کی تو پیشوائی کو

پہنچی جو بے حواس وہاں ہند باوفا　　بیووں کے آگے کشتیاں رکھوائیں جابجا
بچوں کے واسطے طبق میوہ خود رکھا　　شرما کے سب کے بچے بھی اور آلِ مصطفےٰ ؐ

زینب رضؓ وفورِ شرم سے یوں تھر تھرا گئی
آواز استخواں سے لرزنے کی آگئی

پھر بیچ میں بٹھا کے سکینہ کو ننگ سر　　اور بے پدر کی گود میں رکھا سرِ پدر
پھر ماتم حسین رضؓ کیا سب نے یک دگر　　تُربت سے نکلے بال نبی ؐ اپنے کھولکر

ماتم کیا حسین رضؓ کا اس زور شور سے
زہرا رضؓ نے آکے ہاتھ چوم لیے آکے گور سے

اس مرثیے میں۔ سوئے قبلہ، نذرِ حسین رضؓ، سقائی، عریاں سر کرو، سکینہ رضؓ کو ننگے سر بٹھانا۔ سرِ پدر اس کی گود میں رکھنا یکدگر ماتم کرنا۔ نبی ؐ کا تُربت سے بال کھول کر نکلنا اور زہرا رضؓ کا گور سے نکل کر ہاتھ چومنا وغیرہ شیعی اصطلاحات سے آپ بصد شوق لطف اندوز ہوں میں ان اشعار کے ذریعہ دبیر کی زبان سے صرف یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ:۔
امیر یزید رح کی اہلیہ محترمہ خود مہمان خواتین کی خدمت میں کھانا پیش کرتی تھی۔ اور سیدنا علی رح اور امیر یزید رح کے دستر خوان پر کھانا کھاتے تھے۔

سانحہ کربلا کے اثرات

فریقین کے نزدیک یہ امر مسلمات کا درجہ رکھتا ہے کہ سیدنا حسین رح کو پیہم خطوط لکھ کر کوفہ بلانے والے شیعان علی رضؓ ہی تھے اور اس بات سے بھی کسی کو انکار نہیں کہ سیدنا حسین رضؓ ابھی کوفہ سے تین منزل دور تھے کہ آپ رضؓ نے کوفیوں کی بے وفائی، بدعہدی اور طوطا چشمی دیکھ کر کوفہ کی بجائے اپنے قافلہ کا رُخ دمشق کی طرف کر دیا تھا۔

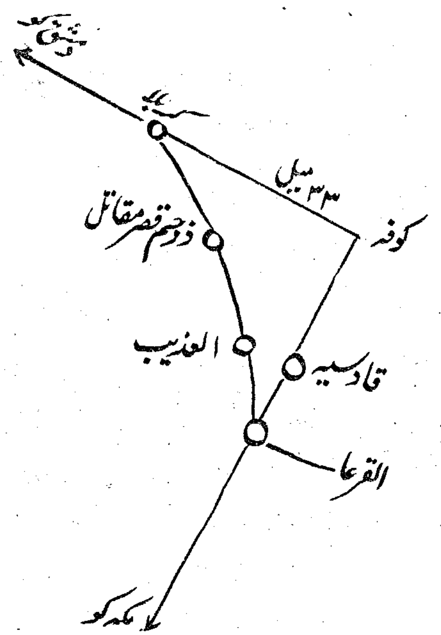

القرعا سے دو راستے نکلتے تھے ایک کوفہ کی طرف اور دوسرا دمشق کی طرف اور کربلا کا مقام اس راستے میں پڑتا ہے جو القرعا سے دمشق کی طرف جاتا ہے آج بھی یہ مقام سطح ارضی پر موجود ہیں اور پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ حسین کو کوفہ کے راستہ میں نہیں بلکہ دمشق کے راستہ میں شہید کیا گیا۔
کربلا کے مقام پر آپ رضؓ نے تین باتیں پیش کی تھیں۔
۱۔ مجھے یزید کے پاس لے چلو　　(۲) مجھے واپس جانے دو۔
۳۔ مجھے کسی دوسرے ملک یا سرحدات کی طرف نکل جانے دو۔ چنانچہ ایم اے شریعتی لکھتا ہے۔

IMAM HUSSAIN OFFERED TO RETURN BACK OR TO GO TO BORDER OR TO CROSS IN TO NON MUSLIM COUNTRY RATHER THAN ACKNOWLEGE THE CALIPHATE YAZID. BY M.A SHRIATI, TO B HAD OF PROF S.M. ABBAS MASHHADI, M.A, LLB., ADVOCATE, HIGHCOURT

DACCA, AND ATTORNEY SUPREME COURT PAKISTAN. PAGE, ۲۹

یعنی امام حسین رضؓ نے پیش کش کی کہ مجھے واپس جانے دو یا سرحد کی طرف غیر مسلم ممالک کی طرف نکل جانے دیا جائے اور یا خلیفہ یزیدؒ کے پاس پہنچا دیا جائے۔

حضرت حسینؓ کی یہ پیش کش کہ مجھے واپس جانے دیا جائے صریحًا اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپؓ نے اپنے مؤقف سے رجوع فرما لیا تھا۔ اور آپؓ امیر یزیدؒ کی خلافت کی گویا بالواسطہ معنوی طور پر بیعت کر چکے تھے۔ اور آپؓ کا یہ فرمانا کہ مجھے سرحدات کی طرف نکل جانے دو۔ اس کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں کہ آپؓ کسی مقام سے اسلامی سرحد عبور کر کے کسی غیر مسلم ملک میں چلے جاتے یہ آپؓ کی شان سے بعید تھا اور اگر آپؓ کسی سرحد پر جہاد کرنا چاہتے تھے تو آپؓ کے لیے ضروری تھا کہ خلیفہ وقت سے جہاد کی اجازت لیتے۔ اور پھر آپؓ کے پاس لشکر کہاں سے آتا؟

رہی آپؓ کی تیسری خواہش کہ مجھے امیر یزید کے پاس پہنچا دو۔ یہی بات مبنی بر حقیقت ہے۔ آپ نے جن امیدوں کے سہارے کوفہ کا سفر اختیار کیا تھا وہ ایک ایک کر کے دم توڑ چکی تھیں۔ اور آپ کی فہم و فراست جو کوفیوں کے خطوط کی بھرمار میں دب کر رہ گئی تھی وہ حالات کے بدلنے سے اب پھر ابھر کر سامنے آ چکی تھی مگر اب وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں افواج خلافت کا مطالبہ یہ تھا کہ ہتھیار ہمارے حوالے کر دیئے جائیں۔ اور ہم اپنی حفاظت میں آپ کو دمشق پہنچا دیں گے اور آئین کا تقاضا بھی یہی تھا۔ آپ نے اسے اپنی ہتک سمجھا یا آپ کو اس بات کا خوف تھا کہ مکہ سے جو کوفی

---

۱۵ اسی مقام پر کسی ڈاکٹر مظہر حسین کو الہام ہوا کہ ہندوستان کے مہاراجہ چندر گپت کے امام حسینؓ کے ساتھ بڑے دوستانہ تعلقات تھے۔ چنانچہ آپ کربلا سے ہندوستان آنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

(ماخوذ از مظلوموں کی فریاد)

مگر عقل و ہوش سے بیگانہ ایسے لال بجھکڑوں کا جو تاریخ کا اتنا علم بھی نہیں رکھتے کہ چندر گپت ۳۳۰ ء میں مر گیا تھا اور حسین رضؓ کی پیدائش اس کے مرنے کے ۲۹۶ سال بعد یعنی ۶۲۶ میں ہوئی تھی شاید یہ بھی امامت کا کوئی معجزہ ہو گا۔

میرے ہمراہ آئے ہیں وہ مجھے کوئی نقصان نہ پہنچائیں چونکہ ان کا تقاضا بڑھتا جا رہا تھا کہ ہمارے خطوط ہمارے حوالے کر دو اور آپ وہ خطوط امیر یزید کے سامنے پیش کرنا چاہتے تھے۔

کوفی اس بات کو خوب جانتے تھے کہ حضرت حسینؓ نے جونہی ہمارے خطوط خلیفہ کے سامنے پیش کیے ہم بلا حیل و حجت قتل کر دیئے جائیں گے۔ لہٰذا جس طریقے سے ہو سکے حضرت حسین رضؓ سے خطوط حاصل کیے جائیں۔ بات زبانی تکرار سے چھینا جھپٹی تک پہنچی۔ کوفیوں کی یہ گستاخی حضرت حسین رضؓ کا ہاتھ تلوار کے قبضے تک پہنچنے کا موجب بنی، وہ بدکردار، بدباطن اور خبیث طبع لوگ سیدنا حسین رضؓ کے مقام سے کہاں آگاہ تھے انہوں نے ہلہ بول دیا۔ اور جب تک خلافت کی فوجیں جائے حادثہ پر پہنچیں سیدنا حسینؓ معہ چند اقربا کے شہید کیے جا چکے تھے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہ

کسی دوسرے مقام پر بیان کیا جا چکا ہے کہ سیدنا حسین رضؓ کی شہادت کا سب سے زیادہ رنج اور صدمہ جس شخص کو پہنچا وہ امیر یزیدؒ کی ذات تھی۔ امیر یزیدؒ نے بقیۃ السلف کے ساتھ جس حسنِ سلوک کا مظاہرہ کیا اس سے بڑھ کر کسی سگے بھائی سے بھی امید نہیں رکھی جا سکتی۔

آج ہر ممبر، ہر مجلس وعظ، ہر جلسہ، ہر اخبار، ہر رسالہ اور ہر کتاب میں جہاں بھی حق و باطل کے کسی معرکہ کا تذکرہ ہو تو فوراً سیدنا حسینؓ کی شہادت کا واقعہ نہایت رقت انگیز انداز میں دہرایا جاتا ہے اور امیر یزید کے فرضی مظالم اور فرضی برائیوں کو اس حد تک اچھالا جاتا ہے کہ گویا فرعون، نمرود اور چنگیز و ہلاکو سے بڑھ کر وہ ظالم تھا۔ اور یہ سنت اس حد تک معاشرہ پر حاوی ہو چکی ہے کہ ڈاکٹر نصر من اللہ سے لے کر کسی مولوی طبیب تک اور کسی حکیم الامت سے لے کر میاں مریض الملت اس طرح واقعہ کربلا کا ذکر کرتے نظر آتے ہیں کہ گویا اس کے بغیر ان کے پاس کوئی موضوع ہے نہ اس سے بڑھ کر کوئی کار خیر۔

یہاں تک ڈاکٹر اقبال جیسے عبقری بھی اس تسامح کا شکار ہو کر کہہ اٹھے ؏

موسیٰ و فرعون شبیر و یزید

اور مسٹر محمد علی جوہر نے تو ان سب کے کان کاٹ ڈالے۔ فرماتے ہیں۔

قتل حسین رضؓ اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

اسی طرح اقبال کا ایک اور شعر ہے۔

مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو کس نے
وہ کیا تھا زور حیدر رضؓ، فقر بوذر رضؓ صدق سلیمانی رضؓ

اب یہ عقدے وہی صاحب حل کر سکتے ہیں کہ سیدنا حسین رضؓ کس طرح موسیٰ بنے اور امیر یزید رحؒ کیسے فرعون بن گیا۔ اور حسین رضؓ کا قتل یزید رحؒ کے لیے کس طرح مرگ ثابت ہوا۔ اور قیصر و کسریٰ کے استبداد کو کس حیدر رضؓ نے مٹایا تھا۔ ہمیں تو تاریخوں سے جو کچھ معلوم ہوا وہ کچھ اس قسم کا ہے کہ قادسیہ اور یرموک کے معرکے سیدنا فاروق اعظم رضؓ کے زمانہ میں لڑے گئے اور اسلامی لشکروں کے قائد، مثنیٰ شیبانی رضؓ، ابو عبیدہ الجراح رضؓ اور خالد رضؓ بن ولید کی قسم کے لوگ تھے اور سیدنا علی رضؓ مدینہ میں آرام فرما تھے۔

یہ شاعری جس طرح غیر محسوس طریقوں سے ہماری قومی تاریخ کا بیڑہ غرق کر رہی ہے اور کر چکی ہے اس کا مداوا؟

ان لوگوں کو آج تک اس ۸۲ سالہ مرد پیر کی شہادت نظر نہیں آئی۔ جس نے پیاسے مسلمانوں کے لیے کنوئیں خرید کر وقف کیے۔ جس رضؓ نے مسجد نبویؐ میں توسیع کرائی۔ جس نے غزوۂ تبوک کے جیش کے لیے بے حساب سامان پیش کر کے نبی علیہ السلام سے یہ تمغۂ عظمت حاصل کیا کہ آج سے بعد عثمان رضؓ کو اس کی کوئی لغزش نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔ جس کے لیے حدیبیہ کے مقام پر نبی علیہ السلام نے چودہ سو صحابہ رضؓ سے مرنے مارنے پر بیعت لی اور اللہ تعالیٰ نے اس بیعت کو يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ کے تصدیقی ارشاد سے شاد کام فرمایا جس کے حبالہ عقد میں نبی علیہ السلام کی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے آئیں اور دوسری کے مرنے پر نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میری تیسری بیٹی بھی ہوتی تو میں وہ بھی عثمان رضؓ کے نکاح میں دے دیتا۔ ایسا جلیل القدر عظیم الشان آٹھ لاکھ سے زیادہ مربع میل ممالک کا فاتح چالیس روز تک پورے خاندان سمیت اپنے مکان میں بھوکا پیاسہ تڑپا تڑپا کر شہید کیا۔

نظر آیا ______ تو سانحہ کربلا

ذرا سی بات تھی اندیشہ عجم نے جسے
بڑھا دیا ہے یونہی زیب داستاں کیلئے

کفر و اسلام اور حق و باطل کے ہر تذکرہ میں واقعہ کربلا کو پلیش کرنے والے اصل حقائق سے بالکل بے خبر کیوں ہو جاتے ہیں۔

معلوم نہیں یہ تجاہل عارفانہ ہے یا غض بصر۔ اغیار کو خوش رکھنا مطلوب ہے یا علمی افلاس۔

مستقبل میں سانحہ کربلا نے جو زہریلے برگ و بار چھوڑے۔ ان کی مسموم فضائیں پل کر جوان ہونے والے آج تک امت مرحومہ کے لیے بلائے درماں بنے ہوئے ہیں۔ شہادت حسین رضؓ نے اپنے بعد جو اثرات چھوڑے ان میں ایک فیصدی بھی تعمیری پہلو نہیں۔ اور ننانوے فیصدی سے زیادہ تخریبی پہلو ہیں۔

کبھی اس سانحہ نے توابین کی شکل میں مسلمانوں کے قتل عام سے اپنے مجوسانہ اور یہودانہ جذبات انتقام کی آگ بجھائی۔ کبھی مختار جیسے ظالم، جابر، شاطر، مکار اور عیار نے ہزاروں بے گناہوں کے سر قلم کر کے رکھ دیئے۔ اور پھر طالبیوں کے ہاتھ میں سانحہ کربلا ایک ایسا ہتھیار بن کر آیا کہ اسے لے کر وہ بار بار اٹھتے رہے۔ مخلوق خدا کو لوٹتے رہے مارتے رہے اور مرتے رہے اور ہر مرنے والے کے بعد یہ تحریک اپنے اندر زیادہ وزن پیدا کر کے آگے بڑھتی رہی۔ یہاں تک کہ آگے چل کر سانحہ کربلا نے قرامطیہ، باطنیہ اسماعیلیہ وغیرہ کی شکلیں اختیار کر کے اماں ملت پر کرگس دار جھپٹنے والے پیدا کیے۔ انہوں نے جس قتل و غارت کی طرح ڈالی وہ آگے چل کر فاطمین مصر، آل بویہ، اسماعیل صفوی، تیمور لیگ، نادر شاہ درانی، نوابانِ اودھ وغیرہ کی صورتوں میں تمام عالم اسلام کے لیے قیامت صغریٰ بنی رہی۔

ذرا ٹھنڈے دل سے غور کیجئے تو صاف نظر آئے گا کہ اگر سانحۂ کربلا رونما نہ ہوتا اور اسے مجوسی، یہودی پروپیگنڈہ کے ذریعے پھیلایا نہ جاتا تو فتنہ سبائیہ اپنی موت آپ مر جاتا۔ اور اس کے بعد آج تک فرزندانِ توحید کو جن آلام سے دوچار ہونا پڑا یہ باب تاریخ میں لکھا ہی نہ جاتا۔

مشرقی پاکستان کا المیہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے "یہاں ہم اور وہاں تم"

کی بڑ کے پیچھے کون سے عوامل کارفرما تھے۔ ادھر بھارتی فوجیں یہودی جرنیلوں کی قیادت میں مسلمانوں کے قتلِ عام میں مصروف تھیں ادھر مجوسی شہنشاہیت کے اڑھائی ہزار سالہ جشن آریہ مہر پر ملک و قوم کا لاکھوں روپیہ ہفتہ بھر تک برباد کیا جاتا رہا۔ اور پھر ادھر بنگلہ دیش کی تولید ہوئی ادھر شہنشاہ آریہ مہر نہایت رازداری سے اسلام آباد پہنچ گئے اور بلوچستان کے بارڈر پر ایرانی فوجیں پہنچ گئیں۔ یہ سب کچھ ایک گہری سازش کے تحت ہو رہا تھا۔ گویا جو سکندر مرزا اور یحییٰ خان جیسے بدقماش نہ کر سکے۔ وہ ہونے کے قریب پہنچ چکا۔ منصوبہ یہ تھا کہ مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن جائے اور مغربی پاکستان کو ایرانی شیعہ سلطنت کی گود میں ڈال دیا جائے۔

بلوچستان کے بارڈر پر شیعہ فوجیں دیکھ کر ایک منچلے نے دوہائی دی کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ اور مغربی پاکستان بچ گیا۔

فاطمین مصر نے کیا کیا؟ آل بویہ اور ابن علقمی نے کیا کیا۔ میسور کا سقوط کس طرح عمل میں آیا اور انگریزوں کے لیے کس نے راستہ صاف کیا۔۱؎ حجرِ اسود کو کون اکھیڑ کر اپنے مستقر پر لے گیا۔ بایزید یلدرم کے ساتھ کیا کیا اور اب کن لوگوں نے بھارت میں مسلمانوں کے خلاف راشٹریہ سیوا سنگ سے اتحاد کیا ہے۔ ان واقعات کی تمام تفاصیل اپنے مقام پر آ گے آئیں گی۔ یہاں صرف اس قدر بتانا مقصود ہے کہ یہ سب کچھ سانحہ کربلا کے اثرات و نتائج ہیں۔

ہاشمی اور اموی

آج ہاشمی اور اموی کی جو اصطلاحات زبان زدِ خواص و عوام ہیں یہ رفض کی پیدا کردہ ہیں۔ جن کے پس منظر میں اموی سادات کو ہاشمی سادات کا دشمن ظاہر کر کے فرزندانِ اسلام کو اموی سادات سے متنفر کرنے کے سوا کچھ نہیں تھا اور یہ اصطلاحات تاریخوں میں بے دریغ استعمال کی جانے لگیں۔ ہاشمی اور اموی سب کے سب قبیلہ قریش کے مشہور سردار عبد مناف کی اولاد تھے۔

۱؎ "سقوط میسور" پر میری تاریخی تالیف "سلطان ٹیپو شہید" دیکھئے۔

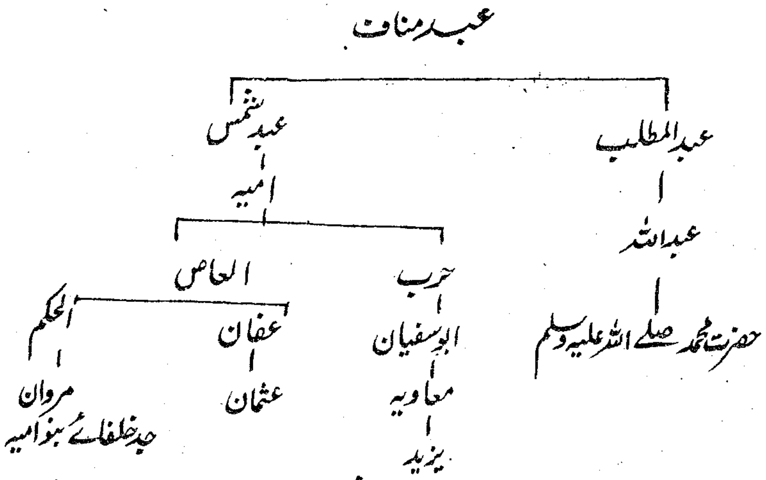

اگر یہ اصطلاحات وضع کرنی تھیں تو ہاشمی اور شمسی یا مطلبی اور اموی تھیں۔ یہ اُلٹی بانگی کہ ایک طرف چچا کے نام کی طرف اس کی اولاد کا اور دوسری طرف بھتیجے کے نام کی طرف اس کی اولاد کا انتساب کیا جاتا ہے۔

یہاں بتلانا صرف یہ مقصود ہے کہ یہ ان سب لوگوں کا جو آج ہاشمی یا اموی کے ناموں سے تاریخوں میں ذکر ملتا ہے سب کے سب عبد مناف کی اولاد میں سے تھے۔ دورِ جاہلیت میں ان کے درمیان رشتہ داریاں تھیں اور اسلام لانے کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا کہ ایک کی بیٹی دوسرے کی بہو ہے اور دوسرے کی خالہ پہلے کے چچا کے نکاح میں ہے ایک کی بہن دوسرے کی بیوی ہے اور دوسرے کی بیٹی پہلے کے بھتیجے کی زوجہ اگر صرف اسی ایک بات پر غور کیا جائے تو رفض کا وہ سب دشنام اور کذب و افترا پر تیار کردہ محل کہ اموی ہاشمیوں کے دشمن تھے چند لمحات میں صفحہ ہستی سے ملیامیٹ ہو جاتا۔ اس مقام پر مخاطب اہلِ تشیع سے نہیں بلکہ اہلِ سنت و جماعت کے ان برخود غلط علماء و فضلاء سے ہے جو صرف عقل کے پیدل لال بجھکڑ ہی نہیں بلکہ اسماء الرجال، احادیث اور سیرت کی کتب کے اسفار اپنے کندھوں پر لادے پھرتے ہیں۔ انہیں پڑھتے ہیں مگر اتنی عقل، سمجھ اور درایت سے عاری ہیں کہ حقائق کو سمجھ سکیں۔

دورِ جاہلیت میں اموی ہاشمی قرابتداریاں

۱۔ سیدنا ابوسفیان رضؓ اموی کی بہن ابولہب ہاشمی کے عقد میں تھی۔ عتبہ، عتیبہ، معتب اسی کے بطن سے تھے۔

(نسب قریش ۱۳۶۔ المجبر ۱۷۴۔ طبقات ابن سعد ۲ : ۴۵۵ ابن قتیبہ ۱ : ۷۰
بنو ہاشم اور بنو امیہ کے تعلقات ۹۷)

۲۔ حضرت ذوالنورینؓ کی سگی پھوپھی یعنی عاص کی بیٹی ام سعید عتبہ بن ابولہب کے عقد میں تھی۔ ابن ہشام ۱ : ۷۰، بنو ہاشم اور بنو امیہ کے تعلقات ۹۷-۹۸

۳۔ سیدنا امیر معاویہ رضہ کی بہن ہند سیدنا علی رضہ کے چچازاد بھائی حارث بن نوفل کے عقد میں تھی۔ ان کے دو بیٹے عبداللہ اور محمد تھے۔ عبداللہ بصرہ میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ سیدنا یزیدرح بن سیدنا معاویہ رضہ کے انتقال کے بعد اہل بصرہ نے آپ کے سامنے اس خیال کا اظہار کیا کہ اگر آپ چاہیں تو ہم آپ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لیتے ہیں۔ مگر آپ نے انکار کر دیا۔

(بنو ہاشم اور بنو امیہ کے تعلقات ۹۸۔ اسد الغابہ ۵ : ۱۹۲)

۴۔ سیدنا امیر معاویہ رضہ کی خالہ بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبدالشمس سیدنا علی رضہ کے بڑے بھائی سیدنا عقیل رضؓ کے عقد میں تھیں۔

(طبقات ۸ : ۲۳۹، ۲۴۰ اصابہ فی تمیز الصحابہ ۸ : ۱۶۴،
بنو ہاشم اور بنو امیہ کے تعلقات ۹۸)

۵۔ ربیعہ کی دوسری پوتی فاطمہ بنت شیبہ بھی عقیل رضؓ کے عقد میں تھی (ایضاً)
سیدنا عقیل رضہ جنگ صفین میں سیدنا معاویہ رضہ کے ساتھ تھے یعنی اپنے سگے بھائی سیدنا علی رضہ کے مخالف کیمپ میں۔

۶۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپھی سیدہ صفیہ رضہ امیہ کے پوتے حارث بن حرب کے نکاح میں تھی۔ کتاب المعارف ۱ : ۷۳، اسد الغابہ جلد ۱
طبقات الکبریٰ ۸ : ۴۱۔ بنو ہاشم اور بنو امیہ کے تعلقات صـ۱۶ مودۃ القربیٰ صـ۴

۷۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری پھوپھی ام حکیم رضہ بیضا بنت عبدالمطلب کریز بن ربیعہ بن حبیب بن ہاشم کے عقد میں تھی۔ ان کے بطن سے عامر اور اروی پیدا ہوئے۔ عامر کی پیدائش پر ان کے نانا عبدالمطلب نے کہا تھا۔ ہاشم کی ہڈیوں کی قسم عبدمناف میں اس بچہ سے بڑھ کر کوئی نہیں۔

(کتاب المعارف ۱۱-۱۹۶ مودۃ القربیٰ ۴، بنو ہاشم اور بنو امیہ کے تعلقات ۴)

۸۔ اروی کا عقد عفان سے ہوا۔ دنیائے اسلام کا تیسرا خلیفہ، نبی علیہ السلام کا دوہرا داماد یعنی سیدنا عثمان رضہ اروی کے بطن سے تھے۔

۹۔ سیدہ زینب رضؓ بنت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خالہ زاد بھائی ابوالعاص بن ربیع کے نکاح میں تھیں۔ سیدہ زینب رضؓ بنت رسول اللہ کے بیٹے سیدنا علی رضہ فتح مکہ کے روز نبی علیہ السلام کے ناقہ پر سوار تھے۔ یرموک میں شہید ہوئے۔

عہد اسلام میں ہاشمی واموی رشتہ داریاں

۱۰۔ سیدنا امیر معاویہ رضہ کی بہن ام حبیبہ رضہ بنت ابوسفیان رضہ کو ام المومنین رضؓ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

۱۱۔ سیدہ امامہ رضؓ بنت سیدنا ابوالعاص رضؓ یعنی نبی علیہ السلام کی نواسی سے، سیدہ فاطمہ رضہ کی وصیت کے مطابق سیدنا علی رضہ نے نکاح کیا (جلاء العیون ۱ : ۲۴۱)

۱۲۔ سیدنا علی رضہ کی وفات کے بعد سیدہ امامہ رضؓ کا نکاح مغیرہ بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب سے ہوا۔

۱۳۔ عائشہ رضؓ بنت سیدنا عثمان رضہ کا نکاح سیدنا حسن بن سیدنا علی رضہ سے ہوا۔ ان کے بطن سے دو بیٹے ابوبکر رضہ اور عمر رضہ پیدا ہوئے۔ آج سیدنا ابوبکر رضہ اور سیدنا عمر رضہ کی ذوات قدسیہ پر سب وشتم کرنے والے ذرا غور کریں کہ ان کی اس بدلگامی کی زد میں خود سیدنا علی رضہ نہیں آتے جنہوں نے اپنے پوتوں کے نام ابوبکر اور عمر رکھے۔
مجھے یہاں ایک لطیفہ یاد آیا ہے کہ ایک بار ایک بڑے جغادری قسم کے رافضی سے دوران گفتگو میں میں نے انہیں کہا کہ میاں سیدنا علی رضہ کے بیٹوں، پوتوں

اور پر پوتوں میں درجنوں ابوبکر رضؓ، عمر رضؓ اور عثمان رضؓ نام کے بزرگ گزرے ہیں۔ اگر وہ لوگ بقول تمہارے اتنے بُرے تھے تو سیدنا علی رضؓ اور ان کی اولاد کے متعلق کیا خیال ہے جو اصحابِ ثلاثہ رضؓ کے نام پر اپنی اولاد کا نام رکھتے رہے۔ فرمانے لگے اس لیے کہ وہ چوبیس گھنٹے سامنے رہیں۔ اور دل کا غبار ہلکا کرنے کا موقع ملتا رہے میں نے کہا پھر تم انکی سنت پر عمل کرو اور اصحابِ ثلاثہ رضؓ کے ناموں کے علاوہ معاویہ رضؓ اور یزید اور شمر اور عبیداللہ بن زیاد کے ناموں پر نام رکھو تاکہ صبح وشام تم بھی دل کا غبار نکال سکو۔ جواب کیا دیتے بغلیں جھانکتے ہوئے چل نکلے۔

۱۴-۱۵۔ سیدہ رقیۃ الزہرا رضؓ اور سیدہ ام کلثوم رضؓ ابولہب کے بیٹوں سے منسوب تھیں ابھی باقاعدہ نکاح اور رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت پر یہ نسبت منسوخ ہوگئی۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے ہر دو شہزادیاں سیدنا ذوالنورین رضؓ کے حبالہ عقد میں آئیں۔ سیدہ رقیہ رضؓ کے بیٹے کا نام عبداللہ رضؓ تھا عبداللہ کے بیٹے کا نام امام زین العابدین تھا۔ ان کے بیٹے سلطان عبداللہ کی اولاد بدخشاں میں حکمران رہی اور آج ان کی اولاد ضلع مظفر آباد، بالائی ضلع ہزارہ میں موجود ہے۔ یارانِ طریقت نے اصلی زین العابدین رضؓ کی بجائے علی بن حسین رضؓ کو زین العابدین رضؓ بنا دیا اور عبداللہ کی آنکھ میں ایک مرغ سے ٹھونگ مروا کر بچپن میں مار ڈالا[1]

۱۶۔ امیر معاویہ رضؓ کی حقیقی بھانجی لیلیٰ رضؓ بنت میمونہ رضؓ یعنی امیر یزید رحؒ کی پھوپھیری بہن سیدنا حسین رضؓ بن علی رضؓ کے نکاح میں تھی۔ یعنی حسین رضؓ۔ معاویہ رضؓ بھتیج داماد تھے اور یزید کے بہنوئی تھے۔

امیر یزید رحؒ کے بھانجے سیدنا علی اکبر رضؓ کربلا میں شہید ہوئے۔ مشہور شیعہ مؤلف علی نقوی سیدنا امیر معاویہ رضؓ سے یہ قول منسوب کرتا ہے کہ علی اکبر رحؒ میں بنو ہاشم کی شجاعت بنو امیہ کی سخاوت اور قبیلہ ثقیف کی خود مختاری کی تمام صفات بیک وقت موجود

---

[1] تفصیل کے لیے راقم کی تالیف "عترت رسولؐ" کا مطالعہ کیجئے۔

تھیں۔ (شہدائے کربلا ۳: ۱۵)

معرکۂ صفین کے بعد

صفین کی جنگ سیدنا علی رضؓ اور سیدنا معاویہ رضؓ کے درمیان ہوئی۔ جس میں فریقین اپنے موقف کو مبنی برحق سمجھتے۔ یہ جنگ نہ کسی نسلی تعصب کی بنا پر ہوئی اور نہ ہی کسی خاندانی تنازع کی وجہ سے اور نہ ہی خلافت کے لیے۔ یہ جنگ صرف خون عثمان رضؓ کے قصاص کی وجہ سے ہوئی۔ اس وقت سینکڑوں وہ اصحابی زندہ موجود تھے جو خون عثمان رضؓ کے سلسلہ میں حدیبیہ کے مقام پر نبی علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے اور وہ بیعت الرضوان کے نام سے مشہور ہوئی۔ وہ لوگ خون عثمان رضؓ کے قصاص سے دستبردار ہونا بیعت الرضوان سے منحرف ہونے کے مترادف سمجھتے تھے۔ قاتلین عثمان رضؓ ان کی آنکھوں کے سامنے سیدنا علی رضؓ کے لشکر میں دندناتے پھر رہے تھے معلوم نہیں سیدنا علی رضؓ ان کے سامنے بے بس تھے یا اپنی خلافت کے تحفظ کے لیے ان پر حد جاری کرنے سے معذور تھے۔ بہرحال بیعت الرضوان میں شامل صحابہ رضؓ ان کو معاف کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اور وہ سب کے سب سیدنا معاویہ رضؓ کے کیمپ میں تھے حتیٰ کہ سیدنا علی رضؓ کے حقیقی بھائی سیدنا عقیل رضؓ بھی معاویہ رضؓ کے کیمپ میں تھے بہرحال شد ہر چہ شد۔ یہ باہمی چپقلش ایک دینی معاملہ تھا۔ ملکی معاملات میں ان میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ اگر سیدنا علی رضؓ قاتلین عثمان رضؓ سے الگ ہو جاتے تو مع امیر معاویہ رضؓ تمام عالم اسلام بلا توقف ان کے ہاتھ پر بیعت کر لیتا۔ (البدایہ والنہایہ)

درجنوں کتب میں یہ واقعہ موجود ہے کہ سیدنا علی رضؓ اور سیدنا معاویہ رضؓ کی اس باہمی آویزش کو دیکھ کر قیصر روم نے مسلم ممالک پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ جب سیدنا معاویہ رضؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے اسے لکھا کہ یاد رکھ اگر تو نے اس قسم کی کوئی حرکت کی تو میں علی رضؓ کی فوج کا پہلا سپاہی ہوں گا جو تیرے مقابلہ کو نکلوں گا۔

یہی وجہ تھی کہ صفین کے بعد بھی ہاشمی اور اموی رشتہ داریوں کا سلسلہ بدستور

جاری رہا۔

۱۷- سیدہ رملہ بنت سیدنا علی رض- معاویہؓ بن مروان رض بن حکم میں نکاح میں آئیں۔
(جمہرۃ الانساب ۸۰- مقام بنی امیہ ۱:۴)

۱۸- سیدہ خدیجہ رض بنت سیدنا علی رض سیدنا مروان رض کے بیٹے امیر المومنین رح عبدالملک کے نکاح میں آئیں۔ (تاریخ الامت ۷۰ البدایہ ۹:۲۹)

۱۹- سیدہ بنت سیدنا علی رض، عبدالرحمان بن عبداللہ بن عامر سے بیاہی گئیں۔ یہ وہی عامر ہیں جو سیدنا عثمان رض کے ماموں تھے۔

۲۰- عامر کے بیٹے عبداللہ صفین کی جنگ میں سیدنا معاویہ رض کے کمپ میں تھے اور سیدنا علی رض کے خلاف بڑی شدت سے لڑے۔ مگر لڑائی ختم ہونے کے بعد اپنی بیٹی ہند کا نکاح سیدنا حسین بن علی رض سے کر دیا۔

کربلا کے بعد

کسی دوسرے مقام پر کربلا کے حادثہ سے بچ نکلنے والوں کی تفصیل موجود ہے ان سب میں سے سیدنا علی رض (زین العابدین) نے آگے چل کر بڑی شہرت پائی وہ واقعہ کربلا کے عینی شاہد تھے۔ ان سے واقعہ کربلا کے متعلق کوئی روایت موجود نہیں۔ انہیں معلوم تھا کہ خانوادہ نبوت ﷺ کی شہادت سبائی فتنہ انگیزوں کی شیطنت تھی۔ اموی اور ہاشمی مصاہرانہ تعلقات جس طرح پہلے موجود تھے بعد میں بھی ان میں کوئی فرق نہ آیا۔

۲۱- سیدہ عائشہ بنت عمر بن عثمان رض کا نکاح اسحاق بن عبداللہ بن سیدنا حسین رض سے ہوا۔ (نسب قریش ۶۵ جمہرۃ الانساب ۴۷)

۲۲- سیدہ عائشہ بنت عاصم بن عمر بن عثمان رض کا نکاح حسن بن علی بن حسین رض سے ہوا جن سے عبداللہ اور محمد دو بیٹے پیدا ہوئے (نسب قریش ۶۵، جمہرۃ الانساب ۴۷)

۲۳- خلیدہ بنت مروان بن سعد بن عاص سیدنا حسین رض کے پڑپوتے حسن کے نکاح میں آئی۔ (نسب قریش)

۲۴- سیدہ نفیسہ رض بنت زید بن حسن کا نکاح امیر مروان کے پوتے امیر المومنین ——

ولید بن عبدالملک سے ہوا جن سے اولاد بھی ہوئی۔ یہاں شیعیت کا ایک لطیفہ پڑھیے اور سر دھنیے۔ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب کا مؤلف اس نکاح پر کس سوقیانہ انداز کی پھبتی کستا ہے چنانچہ لکھتا ہے خرجت الی الولید یعنی ولید کے پاس چلی گئی۔ ان منہ پھٹ رافضیوں سے کوئی پوچھے کہ سیدہ ام کلثوم رض بنت علی رض کا سیدنا فاروق اعظم رض سے نکاح ہوا تو تم نے کہا: اول فرج غضبت" ترجمہ کسی رافضی سے پوچھ لیجیے۔ مجھ میں اس بکواس کے ترجمہ کی سکت نہیں۔ سیدہ نفیسہ رض کا نکاح ولید سے ہوا تو تم نے فوراً کہہ دیا وہ بھاگ کر ولید کے پاس چلی گئی۔

میرے شیعہ دوستو! اگر تمہاری کھوپڑیوں میں عقل کی ایک رمق بھی موجود ہے تو تمہیں سمجھ لینا چاہیے کہ کس طرح تمہارے گلوں سے "حُبِ اہل بیت" کی آڑ میں زہر ہلاہل کی شوگر کوٹڈ گولیاں نیچے اتاری جا رہی ہیں؟

زید بن حسن رض اپنے چچا کے ساتھ کربلا میں موجود تھے۔ اس کے باوجود اپنی بیٹی کا نکاح ولید سے کر دیا۔ یہ تمام تفصیل عمدۃ الطالب صفحہ ۹۴ طبع اوّل مطبع جعفری لکھنؤ پر موجود ہے۔

۲۵- خدیجہ رض بنت حسین بن حسن رض یعنی سیدنا حسن رض کی دوسری پوتی امیر المومنین مروان کے دوسرے پوتے اسماعیل بن عبدالملک سے بیاہی گئی۔ جس کے بطن سے محمد الاکبر، حسین، اسحٰق اور مسلمہ پیدا ہوئے۔
(جمہرۃ الانساب ۱۰۰ بنو ہاشم اور بنو امیہ کے تعلقات ص۴)

۲۶- سیدنا حسن رض کی تیسری پوتی سیدہ زینب بنت حسن مثنیٰ جو واقعہ کربلا میں اپنے چچا کے ساتھ موجود تھی۔ اور بھرپور جوان تھی۔ اسی اموی خلیفہ ولید کے نکاح میں تھی۔
(جمہرۃ الانساب ۳۶)

۲۷- ام قاسم بنت حسن مثنیٰ سیدنا عثمان رض کے پوتے مروان بن ابان سے بیاہی گئی محمد نامی ایک لڑکا پیدا ہوا۔ بیوہ ہونے پر سیدنا علی رض (زین العابدین) سے نکاح کیا۔
(کتاب المحبر ۴۳۸- جمہرۃ الانساب ۳۷)

۲۸- سیدہ بنت حسن مثنیٰ کا نکاح معاویہ بن امیر المومنین امیر مروان سے ہوا جن سے

ولید نامی ایک لڑکا ہوا۔ (جمہرۃ الانساب ۸۰۔ ۱۰۰ بنو ہاشم اور بنو امیہ کے تعلقات ۱۰۵)

۲۹۔ حمادہ بنت حسن مثنیٰ یعنی سیدنا حسن کی چھوٹی پوتی امیر المومنین امیر مروان رض کے بھتیجے کے بیٹے اسماعیل بن عبد الملک بن الحارث بن الحکم کے نکاح میں تھی ان سے سیدنا حسن کے تین اموی نواسے محمد الاصغر، ولید اور یزید پیدا ہوئے۔

(جمہرۃ الانساب ۱۰۰۔ مقام بنو امیہ ۱۴)

اب چند لمحات کے لیے سیدنا حسین رض کی طرف آیئے۔ آج شیعہ تو درکنار نام نہاد سنی بھی محراب و منبر سے اپنے کلام کو گرمانے کے لیے بڑے سوز، درد اور رقت سے یزید کو فی النار والسقر کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں مگر ان عقل کے اندھوں فراست سے عاری بزرجمہروں اور لال بجھکڑوں کو اس قدر بھی معلوم نہیں کہ واقعہ کربلا کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے والوں نے ایک حادثہ سمجھا۔ اس حادثہ سے پہلے ان کے آپس میں جو تعلقات تھے وہی بعد میں رہے۔

۳۰۔ سیدہ سکینہ بنت حسین رض کو سیدہ زینب کے بعد دنیائے روافض نے کربلا کی دوسری ہیروئین بنا کر پیش کیا ہے۔ کبھی ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ زندان شام میں انتقال کر گئیں۔ کبھی کہا جاتا ہے وہ ابھی نابالغ تھیں۔ آپ کا چھوٹا سا تابوت ہر سال محرم میں نکالا جاتا ہے۔ یہ روایت بڑے دردناک انداز میں بیان کی جاتی ہے کہ آپ ابا ابا کہتی ہوئی خیمہ سے نکلیں اور سیدنا حسین رض کے لاشے پر پہنچ کر سو گئیں اور سے

خیمے میں شور اٹھا کہ سکینہ بھی کھو گئیں
وہ جا کے اپنے باپ کے لاشے پہ سو گئیں

معلوم نہیں سیدہ سکینہ کا تابوت کس خوشی میں نکلتا ہے۔ شاید علی ازم حسینیت کا اتحاد اسلام سے مطلوب ہو۔ ہمیں تاریخ نے جو کچھ بتایا ہے وہ یہ ہے کہ ان کا پہلا نکاح عبد اللہ بن حسن سے ہوا۔ واقعہ کربلا میں صاحب اولاد تھیں۔ کربلا کے بعد جب قافلہ شام پہنچا تو بقول روافض یزید نے سکینہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ لڑکی کس کی ہے؟ مگر جلاء العیون والے ملا باقر لکھتے ہیں کہ قافلہ کو محل شاہی کے ایک حصہ میں اتارا گیا۔ شام سے مدینہ پہنچنے پر سیدہ سکینہ کا دوسرا نکاح مصعب بن زبیر سے ہوا۔ جن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ مصعب کے بعد تیسرا

نکاح عبد اللہ بن عثمان بن عبد اللہ بن حکم اموی سے ہوا۔ عبد اللہ کے مرنے کے بعد چوتھا نکاح اصبغ بن عبد العزیز بن مروان سے ہوا۔ ان اصبغ کے نکاح میں اس وقت امیر یزید کی بیٹی تھی۔ گویا سکینہ اپنے باپ کے قاتل کی بیٹی کی سوکن بنیں۔ ۹۶ھ میں آپ کا پانچواں نکاح زید بن عمرو بن سیدنا عثمان رض سے ہوا زید کے چچا ابان بن عثمان کے نکاح میں سکینہ کی پھوپھی نلاد بہن ام کلثوم بنت زینب بنت فاطمہ تھی۔

۳۱۔ فاطمہ بنت حسین رض کا نکاح ثانی عبد اللہ بن عمرو بن عثمان کے نکاح میں تھی۔ ان سے محمد۔ اصغر۔ قاسم اور رقیہ پیدا ہوئے۔

(مقاتل الطالبین ۱۸۰۔ نسب قریش ۵۹۔ بحار الانوار ۱۱ : ۲۳۰ وغیرہ)

۳۲۔ سیدہ ربیعہ رض بنت سکینہ جو عبد اللہ بن عثمان سے تھی العباس بن ولید بن عبد الملک کے نکاح میں تھیں۔ (نسب قریش ۵۹)

۳۳۔ اسحٰق بن عبد اللہ الارقط بن علی بن حسین کی شادی سیدہ عائشہ بنت عمر بن عاصم بن عثمان رض سے ہوئی۔ زیر نظر کتاب کا یہ موضوع نہیں کہ میں تفصیلی طور پر ان رشتہ داریوں کے متعلق بحث کروں۔ یہاں صرف اس قدر بتانا مقصود ہے کہ اگر ہاشمی اور اموی آپس میں دشمن تھے تو وہ ایک دوسرے کو اپنی لڑکیاں کیوں دیتے رہے اور مقتول یا مظلوم خاندان کی لڑکیاں ظالم یا قاتل خاندانوں کے گھروں میں کس طرح رہیں۔ بات بڑھتی جا رہی ہے مگر چند اور اس قسم کی رشتہ داریوں کے متعلق سن لیجئے۔

۳۴۔ محمد بن جعفر طیار کی بیٹی رملہ سلیمان بن ہشام بن عبد الملک کے نکاح میں تھی۔

۳۵۔ ام کلثوم بنت عبد اللہ بن جعفر طیار جو سیدہ زینب رض کے بطن سے تھیں ان کا پہلا نکاح ابن عم قاسم بن محمد بن جعفر طیار سے ہوا۔ اور نکاح ثانی حجاج بن یوسف ثقفی سے ہوا[1] جو اس وقت مشرقی صوبجات کا گورنر جنرل تھا۔

---

[1] امیر حجاج بن یوسف ثقفی جیسے سیدہ زینب بنت علی رض کے داماد ہونے کا فخر حاصل تھا۔ خلفائے بنو امیہ کی طرف تمام مشرقی ممالک کا گورنر جنرل تھا۔ دیبل کے مقام پر (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اسی نے اپنے بھتیجے محمد بن قاسم کو فتح سندھ کے لیے بھیجا تھا۔ بعد میں علیحدگی ہو گئی تو تیسرا نکاح ابان بن عثمان سے ہوا اور ابان کے مرنے کے بعد چوتھا نکاح علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب سے ہوا۔

(المعارف ۹۰ جمہرۃ الانساب ۶۱-۱۱۴، نسب قریش ۸۳، کتاب المعارف ۱: ۱۲۲)

۳۶۔ ام ابیہا بنت عبداللہ بن جعفر طیار عبدالملک کے نکاح میں تھی۔

۳۷۔ نفیسہ بنت عبداللہ بن عباس بن علی رض ان کا نکاح عبداللہ بن خالد بن امیر یزید رح

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مسلمانوں کے لٹنے والے قافلہ کی ایک خاتون کی آواز جب اس کے کان میں پہنچی تو اس نے گویا ایک عورت کی پکار پر بھرے دربار میں از خود رفتہ ہو کر "لبیک" کہتے ہوئے فوراً امیر المومنین ولید بن عبدالملک کی خدمت میں فتح سندھ کی اجازت کے لیے قاصد دوڑا دیئے اور اجازت آنے تک اس نے اپنے بھتیجے محمد بن قاسم کو ایک کثیر لشکر کے ہمراہ سندھ پر حملہ کرنے کے تمام منصوبے سمجھا دیئے۔ امیر حجاج کی فوجی سکیم سے متاثر ہو کر امیر ولید نے اسے تمام مشرقی، شمال مشرقی اور مغربی ممالک کا گورنری کے ساتھ چیف آف سٹاف مقرر کیا۔ حجاج کی ہدایات کے تحت دس سال کے قلیل عرصہ میں اسلامی فوجیں ایک طرف ملتان دوسری طرف چین کی سرحدات اور تیسری طرف مراکش تک اسلامی فتوحات کے پھریرے لہراتی ہوئی پہنچیں امیر حجاج پر سب سے بڑا اعتراض حضرت سعید رح بن جبیر کے قتل کا ہے۔ سعید بن جبیر اپنی للہیت، پاکبازی، سادہ لوحی کی وجہ سے شیعیت ایک آڑ بن گئے تھے مگر امیر حجاج خوارج اور روافضہ کے لیے ایک تیغ بے نیام تھا اس نے دیکھا کہ سعید کی وجہ سے شاید یہ فتنہ مزید سر نہ اٹھائے لہذا بہتر ہے کہ فتنہ کی اس آڑ کو ہی ختم کر دیا جائے حجاج کا قتل عام مسلمانوں کا قتل عام نہیں تھا بلکہ خوارج اور رافضہ کی بیخ کنی تھی۔ ملاحظہ ہو — مروج الذہب، الکامل وغیرہ)

سلہ خالد بن یزید رح کی طرف کیمیا کی بعض ترکیبیں منسوب ہیں۔ خالد بن یزید امیر مروان بن حکم کے پروردہ تھے۔ (مقدمہ ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۴۶۸ و صفحہ ۴۶۹)

عالم اسلام پر خلفائے بنو امیہ کے احسانات صرف دینی علوم کی ترویج و اشاعت اور فتوحات تک ہی محدود نہیں بلکہ آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ آج سائنس کے جس قدر کلیات پر کام ہو رہا ہے ان کا بانی امیر یزید رح کا بیٹا خالد تھا جو تواریخ و سیرت کی کتابوں میں ابو ہاشم خالد کے نام سے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

سے ہوا۔ نفیسہ کے بطن سے علی پیدا ہوا۔ وہ سفیانی کہلایا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ میں صفین کے سرداروں علی رض اور معاویہ رض کا بیٹا ہوں۔ عبداللہ کے بیٹے علی نے امین عباسی کے دور میں خاصی شہرت حاصل کی امین اور مامون کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) متعارف ہے مورخین نے تواریخ کی ترتیب کے وقت تمام زور فتوحات اور جنگوں پر صرف کیا۔ اور دوسری خدمات کی طرف توجہ نہ دی — محمد بن اسحاق بن کریم وراق اپنی تالیف الفہرست میں لکھتا ہے کہ صنعت کیمیا پر تصانیف کو منظر عام پر لانا خالد بن یزید کا کام تھا، خالد، خطیب، شاعر، فصیح اور صاحب رائے تھا۔ اس نے طب، نجوم اور کیمیا کے متعلق کئی کتب کا ترجمہ کیا۔ (الفہرست)

۶۴ھ میں امیر یزید رح کے انتقال کے وقت وہ بہت چھوٹا تھا۔ معاویہ رض بن امیر یزید کی خلافت سے دستبرداری کے بعد عالم اسلام نے امیر مروان رض کے ہاتھ پر بیعت کی تو بقول طبری یہ فیصلہ ہوا کہ امیر مروان کے بعد امیر خالد رض خلیفہ ہو۔ خالد کو حمص کا گورنر بنایا گیا۔ امیر خالد کی ماں ام ہاشم بنت ابو ہاشم بنت عتبہ نے امیر مروان سے نکاح کر لیا۔ ۳ رمضان ۶۵ھ میں امیر مروان رض کے انتقال پر امیر المومنین عبدالملک خلیفہ ہوئے مگر امیر خالد کا وقار قائم رہا۔ امیر المومنین عبدالملک نے ۷۶ھ میں امیر خالد کے مشورہ سے ہی اسلامی سکہ جاری کیا۔

امیر خالد امورات سلطنت سے خود ہی متنفر تھا۔ چنانچہ ایڈورڈ براؤن نے (ARABIAIN MEDICINE) طب العرب میں لکھا ہے کہ اموی شہزادہ خالد بن یزید رح علم کیمیا کا دلدادہ تھا۔ اس نے عربوں میں یونانی علوم سے بہرہ ور ہونے کی تحریک کی۔ (کتاب الفہرست ابن الندیم) خالد نے یونانی فلسفہ کے علماء کو مصر میں جمع کیا اور عربی میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا یہیں جابر بن حیان اس کا شریک کار رہا۔

قاضی صاعد اندلسی کہتا ہے کہ خالد طب اور کیمیا کا عالم تھا۔ اس ضمن میں اس کے کئی اشعار بھی ہیں (طبقات الامم)

اس کتاب کے حاشیہ پر قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی لکھتے ہیں۔ امیر خالد کیمیا اور طب کا جید عالم تھا ۸۵ھ / ۷۰۴ء میں فوت ہوا۔ اسکو فن کیمیا کا باپ کہا جاتا ہے۔ البیرونی نے اسے اسلام کا سب سے پہلا حکیم لکھا ہے (آثار الباقیہ صفحہ ۳۰۲) ڈاکٹر احمد عیسیٰ بک نے بھی اپنی تالیف (بقیہ اگلے صفحہ پر)

چپقلش کو دیکھ کر اس نے ۱۹۸ھ میں خروج کیا مگر امین نے اسے بھگا دیا۔

۳۸۔ دنیائے شیعیت کی طرف سے سب سے زیادہ ہاہا کار رسیدہ اس کلثوم بنت سیدنا علی رض کے سیدنا فاروق اعظم رض کے ساتھ نکاح پر مچ رہی ہے اس نکاح کی تفصیل گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہے زیادہ وضاحت کے لیے راقم کی تالیفات مقام صحابہ رض اور شہادت ذوالنورین رض کا مطالعہ کیجیے۔

آخر میں سیدہ فاطمہ بنت حسین رض کے متعلق ذرا تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے موصوفہ کا پہلا نکاح حسن بن حسن بن علی رض سے ہوا۔ جن سے عبداللہ، ابراہیم حسن اور زینب پیدا ہوئے۔ دوسرا نکاح عبداللہ بن عمرو بن عثمان رض سے ہوا یہ نکاح آپ کے بیٹے عبداللہ نے آپ کے حکم سے کرایا۔ ان سے قاسم اور محمد دیباج پیدا ہوئے۔ جب عبداللہ کا انتقال ہوا اس وقت مدینہ کا گورنر عبداللہ بن ضحاک بن قیس فہری تھا۔ اس نے سیدہ فاطمہ کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ موصوفہ نے انکار کر دیا۔ عبداللہ گورنر مدینہ نے کہا کہ اگر تم مجھ سے نکاح نہیں کرو گی تو میں تمہارے لڑکے عبداللہ بن حسن کو شراب کی سزا میں حد لگا دوں گا۔ اس وقت مدینہ کا قاضی ابن ہرمز تھا۔ ابن ہرمز کو خلیفۃ المسلمین نے کسی کام کے سلسلے میں دمشق طلب کیا۔ چلتے وقت ابن ہرمز نے سیدہ فاطمہ سے کہا کہ کوئی ضرورت ہو تو بیان کیجیے انہوں نے کہا میری طرف سے امیر المومنین کی خدمت میں عرض کیجیے کہ عبداللہ بن ضحاک گورنر مدینہ مجھے نکاح کے لیے مجبور کرتا ہے۔ قاضی ابن ہرمز نے دمشق پہنچ کر موصوفہ کا پیغام پہنچایا۔ امیر المومنین یزید بن الملک یہ سنتے ہی آگ بگولہ ہو گئے بھنا کر تخت سے اتر پڑے اور بید کی چھڑی زمین پر مار کر کہنے لگے ابن ضحاک نے یہ جرأت کیسے کی۔ اور فوراً طائف کے گورنر عبدالواحد بن عبداللہ نصری کو لکھا کہ میں نے تم کو مدینہ کا گورنر بنایا۔ مدینہ جا کر ابن ضحاک سے چالیس ہزار بطور تاوان وصول کرو۔ اور اتنی سزا دو کہ میں اپنے فرش پر اس کی آواز سن لوں۔ ابن ضحاک کو معلوم ہوا تو گورنری چھوڑ کر مدینہ سے بھاگ نکلا اور چپ چاپ خلیفہ کے بھائی مسلمہ بن عبدالملک کے ہاں پہنچ کر پناہ لی۔ مسلمہ نے یزید سے بطور ہبہ مانگا مگر یزید نے

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) تاریخ انساب میں ان باتوں کو دوہرایا ہے وہ اگرچہ جوانی میں مر گیا مگر متاخرین کیلئے ایک شمع روشن کر گیا۔

انکار کر دیا اور اسے واپس مدینہ بھیج دیا۔ حاکم مدینہ نے اس سے چالیس ہزار وصول کر کے کنبل اوڑھا کر بازار میں گھمایا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۴۹۲، ۴۹۲)

اس واقعہ سے چند امورات مستنبط ہوتے ہیں :-

۱۔ ہاشمی اور اموی اپنے درمیان رشتہ داریاں کرتے تھے مگر دوسرے قبائل سے احتراز برتتے تھے۔

۲۔ سیدہ فاطمہ کی معمولی سی شکایت پر خلیفہ ایک گورنر کو بھی معاف کرنے پر تیار نہ ہوا۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ خلیفہ، موصوفہ کو اپنے خاندان میں سے سمجھتا تھا

۳۔ اگر امویوں اور ہاشمیوں کے درمیان واقعی مناقشات اور دشمنیاں تھیں تو دشمن خاندان کی ایک بیوہ کے لیے ایک گورنر سے ایسا سلوک چہ معنی دارد؟

۴۔ ابن ہرمز مدینہ سے دمشق روانہ ہونے وقت سیدہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہتا ہے کہ اگر خلیفہ کے نام کوئی پیغام ہو تو بتلائیے۔ اس کا واضح طور پر یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ خلفائے بنو امیہ، ہاشمی سادات کا خاص خیال رکھتے تھے۔ کسی اور سے قاضی نے یہ دریافت نہ کیا کہ کوئی پیغام ہو تو بتائیے۔

تاریخ شیعیت پر ایک اجمالی نظر

گذشتہ اوراق میں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ شیعہ مذہب۔ مذہب نہیں بلکہ یہ یہودی، مجوسی اور عیسائی، اسلام دشمنی کی تحریکوں کا مرکب اور ملغوبہ ہے ذرا نظر تعمق سے غور کرنے والوں پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ شیعہ مذہب (تحریک) کے عقائد اور نظریات سب کے سب مجوسیت اور اسرائیلیات کے تانے بانے سے تیار کردہ ہیں۔ اس وقت دنیا میں تقریباً ستر سے زائد مختلف الخیال اور مختلف العقائد گروہ اپنے آپ کو سچا شیعہ کہلانے کے مدعی ہیں۔ چنانچہ مشہور مستشرق ہنری لامن اپنی مشہور تالیف (ISLAM BELIEF AND INSTITUTION) (اسلام۔ معتقدات و آئین) میں لکھتا ہے کہ (حضرت) علی رض کے جاہ طلب اور کثیر التعداد خلاف نے تھوڑے ہی دنوں میں شیعہ جماعت کو بہت سے ایسے فرقوں میں منقسم

کر دیا جو برابر ایک دوسرے پر سب وشتم کرتے تھے یہ لوگ سیاسی فہم وفراست سے عاری، رشک وحسد میں مبتلا اور منصب امامت کے بارے میں آپس ہی میں جو شدت کے ساتھ لڑتے جھگڑتے رہتے تھے وہ حکومت کے خلاف ایک حزب مخالف کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان لوگوں کی سازشوں اور ایسی بغاوتوں کے حالات سے جو ناقص طور سے منظم کی گئیں۔ پہلی دو صدی ہجری کے واقعات ان سے مملو اور بھرپور ہیں۔ (ترجمہ سر ڈینلس ڈائریکٹر شعبہ السنہ شرقیہ لندن یونیورسٹی صفحہ ۱۴۳-۱۴۴)

لندن کی مشہور لیوزک کمیٹی نے سلسلہ مذاہب مشرق کی چھٹی کتاب "مذہب تشیع" کے نام سے ۱۹۳۳ء میں شائع کی اس کے مؤلف ڈوایٹ ایم ڈونالڈسن ہیں یہ صاحب ۱۶ برس تک مشہد میں رہے اور اس کتاب کی تیاری میں قرآن مجید اور یورپی السنہ کی بکثرت کتابوں کے مطالعہ کے علاوہ عربی، فارسی کی مستند اور مشہور کتابوں اور ان کے تراجم سے مدد لی جن کی فہرست کتاب کے آخر میں بارہ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ جن میں تفاسیر، احادیث، تاریخ وجغرافیہ، سوانح، حالات آئمہ، علم کلام، ادعیہ وزیارات کی تمام کتب شامل ہیں۔ کتاب کے ۳۶۹ صفحات ہیں جن میں ۳۴ ابواب ہیں۔ اس کتاب کے باب چہارم کے صفحہ ۴۱، ۴۲ پر مصنف لکھتا ہے :

"آئمہ کے حالات کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے معمولی اشخاص کو غیر فانی بنا دیا گیا ہے۔ بہترین صورت جو اختیار کر سکتے ہیں یہ ہو گی کہ قدیم ترین ماخذوں سے جو معلومات فراہم ہوں ان کے ذریعہ سے یہ فیصلہ کریں کہ تعظیم و تقدیس کے جو خیالات ان کے وجود سے وابستہ ہیں ان سے قطع نظر کر کے حقیقی زندگی میں یہ لوگ کیسے تھے۔ تاہم زمانہ مابعد کی داستان نے جو الوہیت ان کو بخشی ہے اس کی تصویر کشی کی سعی کرنا ضروری ہے تاوقتیکہ ہم ان کی واقعی حالات سے گزر کر یہ دیکھیں کہ ان کے متعلق کیا کہا گیا ہے۔ ہم شیعان اسلام کی روح تک پہنچنے میں قطعاً ناکام رہیں گے اور ان حیرت انگیز جامع ومانع اصولوں کی نشوونما کی تشریح نہ کر سکیں گے جو اس مذہب کے بنیادی عقائد تصور کیے جاتے ہیں۔

قدیم ترین روایات حدیث ظاہر کرتی ہیں کہ خلافت کے متعلق حضرت علیؓ کے دعاوی کو ان کے دوست اور طرفدار محض سیاسی نصب العین نہیں بلکہ وہ قضا وقدر کی طرف سے ان کا مقرر کردہ حق تصور کرتے تھے اور اس نظریہ کے نشوونما پانے اور پھیلنے کا بہت کچھ تعلق اسلامی تاریخ کے اندر نسبتاً ایک حقیر حیثیت رکھنے والے فرد کی تعلیم اور جد وجہد سے ہے۔ جیسا کہ طبری نے لکھا ہے۔ حضرت عثمان رضؓ کی خلافت کے زمانہ میں ایک پُرجوش واعظ مسمی عبد اللہ بن سبا نے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی غرض سے ساری مملکت میں سیاحت کی تھی۔

ویل ہاسین مشہور جرمن مستشرق کا قول ہے کہ مسلمان ہونے سے پہلے وہ یہودی تھا، وہ حجاز، بصرہ، کوفہ اور شام سے ہوتا ہوا مصر پہنچا اور علی رضؓ کی موافقت میں سازش کرنے میں مشغول ہو گیا۔ اور اس بات کا اعلان کیا کہ ابوبکر رضؓ عمر رضؓ اور عثمان رضؓ خلافت کے غاصب تھے (اس کے بعد طویل عبارت ہے) اس نے یہ شوشہ بھی چھوڑا کہ نبی علیہ السلام ایک بار پھر دنیا میں آئیں گے اور قرآن مجید کی آیت ان الذی فرض عَلَيْكَ القرآن الرَّادُّكَ اِلٰی مَعَادٍ (قصص) سے نبی علیہ السلام کی رجعت کا استدلال کیا۔ اس نے بڑی شد ومد سے اس بات کی تبلیغ کی کہ روح الٰہی جو ہر پیغمبر کے اندر متمکن رہی اور درجہ بدرجہ ایک دوسرے تک پہنچتی رہی حضرت محمدؐ کی وفات سے حضرت علی رضؓ کی طرف اور حضرت علی رضؓ سے اس کی اولاد کی طرف منتقل ہوئی۔ جو امامت میں اس کے جانشین بنے۔

اقول : آج دنیائے سبائیت کی طرف سے اس قسم کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں کہ عبد اللہ بن سبا ایک فرضی شخصیت کا نام ہے اس قابل رحم گروہ کے ہاتھ میں ان کے ایک امام نے یہ ہتھیار تو تھما دیا کہ شیعیت کے ستر پہلو ہیں اور تیرہ سو سال سے یہ قابل رحم گروہ اس ہتھیار سے اپنا کام چلاتا رہا۔ مگر اب تحقیقی اور سائنسی دور میں یہ بے چارے اپنے جوتوں سے کہاں تک اپنی چندیا کو بچاتے رہیں گے ابن سبا رہتی دنیا تک ان کے سروں پر مونگ دلتا رہے گا۔[1]

---

[1] ابن سبا کے تفصیلی حالات کے لیے دیکھئے (۱) رجال کشی ص۷۱ (۲) تاریخ ادبیات ص۲۱۵

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

پہلی صدی ہجری کے خاتمہ تک شیعہ مذہب خود شیعوں کے نزدیک بطور ایک سیاسی تحریک ہی موسوم رہا۔ ان کے نزدیک اہل سنت وجماعت منافق تھے نہ کافر، علویوں، عباسیوں اور امویوں کے درمیان باقاعدہ سلسلہ مناکحت ومصاہرت قائم تھا۔ علوی اپنی اولاد کے نام تبرکاً ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ اور معاویہؓ اور یزیدؒ رکھتے تھے۔

جنگ جمل اور صفین شیعوں کے قول کے مطابق سنی شیعہ جنگ تھی۔ مگر خود حضرت علیؓ کے متعدد اقوال اس بات پر شاہد ہیں کہ فریقین کے مقتول یا شہداء جنتی ہیں۔

دوسرا فتنہ واقعہ کربلا کی شکل میں ظہور پذیر ہوا۔ جب کوفیوں کی بے وفائی کی خبر سن کر حضرت حسینؓ واپس لوٹ جانے کو تیار ہوگئے تھے۔ بلکہ امیر یزیدؒ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے تیار ہوگئے تو کوفیوں نے جو انہیں ہمراہ لائے تھے تلواروں کی باڑ پر رکھ دیا۔

پھر یہ عجیب حیران کن امر ہے کہ واقعہ کربلا کے وقت حضرت علیؓ (زین العابدینؒ) محمد باقر۔ زید بن حسن۔ حسن مثنیٰ زندہ تھے (مقاتل الطالبین ص۱۱۹)

زید بن حسن کے ایک بیٹے کا نام حسنؒ تھا۔ جو ابوجعفر المنصور کی طرف سے پانچ سال مدینہ کا گورنر رہا۔ اور حسن مثنیٰ کے خلاف عباسیوں کو مخبری کرتا رہا۔ اور علویوں میں سب سے پہلے اس نے عباسیوں کا شعار یعنی سیاہ لباس پہنا۔ (عمدۃ الطالب ص۱۱ طبع اول مطبوعہ لکھنؤ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مصنفہ نکلسن (۳) ڈی۔ آر۔ بی۔ اد یارٹن ص۸۹ مصنفہ ہاسین (۴) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا مضمون عبداللہ بن سبا (۵) مقدمہ نفحات الانس جامی مرقومہ مہدی توحیدی ص۲۹ (۶) ترجمہ الابانہ عن اصول الدیانۃ بہ انگریزی کا مقدمہ ڈاکٹر کلین KLEIN (۷) الخلافت سر ولیم میور ص۲۱۶ (۸) شیعان ہند مصنفہ ڈاکٹر جے۔ این ہالسٹر ص۱۵ (۹) عربوں کی تاریخ مصنفہ پی۔ کے ہٹی مطبوعہ لنڈن ۱۹۴۹ء ص۱۴۸ (۱۰) خاندان نوبختی مصنفہ پروفیسر عباس اقبال ص۲۵۷

(۱۱) الملل والنحل شہرستانی ترجمہ افضل الدین صدر ترکہ اصفہانی بخش اوّل ص۱۸۸

مگر ان میں سے کسی ایک نے بھی واقعات کربلا کے متعلق کچھ بھی بیان نہیں کیا۔ آج تک تاریخ وسیرت کی کتابوں میں کربلا کے متعلق ایک بھی روایت نہیں ملتی اس مقام پر تھوڑی سی درایت سے کام لیجئے۔ تو معلوم ہو گا۔ کہ کربلا کے متعلق جو کچھ آج سیرت کی کتابوں میں لکھا ہوا ملتا ہے۔ یہ سب کچھ کس نے دیکھا؟ کس نے بیان کیا۔ کس نے روایت کی؟ کون کس مقام پر کھڑا ہو کر نہایت ہی دقت نظری سے یہ تمام منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا؟ اور پھر اس نے ان واقعات کو قلمبند کر کے لوگوں تک پہنچایا۔ ان واقعات کی صداقت کا کیا معیار ہے۔ کہا جاتا ہے کہ چند نہایت ہی عقلمند سوجھ بوجھ رکھنے والے آدمی ایک کمرہ میں بٹھا دیئے گئے۔ معاً دروازہ کھلا اور کمرے میں ایک آدمی داخل ہوا۔ دوسرا فوراً ہی اس کے پیچھے لپکتا ہوا اندر داخل ہوا اور اس نے آتے ہی پے بہ پے پستول کے چند فائر پہلے آدمی پر کر دیئے۔

اب کمرے میں بیٹھے ہوئے ان دانشوروں کو کہا گیا کہ اس واقعہ کو قلمبند کیجئے۔ آخر میں جب ان لوگوں کی تحریریں ملاحظہ کی گئیں تو کسی ایک کا بیان کسی دوسرے سے ذرہ بھر بھی مطابقت نہ رکھتا تھا۔ سب نے اپنے نظریئے کے تحت اس طرح وہ سیدھا سادا سا واقعہ تحریر کیا کہ اس کی اصل صورت ہی مسخ ہو کر رہ گئی۔

دنیا میں اس قسم کے ہزاروں واقعات ہوتے رہے اور ہوتے ہیں کہ دو فریق آپس میں لڑ پڑتے ہیں۔ اور غیر جانبدار تماش بینوں کا ایک گروہ لڑنے والوں کو دیکھتا ہے مگر عدالت میں پہنچ کر جب واقعہ کی صحیح صورت کا تجسس ہوتا ہے تو مجسٹریٹ سر پیٹ کر رہ جاتا ہے اور وہ اصل واقعہ سمجھنے سے قاصر رہتا ہے مگر کربلا کا واقعہ ایک طرف چند نفوس ہیں۔ دوسری طرف ہزاروں اشخاص، غیر جانبدار کوئی بھی نہیں۔ جنگ ہوتی ہے اور موقع پر موجود بچ نکلنے والے خاموش ہیں۔ آخر وہ کیوں خاموش ہیں وہ چاہتے ہیں کہ واقعات بیان کیے جائیں مگر یہ سب کچھ منٹوں کے اندر ہو گیا ایک ادھر لپکا ایک ادھر جھپٹا۔ ایک یہاں سے پلٹا ایک وہاں سے بڑھا۔ غرضیکہ یہ سب کچھ ایسی جلدی میں ہو گیا کہ انسانی نظر ایسے ہنگامہ خیز واقعات کا تعاقب کرنے سے عاری رہتی ہے۔

حضرت علیؓ (زین العابدین) اور دوسرے بچ رہنے والے حقیقت میں سمجھ

ہی نہ سکے کہ کیا ہو گیا ہے۔ اس صورت میں وہ بیان کیا کرتے پھر ایسے پاکیزہ طبع لوگوں سے اس بات کی امید ہی نہیں رکھی جا سکتی تھی کہ وہ کسی قسم کے جھوٹ یا مبالغہ آرائی سے کام لے کر اس واقعہ کو اس طرح بیان کریں گے کہ یہ مختصر سا واقعہ ہزاروں صفحات پر مشتمل ایک دیو مالائی داستان بن جائے گا۔ کسی دوسرے مقام پر مصنف مجاہد اعظم کی زبان سے کربلا کی داستان کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ یہ سب کچھ ابو مخنف لوط بن یحییٰ ازدی متوفی ۱۷۵ کی ذہنی ایجاد ہے جو واقعہ کربلا سے پون صدی بعد پیدا ہوا۔

بنو عباس اور بنو فاطمہ نے مشترکہ طور پر بنو امیہ کے خلاف سیاسی جدوجہد کا آغاز کیا۔ مگر عباسیوں کو حکومت ملی تو انہوں نے عام سنی عقائد کا ہی اظہار کیا۔ اگر ان دونوں کی امویوں کے خلاف یہ تحریک مذہبی عقائد و افکار کی حامل ہوتی تو عباسی لازماً غالی شیعیت کا نہ سہی تفضیلیت کا ہی اظہار کرتے۔ تاریخ کی اس واضح صورت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ امویوں کے خاتمہ اور عباسیوں کے عروج تک شیعیت کے افکار و عقائد یا نظریات کا وجود تک نہیں تھا۔ اس تحریک کے پیچھے امامت کا تصور ضرور تھا مگر معصوم عن الخطا امامت نہ تھی امامت رہنمائی یا پیشوائی کے مفہوم میں تھی اور امامت کا معصوم عن الخطا تصور اس وقت پنپ بھی نہیں سکتا تھا۔ چونکہ امامت کے پیچھے جو داستانیں اب ہمارے سامنے ہیں وہ صرف ائمۃ المسلمین اور ائمۃ الکفر تک محدود تھیں۔ وہ لوگ جانتے تھے کہ قرآن نے جس طرح کفار کے راہنماؤں کو ائمۃ الکفر کہا ہے اسی طرح مسلمانوں کے راہنماؤں کو ائمۃ المومنین یا ائمۃ المسلمین کہا جاتا ہے مگر یہ کہا بھی نہیں گیا مگر امام کی بجائے خلیفہ کہا گیا۔ اور لفظ خلیفہ کی خلعت سب سے پہلے حضرت ابو البشر کے قامت نبوت کے لیے خود قادر مطلق نے موزوں کی تھی مگر امام کا لفظ اپنے اندر ندرت رکھتا تھا نہ پاکیزگی۔ عجمی تصورات و نظریات نے اسے اجاگر کر کے شہرت دی۔ سنیوں نے اس لفظ کا صحیح استعمال کیا۔ یعنی ان لوگوں کو امام کہنے لگے۔ جنہوں نے علم و ادب کے کسی شعبہ میں اپنا خاص مقام پیدا کیا۔ مگر شیعوں نے اسے ایک مافوق الفطرت ہستی بنا دیا۔ شیعیت نے مصر میں فاطمی خلفا کے زمانہ میں اپنے پورے پر پرزے نکال کر بصورت مذہب اپنے آپ

کو پیش کیا۔ تو مامون نے ان کے اس ادعائے باطل کا زور توڑنے کے لیے حضرت موسیٰ رضا (امام ہشتم) کو اپنا ولی عہد بنایا۔ شیعہ تو یہ بھی کہتے ہیں مامون شیعہ تھا پھر یہ بھی کہتے ہیں "امام ہشتم" کو اس نے زہر دے کر شہید کرایا تھا تو اس نے شیعوں کی سابقہ روایات پر عمل کیا۔ اس میں سنیوں کا کیا قصور؟ اور اگر سنی تھا تو امام وقت ماکان اور مایکون کے علم کا واقف ہوتے ہوئے اپنے شیعوں کے پاس مصر جانے کی بجائے مامون کے پاس کیوں آیا۔ مصر کی خلافت تو امام وقت کا حق تھا نہ کہ ایک مجہول النسب عجمی کا۔

ابتدا میں شیعہ سنی اور خوارج کی بحثوں کا تعلق عقائد کی بجائے آئین سیاست سے تھا۔ نظام عقائد دوسری صدی ہجری میں مرتب ہوئے۔ عقائد کے میدان میں رخنہ اندازی کا بانی واصل بن عطا ایک نہایت ذہین اور زبان آور شخص تھا اور حسن بصری کا شاگرد تھا۔ اس نے بنی امیہ کے (فرضی) مظالم پر پردہ ڈالنے کے لیے جبر و قدر کی آڑ میں "انسان مجبور محض ہے سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے" کا شوشہ چھوڑا۔

معبد جہنی نے واصل بن عطا سے سن کر حسن بصری سے دریافت کیا۔ انہوں نے کہا کہ واصل غلط کہتا ہے۔ معبد تو بنی امیہ کے مخالف گروہ میں شامل ہو کر لڑا اور مارا گیا۔ مگر واصل نے اسی مدرسہ کے ایک کونے میں اپنا ایک الگ حلقۂ درس قائم کر لیا اس کے ساتھیوں کو معتزلہ کا نام دیا گیا۔ اس پر چ پچ میں معتزلہ نے روایت کو عقل کے ترازو میں تولنا شروع کیا یونانی فلسفہ بھی پہنچ چکا تھا اب ارسطو کے کلیات بھی دین کے محکمات بننے لگے اور حسن بصری کا حلقہ درس فلسفیانہ بدعتوں کا مرکز بن گیا اس وقت تک شیعیت ایک سیاسی تحریک ہی تھی۔ عقائد کے لحاظ سے معتزلہ پہلا فرقہ ہے۔ محدثین نے معتزلہ کے عقائد کو بھی زندقہ و الحاد کے مترادف ٹھہرایا مسئلہ خلق قرآن نے بھی یہیں سے سر نکالا اور مامون نے اس مسئلہ کی سرپرستی میں بڑے ظلم کیے۔ مامون کے بعد معتصم نے بھی پورا زور لگایا۔ اس وقت محکمہ عدلیہ کی کلیدی آسامیوں پر احناف قابض تھے۔ مگر خلق قرآن کے معاملہ میں ہمیں امام احمد احمد بن حنبل اور چند بزرگوں کے ناموں کے سوا کسی شافعی مالکی یا حنفی کا نام نہیں ملتا اور شیعہ تو سرے سے ہی اس موضوع میں خارج از بحث ہیں۔

شافعی کے مقلدین آپ کے اس قول کے ارد گرد چکر کاٹ رہے تھے کہ خبر واحد کے مقابلہ میں کوئی فقہی کلیہ دلیل نہیں بن سکتا۔ ابو حنیفہ کتاب و سنت کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کا کلیہ ایجاد کر کے قیاس و رائے کی اشاعت کے میدان ہموار کر چکے تھے۔

ہمیں اس دور میں صرف امام احمد بن حنبلؒ کی ایک شخصیت ہی ایسی نظر آتی ہے جو قیاس و رائے کی سراسر مخالف تھی۔ آپ قیاس و رائے کو اثبات عقائد کے لیے بھی مہمل قرار دیتے تھے۔ ید، وجہہ، استوا وغیرہ جیسے الفاظ کی تاویل کو بھی پسند نہ کرتے تھے۔ ابوالحسن شعرانی نے انہیں کلیات کو عقلی دلائل سے مضبوط کرنے کی کوشش کی مگر حنبلیوں نے اسے بھی شک و شبہ کی نظر سے دیکھا۔ عباسیوں کے دربار میں ہر فرقہ ہر عقیدہ ہر مسلک، اور ہر مذہب و ملت کے علماء کو آزادی رائے کا پورا حق حاصل تھا بڑی باقاعدگی سے بحث و تمحیص اور مناظروں پر گھنٹوں صرف ہوتے تھے۔ مگر ان علمی مجالس اور عقائد کے اختلاف کے میدان میں شیعوں کا وجود محض صفر نظر آتا ہے۔

حالانکہ بقول شیعہ مورخین مامون خود شیعہ تھا۔ عجیب حیرانی ہے کہ شیعہ بادشاہ دوسرے مذاہب کے لوگوں کے اپنے دربار میں مناظرے کرائے مگر اس کے مذہب کا وہاں کوئی نام بھی نہ لے۔

مامون شیعہ تھا یا معتزلی۔ یہ معمولی سی بات تاریخ کے ہر معمولی سے طالب علم کو بھی معلوم ہے مگر شیعوں کا علمی افلاس دینی بے مائیگی اور سبائیوں، مجوسیوں، مختاریوں کیسانیوں، میمونیوں کی ذہنی پراگندگیوں کے مہمل اور دور از کار نظریات نے انہیں اس حد تک ذہنی پراگندگی میں الجھا کر رکھ دیا تھا کہ ان کے پاس ایک بھی ٹھوس بات موجود نہیں۔

ائمہ اربعہ کے مقلدین اور معتزلہ۔ جہمیہ، قدریہ، وغیرہ کی دیکھا دیکھی میمون القداح نے شیعیت کو باقاعدگی سے مذہب کی شکل دی اور قلیل عرصہ میں یہ لوگ ستر سے زائد مختلف الخیال، مختلف العقائد اور مختلف نظائر میں بٹ گئے۔

اصل بات یہ ہے کہ اموی حکومت کے کھنڈروں پر بنو عباس کی حکومت کا قصر تیار ہونے کے بعد یہود نے یہ سوچ کر کہ اب پھر حکومت بنو عباس کے مضبوط ہاتھوں

میں منتقل ہو چکی ہے ایک نئی فکری تحریک کے ذریعے مسلمانوں کے اندر تشتت و افتراق کی طرح ڈالنے کا آغاز کیا اور قرآن کریم کی تعلیمات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے اور سنت رسول اللہ کو دین کے ڈھانچے سے خارج کرنے کی آواز بلند کی۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار سیسل راتھ لفظ (دی Jews) کے تحت لکھتا ہے کہ قرون وسطیٰ کی یہودی قوم ایک اجنبی اقلیت ہونے کی حیثیت سے اس پوزیشن میں نہ تھی کہ سائنس طب اور فلسفے کے سوا اپنے ماحول کی ثقافت میں کوئی قابل ذکر حصہ لیتی۔ تاہم اس نے محض اپنے وجود ہی کے بل پر کافی حصہ لیا۔ دنیائے عرب میں اس نے یونانی کلاسیک کے تراجم میں اضافہ کیا۔ اور معتزلہ کے فلسفہ کے محرک بنے۔

گویا "محبان علی رضؓ" کا ہیولیٰ اور اساس تیار کرنے کے بعد اعتزال کا فتنہ کھڑا کیا۔ آگے چل کر شیعیت میں جو برگ و بار پیدا ہوئے یا جو کچھ شیعیت کی ہمنوائی کے لیے پیدا ہوا۔ یا فتنہ خلق قرآن یا مصحف فاطمہ یا صحیفہ علی رضؓ یا سترہ گز لمبا قرآن یا چالیس پاروں کا قرآن یا انکار حدیث سب قرآن سے دور لے جانے کے ذرائع یہود کی پیداوار تھے اور یہی وجہ ہے کہ مذہب شیعہ اور اس کی تمام شاخوں کے عقائد کے پیچھے اسرائیلیات کی قسم کی دور از کار تخیلات کی فراوانیاں ہیں۔ اور ان فراوانیوں میں اس قدر مزدکیت اور مجوسیت کے جراثیم آسانی سے داخل ہو گئے جب اس تحریک کی سرپرستی یہودیوں کے طابق النعل بالنعل مجوسیوں کے ہاتھ پہنچی۔

یہاں بعض اذہان میں یہ خیال پیدا ہو گا کہ یہ بالکل ایک نئی بات سننے میں آ رہی ہے۔ اس پر غور کرنے کے لیے صفحات گذشتہ پہ ایک بار پھر نظر ڈال کر دیکھا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ تمام فتنوں کی ابتدا یہود کے مغضوب و ضال گروہ سے ہوئی یہ لوگ ہر دور میں اپنی تکنیک بدلتے رہے اور مسلمانوں کی تباہی و بربادی کے سامان پیدا کرتے رہے ہیں[1]

---

[1] ماضی قریب میں "جدید تہذیب" کی تحریک بڑے عرصہ تک مسلمانوں کے لیے دل خوش کن بنی رہی مگر اس طرف سوائے چند اونچی سطح کے علماء و فضلاء کے کسی کی نظر نہ گئی کہ یورپ کے اس مرد بیمار کو ماڈرن اور جدید ترقی کا جامہ کس نے پہنایا کہ یہ حقیقت کسی سے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

یہودیت نے ہی محبان علی رضؓ اور شیعان علی رضؓ کی اصطلاحیں وضع کر کے اپنی تمام تر توجہات ایران کی طرف مرکوز کر دیں۔ چوتھی صدی ہجری کے شروع تک

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) پوشیدہ نہیں کہ ترکی سے قرآن کو کس طرح خارج البدر کیا گیا نماز، اذان اور دیگر اسلامی وظائف کو کس طرح ملک بدر کیا گیا۔ عربی زبان کا کس طرح گلا گھونٹا گیا اور کتنے ہزار بلکہ کتنے لاکھ نادر روزگار فرزندانِ اسلام کو تختہ دار پہ لٹکایا گیا جن لوگوں نے انجمن اتحاد وترقی کی بنیاد رکھی تھی وہ سب نومسلم یہودی تھے اور انہیں دونمہ کہا جاتا تھا۔ ان لوگوں نے بڑی چابکدستی سے عوام کو گمراہ کر کے ترکی کو الحاد وبے دینی کی گود میں پھینک دیا۔

سپین اور پرتگال میں جب یہودیوں پہ جبر وتشدد شروع ہوا تو انہوں نے ترکی میں اپنا اڈہ جمایا ۱۶۱۶ء میں ایک یہودی شتبے نامی نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ پھر یہ سالونیکا ہوتا ہوا طرابلس الغرب کے راستے شام پہنچا اور بیت المقدس میں پہنچ کر اعلان کیا کہ اسرائیل کی بادشاہی کا وقت آگیا ہے۔ اس کے بعد وہ دوبارہ ترکی سے ہوتا ہوا اطالیہ، جرمنی اور ہالینڈ سے ہوتا ہوا تیسری بار پھر ترکی پہنچا تو سلطان محمد خان چہارم نے دربار خلافت میں طلب کر کے پوچھا تو وہ بظاہر توبہ کر کے مسلمان ہو گیا اس کے ساتھ اس کے ہزاروں ساتھیوں نے بھی گویا تقیہ کر لیا اور یہ لوگ دونمہ کہلانے لگے یہ لوگ بڑے ذکی اور ذہیم تھے۔ فرانس کے مسیحی مصنف بایرہیس نے اپنی مشہور تصنیف جمہوریہ اسرائیل میں بڑی وضاحت سے ان کے حالات وکیفیات پر بحث کی وہ لکھتا ہے کہ اکثر ترکی کی کلیدی آسامیوں پر دونمہ یہودی تعینات تھے، صوبہ ڈینڈیب کا گورنر مدحت پاشا بھی ایک نومسلم یہودی تھا ڈاکٹر ناظم، فوزی پاشا، طلعت پاشا معصوم آفندی جاوید بے اور ابوالضیار توفیق سب یہودی تھے۔

۱۷۱۷ء میں فری میسن کی تحریک پیدا ہوئی جو آج تک "تقیہ" کی آڑ میں دنیا کے تمام ملکوں میں اپنا جال پھیلائے ہوئے ہے جن کا مقصد مسجد اقصیٰ کو شہید کر کے ہیکل سلیمانی تعمیر کرنا تھا اور آخر مسجد اقصیٰ میں آگ لگا دی گئی۔

۱۸۷۸ء کو علی سوادی نامی ایک نومسلم یہودی نے ماسومی تحریک کا رکن ہونے کی حیثیت میں بغاوت پیدا کر دی۔ مگر ناکام رہا۔ سکایرتی اور اس کے ماسومی ساتھیوں نے آخری پارلیمنٹ

(بقیہ آگے)

شیعیت امویوں اور عباسیوں سے بُری طرح سہمی رہی۔ اگر ان کا غصہ اُبال میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سے سلطان عبدالحمید کو معزول کروانے کی قرارداد منظور کرالی اس قرارداد کو سلطان تک پہنچانے والی پنچ رکنی کمیٹی کا ایک ممبر قرصو یہودی تھا۔

انجمن اتحاد وترقی کے ابتدائی اجلاس فری میسن لاج میں ہوا کرتے تھے۔ آخر جو کچھ ترکی میں ہوا وہ ساری دنیا نے دیکھ لیا خلافت کا نام ونشان جو تمام دنیا کے مسلمانوں کی وحدت فکر کی علامت تھا۔ ختم ہو گیا بلکہ خالدہ ادیب خانم جو اسی گروہ سے تعلق رکھتی تھی۔ (CONFLICT OF THE EAST AND WEST) میں لکھتی ہے کہ ترکی میں خلافت کبھی آئی نہیں تھی اور نہ کبھی کوئی عثمانی بادشاہ خلیفہ ہونے کا مدعی ہوا۔

اسی طرح سوشلسٹ تحریک کے بانی بھی یہودی ہی تھے۔ کارل مارکس ایک یہودی ربی کا پوتا تھا ۱۸۶۴ء میں جو پہلی کانفرنس ہوئی اس کے دونوں رہنما مارکس اور لازیل یہودی تھے مزدوروں کو ورغلانے کے لیے انہوں نے غیر یہودی طبقے کے باشعور لوگوں اور مذہبی راہنمائوں کو قتل کرنے کے لیے جو جو حربے استعمال کیے ان سے آج تمام دنیا واقف ہے۔ پہلی بالشویک پارٹی کے ۵۰ فیصدی ممبر یہودی تھے۔ بالشویک انقلاب کے موقع پہ ایک یہودی شاعر لاکاتوس کیلنز نے لینن کی تعریف میں ایک نظم لکھی — نیا یسوع آگیا — لینن لینن

لندن کے جیوش کرانیکل نے ۴ اپریل ۱۹۱۹ء کی اشاعت میں لکھا تھا کہ بالشویزم کے تصورات یہودی تصورات ہیں۔

روس میں مارننگ پوسٹ کے رپورٹر وکٹر مارسڈن نے لکھا کہ بالشویک انقلاب کے وقت ۵۴۵ لیڈروں میں سے ۴۷۷ یہودی تھے۔

ہٹلر اپنی خودنوشت میں لکھتا ہے کہ مارکس ازم کا عقیدہ یہودیوں کی پیداوار ہے ۱۹۱۹ء میں ارجنٹائن کی بغاوت کے دونوں لیڈر پیڈرو ورلڈ اور میکارو زیازن یہودی تھے۔

۱۹۲۱ء میں چلی کی بغاوت کے سرغنہ یہودی تھے ۱۹۳۲ء میں یوراگوئے کی بغاوت کے رہنما یہودی تھے۔

برازیل کی بغاوت کے تمام سرغنے سوائے ایک کے سب یہودی تھے میکسیکو میں بالشویک انقلاب بلٹارکو المعروف لیکنز نے برپا کیا جو ایک شامی یہودی کا بیٹا تھا (بقیہ اگلے صفحہ پر)

آیا بھی تو گیارھویں امام تک انہوں پہ نکالا۔ اس کے بعد ان میں یاس ناامیدی اور قنوطیت کے جذبات پیدا ہونے شروع ہوگئے اور ان کی تخریبی سرگرمیوں نے تقیہ، ماتم، متعہ، تعزیہ داری، مرثیہ گوئی کی شکلیں اختیار کرکے عالم اسلام کو ایک بڑی مصیبت سے بچا دیا۔ اگر شیعوں میں یہ بدعتیں پیدا نہ ہوتیں اور ان کی ذہنی اور دماغی قوتیں اس طرف راغب نہ ہوتیں تو نا معلوم یہ لوگ کیا کرتے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جو فری میسن کا ۳۳ درجے کا رکن تھا۔

اب ایک نظر مصر پر بھی ڈالتے چلیے ۱۹۶۷ء کی اسرائیلی فتوحات کے پس منظر سے اب آہستہ آہستہ پردے اٹھتے جا رہے تھے کہ صدر جمہوریہ مصر نے ایک خاص سازش کے تحت اقوام متحدہ کی فوجیں واپس بھجوائیں۔ اسرائیل کا حملہ ہوا اور انہوں نے تین روز میں ۲۶ ہزار مربع میل کے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ مگر ناصر صاحب آخر تک یہی فرماتے رہے کہ ہم نے یہ کیا ہم نے وہ کیا۔ ہاں کیا اور ضرور کیا مگر کیا کیا؟

وہ یہ کیا کہ اپنے ہوائی اڈوں سے ایک ہوائی جہاز بھی اڑنے کی اجازت نہ دی اور وہ اسرائیل کے پہلے حملہ میں ہی سب کے سب بھسم ہو کر رہ گئے۔ اور ماشاء اللہ اخوان المسلمین کے وہ مجاہد جنہوں نے کفن بدوش ہو کر سامراجی ہتھکنڈوں سے نجات حاصل کرنے کے حلف اٹھائے ہوئے تھے۔ انہیں آپ پہلے ہی ختم کر چکے تھے۔ اس مسلمان نما یہودی نے بے دردی اور سفاکی سے مسلمان علماء کا خون بہایا اس کی نظیر تاریخ عالم میں ملنی مشکل ہے۔

ترکی سے عربی خارج البلد کر کے اسلامی روایات کو ملیا میٹ کر کے ترکی جدید کی بنیاد یا قاہرہ کے چوکوں میں راعمیس کے مجسمے اور اسلامی روایات کی بجائے فرعونی روایات کا احیاء؟

اور پاکستان میں گندھارا انڈسٹریز۔ یا سندھ کے داہر کا مروڑ سب کے سب یہودی ذہن کی پیداوار ہیں۔ اور مسلمان اب تک بے خبر ہیں۔

بلجیم کی کمیونسٹ پارٹی کا بانی چالس باخا سر نامی ایک یہودی تھا۔ انگلستان اور فرانس کی کمیونسٹ پارٹیوں کی باگ ڈور بھی یہودیوں کے ہاتھوں میں ہے۔ امریکی کمیونسٹوں میں اکثریت یہودیوں کی ہے۔

مثلاً فاطمیوں نے مغرب اقصیٰ اور مصر میں اہل سنت پر کس قدر ظلم ڈھائے عباسیہ، عثمانیہ اور مغلیہ دور میں انہوں نے کیا نہیں کیا۔ اور نوابان اودھ نے کون سی کسر باقی چھوڑی۔ یہ لوگ جب تک بدعات سے دور رہے اسلام کے لیے بلائے جان بنے رہے۔

حسن بن صباح اور اس کے جانشین جو ایک مدت تک خوف و ہراس کی شکل بنے رہے جن کے آبدار خنجروں سے ہزاروں جلیل القدر فرزندانِ اسلام موت کے گھاٹ اتر گئے صرف ماتم وغیرہ سے نفرت کا نتیجہ تھا۔ بغداد میں آل بویہ نے جو کچھ کیا وہ کیا کم ہے مگر جب انہوں نے تبرا بازی، تعزیہ داری اور ماتم شروع کیے مسلمان ان کے ظلموں سے بچ گئے۔

حسین طبا طبائی نے ترکستان اور ایران کا راستہ تاتاریوں کو دکھا کر خوارزم شاہی سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔

ابن علقمی نے بغداد میں وہ قتل عام کرایا کہ دجلہ کئی روز تک پہلے تو لاشوں اور خون کا دریا بنا رہا۔ اور آخر علمی ذخیرے جب دریا برد کیے گئے تو مہینوں کتابوں کی سیاہی سے سمندر تک دریا بھی سیاہی کا دریا بن گیا۔

فاطمیہ حکومت مصر نے ہر اس مسلمان کی گردن اڑا دی جس نے علی رضہ کی وصایت و امامت کے خلاف زبان سے ایک لفظ بھی کہیں بھول کر نکال دیا۔

آصف خان نے نادر شاہ کو بلا کر دہلی میں قتل عام کرایا۔

ملتان میں ابوالفتح داؤد نے مسلمانوں کے خون سے کتنی بار ہولی کھیلی۔

رضیہ کے زمانے میں دہلی کی جامع مسجد میں ان لوگوں نے عین نماز جمعہ میں مشغول مسلمانوں کو تلوار کی دھار پر رکھ دیا۔[1]

نوابان اودھ نے کون سا حربہ ایسا تھا جو وہ سنیوں کے خلاف استعمال کر سکتے تھے مگر نہ کیا ہو۔

مجھے ان علماءِ اہل سنت کے علم و فضل پر رونا آتا ہے جنہوں نے صدیوں سے

---

(۱) تاریخ مبارک شاہی۔

شیعیت کے متعہ، تقیہ، ماتم، تبرا اور تعزیہ وغیرہ کے موضوعات پر بحث و مناظرہ کے بازار گرم کر رکھے ہیں۔ مگر شیعیت کے ماعلیہ و مالہ کی طرف توجہ نہیں دی۔

خدا کے بندو! یہ بدعات تو عالم اسلام کے لیئے ایک رحمت ثابت ہوئی ہیں انہیں بدعات میں الجھ کر شیعہ مسلمانوں کے قتل و غارت کی ہابی کو ترک کرنے کا موجب بنے۔ ورنہ خاندان عباسیہ کے زوال کے بعد جب تمام عالم اسلام میں ہر منچلے نے اپنی الگ آزاد سلطنت کا کوس لمن الملک بجانا شروع کیا تھا۔ یہ لوگ خرمن اسلام کو راکھ کا ڈھیر بنا کر رکھ دیتے۔

ادھر میں انہیں ایک صدی سے کچھ زائد اپنی من مانی کرنے کا موقع ملا۔ لیکن اللہ کا شکر کہ یہ اچھوت اور اچھوتیاں۔ امام باڑے اور تعزیئے، اماموں کے نکاح اور ان کی پیدائش۔ متعہ اور ماتم میں ہی پھنسے رہے۔ اور ان ہفوات سے انہیں جو فرصت کے چند لمحات میسر آئے وہ مسلمانوں کے لیے کتنے جانگزا ثابت ہوئے۔ اور اگر یہ لوگ ان ہفوات میں اپنا وقت ضائع نہ کرتے تو اس افراتفری اور طوائف الملوکی کے دور میں تمام برصغیر کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالتے۔

اسلامی فتوحات کا سہرا کس کے سر؟

پہلا دور: حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جزیرہ نمائے عرب کا اکثر حصہ حلقہ بگوش اسلام ہو چکا تھا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے فوراً بعد یوں معلوم ہونے لگا تھا کہ سوائے مدینہ طیبہ کے مرکزی مقام یا مکہ معظمہ کے مقدس مقام کے تمام عرب کی سرزمین مرتد ہو جائے گی۔ ہو جائے گی بھی ایک شاعرانہ سا لفظ زیر قلم آگیا ہے۔ عملاً سب کچھ ہو چکا تھا۔ ایک طرف مسیلمہ کذاب اسود عنسی، طلیحہ خویلدی اور سجاح نے اپنے اپنے مقامات پر نبوت کے دعوے کر کے ہزاروں بلکہ لاکھوں افراد کو اپنے پیچھے لگا لیا تھا۔ دوسری طرف ان کی اس نبوتانہ یلغار سے جو لوگ بچ گئے۔ انہوں نے اسلام کے ایک رکن کا انکار کر کے اپنے آپ پر

ارتداد کا لیبل لگا لیا۔ اس موقع پر سیدنا صدیق اکبر رضؓ نے نہایت فراست، جرأت شجاعت اور استقلال سے، باوجود چند جلیل القدر صحابہ رضؓ کے اس مشورہ کے کہ چند دن حالات کا انتظار کرنا چاہیئے آپ نے فوری اقدام کر کے ان تمام فتنوں کا خاتمہ کر کے گویا از سر نو مسلم سٹیٹ کی بنیاد رکھی۔

آپ کے بعد سیدنا فاروق اعظم رضؓ نے دنیا کی سب سے دو بڑی سلطنتوں کو شکست دے کر مسلم سٹیٹ میں ساڑھے بائیس لاکھ مربع میل کا اضافہ کیا۔

قادسیہ اور یرموک کے میدانوں میں مجوسی اور عیسائی سلطنتوں کا تیا پانچہ کرنے کے علاوہ دمشق۔ حمص، بعلبک۔ بصرہ۔ ابلہ، مخل۔ اہواز۔ مدائن۔ جزیرہ۔ جلولا۔ تکریت قنسرین۔ حلب۔ انطاکیہ۔ بلخ۔ سروج۔ طبریہ۔ خوزستان۔ تشوشتر۔ جند۔ نیشاپور۔ حلوان۔ حران۔ نصیبین۔ موصل۔ قیساریہ۔ مصر۔ ایسے سینا اور لیبیا تک۔ سکندریہ آذربائیجان۔ دینور۔ ماسیدان۔ ہمدان۔ طرابلس الغرب۔ رے۔ عسکر۔ کرمان۔ سجستان مکران۔ بلاد جبل۔ اصفہان۔ گویا کوفہ اور بصرہ سے لے کر بلخ سے پرے چین کی سرحد تک اور دمشق سے لے کر کوہ لبنان اور ایشیائے کوچک تک تمام ممالک اور شہر آپ کے زمانہ میں فتح ہوئے۔

سیدنا عثمان غنی رضؓ کے دور خلافت میں اسکندریہ میں دوبارہ جنگ ہوئی مغرب کی طرف تیونس اور طرابلس۔ الجزائر اور مراکش۔ سپین کا کچھ حصہ قبرص۔ جزیرہ روڈس آذربائیجان آرمینیا۔ ایشیائے کوچک کا باقی حصہ اصطخر۔ جور، نیشاپور۔ بلخ — طبرستان۔ کرمان اور سجستان کا باقی حصہ گویا مشرق میں مکران، ہرات اور چینی ترکستان تک مغرب میں اندلس۔ بحیرہ خضر اور کوہ قاف تک اور جنوب میں بحیرۂ عرب تک تمام شہر اور ممالک فتح ہوئے۔

حضرت علی رضؓ کی شجاعت کے جو واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک محدود ہیں۔ اپنی خلافت کے زمانہ میں عثمانی مفتوحہ علاقوں سے زائد ایک انچ زمین بھی فتح نہ کر سکے۔

آپ کے بعد ولید بن عبدالملک اموی کی حکومت کے زمانہ میں حجاج بن یوسف گورنر مشرقی صوبجات کی ہدایات کے تحت محمد بن قاسم نے ملتان تک۔

مسلم بن قتیبہ باہلی نے چین تک اور موسٰی بن نصیر نے سپین تک ممالک فتح کیے۔ آج تاریخ سے خلفائے ثلاثہ کا نام نکال کر کوئی اسلامی تاریخ مرتب کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

تمام اسلامی تاریخ اور خلفائے ثلاثہ گویا ایک دوسرے کے ہم معنی اور مترادف الفاظ ہیں۔ اگر صدیق اکبرؓ شروع میں ہی فتنہ ارتداد کا قلع قمع نہ کرتے اور اسلام سکڑ کر مدینہ اور مکہ میں محدود رہ جاتا تو کون کہہ سکتا ہے کہ ان دو شہروں میں بھی مسلمانوں کو کوئی ٹکنے دیتا۔ صدیق اکبرؓ کی اس مسلم سٹیٹ کی سربراہی جب فاروق اعظمؓ کو ملی تو انھوں نے فتوحات کا دائرہ اور وسیع کر دیا اور آخر میں خلیفہ ثالث کی فتوحات جن سرحدات پر پہنچ کر رُک گئیں۔ اس کے بعد اگر امویوں یا عباسیوں نے کچھ اضافہ بھی کیا تو آج دنیا کے نقشہ پر ہمیں ان کی فتوحات نظر نہیں آتیں آج اسلامی حکومتوں کی سرحدیں تقریباً ماسوائے معمولی سے اضافہ کے وہی ہیں جو شہادت سیدنا عثمانؓ کے وقت میں تھیں۔ الحاصل یہ کہ ربع مسکونہ کے تمام اسلامی ممالک جن میں شیعہ بھی ہیں اور چند خارجی بھی تمام خلفائے ثلاثہ کی فتح کی یادگار ہیں۔

کتنی احسان فراموشی، کودن طبعی، پست ذہنیت اور گھٹیا سوچ ہے کہ آج انہیں محسنین اسلام پر دن رات گالیوں کی بوچھاڑ کو عین اسلام سمجھا جاتا ہے اور ان کے قاتلین کے نام پر عیدیں منائی جاتی ہیں۔

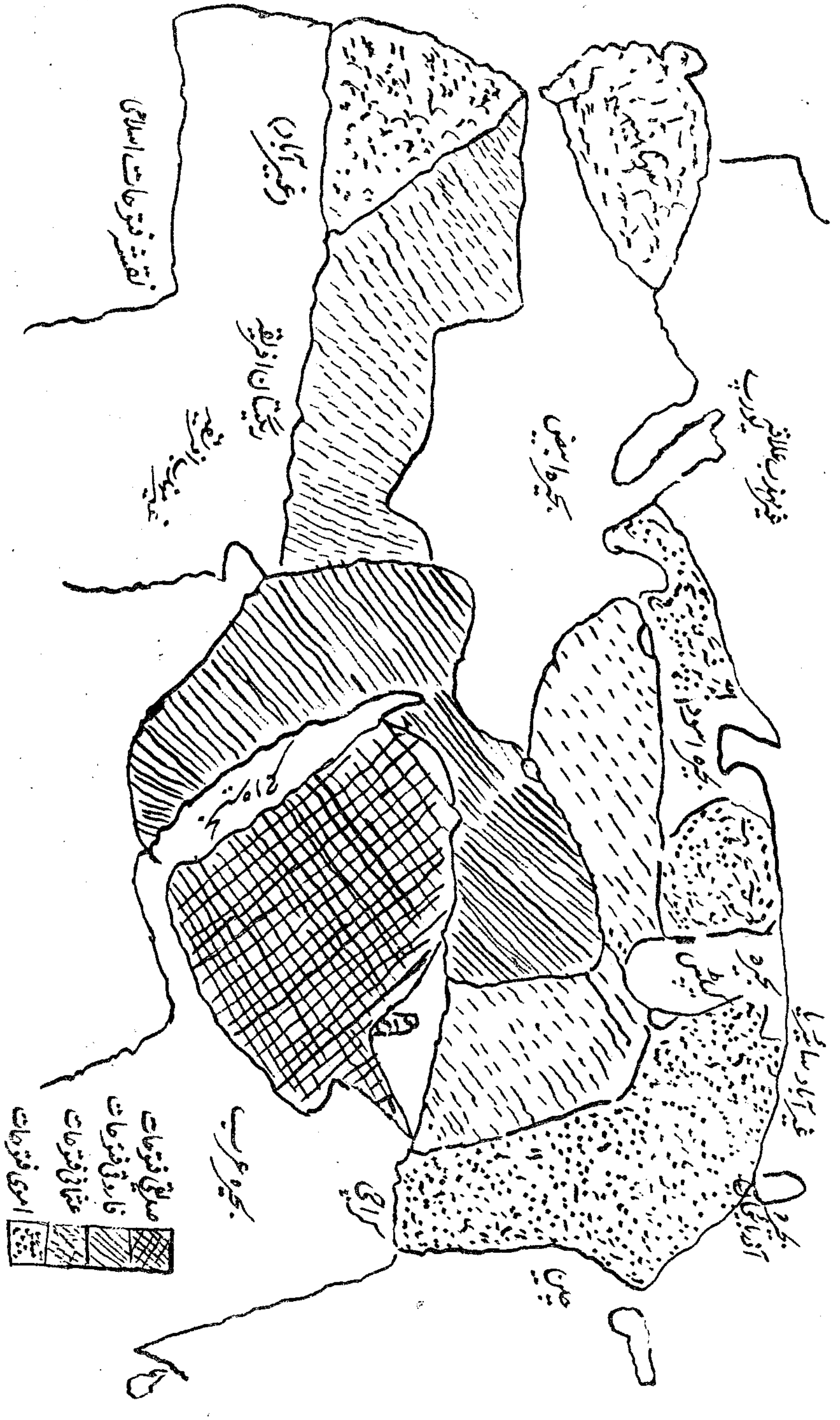

دوسرا دور:

حضرت علی رضؓ کے دور خلافت میں ایک مربع انچ زمین بھی فتوحات کے طور پر یادگار نہیں۔ حضرت حسن رضؓ نے معاویہ رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے ملک ان کے حوالے کیا تو معاویہ رضؓ نے اسلامی سرحدات کی مضبوطی کی طرف توجہ کی ملک کا اندرونی خلفشار ختم کر دیا۔ کتنی بڑی فراست تھی حضرت حسنؓ کی جنہوں نے خلافت سے دستبردار ہو کر عالم اسلام کو ایک بہت بڑے خوفناک، بھیانک اور تباہ کن خطرے سے بچا لیا۔ مجوسیوں کی سلطنت کا مرکزی مقام تو ختم ہو چکا تھا اور ان کی طرف سے کسی قسم کا خطرہ نہیں تھا۔ مگر عیسائیوں کا مرکزی مقام ابھی تک موجود تھا اور وہ یرموک کے مقام پر ذلیل ترین تاریخی شکست کھانے کے بعد دُم بریدہ سانپ کی طرح اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ ایک دفعہ حضرت علی رضؓ اور معاویہ رضؓ کی چپقلش کے زمانہ میں بھی اس خطرے نے سر اٹھایا تو حضرت معاویہ رضؓ نے ہرقل کو لکھا تھا کہ اگر تم نے عالم اسلام کی طرف منہ کرنے کی جرأت کی تو تمہارے خلاف علی رضؓ کے جھنڈے کے نیچے سب سے آگے بڑھ کر تیرا سر کچلنے کو میں موجود ہوں گا۔ اس وقت تو ہرقل سیدنا معاویہ رضؓ کی اس ڈانٹ کو سن کر خاموش ہو گیا۔ مگر حضرت حسنؓ کے زمانہ میں ہرقل پر پھر شرارت کا بھوت بیدار ہوا تو حضرت حسنؓ معاویہ رضؓ کو تمام عالم اسلام کا سربراہ تسلیم کر کے یہ تمام ذمہ داری اس کے سر ڈال کر گوشہ نشین ہو گئے، سیاست، فراست اور جنگی تکنیک کے لحاظ سے حضرت حسن کا یہ کارنامہ تاقیامت عالم اسلام کے سر پر احسان عظیم رہے گا۔ جس نے مسلمانوں کو ایک بہت بڑے خطرے سے بچا لیا ورنہ جمل اور صفین میں اسی ہزار اور ایک لاکھ کے درمیان نادر روزگار ہستیاں اس دنیا سے روپوش ہو چکی تھیں اگر حضرت حسن رضؓ بھی ماضی کی تاریخ دوہراتے تو معاویہ ان سے الجھے رہتے اور ہرقل کی فوجیں شام سے ہوتی ہوئیں تمام جزیرہ نما عرب کو اپنی لپیٹ میں لے لیتیں۔

نہ معلوم حضرت حسن رضؓ کا یہ کارنامہ تاریخ میں کیوں نمایاں مقام حاصل نہ کر سکا۔ اور بجائے اس کے محبانِ حسنؓ نے دور از کار مفروضات میں الجھ کر ان کی ذات کی طرف

چند مافوق الفطرت واقعات منسوب کر کے انہیں مجدد شرف انسانیت کے منصب سے اُتار کر انسانیت کے خدام کے مقام پر لا بٹھایا۔

حضرت معاویہ رضؓ نے اندرونی خلفشار سے مامون ہو کر سب سے پہلے توجہ اس نصرانی خطرہ کی طرف مبذول کی اور اس طرح اسلامی مملکت کی سرحدیں محفوظ کیں کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئیں۔ اس کے بعد خوارج کی طرف توجہ کی اور حضرت علی رضؓ سے بچے کھچے جو خوارج کبھی ایک جگہ سر نکالتے اور کبھی دوسری جگہ سر نکالتے تھے ان کا قلع قمع کیا۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ کے دعوٰی خلافت نے ایک بار پھر معاویہ رضؓ کو چکرا کر رکھ دیا۔ ابھی یہ معاملہ معلق ہی تھا کہ معاویہ رضؓ فوت ہو گئے اور امیر یزید رحؒ کی خلافت کے زمانے میں مشہور صحابیٔ رسول مسلم بن عقبہ رضؓ کے لوا کے تحت مدینہ کی شورش ختم ہوئی جو واقعہ حرّہ کے نام سے مشہور ہے اور مسلم بن عقبہ رضؓ کی وفات کے بعد حصین بن نمیر مکّہ کی شورش ختم کرنے کے لیے پہنچے تو امیر یزید فوت ہو گئے تو حصین بن نمیر نے علی بن حسین رضؓ کو کہا کہ خلیفہ یزید رحمۃ اللہ علیہ فوت ہو گئے ہیں۔ میرے ساتھ دمشق چلو میں تم کو عالم اسلام کا بادشاہ بنا دوں گا مگر علی بن حسین رضؓ نے کہا میں اپنے دل میں وعدہ کر چکا ہوں کہ کسی کی بیعت نہ لوں گا۔ اس کے حصین بن نمیر نے عبداللہ بن زبیر رضؓ سے یہی لفظ کہے کہ یزید مر گیا ہے تم میرے ساتھ دمشق چلو میں تم کو عالم اسلام کا بادشاہ بنا دوں گا آپ نے انکار کر دیا اور بلند آواز سے چلا چلا کر باتیں کرنے لگے تو حصین بن نمیر یہ کہہ کر دمشق کی طرف روانہ ہو گیا کہ میں آپ کو عالم اسلام کی شہنشاہی پیش کرتا ہوں مگر آپ مجھے دھتکار رہے ہیں۔ اگر عبداللہ بن زبیر رضؓ اس وقت حصین کے کہنے پر عمل کرتے تو امیر مروان بن حکم کو عالم اسلام کی خلافت نہ ملتی۔ یزید رحؒ کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے معاویہ ثانی نے قبول سلطنت سے انکار کر دیا تھا۔ اور تمام عالم اسلام نے متفقہ طور پر امیر مروان کو خلیفہ منتخب کر لیا۔

امیر مروان رضؓ بن حکم کے بعد سیدنا عبدالملک کو تخت سلطنت ملا۔ یہ بہت بڑے عالم و فاضل، مدبر سیاست دان تھے۔ بیس سال سے زائد عرصہ نہایت کامیابی سے بار خلافت کو اٹھائے رکھا۔ ان کے دور میں سلطنت امویہ کو پورے طور پر

استقلال حاصل ہو چکا تھا۔ اس کے بعد امیر المومنین ولید رض کو سلطنت ملی۔ ان کے دور میں محمد بن قاسم کے جھنڈے کے نیچے سندھ فتح ہوا۔ مسلم بن قتیبہ باہلی چین کی سرحدات تک پہنچ گیا اور موسیٰ بن نصیر مراکش کے مغربی سواحل تک فتوحات کے جھنڈے لہراتا دائیں طرف گھونگھٹ کھا کر طارق کے ذریعہ سپین کو لوائے اسلام کے نیچے لانے میں کامیاب ہوا۔

امیر المومنین ولید فوت ہوئے تو سلیمان خلیفہ ہوئے۔ ان کے بعد عمر بن عبدالعزیز کے دور نے خلفائے راشدین کی یاد تازہ کر دی آپ کے بعد یکے بعد دیگرے یزید بن عبدالملک، ہشام بن عبدالملک، ولید بن یزید بن عبدالملک یزید بن ولید بن عبدالملک ابراہیم بن ولید اور مروان الحمار اورنگ نشین سلطنت ہوئے۔

یہ تمام دور سوائے عمر بن عبدالعزیز کے امیر مروان سے چلا اور آل مروان میں رہا اور مروان پر ہی جا کر ختم ہوا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ یہ دور مسلمانوں کی خوشحالی، فارغ البالی فتوحات اور ملکی نظم ونسق کا بے مثال دور ہوا ہے۔

اب بتائیے اس تمام پہلی صدی ہجری میں شیعوں نے کون سی اسلامی خدمت کی سوائے اس کے کہ اصحاب رسول اللہ کو گالیاں دیں اور اندرونی سازشوں میں مبتلا رہے اور جب سازشوں کو کامیابی سے ہمکنار ہونے کے لیے ع

دو چار ہاتھ جبکہ لب بام رہ گیا

تو ان میں سے ہی چند صاحب اقتدار لوگوں نے عباسیوں کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کی تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ چونکہ اس سے پہلے ہی ان کی تبلیغ کا رُخ ایران کی طرف ہو چکا تھا۔ اور وہاں ان کے ہزاروں بلکہ لاکھوں ہمنوا پیدا ہو چکے تھے کوفہ کے شیعوں نے جس طرح حضرت مسلم رض کے ہاتھ پر بیعت کر کے پہلے مسلم رض کو اور پھر حسین ؑ کو شہید کیا۔ ایرانی شیعوں نے انہیں دودھ کی مکھی کی طرح باہر نکال پھینکا اور عباسیوں کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ فلسفہ تاریخ کا ایک معمولی طالب علم بھی اس حقیقت سے بے خبر نہیں اگر امویوں کے بعد عباسیوں کی بجائے حکومت علویوں کو ملتی تو آگے چل کر جس طرح ان لوگوں نے مصر میں اپنی حکومت کے دوران یا اودھ میں اپنی حکومت کے دوران جو کچھ کیا اس سے ہزاروں گنا زیادہ تمام عالم اسلام

میں کرتے۔ آج حنبلیوں کو بدنام کیا جاتا ہے کہ انہوں نے جنت البقیع کے قبے گرا دیئے ہیں۔ یا عباسیوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے امویوں کی قبریں اکھڑ اکھڑوائیں مگر شیعہ حضرات ابوبکر رض اور عمر رض کو بھی نہ بخشتے اور ہو سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ضریح مبارک سے بھی گستاخی کر بیٹھتے۔[1] آخر حجر اسود کو بھی خانہ کعبہ سے اکھاڑ کر لے گئے تھے۔ اور پھر بموجب عقائد بعض اہلِ تشیع کہ جبریل رسالت علی رض کے لیے لایا تھا اور محمد درمیان سے ہی اچک کر لے گئے۔ یا ہ

دستِ احمدؐ نے کیا ہے اپنے بازو کو بلند
جب تو اونچا ہے نبوت سے امامت کا وقار

(ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت)

پر عمل کرتے ہوئے گنبد خضرا کے ملبہ سے نجف اشرف کے مفروضہ مزار علی رض کو زینت دیتے۔ کس کو معلوم ہے کہ امام باڑہ آصف الدولہ کی تعمیر کے لیے کتنی مسجدوں کو شہید کیا گیا تھا۔

حضرت حسن رض نے خلع خلافت کا اعلان کر کے ہرقل کو اپنی طوفانی یلغار روکنے پر مجبور کیا۔ اور اللہ تعالیٰ جنت میں اعلیٰ مقام بخشیں ان علویین کو جنہوں نے اس وقت علویوں کو چھوڑ کر عباسیوں کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ گو عباسیوں کے آدھے بادشاہ بقول روافض شیعہ تھے۔ اور کچھ معتزلہ اور چند ایک سُنی۔ مگر مجموعی طور پر خلافت عباسیہ کا پہلا تین چوتھائی دور بھی تاریخ عالم کا سنہری دور ہے مگر جب اس خلافت میں آل بویہ کو اختیارات ملے تو انہوں نے جو کچھ کیا ان کے اس ذکر سے تاریخیں بھری پڑی ہیں۔ عباسیہ خلافت کے دور میں ہی مصر میں فاطمی خلافت کی بنیاد رکھی گئی۔ انہوں نے جو کچھ کیا یا اودھ کی سلطنت جب شیعوں کے قبضے میں آئی ان واقعات کے پڑھنے سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ (اس کی تفصیل دوسرے مقام پر دیکھئے)

---

[1] آخر عبیدین کے زمانہ میں ایسا کیا گیا۔ تفصیل اپنے مقام پہ آئے گی۔ اور ان کے مہدی کا سب سے بڑا کارنامہ یہی بیان کیا جاتا ہے۔ دیکھئے وہ حضرت صاحب کب نمودار ہو کر ایسا کرتے ہیں۔ تفصیل آگے آئے گی۔

آج اس ربع مسکونہ پر جو ستر کروڑ مسلمان موجود ہیں اور جن میں چند کروڑ خود شیعہ بھی ہیں اور آج تک سُنیوں کی حکومتوں میں پنپتے، پھیلتے اور ترقی کرتے رہے ان ستر کروڑ میں شیعوں کا بلحاظ فتوحات، بلحاظ علم و ہنر، بلحاظ جہاد و قتال بلحاظ رُشد و ہدایت بلحاظ تبلیغ و ارشاد کیا حصہ ہے۔ اگر یہ لوگ اپنے مفروضات کی قیود و رسوم کی سرکشتگی کے خمار سے نکل کر دیکھیں تو انہیں اپنا وجود محض صفر نفی صفر نظر آئے گا۔ ہاں انہوں نے کیا اور بہت کچھ کیا۔ اور ہر جگہ کیا جہاں انہیں کرنے کی طاقت ملی، مسلمانوں کو قتل کیا۔ صحابہ کرام رض اور امہات المومنین کو گالیاں دیں۔ مسجدیں منہدم کر کے امام باڑے بنوائے اور زن، زر، زمین غرضیکہ ہر قسم کے لالچ سے شیعیت کی تبلیغ کی۔

اولین دو دور تو دیکھ لیے۔ اب تیسرا دور بھی ع

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

—— فاعتبروا یا اولی الابصار

الغرض —— آل بویہ نے آگ لگائی تو اپنے مسلمانوں کے گھر میں فاطمیوں نے آگ لگائی تو اپنے مسلمانوں کے گھر میں اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان گھر کی آگ بجھانے میں مصروف ہو گئے اور دشمنوں کے لیے میدان صاف ہوتا رہا۔ اودھ والوں نے آگ لگائی تو اپنے گھر میں اور انگریزوں کے لیے میدان صاف ہو گیا۔

مزعومہ دوازدہ —— آئمہ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

شیعوں کے مزعومہ امام اوّل

اکثر دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگوں کے مرنے کے بعد ان کے متبعین نے ان کے متعلق اچھے یا برے خیالات کا اظہار کیا مگر حضرت علی رض کی زندگی میں ہی ان کے محبوں

نے ان کے سامنے جو کچھ کہا اور جس کردار کا مظاہرہ کیا دنیا کے کسی رہنما کے ساتھ ان کے متبعین کے ایسے سلوک کی مثال سے تاریخیں خالی ہیں۔ حضرت علی رض استقلال، صبر، جرأت، جوانمردی، حوصلہ اور عزیمت میں ایک بے مثال شخصیت کے حامل اور عظیم المرتبت انسان تھے۔ آپ کے سامنے ایک گروہ اٹھتا ہے اور وہ آپ کو علی الاعلان کافر کہتا ہے۔ دوسرا گروہ اٹھتا ہے تو وہ آپ کو الوہیت کا حامل کہتا ہے۔ تیسرا گروہ آپ کی امامت و وصایت کے نعرے لگاتا ہوا آپ کے اردگرد منڈلاتا پھرتا ہے۔ غرضیکہ الوہیت کے اعلیٰ ترین مقام سے لے کر کفر کے ارذل ترین مقام تک تمام درمیانی منازل پر بٹھانے والے آپ کے سامنے اور درپردہ بھنگڑا ڈالتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مگر اللہ رے صبر و استقامت آپ زبانی اور بدزبانی دونوں طریقوں سے جو مکھی جنگ لڑتے ہیں۔ وقتی طور پر کامیابیاں بھی حاصل کرتے ہیں مگر بے نتیجہ۔ مومنانہ فراست ذہنی توازن کو نباہتے ہوئے ساتھ ساتھ ہے۔ مگر بقول احمد امین مصری مصنف فجر الاسلام ان کی تصویر کشی سخت دشوار ہے، کیونکہ مبالغات و اکاذیب کا وہ انبار لگا دیا ہے کہ مورخ حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔ (ص۱۴۸)

محقق لامن اور پروفیسر نکلسن اس بات پر متفق ہیں کہ ایک تخلیقی شخصیت اعلیٰ شخصیت پر قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ولادت کے بارے میں عجیب عجیب باتیں کہی گئی ہیں۔

ملا باقر مجلسی نے ایک عیسائی راہب مثرم کا وضعی قصہ لکھا ہے کہ ابوطالب سے اپنی ملاقات میں اس نے کہا کہ تمہارے صلب سے ایک بیٹا ہو گا جو ولی خدا و پیشوائے متقیاں و وصی رسول پروردگار عالمیان ہو گا۔ ابوطالب نے برہان و دلیل کے لیے اس سے بہشت کا طعام طلب کیا۔ راہب نے دعا مانگی۔ رطب و انگور و انار بہشت کا خوان آ گیا۔ ابوطالب نے انار بہشتی کھایا اس سے نطفہ مبارک رحم مادر میں قائم ہوا (جلاء العیون ص۱۶۷) اسی طرح اور بھی مختلف قسم کی روایات سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔

نطفہ قرار پاتے ہی زمین کانپنے لگی۔ کعبہ کے بُت گر پڑے۔ طائف کے راستہ میں ابوطالب کو ایک شیر ملا جو دم ہلانے لگا اور اپنا سر خاک پر ملنے لگا۔ ابوطالب کے پوچھنے پر بولا کہ تم ہی شیر خدا کے باپ ہو وغیرہ وغیرہ (جلاء العیون ص۱۹۴ مطبوعہ

نہران ۱۳۲۴ھ)

اپنے متعلق اس قسم کی باتیں بھی آپ کے کانوں تک پہنچتی رہیں مگر اس عزیمت و استقلال کے بے مثال پیکر نے جس حد تک ان کے بس میں تھا تردید بھی کی۔ جنگیں بھی لڑیں مگر آپ کی پوری زندگی صبر و ثبات کی ایک چٹان کی طرح اپنے مقام پر قائم رہی۔

حضرت علی رضہ کی زندگی کے تین دور ہیں۔ پہلا دور نبی علیہ السلام کی وفات تک۔ دوسرا دور خلفائے ثلاثہ کے زمانے کا۔ تیسرا دور ان کی اپنی خلافت کا۔

نبی علیہ السلام کی زندگی میں حضرت علی رضہ کی حالت بالکل ایک خانہ زاد فرد کی ہے اصحاب ثلاثہ کی زندگی میں سوائے اہم اور ضروری اُمورات کے مشوروں کے کوئی کارِ نمایاں تاریخ کی کتابوں میں آپ کی طرف منسوب نہیں۔ اور آپ کی اپنی خلافت کا دور سراسر ناکامیوں اور مسلمانوں کی تباہیوں کا دور ہے جس میں ایک انچ زمین کی فتح تو درکنار اندرون ملک یعنی اپنے زیرامارت علاقہ میں بھی وہ کماحقہٗ امن اور آسائش کی فضا پیدا نہ کر سکے۔

حضرت علی رضہ کو خلیفہ بلافصل، وصیٔ رسول اور امام اوّل ثابت کرنے کے لیے ابو طالب کے متعلق بھی دیو مالائی داستانیں وضع کی گیئں۔ اور نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے۔ کہ اہلسنت کے بڑے بڑے فضلاء وعلماء نقاد و ادباء مورخ اور سیرت نگار بھی بُری طرح شیعہ چابکدستی کا شکار ہو کر انہیں کی سی کہنے لگے۔

عبدالمطلب کے انتقال کے بعد نبی علیہ السلام کی کفالت

ہماری تمام مروّجہ تاریخیں۔ ہمارے تمام علماء اور پیران عظام ہمارے سب کے سب واعظ اور خطیب ہماری تمام مجالس اور محافل غرضیکہ ہمارا تمام معاشرہ الاماشاءاللہ بُری طرح اس غلط فہمی کا شکار ہے کہ عبدالمطلب کے انتقال کے بعد ابو طالب جن کا اصل نام عبدمناف تھا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے کفیل ہوئے حالانکہ یہ واقعہ صریحًا غلط اور بالکل بے بنیاد ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ عبدالمطلب

کے انتقال کے بعد آپ کی پرورش آپ کے بڑے چچا زبیر بن عبدالمطلب نے کی۔ مگر شیعی پروپیگنڈہ نے اس حقیقت کے چہرے کو نہایت چالاکی سے مسخ کر کے ابو طالب کا مقام بلند کر کے دکھانے کے لیے تمام واقعہ کو اس طرح موڑ توڑ کر تمام معاشرہ کے ذہنوں میں اس طرح راسخ اور پختہ کر دیا ہے کہ آج بڑے بڑے عالم اور فاضل بھی اس حقیقت سے واقف نہیں۔ اس ایک واقعہ سے ہی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ شیعی تصورات نے اپنے پروپیگنڈہ کے بل بوتے پر حقائق کو مسخ کر کے پوری قوم کے ذہنوں کو اپنے مذعومہ تصورات میں کس طرح جکڑ رکھا ہے۔ یزید کو اللہ تعالےٰ نے بخش دیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اور سینکڑوں اجل صحابہ رضہ اس امر کے گواہ ہیں۔ مگر شیعی پروپیگنڈے نے اپنے جالوں میں اس طرح سے پوری ملّت کو جکڑ لیا کہ وہ آج تک اسے بخشنے کو تیار نہیں۔ ذرا ابو طالب کے اسی ایک واقعہ سے دوسری باتوں کا اندازہ کیجیئے ع

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

عبدالمطلب کی وفات کے وقت ان کے چھ بیٹے زندہ تھے

زبیر[1]۔ الحارث[2]۔ عبدمناف (ابوطالب)[3] عبدالعزےٰ (ابولہب)[4] عباس[5]۔ حمزہ[6]

زبیر۔ ابوطالب اور عبداللہ تینوں ایک ماں سے سگے بھائی تھے۔ زبیر سب سے بڑے تھے۔ طبقات ابن سعد میں زبیر کے متعلق لکھا ہوا ہے۔

۱۔ والزبیر کان شاعرًا شریفًا والیہ اوصی عبدالمطلب

اور زبیر شاعر اور باعزت شخص تھے اور انہیں کو عبدالمطلب نے اپنا وصی کیا تھا

(جلد ۱ صفحہ ۷۴)

۲۔ فاما الزبیر بن عبدالمطلب فکان اشراف قریش ووجوھھا۔

"لیکن زبیر بن عبدالمطلب تو وہ قریش کے معزز اور باوقار سرداروں میں سے تھا (شرح ابن ابی الحدید)

۳۔ مؤلف کتاب المحبر یعنی قدیم ترین مورخ ابوجعفر محمد بن حبیب متوفی ۲۴۵ھ
نے الحکام من قریش ثم من بنی ہاشم کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ
بنی ہاشم میں سے عبدالمطلب کے بعد زبیر اور ان کے بعد ابوطالب سردار
ہوئے (ص۱۳۲)

۴۔ "اشرافِ قریش" میں ہے کہ حرب بن امیہ کے مرنے کے بعد جب عہدوں
کی تقسیم ہوئی تو ہاشمی خاندان میں بالترتیب زبیر، ابوطالب، حمزہ اور عباس
سردار ہوئے۔

۵۸۱ شمسی میں حرب فجار[۱] کی جنگ لڑی گئی۔ یہ جنگ قبیلہ ہوازن اور قبیلہ قریش
کے درمیان لڑی گئی۔ اس جنگ میں بنو ہاشم کے سردار زبیر تھے نبی صلی اللہ علیہ
وسلم کی عمر اس وقت بیس سال تھی۔ آپ اس جنگ میں منسلک شامل ہوئے۔
مگر عملاً جنگ میں حصہ نہ لیا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ۵۶۱ شمسی کو ہوئی۔ حرب فجار ۵۸۱ شمسی کو
لڑی گئی اس حساب سے اس وقت عمر شریف بیس سال سے کچھ کم یا زیادہ تھی
اور آپ تیر اٹھا اٹھا کر اپنے چچا زبیر کو دیتے رہے۔ ابوطالب کا اس لڑائی میں کہیں
ذکر نہیں آتا (تاریخ اسلام حصہ اول ص۱۹۵ اکبر شاہ خان۔ اشرافِ قریش ص۱۶۵)

۵۔ کتاب المحبر میں مرقوم ہے ھو فتیان قریش۔ وہ قریش کے بہادر جوانمردوں میں
سے تھے" (ص۱۶۷)

۶۔ شرح ابن ابی الحدید میں ہے۔ کہ زبیر رحیم، کریم اور انصاف پرور تھے مظلوموں
کی دادرسی کے متعلق آپ کے کئی واقعات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ عبدالمطلب
کی زندگی میں آپ ایک مظلوم کے سلسلے میں حرب بن امیہ سے الجھ پڑے معاملہ
نے طول کھینچا تو آپ اپنے بھائی الغیداق کی ہمراہی میں اس مظلوم کو لے کر کعبہ

ف۱؎ آج محرم کو حضرت حسین رض کی شہادت کی وجہ سے متبرک مہینہ سمجھنے والوں کو معلوم ہونا چاہیئے
کہ محرم کا مہینہ زمانہ کفر میں بھی حرمت کا مہینہ تھا اس جنگ کو حربِ فجار اسی لیے کہتے ہیں کہ محرم الحرام میں لڑی گئی
تھی سیدہ فاطمہ رض کا نکاح ۱۲ محرم کو ہوا تھا روافض کو چاہیئے کہ اس مردہ سنت کو زندہ کریں۔

میں جا پہنچے۔ مگر معاملہ اور بڑھ گیا تو تمام بنو عبدالمطلب تلواریں سونت کر آپ
کی مدد کے لیے پہنچ گئے۔

۷۔ زبیر اپنے زمانے کے بڑے تاجر اور صاحب ثروت شخص تھے (کتاب المحبر ص۱۶۱)

۸۔ کسی زمانہ میں عرب میں چند لوگوں نے ایک عہد کیا تھا۔ جو مظلوموں کی اعانت
وغیرہ کی دفعات پر مبنی تھا۔ اس عہد نامہ پر عمل وغیرہ تو متروک ہو چکا تھا۔ مگر
اس کی یاد ابھی تک لوگوں کے دلوں میں موجود تھی زبیر بن عبدالمطلب نے حرب
فجار کے بعد اس کی تجدید کی یعنی عبداللہ بن جدعان کے مکان پر تمام قبائل کے
سرداروں کو اکٹھا کیا اور اس واقعہ کی یاد دلا کر اس کی از سر نو تجدید کی۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف اس وقت اکیس یا بائیس سال کی تھی اور اپنے
چچا زبیر کے ساتھ موجود تھے۔ تاریخ کی کتابوں میں اسی کو حلف الفضول کہا گیا
ہے (شرح ابن ابی الحدید۔ تاریخ اسلام اکبر شاہ خان جلد اول ص۹۶)

۹۔ زبیر کے مرنے پر ان کی بہن حضرت صفیہ رض نے ایک بڑا زوردار مرثیہ لکھا تھا۔
فرماتی ہیں۔

۱۔ تو روئے نیک ذات زبیر پر۔ ان پر رونے سے یہ بات جاتی رہی کہ کسی کریم پر رقت۔
۲۔ یا زمین کسی کریم و شریف کو پھینک دیتی تو میں ملازمت نہ کرتی۔ یا زمین کسی کے
مرنے پر بدحال اور ننگی ہو جاتی تب بھی میں پرواہ نہ کرتی۔
۳۔ اور میرے جی میں تو یہ بات تھی کہ میں مرنے والوں کو چھوڑ دوں اور ان کے
پیچھے کوئی مرثیہ نہ کہوں۔
۴۔ مگر زبیر کے مرنے کو میں کیسے بھول جاؤں۔ اس کے مرنے پر صبر نہ کر سکی کیوں کہ
میں نے اپنے سب بھائیوں میں زبیر کو کریم تر پایا۔
۵۔ اگر میں اپنے منہ سے اس کے مرثیہ کو شعر نہ کہتی تو آنسو بہ بہ کر میری پسلیوں
کو چور چور کر دیتے۔

سوائے زبیر کے ہمیں کسی تاریخ میں نظر نہیں آتا کہ حضرت صفیہ نے کسی بھائی
کے مرنے پر کوئی مرثیہ کہا ہو۔ حضرت حمزہ رض کی شہادت کا آپ کو بہت صدمہ
ہوا مگر مرثیہ ان پر بھی نہیں کہا۔ اور ابوطالب کا تو ذکر ہی نہیں۔

زبیر کی وفات کا صحیح سن نہیں ملتا مگر حلف الفضول کے تھوڑے عرصے بعد معلوم ہوتا ہے کہ آپ مر گئے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت کسی کی کفالت کی ضرورت نہ تھی آپ بھرپور جوان تھے اور آزادانہ تجارت کرتے تھے۔ اب تصویر کا دوسرا رخ ملاحظہ کیجئے۔

۱۔ زبیر کے مرنے کے بعد عبدمناف (ابوطالب) خاندان کے سردار ہوئے آپ کی مالی حالت بہت کمزور تھی (شرح ابن ابی الحدید)

۲۔ چونکہ ابوطالب غریب تھے اس لیے اپنے اس خاندانی عہدہ کو نبھا نہیں سکتے تھے اور ان کی جگہ ان کے بھائی عباس سقایہ و رفادہ وغیرہ کے امورات انجام دیتے تھے۔

۳۔ قریش کا ذریعہ معاش تجارت تھا اور تجارت کے لیے شام اور یمن کی طرف سفر کرنے پڑتے تھے۔ اس زمانے میں عرب جیسے ملک میں جہاں چوری، لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کو ایک کھیل سمجھا جاتا تھا وہی لوگ سفر کر سکتے جو صحت مند اور صحیح الاعضا ہوتے تھے۔ مگر ابوطالب جو صحت کے لحاظ سے کمزور اور ایک ٹانگ سے لنگڑے[۱] تھے اور صعوبات سفر برداشت کرنے سے مجبور تھے۔ اس لیے ان کی مالی حالت بہت پتلی تھی۔

۴۔ چونکہ لمبے سفر سے معذور تھے اس لیے گھر پہ ہی کوئی چھوٹا موٹا کام کر کے گزر اوقات کر لیتے تھے ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ گھر پہ ہی خوشبوئیں بنا کر بیچ لیا کرتے تھے۔ (المعارف)

۵۔ ان کی یہ حالت باپ کی زندگی میں ہی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ عبدالمطلب کی سرداری یا زبیر کی سرداری کے زمانہ میں ان کا نام نہیں ملتا۔ اور نہ ہی عہد جاہلیت کے کسی اہم واقعہ میں ان کا ذکر ملتا ہے۔

اب عبدالمطلب کی بصیرت، معاملہ فہمی وجاہت اور فراست کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ انہوں نے وفات کے وقت نبی علیہ السلام کی کفالت کا بوجھ یقیناً اس بیٹے کے سپرد کیا ہوگا جو غریبوں کا ہمدرد، مظلوموں کا مددگار،

---

[۱] المعارف میں ابن قتیبہ نے قریش کے مختلف خاندانوں کے جسمانی نقائص والوں کی ایک فہرست دی ہے العرجہ کے عنوان کے تحت سر فہرست ابوطالب کا نام ہے (صفحہ ۲۵۲)

صاحب فراست، نیکی اور پارسائی کا مجسمہ قبیلہ کا سردار، ذی عزت ذی وجاہت صاحب حوصلہ اور جرأت مند شخص تھا نہ کہ اس بیٹے پہ یتیم پوتے کی کفالت کا بوجھ ڈالا ہوگا۔ جو معمولی حیثیت کا ایک اپاہج اور کثیر العیال انسان تھا۔ اس مقام پر یاران طریقت نے پہلے تو قرعہ اندازی کا مفروضہ کھڑا کیا کہ عبدالمطلب نے پوتے کی کفالت و پرورش کے لیے زبیر اور عبدمناف (ابوطالب) اپنے دو بیٹوں کے درمیان قرعہ ڈالا جو ابوطالب کے نام نکل آیا۔ اس لیے انہوں نے آنحضورؐ کی پرورش کی۔

اس قرعہ اندازی کے خالق کی نظر اس کی طرف کیوں نہیں گئی کہ عبدالمطلب کے پانچ اور صاحب حیثیت بیٹے بھی موجود تھے۔ صرف ان کے درمیان قرعہ اندازی کیوں ہوئی۔ اصل بات یہ ہے کہ آپ کی کفالت کی ذمہ داری تو زبیر کے کندھوں پر ڈال دی تھی۔ اب چونکہ اس سعادت کا سہرا ابوطالب کے سر باندھنا مقصود تھا اور زبیر کا نام درمیان سے نکالنا مقصود تھا اس لیے دو کا نام ہی لیا گیا۔

پھر دوسرا شوشہ چھوڑا کہ:۔

حضور علیہ السلام کی پرورش زبیر اور ابوطالب دونوں نے کی۔

اس دونوں کے فلسفہ کے خالق کو اتنا نظر نہیں آیا کہ زبیر تو ایک رئیس تھے اور ابوطالب ایک غریب آدمی ایک امیر کے گھر رہنے والے بچے کو غریبانہ قسم کے ماحول میں پہنچانے کی اور وہ بھی شراکت میں کیا ضرورت محسوس ہوئی۔ پھر یہ لم تراشی گئی۔

زبیر کی وفات کے بعد ابوطالب نے پرورش کی۔

صفحات بالا میں بدلائل ثابت کیا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف حلف الفضول کے وقت بیس سال سے زیادہ تھی اور زبیر کی وفات اس سے بعد ہوتی ہے اور اس وقت آپ آزادانہ تجارت کا شغل اپنا چکے تھے۔ پھر ابوطالب کی پرورش چہ معنی دارد؟

درایت سے آگے بڑھ کر اب روایات کو دیکھئے۔

اصل بات یہ ہے کہ عبدالمطلب نے مرتے وقت اپنے یتیم پوتے کی کفالت کی ذمہ داری زبیر کے سپرد کی تھی۔ عبدالمطلب اپنی آنکھوں سے زبیر کی بلند کرداری اور غربا پروری کے مظاہرے دیکھ چکے تھے اور انہیں یقین تھا کہ زبیر ہی اس بوجھ کو

اٹھانے کا اہل ہے اور زبیر کو اپنے یتیم بھتیجے سے بھی بے پناہ محبت اور غیر معمولی انس تھا۔ بچپن میں انہیں گود میں اٹھائے پھرتے ہاتھوں پر جھلاتے اور لوریاں گنگناتے جاتے۔ چنانچہ الاصابہ میں ہے کہ زبیر بن عبد المطلب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب وہ چھوٹے تھے جھلایا کرتے تھے اور کہتے جاتے تھے یہ "محمد میرے بھائی عبد اللہ کی نشانی ہے بڑے عیش و آرام سے جیئے اور بڑی اعلیٰ عزت اور توقیر پائے"

(جلد ٢ صفحہ ٣٠٨ الاصابہ)

زبیر کے ایک بیٹے کا نام عبد اللہ تھا۔ عہد رسالت میں جوان تھے جب کبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے تو آپ اپنے پہلو میں بٹھاتے نہایت محبت سے پیش آتے اور فرماتے کہ یہ میرا بھائی میری ماں کا بیٹا ہے اس کا باپ مجھ سے بڑا سلوک کرتا رہا۔ (الاصابہ جلد ٢ ص ٣٠٨)

زبیر کے ایک بیٹے طاہر کے نام پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک بیٹے کا نام طاہر رکھا۔ (شرح ابن ابی الحدید)

حضرت صفیہ رض نے اپنے بھائی زبیر کے نام پر اپنے بیٹے کا نام رکھا۔

زبیر کی چار بیٹیاں تھیں۔ چاروں اسلام لائیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بچپن اور آغاز شباب ان کے ساتھ گزرا تھا۔ اس لیے آپ ان کی بڑی عزت فرمایا کرتے تھے۔ الغرض زبیر بن عبد المطلب اپنی نیک خصلتوں اور اعلیٰ صفتوں کی وجہ سے تمام خاندان میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے اور تمام خاندان میں نہایت عزیز اور محبوب تھے لیکن اس باب میں شیعیت نے اس چابکدستی سے زبیر کی بجائے عبد مناف (ابوطالب) کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کفیل بنا کر پیش کیا ہے کہ مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی جیسا بالغ نظر مورخ اور مولانا شبلی جیسا تجربہ کار نقاد اور وسیع النظر مورخ بھی چکمہ کھا گیا۔ اکبر شاہ خان عبد المطلب کی وفات کے بعد آل ہاشم کی سرداری کا تاج زبیر کے سر پر رکھتے ہیں حلف الفضول کی تجدید کا سہرا زبیر کے سر پر باندھتے ہیں مگر نبی اکرم کی کفالت کی سعادت ابوطالب کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اسی طرح مولانا شبلی لکھتے ہیں کہ ابوطالب اور عبد اللہ چونکہ سگے بھائی تھے اس لیے آنحضور ؐ کی کفالت ابوطالب کے سپرد کی گئی۔ دوسرے مقام پر بھی شبلی علامہ ابن قتیبہ

کو ایک نامور اور مستند مصنف کہتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ محدثین بھی ان کے اعتماد کے قائل ہیں (الفاروق ص ٦) مگر ابن قتیبہ کی یہ تحریر نا معلوم ان کی نظر سے یا سید سلیمان ندوی کی نظر سے سیرۃ النبی لکھتے وقت کیوں اوجھل ہو گئی کہ فاطمہ بنت عمرو کے بطن سے عبد المطلب کے تین بیٹے تھے یعنی زبیر، ابوطالب اور عبد اللہ۔

ایک مستند بات ترک کر دی۔ اور ایک سنی سنائی غلط بات لکھ دی۔ حالانکہ حرب فجار کے ذکر میں زبیر کے متعلق لکھتے ہیں کہ آلِ ہاشم کے سردار زبیر تھے اور اسی صف میں جناب رسول اللہ بھی تھے۔ پھر حلف الفضول کے ضمن میں بھی لکھتے ہیں کہ زبیر بن عبد المطلب جو رسول اللہ کے چچا اور خاندان کے سرگروہ تھے انہوں نے یہ تجویز پیش کی تھی۔

اسی طرح "شعب ابوطالب" کی اصطلاح آج زبان زد خاص و عام ہے اور مولانا بھی بغیر تحقیق کیے شعب ابوطالب ہی لکھتے چلے گئے۔ اصل میں یہ پہاڑ کا ایک درّہ تھا۔ جو بنو ہاشم کا موروثی تھا چونکہ کفار مکہ کے مقاطعہ کے وقت اسی شعب بنو ہاشم میں تمام بنو ہاشم پناہ گزیں ہوئے تھے اور اس وقت بنو ہاشم کے سردار ابوطالب تھے اس لیے یہ بھی شعب ابوطالب مشہور ہو گیا مگر افسوس کہ مولانا جیسا محقق بھی ایسی غلط فہمیوں کو دور نہ کر سکا۔ البتہ بہت بعد سید سلیمان ندوی نے سیرۃ النبی کے حاشیہ پر اس کی اصلاح کی۔ اکبر شاہ خان بھی شعب بنو ہاشم کے نام سے اپنی تاریخ میں اس کا ذکر کرتے ہیں اور شیعہ خود اسے شعب بنو ہاشم کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ (الزہرا ص ٩ مصنفہ خان بہادر اولاد حیدر فوق)

وضاعین نے ابوطالب کی داستان اس چابکدستی سے تیار کی کہ ابوطالب کی ہمراہی میں نبی علیہ السلام کا سفر شام تک تخلیق کر لیا اور پھر بحیرہ راہب کا قصّہ گھڑ کر عجیب گل فشانیاں کیں۔ حالانکہ ابوطالب بے چارے سفر کے قابل ہی نہ تھے۔ سیرۃ الحلبیہ کی ایک عبارت ہے کہ ابوطالب کو مال کی ایسی تنگی تھی کہ ان کے گھر والے کھانا اگر سب مل کر کھاتے یا جدا جدا کسی کا پیٹ نہ بھرتا لیکن جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھاتے تو سب سیر ہو جاتے۔ اسی قسم کی متعدد روایات ابوطالب کی کفالت کے سلسلے میں بیان کی گئی ہیں جن میں نبی علیہ السلام کے ارہاصات کی آڑ میں ابوطالب کے مقام کو بلند کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور بعد میں آنے

والوں نے ان کو بعینہٖ قبول کر لیا۔ یہ سوچنے کی کسی نے زحمت گوارا نہ کی کہ سردار قبیلہ زبیر ہیں۔ ان کی غربا پروری اور اقربا نوازی کی داستانوں سے تاریخوں کے صفحات پُر ہیں۔ یتیم بھتیجے کو لوریاں دیتے اور ہاتھوں پر اچھالتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں مگر ایسے محبوب اور پیارے بھتیجے کو فاقوں کا شکار ہونے کے لیے ابوطالب کے پاس چھوڑ دیتے ہیں اور پھر باپ کے حکم کی بھی پرواہ نہیں کرتے جو مرتے وقت یتیم پوتے کے حق میں وہ مردِ بزرگ فرما گئے تھے۔

آگے چلئے اور تاریخ کا ذرا دقت نظری سے مطالعہ کیجئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ زمانہ دیکھئے جب تبلیغ کے سلسلہ میں آپ کو قریش مکہ سے اذیتیں پہنچی ہیں مگر ہمیں کسی تاریخ میں اشارۃً بھی لکھا ہوا نہیں ملتا کہ ابوطالب نے یا ان کی اولاد میں سے کسی ایک نے ایک بار بھی آپ کی معاونت یا مدد کے لیے ہاتھ بڑھایا ہو۔ ہمیں اگر نظر آتا ہے تو ابوبکر صدیق رضؓ کا اسم گرامی نظر آتا ہے اور یا حضرت حمزہ رضؓ کا نام چند سال بعد ابوجہل کی بدکلامی کے سلسلہ میں نظر آتا ہے اس سے آگے بڑھ کر دیکھئے زبیر کے مرنے کے بعد آپ کو اپنی متاہل زندگی کا خیال آیا۔ آپ نے ابوطالب کو ام ہانی کے لیے پیغام بھیجا مگر اس شفیق تایا نے اپنے ماموں کے بیٹے ہبیرہ بن ابی دہب سے نکاح کر دیا اور بھتیجے کو جواب دے دیا۔

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۵۲ تاریخ طبری۔ کتاب المحبر الاصابہ)

"بھتیجے ان لوگوں سے تو ہماری قرابتیں پہلے سے ہوتی آئی ہیں اور اشراف کا میل اشراف سے ہی ہوتا ہے مگر تو تو ایک غریب آدمی ہے۔"

(تاریخ طبری۔ الاصابہ، طبقات ابن سعد)

اس ایک واقعہ سے ہی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ابوطالب کی کفالت کی تمام روایات نری وضعی من گھڑت اور کذب و افترا کے پلندے ہیں۔ ابوطالب کا یہی اشرافی داماد نبوت کے بعد آنحضور کی شان میں ہجو بکتا رہا اور ہر غزدہ میں نبی علیہ السلام کے مقابل آتا رہا۔ آخر فتح مکہ کے روز نجران کی طرف بھاگ گیا اور بحالت کفر کہیں مرگیا۔

۸ ھ میں ام ہانی مسلمان ہو گئیں۔ اور حضرت علی رضؓ نے نبی علیہ السلام کی خدمت میں ان سے نکاح کر لینے کی التجا کی۔ آپ نے ازراہِ ترحم قبول فرما لیا۔ مگر ام ہانی نے جواب دیا

بخدا میں تو زمانہ جاہلیت میں بھی آپ سے محبت کرتی تھی۔ اور اب تو اس کا کہنا ہی کیا۔ مگر میں بال بچوں والی عورت ہوں اور اس بات کو پسند نہیں کرتی کہ آپ کی تکلیف کا موجب بنوں۔

(طبقات ابن سعد جلد ۲ کتاب المحبر ص ۲۹۶ الاصابہ جلد ۳ ص ۵۰۳)

اس ایک واقعہ سے ہی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ام ہانی کی خواہش کے باوجود اس شفیق تایا نے اپنی بیٹی کا نکاح یتیم بھتیجے سے کر دینا پسند نہ کیا تو کفالت کے اس مفروضہ کذب کا کیا علاج۔

اب رہا سوال کہ ابوطالب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تکالیف برداشت کیں تو وہ تکالیف مثل شعب بنو ہاشم کے تمام بنو ہاشم نے برداشت کیں سوائے ابولہب کے۔ اس میں ابوطالب کی کوئی خاص اہمیت یا خصوصیت نہیں۔

یہ بات متفق علیہ ہے کہ ابوطالب بحالت کفر مرگیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تدفین میں شرکت نہ کی اور اس کی مختصر سی جائداد میں سے حضرت علی رضؓ کو حصہ نہ لینے دیا۔

"نبوت کے بعد جب قریش کا ایک وفد ابوطالب کے پاس پہنچا اور کہا کہ تمہارے بھتیجے کی وجہ سے ہم سخت تنگ ہیں تو ابوطالب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر کہا کہ بھتیجے میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور اپنے اندر قریش کے مقابلہ کی طاقت نہیں پاتا۔ تم مجھے ایسی محنت میں مبتلا نہ کرو جو میری طاقت اور استطاعت سے بڑھ کر ہو۔ مناسب ہے کہ تم اپنے دین کی اشاعت اور بتوں کی برائیاں اعلانیہ بیان کرنا ترک کر دو۔ تو ابوطالب کی باتوں سے آپ نے محسوس کیا کہ ابوطالب میری حمایت سے دستبردار ہو رہے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ چچا اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند بھی لا کر رکھ دیں تو میں تبلیغ سے نہیں رُک سکتا۔" یہ صرف اس وجہ سے کہ ابوطالب اس وقت کنبے کا سربراہ تھا۔ نہ اس وجہ سے کہ وہ نبی علیہ السلام کا کفیل تھا۔

سیّدنا علی رضؓ کے متعلق چند غلط فہمیاں اور ان پر تحقیقی نظر

۱۔ جنگ بدر رمضان ۲ھ میں ہوئی۔ حضرت علی رضؓ کو پہلی بار اس جنگ میں شامل ہونے کا موقعہ ملا۔ آپ فرماتے ہیں میں ہنوز پورے بیس برس کا بھی نہ تھا جو اس (جنگ بدر) میں لڑنے کے لیے کھڑا ہوا۔

(نہج البلاغۃ کامل المبرد عقد الفرید وغیرہ)

۲۔ سیرۃ الحلبیہ میں بقول ابن عباس مرقوم ہے کہ جنگ بدر میں حضرت علی رضؓ کی عمر بیس سال تھی۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ علی جنگ بدر میں شامل ہوئے تو ان کی عمر بیس سال تھی۔ (تاریخ خطیب بغدادی ص۱۳۸ جلد ۱)

۳۔ سیدہ فاطمہ رضؓ سے آپ کا نکاح غزوۂ اُحد کے بعد ہوا اس وقت آپ کی عمر اکیس سال تھی۔ (حاشیہ صحیح بخاری ص۵۳۲ مطبوعہ اصح المطابع دہلی)

۴۔ نبوت کے دوسرے سال جب سخت قحط پڑا تو ابوطالب کے دو بڑے بیٹے طالب اور عقیل کی عمریں ۳۶ اور ۲۶ سال تھیں جعفر اور علی کی عمریں ۱۶ اور ۶ سال تھیں۔ بڑے دونوں تو خود کفیل تھے اور دونوں چھوٹے ابوطالب کی عُسرت کی زندگی کی وجہ سے فاقہ کشی میں مبتلا تھے۔ اس موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا عباس رضؓ کو اس طرف متوجہ کیا۔ عباس نے جعفر کی کفالت کا بوجھ اٹھا لیا اور علی رضؓ کو آنحضرتؐ اپنے گھر لے آئے۔

اگر جعفر کی عمر اس وقت بیس سال ہوتی تو انہیں حضرت عباس رضؓ کی کفالت کی کیا ضرورت تھی۔ اس صورت میں ہم حضرت علی رضؓ کی عمر دس سال کے قریب مان سکتے ہیں۔

۵۔ حضرت جعفر رضؓ نے غزوہ موتہ کے وقت ۸ھ میں وفات پائی اس وقت ان کی عمر چونتیس پینتیس سال تھی چنانچہ ان کی اولاد سے علی بن عبداللہ بن جعفر بن ابراہیم بن محمد بن علی بن عبداللہ بن جعفر کا قول مقاتل الطالبین کے شیعہ مؤلف نے نقل کیا ہے کہ جعفر کی عمر غزوہ موتہ کے وقت ۳۴ برس تھی اس لحاظ سے ہجرت کے وقت ان کی عمر ۲۶ سال اور بعثت نبوی کے وقت چودہ پندرہ برس اور ان سے دس برس چھوٹے حضرت علی رضؓ کی عمر وہی چار پانچ برس ہوتی ہے۔

۶۔ حضرت علی رضؓ رمضان ۴۰ھ میں شہید ہوئے اس وقت وہ ۵۸ سال کے تھے۔ چنانچہ جعفر بن محمد (الباقر) سے کسی نے پوچھا کہ شہادت کے وقت حضرت علیؓ کی عمر کتنی تھی تو انہوں نے جواب دیا کہ ۵۸ برس۔ (تاریخ خطیب بغدادی جلد ۱ ص۱۳۸)

مندرجہ بالا تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ بعثت نبویؐ کے وقت حضرت علی رضؓ کی عمر پانچ اور چھ سال کے درمیان تھی۔

جس طرح حضرت علی رضؓ کی وصایت، خلافت اور امامت کے بارے میں بہت سی وضعی روایتیں تراشی گئی ہیں وہاں یہ روایت بھی گھڑی گئی ہے۔ نبوت کے دوسرے یا تیسرے سال جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "وانذر عشیرتک الاقربین" کے ارشاد کے تحت اپنے تمام خاندان والوں کو بلا کر عذاب الٰہی سے ڈرایا۔ اور فرمایا کہ تم میں سے کون ہے جو اس کا اقرار کرے کہ اللہ ایک ہے اور اس کی تبلیغ میں میری مدد کرے اور آپ کا گمراہ چچا ابولہب دوسرے رشتہ داروں کو لے کر اٹھ کھڑا ہوا تو حضرت علی رضؓ نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں آپ کا ساتھ دوں گا اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ الفاظ منسوب کئے گئے ہیں کہ آپ نے فرمایا — "فانت اخی و وزیری و وصی و وارثی و خلیفتی من بعدی" یعنی اے علی رضؓ تم میرے بھائی ہو، میرے وزیر ہو، میرے وصی ہو، میرے وارث ہو اور میرے بعد میرے خلیفہ ہو۔

یہ روایت مختلف لفظوں سے مختلف کتابوں میں ملتی ہے۔ جو شیعوں کے نزدیک نظریۂ وراثت کی ترجمان ہے مگر آج روایت اور درایت دونوں طریقوں سے اسے پرکھنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ حتیٰ کہ شبلی نعمانی جیسے محقق نے بھی سیرۃ النبی میں لکھتے وقت اس پر غور کرنے کی زحمت گوارہ نہیں فرمائی۔

علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ "وانذر عشیرتک الاقربین" کا واقعہ ۳ھ میں ہوا اس وقت حضرت علی رضؓ کی عمر سولہ سال تھی۔ یعنی بعثت کے وقت ان کی عمر تیرہ سال تھی شیعوں کی وضعی روایات کی چھان بین کر کے شبلی جیسے فاضل بھی اگر حقیقت کو معلوم نہیں کر سکے تو ما وشما کا ذکر ہی کیا۔

اس روایت کا اصل ماخذ طبری کی تاریخ اور تفسیر ہیں۔ طبری اس روایت کو ابومریم عبدالغفار بن قاسم انصاری اور منہال بن عمرو سے روایت کرتا ہے۔

اب ابومریم عبدالغفار کے متعلق امام ذہبی کا قول سنیئے۔

"کہ وہ رافضی تھا اور ناقابل اعتبار" (میزان الاعتدال جلد ۲)

"اعتبار المدائینی کہتے ہیں کہ وہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ اور رؤس الشیعہ میں سے تھا" ابوداؤد کہتے ہیں میں اس کی شہادت دیتا ہوں کہ ابومریم کذاب تھا اسی طرح منہال بن عمرو کو جوزجانی نے ضعفا میں شامل کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ بے مذہب تھا" (میزان الاعتدال)

امام ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ یہ جھوٹی اور موضوع روایت ہے۔

اسی طرح حضرت علی رضؓ کے تولد کے متعلق نہایت ہی مافوق الفطرت اور عجیب عجیب روایات وضع کی گئی ہیں۔ چنانچہ ملا باقر مجلسی شیعان ہند مصنفہ مسٹر ہولسٹر ایم اے (THE EARLY HISTORY OF ISLAM) حملہ حیدری منظوم مصنفہ از فخر المحققین مجتہد العصر والزمان آقا سید محمد وغیرہ متعدد کتب شیعہ میں مرقوم ہے کہ والدہ حضرت علی رضؓ کو ایام حمل میں ابوطالب نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی غیر معمولی تعظیم کرتے دیکھا۔ پوچھنے پر بتایا کہ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم آتے ہیں تو جو میرے پیٹ میں ہے وہ اٹھنے پر مجبور کر دیتا ہے حتیٰ کہ ایک روز امتحان کے طور پر ابوطالب ایک طرف اور حمزہ رضؓ دوسری طرف بیٹھ گئے جب محمد صلعم تشریف تو دونوں نے والدہ علی رضؓ کے دونوں بازوؤں کو مضبوط پکڑ لیا مگر وہ جھٹکا مار کر اٹھ کھڑی ہو گئیں۔

ملا صاحب لکھتے ہیں کہ والدہ علی رضؓ کو وضع حمل کے وقت خانہ کعبہ میں پہنچایا گیا انہوں نے دیوار کعبہ سے اپنا شکم ملنا شروع کیا تو دیوار شق ہو گئی اور اس میں سے ایک دروازہ نمودار ہوا جس سے آواز آئی کہ اے مادر افضل اندر آجاؤ اور بچہ جنو۔

کتاب المحبر کے مصنف جو تفضیلیہ شیعہ تھے انہوں نے حکیم بن حزام کی طرف یہ واقعہ منسوب کیا ہے مگر علی رضؓ کا نام نہیں لکھا۔ (ص ۱۷۶)

حکیم بن حزام کا واقعہ حضرت علی رضؓ کی ولادت سے چالیس سال پہلے کا ہے۔

جلاء العیون میں ہے کہ والدہ علی رضؓ تین روز تک خانہ کعبہ میں رہیں اس مقام پر مصنف جلاء العیون نے بڑی طویل عبارت لکھی ہے۔

قابل غور امر صرف اس قدر ہے کہ اگر ابوطالب بیوی کو خانہ کعبہ لے گیا تھا۔ تو خانہ کعبہ اس وقت ایک قسم کا بت خانہ تھا۔ کیا بیوی کو دردِ زہ سے چھٹکارا دلانے کے لیے بتوں کے پاس لے گیا تھا؟ اور اگر خانہ کعبہ کی حالت بت خانہ کی نہ سہی تب بھی یہ کہاں کی غیرت اور پاکبازی ہے کہ وضع حمل کے لیے عورت کو مجمع عام میں لے جایا جائے کعبہ کی جو حالت بھی تھی وہ تھی مگر مکہ کے تمام لوگ اکثر وہیں مجمع لگا کر بیٹھتے تھے۔

الغرض حضرت علی رضؓ کا مقام بلند کر کے دکھانے کے لیے ہزاروں وضعی روایات اس طرح تیار کی گئیں کہ آج اصل علی رضؓ ہماری نظروں سے پوشیدہ ہو چکے ہیں اور فرضی اور نقلی علی رضؓ کا وجود ہمارے سامنے رہ گیا ہے۔

حضرت علی رضؓ سابقون الاولون اور عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ فضلائے صحابہ رضؓ میں ان کا مقام اور درجہ منفرد تھا۔ تحقیق اور چھان بین کے بعد جو علمی مقام آپ کا ہمارے سامنے ہے، وہ یہ ہے کہ آپ نے ۵۸۶ حدیثیں بیان کیں جن میں سے تقریباً پچاس صحیح ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تیس سال تک زندہ رہے۔ مگر کوئی تعمیری علمی یا اصلاحی کام کسی تاریخ میں آپ کی ذات سے منسوب نہیں ملتا۔ ہمیں مسند عائشہ رضؓ میں ۲۲۱۰ مسند ابوہریرہ رضؓ میں ۵۳۷۴ مسند عبداللہ بن عمر رضؓ اور مسند عبداللہ بن عباس رضؓ میں ۲۶۳۰ سے زائد اور ابن مسعود رضؓ سے آٹھ نو سو حدیثیں ملتی ہیں (الملل والنحل ص ۹۹)

حضرت علی رضؓ کی طرف جو کچھ منسوب کیا گیا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ اللہ نے پہلے ہم کو بنایا اور بعد میں دوسروں کو بنایا۔ (نہج البلاغہ)

ابن ابی الحدید اس کی شرح میں لکھتا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم اللہ کے بندے ہیں اور دوسرے انسان ہمارے بندے ہیں۔

حضرت علی رضؓ جیسے جلیل القدر صحابی تقوٰی، عبادت اور حسن اخلاق سے متصف انسان کی طرف ایسے کلمات منسوب کرتے ہوئے جسم پر رعشہ اور کپکپی طاری ہو جاتی

ہے مگر شیعیان علی رض اب "جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے"

حضرت علی رض کی طرف ایک شعروں کا دیوان بھی منسوب کیا گیا ہے اور شیعہ عالم اور فاضل بڑے فخر سے آپ کے اشعار پیش کرتے ہیں۔ کاش کہ انہوں نے اپنے سب سے بڑے نقاد اور ابو عبید اللہ المرزبانی مؤلف معجم الشعراء کا قول سن لیا ہوتا۔ مؤلف مذکور آپ کے دو رجزیہ بیت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ :-

"یہ صحیح نہیں کہ علی رض نے دو بیتوں کے سوا کوئی شعر کہا ہو۔ مگر حیرت والی بات یہ ہے کہ حضرت علی رض کی طرف منسوبہ دیوان میں یہ دونوں بیت موجود نہیں"

زمانہ حال کے نقاد احمد تیمور کا قول ہے کہ "دیوان علی رض" کے اشعار اگر اس مالکوں کے حوالے کر دیئے جائیں تو دیوانِ علی رض کی جیب خالی رہ جاتی ہے۔

جہاد کا اسلام میں بہت بڑا اور بلند مقام ہے۔ اور افضل الجہاد، جہاد باللسان ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس جہاد میں ابوبکر رضی اللہ عنہ، ایک منفرد مقام کے حامل ہیں جن کی تبلیغ سے سینکڑوں اصحاب نے اکابر صحابہ رض کا مقام حاصل کیا۔ ان کے بعد حضرت عمر رض ہیں۔ اس باب میں حضرت علی رض کا نام بہت کم ملتا ہے۔

دوسرا جہاد۔ جہاد بالمال ہے۔ اس میں بھی ہمیں سر فہرست حضرت ابو بکر رض اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نام ملتے ہیں۔ حضرت علی رض کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔

تیسری قسم جہاد کی بوقت جنگ صلاح و مشورہ قرار دی گئی ہے یہ مقام خاص حضرت ابوبکر رض کے لیے مختص نظر آتا ہے اور پھر کسی حد تک حضرت عمر رض کا نام بھی اس باب میں ملتا ہے۔ حضرت علی رض کا نام یہاں بھی نہیں ملتا۔

چوتھی قسم جہاد کی نبرد آزمائی یعنی تیغ افگنی، نیزہ بازی اور تیر اندازی ہے جہاد کی یہ قسم دلیل و برہان کی روشنی میں ادنیٰ مقام رکھتی ہے۔

اگر ہم ذرا نظر تعمق سے دیکھیں تو صاف نظر آئے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا یہ حصہ ایک قلیل ترین حصہ تھا اور وہ بھی دفاعی غزوات پر مبنی تھا جو ہجرت سے وفات تک کے دور پر پھیلا ہوا ہے حضرت علی رض کو اس جہاد میں بہت بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا ہے۔ مگر علامہ ابن حزم کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت علی رض کو اس فضیلت

میں بھی یکتا نہیں پایا بلکہ دوسرے لوگ بھی ان کے برابر کے شریک تھے۔ مثلاً طلحہ رض زبیر رض، سعد رض، حمزہ رض، عبیدہ رض، بن الحارث بن عبد المطلب، مصعب بن عمیر رض سعد بن معاذ رض۔ سماک بن خرشہ یعنی ابو دجانہ رض (الملل والنحل ص۹۵)

خصوصی طور پر فتح خیبر کے متعلق حضرت علی رض کا ذکر اس طرح کیا جاتا ہے کہ آپ ہی خیبر کے فاتح ہیں۔

یہاں اس امر کو ملحوظ رکھیے کہ خیبر میں اسلامی فوج کے کمانڈر خود نبی اکرم ؐ تھے۔ اور یہ بات مسلمات سے ہے کہ کسی جنگ میں کوئی شخص کتنی ہی بہادری یا جوانمردی کا ثبوت کیوں نہ دے کامیابی کا سہرا کمانڈر کے سر پر ہی ہوتا ہے جو جنگ کا نقشہ مرتب کرتا ہے حملے اور دفاع کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

اب فتح خیبر کی تفصیل بھی سنیئے :

"خیبر کے کل دس قلعے تھے۔ سات ایک دائرہ کے اندر تھے اور تین الگ الگ تھے۔ نو قلعے مختلف صحابہ کرام رض کے ہاتھوں پر فتح ہوئے جن میں سے عمر رض، سعد بن عبادہ رض، محمد بن مسلمہ رض، خباب بن منذر رض خصوصیت سے قابل ذکر ہیں"

محمد بن مسلمہ نے ہی قلعہ قموص کے یہودی پہلوان مرحب کو قتل کیا۔

(طبری جلد ۳ ص۹۲ سیرۃ ابن ہشام ص۴۶)

مگر قلعہ فتح نہ کر سکے۔ قلعہ قموص تین قلعہ جات کے سلسلے میں واقع تھا۔ ان میں سے ایک حضرت ابوبکر رض کے زیر کمان اور دوسرا حضرت عمر رض کے زیر کمان فتح ہوا"

جس روایت میں قلعہ قموص کا فتح ہونا حضرت علی رض کی طرف منسوب ہے وہ بریدہ بن سفیان کی روایت ہے اور بریدہ کو امام بخاری نے ساقط الاعتبار کہا ہے بریدہ سے کوئی روایت امام بخاری نے بیان نہیں کی۔

(سیرت ابن ہشام عربی جز ثالث ص۱۷۵ مطبوعہ مصر ۱۳۰۶)

دوسری روایت ابو رافع آزاد کردہ غلام سے ہے کہ حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رض کو خیبر کا قلعہ فتح کرنے کو بھیجا تو میں آپ کے ساتھ تھا جب حضرت علی رض

قلعہ کے پاس پہنچے تو لڑائی شروع ہوئی ایک یہودی نے حضرت پر وار کیا تو آپ کی ڈھال دور جا گری۔ حضرت علی رضؓ نے قلعہ کے دروازہ کا کواڑ جو قریب تھا اٹھا لیا اور اسی سے کفار کے حربے مثل ڈھال روکتے ہوئے آگے بڑھنے لگے قلعہ فتح ہونے پر اس کواڑ کو آپ نے پھینک دیا میرے ساتھ سات آدمی تھے ہم نے جب اسے اٹھانا چاہا تو نہ اٹھا سکے۔

ان روایتوں کے متعلق علامہ سخاوی نے مقاصد حسنہ میں لکھا ہے:

کلھا واھیہ یعنی یہ سب کی سب روایتیں فضولیات کا مجموعہ ہیں علامہ ذہبی نے بیان کیا ہے کہ یہ روایت منکر ہے اس روایت کے راوی بریدہ بن سفیان امام بخاری نے ساقط الاعتبار کہا ہے اور امام ابوداؤد اور دار قطنی معتبر نہیں سمجھتے۔ (میزان الاعتدال)

مولانا شبلی کہتے ہیں کہ یہ بازاری قصے ہیں۔ (سیرۃ النبی جلد اول ص ۴۴۸)

روایات سے قطع نظر درایت کے طور پر بھی جائزہ لیا جائے تو اس زمانے کی لڑائیوں کے حالات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کا دروازہ توڑنا ہی قلعہ کو فتح کرنا ہوتا تھا۔ محصورین کسی حملہ آور کو دروازے کے قریب پھٹکنے بھی نہیں دیتے تھے اور جب دروازہ کی ڈھال بن گئی تو لڑائی کا کیا سوال؟

حضرت علی رضؓ کی ذات کی طرح فاتح خیبر ہونے کے انتساب کا بانی بریدہ واحد شخص ہے۔

سیّدنا علی رضؓ کا حُلیہ

سیدنا علی جسمانی لحاظ سے ایک کمزور انسان تھے۔ علامہ ابن حزم اپنی تالیف الفصل فی الملل والاھواء والنحل باب ذکر شنع الشیعہ جلد ۴ ص ۱۷۹ پر لکھتے ہیں۔

منك شديد الانكباب كانه كسر ثم جبر، عظيم اللحية قد ملئت صدره من منكب الى منكب اذا التحى ثقيل العينين دقيق الساقين اصلع عظيم الصلع فى راسه شعر الا فى موخره كثير الشعر لحيه۔

در کندھے جھکے ہوئے۔ جیسے ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ کر جڑی ہو۔ بڑی

داڑھی والے جس نے تمام سینے کو ایک کندھے سے دوسرے کندھے تک ڈھانپ رکھا تھا۔ اُبھری ہوئی آنکھوں والے کمزور پنڈلیوں والے بالکل گنجے صرف چندھیا پر بال تھے اور داڑھی نہایت گھنی۔

علامہ ابن حزم کے اس قول کی تصدیق ملا باقر مجلسی کی زبان سے سنیئے:

سیدہ فاطمہ نبی علیہ السلام سے عرض کرتی ہیں۔ بابا جان زنانِ قریش مجھے طعنہ کرتی ہیں اور کہتی ہیں تمہارے باپ نے مرد پریشان کے ہمراہ تزویج کیا۔ (ترجمہ جلاء العیون جلد ۲ ص ۶۵ سطر ۱۱)

پدر بزرگوار شوہر میرا نیک ہے۔ لیکن زنانِ قریش میرے پاس آئیں اور کہا حضرت رسولؐ نے تجھے ایسے شخص سے تزویج کیا جو پریشان حال اور کچھ مال اس کے پاس نہیں (ایضاً جلد ا ص ۱۷۹ سطر ۳)

جناب فاطمہ رضؓ نے کہا۔ میرا اختیار آپ کو ہے۔ لیکن زنانِ قریش کہتی ہیں علی رضؓ بزرگ شکم اور بلند دست ہیں اور بندہائے استخوان گندہ ہیں آگے سر کے بال نہیں۔ آنکھیں بڑی ہمیشہ خندہ دہاں اور مفلس ہیں۔

(ایضاً جلد ا ص ۱۸۰ سطر ۱۶ ص ۱۸۱ سطر ۱)

اب اسی عظیم ہستی کی زندگی کے تینوں دور ہم شیعہ حضرات کی معتبر کتب سے پیش کرتے ہیں۔

اوّل زمانہ قریب وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تمام معتبر کتب شیعہ میں مرقوم ہے کہ نبی کریمؐ نے اپنے بعد حضرت علی رضؓ کو خلیفہ بنانے کے لیے کاغذ اور قلم دوات طلب فرمایا۔ تاکہ بحق علی رضؓ تحریری خلافت نامہ لکھ دیں۔ مگر دشمنوں (صحابہ) نے نہ لانے دیا۔ اسی کا نام حدیث قرطاس یا قصہ قرطاس ہے۔

فریقین یعنی شیعہ سُنی نے حدیث قرطاس کے متعلق اپنے اپنے طور پر ہزاروں صفحات سیاہ کئے ہیں۔ مگر آج تک بات وہیں ہے۔ اس مقام پہ اہل تشیع کی نسبت ان اہل سنت کے حاملین جُبہ و دستار اور مسند نشینان محراب و منبر کی حالت زیادہ قابل رحم ہے جو یُوں تو علامہ، صدر الافاضل۔ شیخ القرآن اور شیخ الحدیث سے کم اپنے لیے کسی خطاب کو گوارہ کرنے کے لیے تیار نہیں مگر ان کے مبلغ علم کی

حالت یہ ہے کہ اتنی موٹی سی بات آج تک ان کی سمجھ میں نہیں آسکی کہ نبی علیہ السلام کی وفات کا وقت ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں صحابہ کرام رضؓ کی آنکھیں حجرہ نبوی ﷺ کی طرف لگی ہیں ہزاروں کان حجرہ نبوی سے سانسوں تک کی آوازیں سننے کی حالت میں ہیں۔ حجرہ نبوی ﷺ کے اندر اجل صحابہ کرامؓ موجود ہیں جن میں سیدنا علی رضؓ بھی موجود ہیں۔ اور ایسے مواقع پر بچوں کا موجود ہونا تقریباً ناممکنات سے ہوتا ہے۔ مگر نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد کو صرف ایک نو دس سالہ سنتا ہے اور وہ ہے عبد اللہ بن عباس رضؓ۔

یہ کیا کھیل ہے جو آج تک عقل کے پیدل یہ لوگ کھیلے چلے جا رہے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کے اس اہم ترین ارشاد کو وہاں موجود صحابہ میں سے اور کوئی نہیں سنتا اور عبد اللہ بن عباس رضؓ گویا ٹیپ ریکارڈ وہاں لے کر بیٹھے ہوئے تھے کہ انہوں نے نبی اکرم کا ارشاد ٹیپ کرنے کے ساتھ سیدنا فاروق اعظم رضؓ کا جواب بھی ٹیپ کر لیا۔ اور پھر عقل بھی باور نہیں کرتی کہ وہ نبی جو وحیٌ یوحیٰ کا حامل فَمَا بلغتَ رسالتہ کا پابند یدخلون فی دین اللہ افواجًا کا مبشر ایک بات کہے اس پر عمر رضؓ اعتراض کرے اور وہ نبی اس کے بعد تین دن تک زندہ رہے مگر سیدنا عمر رضؓ کی غیر موجودگی میں بھی معاذ اللہ، معاذ اللہ، معاذ اللہ عمر رضؓ کے خوف سے وہ حکم الٰہی نہ لکھوا سکے۔ ولو فرضنا نبی علیہ السلام نے کاغذ قلم دوات طلب فرمائی تو اس کا کیا ثبوت ہے کہ وہ خلافت کے لیے سیدنا علی رضؓ کے حق میں وصیت نامہ لکھوانا چاہتے تھے۔ حالانکہ نماز کی امامت کے لیے سیدنا صدیق اکبر رضؓ کو حکم فرما چکے تھے اور نماز کی امامت واضح اشارہ نہیں بلکہ حکم تھا خلافت صدیق رضؓ کا۔ اور پھر اگر سیدنا عمر رضؓ نے اعتراض کیا تھا تو سیدنا علی رضؓ خاموش کیوں رہے۔ اور اگر نبی علیہ السلام نے حکم فرمایا تھا تو لازم ہے کہ سیدنا علی رضؓ کو فرمایا ہوگا چونکہ جناب ممدوح ہی گھر کی چیزوں کے واقف ہو سکتے تھے اور کون سی چیز کہاں رکھی ہے کسی رافضی کی تک بازی نو دس سالہ بچے کی زبان سے اہل سنت کی کتابوں میں ایسی گھسی کہ آج تک اس فتنہ سے اُمت مرحومہ اپنی جان نہ چھڑا سکی۔ فافہم فتدبر [1]

[1] علمائے اہل سنت وجماعت نے اس حدیث پر متعدد طریقوں سے جرح و تعدیل (بقیہ اگلے صفحہ پر)

آپ کے دوسرے زمانہ کے متعلق تمام شیعہ مورخ اس بات پر متفق ہیں کہ اصحاب ثلاثہ رضؓ نے جناب امیر رضؓ اور حضرت فاطمہ رضؓ پر زیادتیاں کیں یعنی خلافت کا حق غصب کیا۔ باغ فدک نہ دیا۔ گھر میں آگ لگائی۔ رسی سے باندھا جبراً بیعت لی شکم پر مارا، حمل ساقط ہو گیا۔ محسن کو شہید کیا وغیرہ وغیرہ۔

یہ تو تھی دشمنوں کی کیفیت مگر اس زمانہ میں دوستوں یعنی آپ کے شیعوں نے آپ سے کیا سلوک کیا۔

کسی اور مقام پر نبی علیہ السلام کی وفات کے وقت بحوالہ کتب شیعہ بیان کیا گیا ہے کہ تمام مسلمان مرتد ہو گئے تھے سوائے تین کے۔

امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم بارہ ہزار تھے آٹھ ہزار مدینہ سے دو ہزار غیر مدینہ سے دو ہزار رہا کردہ لوگوں میں سے اور کوئی ان میں سے قدری مرجی، حروری، معتزلہ اور خود رائے نہ تھا پس سب شب و روز روتے تھے اور خدا سے دعا مانگتے تھے کہ یا اللہ خمیری روٹی کھانے سے پہلے ہماری ارواح کو قبض کر لے۔

(کتب خصائل ابن بابویہ، حیات القلوب ملا باقر مجلسی ص۵۸۸ جلد ۲ و تلخیص نہج البلاغۃ)

حیرانی اس بات کی ہے کہ علی خود رضؓ قوت پروردگار ہیں اور بقول صاحب حق الیقین آپ ایک بار حضرت عمر رضؓ کو زمین پر پٹک کر کہتے ہیں کہ میں تجھ کو دکھا دیتا کہ وہ کون ہے جس کے مددگار ضعیف اور دشمن کم ہیں۔

مگر با ایں ہمہ قوت و طاقت، تعداد، اتحاد اور پرہیزگاری کے نہ تو واقعہ قرطاس میں کسی نے دم مارا۔ نہ بوقت غصب خلافت کسی نے اُف تک کی۔ اور پھر نہ اس وقت کسی نے آواز نکالی۔ جب سیدہ فاطمہ رضؓ حضرت حسین رضؓ کو ساتھ لے کر گھر گھر دروازہ دروازہ گلی گلی گھوم کر ہر شخص سے رو رو کر فریاد کرتی رہیں اور نہ اس وقت کسی محب اہلبیت کی نکسیر تک پھوٹی جب حضرت سیدہ کا حمل گرایا گیا۔ حقیقت وہی ہے جو کتب سیرت میں موجود ہے یعنی حضرت علی رضؓ کو اصحاب ثلاثہ رضؓ سے وہی تعلق خاطر تھا جو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کی ہے الفاروق میں مولانا شبلی نے بھی اس پر بحث کی ہے یہ تاریخ اسلام کا ایک واضح باب ہے یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں درایت و روایت دونوں طریقوں سے یہ روایت قابل اعتنا نہیں۔

ان کی شان کے شایان تھا۔ خلفائے ثلاثہ کے دور میں حضرت علی رضہ ان کے مشیر کار تھے
اصحاب ثلاثہ رضہ تمام اہم امورات میں ان سے مشورے کرتے تھے۔ غرضیکہ حضرت علی رضہ
اور اصحاب ثلاثہ رضہ کے تعلقات میں ان سے مشورے کرتے تھے غرضیکہ حضرت علی رضہ
اور اصحاب ثلاثہ رضہ کے تعلقات میں کسی مقام پر کوئی ذرا سی بدمزگی بھی پیدا نہ ہوئی
مگر شیعہ حضرات علی رضہ کے اس دور کو کس طرح ایک بے بس، مسکین، غریب اور
عاجز ولاچار انسان کی شکل میں پیش کر رہے ہیں۔

اب ہم حضرت علی رضہ کے تیسرے زمانہ کا ذکر کرتے ہیں۔

یہ آپ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ ہم مانتے ہیں کہ حضرت علی رضہ سے ام المومنین سیدہ عائشہ رضہ اور امیر معاویہ رضہ کی جنگیں ہوئیں۔ پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ ان لڑائیوں کی اصل وجہ کیا تھی۔ اصل وجہ شہادت عثمان رضہ تھی اور بقول شیعہ اصحاب حضرت عثمان رضہ نے حضرت علی رضہ کے مشورہ سے محمد بن ابوبکر کو مصر کا حاکم مقرر کیا تھا۔ جس پر مروان رضہ نے حسد کیا اور ایسا فریب دیا کہ آخر محمد نے مصر کے بلوائیوں کے ساتھ مل کر حضرت عثمان رضہ پر ہجوم کیا۔ اسی قاتل عثمان رضہ کے ساتھ حضرت امیر رضہ کی ایسی ہمدردی تھی کہ اس کے مصر میں قتل پر حضرت امیر رضہ نے اظہار غم کیا۔ (نہج البلاغہ)

پھر لطف یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں شیعوں کی تعداد بے حساب تھی۔ چنانچہ آپ فرماتے کہ "تحقیق میرا گروہ زیادہ ہے۔ میرا خاندان سب پر غالب ہے۔

میرے آدمی سب سے زبردست ہیں۔ اور میرا حکم سب سے زیادہ مانا جاتا ہے۔
(خصال ابن بابویہ ص۸۱ جلد۲)

قاضی نوراللہ شوستری لکھتے ہیں کہ:۔

اوس۔ خزرج۔ ہمدان۔ شیام۔ مدلج۔ ربیعہ۔ مضر۔ ازور۔ وائل۔ خزاعہ ملے۔ وغیرہ مختلف قبائل کے لوگ جناب امیر رضہ کے شیعہ تھے۔ ان کی مدح میں جناب امیر رضہ کے اشعار بھی نقل کیے ہیں کہ معاویہ رضہ کے مقابلہ میں حضرت علی رضہ کے ساتھ قبیلہ اوس اور خزرج کے نوے ہزار شیعہ تھے (مجالس المومنین جلد۲)

تاریخ اسلام کا یہ ایک نازک ترین باب ہے، کسی سنی مورخ نے آج تک اس موضوع

پر کسی قسم کی حاشیہ آرائی نہیں کی۔ اس باب کو قلمبند کرتے وقت وہ لوگ دامن بچا بچا کر نکل گئے، مگر شیعہ حضرات نے خود اس باب کو اس طرح اجاگر کر کے اس پر زور قلم صرف کیا کہ اسے کسی پہلو سے دیکھا جائے ہر پہلو میں حضرت علی رضہ کی ذات گرامی کی تنقیص ہی سامنے آئے گی۔

شیعہ حضرات کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تمام مسلمان مرتد ہو گئے تھے۔ کبھی کہتے ہیں تین شخص مسلمان رہ گئے تھے۔ کبھی چار بیان کرتے ہیں پھر بارہ ہزار پر آتے ہیں اور آخر حضرت علی رضہ کی خلافت کے زمانہ میں تعداد لاکھوں تک پہنچ جاتی ہے۔ مگر اتنی بڑی تعداد معاویہ رضہ سے جنگ کے وقت عجیب عجیب حرکات کا مظاہرہ کرتی ہے۔

قرآن بلند کر کے معاویہ رضہ صلح کے خواہاں ہوتے ہیں اور حضرت علی رضہ انکار کرتے ہیں تو آپ کے شیعہ فوراً بگڑ جاتے ہیں جب صلح ہو جاتی ہے تو ایک گروہ الگ ہو کر کہتا ہے کہ علی رضہ کافر ہو گیا (نعوذ باللہ من ذالک) اور حضرت علی رضہ سے جنگ کرتا ہے باقی شیعوں کے متعلق سلطان العلماء مولانا سید محمد مجتہد شیعہ لکھنوی کا قول سن لیجیے۔

"اکثر اتباع آنجناب یقین داشتند باآنکہ خلافت باجماع اہل حل وعقد ثابت مے شود۔ وجمیع ایشاں از ہمیں جہت اقرار بیعت وخلافت ثلاثہ داشتند وحضرت امیر رضہ را نیز در وقت خلافت ظاہری بہ ہمیں دلیل خلیفہ مے دانستند نہ آنکہ منصوص ومعصوم مے شمردند" (کتاب بوارق ص۱۱۰)

"یعنی شیعان علی رضہ خلافت کے لیے اجماع امت کے قائل تھے اسی لیے ان لوگوں نے اصحاب ثلاثہ کی بیعت کی اور حضرت امیر رضہ کی ظاہری خلافت کو بھی اسی دلیل سے خلیفہ جانتے۔ مگر منصوص اور معصوم نہیں سمجھتے تھے غالباً اسی لیے عقیل بن ابی طالب یعنی علی رضہ کے سگے بھائی آپ سے کٹ کر معاویہ رضہ کے پاس چلے گئے تھے۔ اور وہیں آپ نے وفات پائی" (نور الہدیٰ ص۲۵۲ ومجالس المومنین)

کتاب بوارق کی اس عبارت پر تبصرہ بے کار محض ہے۔ معلوم ہوا کہ شیعان علی رضہ

اصحاب ثلاثہ رض کو خلیفہ برحق مانتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی رض کی زندگی کا تیسرا دور جس میں آپ کو اپنے شیعوں سے واسطہ پڑا وہی آپ کی زندگی کا مصائب و آلام سے پُر دور ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔

"بخدا سوگند مجھے منظور ہے کہ حق تعالیٰ مجھے تم سے اٹھا لے ۔۔ خداوندا تو جانتا ہے کہ میں ان سے تنگ آگیا ہوں اور یہ مجھ سے تنگ آگئے ہیں۔ میں ان سے ملول ہوں اور یہ مجھ سے ملول ہیں۔ خداوندا مجھے ان سے راحت عطا کر اور ان کو اس شخص کے ہاتھ میں مبتلا کر کہ یہ بعد اس کے مجھے یاد کریں۔

(جلاء العیون باب ۳ فصل ۳ ص۲۳۶)

اگر گرم موسم میں کہتا ہوں کہ جنگ کے لیے نکلو تو کہتے ہو بڑی سخت گرمی ہے ہم کو مہلت دیجیے کہ گرمی کم ہو جائے۔ اگر سردی کے موسم میں کہتا ہوں کہ نکلو تو کہتے ہیں سخت سردی ہے ہم کو مہلت دیجیے کہ سردی کم ہو جائے۔ جب تم سردی سے بھاگتے ہو تو تلوار سے اور زیادہ بھاگوگے۔

اے لوگو! جو لڑکوں اور عورتوں کی مانند عقل رکھتے ہو کاش میں تم کو کبھی نہ دیکھتا اور نہ تم کو پہچانتا۔ میرے دل کو پیپ اور میرے سینہ کو غصہ سے تم نے بھر دیا ہے اور تم نے سخت نافرمانی کی ہے میری رائے کو تم نے ضائع کر دیا۔

(حلیۃ المتقین باب ۱۴ فصل ۱۲ ص۳۶۱)

ایک اور موقع پہ حضرت علی رض فرماتے ہیں:۔

"اے لوگو! میں نے تم سے بیعت لی اور حال یہ ہے کہ تم بیعت کو توڑ دیتے ہو اور یہ تمہارے دشمن کے واسطے مفید ہے کیونکہ تم سست پڑ گئے ہو۔ اور البتہ کل میں تمہارا حاکم تھا۔ اور آج تمہارا محکوم ہو گیا۔ اور کل میں تمہیں روکتا تھا اور تم مجھے روکتے ہو اور بے شک دوست رکھا تم نے زندگی کو اور مجھ کو اس پہ تمہارا اعتبار نہیں جس کو تم بُرا جانتے ہو۔ (نہج البلاغۃ از بدر الدرجی ص۲۰)

ایک اور موقعہ پہ فرماتے ہیں۔

بلاشک تم صبح گروہ در گروہ آتے ہو۔ اور اپنے سرداروں کے ظلم سے ڈرتے ہو

میں صبح کو داخل ہوتا ہوں اور اپنی رعیت کے ظلم سے ڈرتا ہوں میں جہاد کی طرف روانہ کرتا ہوں اور تم نہیں جاتے۔ میں سناتا ہوں اور تم نہیں سنتے، میں اعلانیہ اور پوشیدہ بلاتا ہوں اور تم قبول نہیں کرتے۔ حتیٰ کہ میں تم کو دیکھتا ہوں کہ اولاد سبا کی طرح متفرق لوٹ جاتے ہو اپنی مجلسوں کی طرف اور فریب دیتے ہو ایک دوسرے کو میں صبح تمہیں سیدھا کرتا ہوں اور رات کو مثل کمان کے ٹیڑھے ہو جاتے ہو جس کا سیدھا کرنے والا عاجز ہو گیا۔

(نہج البلاغۃ از بدر الدرجی ص۲۰۲)

جب آپ کو کہا گیا کہ قاتلانِ عثمان رض کو سزا دیجیے تو آپ نے فرمایا:۔

"اے بھائیو! میں اس سے بے خبر نہیں ہوں۔ جس سے تم باخبر ہو۔ لیکن میں کیا کروں۔ وہ اپنی شوکت پر مختار ہیں۔ اور ہم مجبور ہیں اور وہ ہمارے درمیان میں جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ (نہج البلاغۃ ایضاً ص۱۹۴)

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ قاتلانِ عثمان رض شیعہ تھے تبھی وہ حضرت علی رض کے لشکر میں موجود تھے اور وہی ظالم اب حضرت علی رض پر مسلط ہیں جن کی آپ شکایت کر رہے ہیں۔

حضرت امام حسن رض فرماتے ہیں:۔

"میرے والد نے بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب (شیعہ) سے استغاثہ اور طلب یاوری کی مگر جب کوئی مددگار نہ پایا تو خلافت سے دستبردار ہو گئے اور کوئی مددگار پاتے تو بے شک جہاد کرتے مگر اللہ نے انہیں معذور رکھا۔"

(جلاء العیون باب ۴ فصل ۵ ص۳۲۱)

مجالس المومنین مجلس اوّل میں مذکور ہے کہ آخری دنوں میں جناب امیرؑ کی خلافت برائے نام تھی۔ ہمیشہ اپنی کمزوری مددگاروں کی بزدلی اور کم ہمتی اور دوستوں کی پہلوتہی کی شکایت فرمایا کرتے تھے۔

شیعانِ علی رض کا یہودی سازش کا شکار ہونا اس بات سے بھی واضح ہے کہ قیس بن سعد انصاری جو حضرت علی رض کی طرف سے گورنر مصر تھا ایک بار معاویہ رض نے "اے یہودی کے بیٹے یہودی" کہہ کر خط لکھا تھا اور قیس نے معاویہ رض کو بت پرست کا بیٹا لکھا تھا۔"

(عبرت نامہ اندلس مصنفہ رائن ہارٹ ڈوزی ص۱۳۴)

حالانکہ ایک ایسا صاحبِ فراست سربراہِ مملکت جس نے حریف کے حقیقی بھائی کو اس سے توڑ لیا تھا۔ ایک صوبہ کے گورنر کو اپنے ساتھ ملانے کے لیے محبت سے کام لیتا نہ کہ یہودی کا بیٹا کہہ کر خط لکھتا۔ حضرت حسن رض کے خلع خلافت کے وقت یہی قیس اپنے پانچ ہزار ساتھیوں کے ساتھ معاویہ رض کے پاس پہنچ گیا۔

(عبرت نامہ اندلس ۱۲۷)

گویا حضرت علی رض کے سب سے بڑے منصب دار نے بھی معاویہ رض کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اسی لیے شاہ ولی اللہ کہتے ہیں علی رض اپنی ذات میں خلیفہ تھے۔

ذرا ٹھنڈے دل و دماغ سے حضرت علی رض کی زندگی کے تیسرے دور کا مطالعہ کر کے انصاف کیجئے کہ حضرت علی رض کو کن لوگوں سے واسطہ پڑا۔ یہ آپ کے شیعہ کس قدر نا فرمان، گستاخ اور کم ہمت لوگ تھے جنہوں نے زندگی کے کسی موڑ پر بھی حضرت علی رض کا سچے دل سے ساتھ نہ دیا۔ اور آپ نے نہایت بے لبسی، بے کسی حرمان و یاس اور ناامیدانہ حالات میں یہ زمانہ گزارا۔ شیعی دنیا میں امام اوّل کا دور آپ نے دیکھ لیا اب سنیوں کی تاریخیں اٹھا کر دیکھئے۔ حضرت علی رض کی زندگی کا ہر لمحہ نہایت تابناک درخشاں اور نیر تاباں کی طرح نظر آئے گا۔ آخر علم و فضل کا یہ آفتاب عالمتاب عبدالرحمان ابن ملجم خارجی کے ہاتھوں شہید ہوا۔ یہاں پھر اس بات کو ذہن میں لائیے کہ عبدالرحمن بھی شیعانِ علی رض سے تھا اور جنگ صفین کے موقع پر تحکیم کے وقت آپ سے الگ ہوا تھا۔

تبصرہ

نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے۔

"میری امت میں سب سے بہتر زمانہ میرا ہے۔ پھر اس کے بعد والوں کا۔ اور پھر اس کے بعد والوں کا۔ پھر تمہارے بعد ایک قوم آئے گی جو شہادت دے گی۔ حالانکہ اس سے شہادت طلب نہ کی جائے گی۔ یہ لوگ خائن ہوں گے۔ امانت دار نہیں۔ یہ نذریں مانیں گے۔ مگر انہیں پورا نہیں کریں گے اور ان میں موٹاپا عام ہو جائے گا۔" (بخاری)

اس حکومت کا آغاز رحمت اور نبوت سے ہوا ہے پھر یہ رحمت اور خلافت ہو گی۔ پھر جبری سلطنت بن جائے گی۔ پھر یہ سرکشی تشدد اور فساد فی الارض میں تبدیل ہو جائے گی۔ مسلمان بادشاہ ریشم اور شراب کو حلال کر لیں گے اور شہوت رانی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ ان کو اس کے مواقع ملیں گے یہاں تک کہ وہ خدا سے واصل ہو جائیں گے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ صفحہ ۳ بحوالہ طبری)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے مترشح ہوتا ہے کہ عہد صحابہ رض میں کچھ ایسے واقعات پیش آئیں گے جن کو مسلمانوں کی بدنصیبیوں کی تاریخ کا پہلا باب کہا جائے گا اور اسلام کی حقیقی روح کا اضمحلال شروع ہو جائے گا۔ اسلام کا عدیم المثال اجتماعی نظام جو عہد نبوت اور خلفاء ثلاثہ کے زمانے میں قائم تھا حضرت عثمان رض کے واقعہ شہادت ۳۵ھ کے بعد قائم نہ رہ سکا۔

شیخین کے زمانہ میں بھی فتنے اٹھے لیکن ان دونوں بزرگوں نے اپنی غیر معمولی فراست دینی، شجاعت و جرأت سے ان کا استیصال اس طرح کیا کہ انہیں پھر ابھرنے کا موقع نہ ملا۔

لیکن عثمانی حلم و مسامحت کی صورت حال ہی اور تھی۔ کہیں یہودی النسل عبداللہ بن سبا جیسے منافق اپنی بھرپور ریشہ دوانیاں لے کر نمودار ہوئے۔ کہیں مجوسیوں نے اپنی ریشہ دوانیوں سے کام لیا۔ کہیں مصر و عراق کے بدباطن لوگوں کو خلافت کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کا موقعہ مل گیا اور خلیفہ سوم انتہائی مظلومیت کی حالت میں شہید کر دیئے گئے۔ نعش مبارک تیسرے روز بعد چند آدمیوں نے بصد مشکل دفن کیا۔

شہادت عثمان رض کے بعد تین روز تک عبداللہ بن سبا کا خاص چیلہ غافکی بن حرب مصری امیر مدینہ رہا۔ حضرت عثمان رض کی محصوری کے ابتدائی ایام میں مسجد نبوی میں نمازیں بھی یہی پڑھاتا رہا۔ جمعہ اور عید کی نماز البتہ حضرت علی رض نے پڑھائی

(طبری جلد ۵ صفحہ ۱۴۹ - ۱۵۵)

حضرت عثمان رض جب محصور تھے تو عرض کیا گیا کہ اجازت دیجیے تاکہ ہم باغیوں کی سرکوبی کریں۔ مگر آپ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں امت میں کسی فتنہ کی بنیاد نہیں رکھنا چاہتا مگر آپ کا اندیشہ صحیح ثابت ہوا۔ اور اسلام کا اجتماعی نظام

پراگندہ ہوگیا۔ حضرت عثمان رضؓ کے بعد قاتلینِ عثمان رضؓ نے خلافت کا تاج آپ کے مرقد انور پر رکھا۔

حضرت علی رضؓ کی جلالت شان، تقویٰ، دیانت، خلوص اور للہیت میں چون و چرا کی گنجائش نہیں۔ مگر منافقین کی دسیسہ کاریوں، نومسلموں کی دینی روح سے ناواقفیت اور عراق و شام کی کشمکش نے نہایت نازک صورت اختیار کر لی تھی آپ کی نیک نفسی، پاک باطنی، اخلاقی عظمت و برتری اپنی جگہ مسلم، مگر وقتی حالات کے تحت جس سیاسی تدبر اور حزم و دور اندیشی کا تقاضا تھا۔ آپ کما حقہٗ اس سے عہدہ برآ نہ ہو سکے۔

آپ نے سب سے پہلے حضرت معاویہ رضؓ کو معزول کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر مغیرہ بن شعبہ اور عبد اللہ بن عباس رضؓ نے کہا کہ پہلے ان سے خلافت پر بیعت لیجئے پھر آپ انہیں معزول کر سکتے ہیں۔ اگر بیعت سے پہلے ہی آپ نے انہیں معزول کرنے کا فیصلہ کر لیا تو وہ خون عثمان رضؓ کے بہانے آپ کے خلاف ہو جائیں گے۔

حضرت معاویہ رضؓ کے علاوہ آپ نے عثمان بن حنیف کو بصرہ کا، عمار بن شہاب کو کوفہ کا عبید اللہ بن عباس رضؓ کو یمن کا، قیس بن سعد کو مصر کا، سہل بن حنیف کو شام کا عامل بنایا۔ مگر یہ سب کاغذی عامل ہی رہے۔ عبید اللہ بن عباس رضؓ یمن میں پہنچے تو وہاں کا سابقہ گورنر یعلی بن امیہ تمام خزانہ لے کر مکہ پہنچ گیا۔ اور بعد میں یہی رقم جنگ جمل میں خرچ ہوئی۔ بات یہاں تک رہتی تو معاویہ زیادہ نہ بگڑتا۔ مگر حضرت معاویہ رضؓ کی معزولی کے حکم پر وہی ہوا جس کی مغیرہ بن شعبہ رضؓ اور عبد اللہ بن عباس رضؓ نے نشان دہی کی تھی۔ صرف بصرہ میں عبد اللہ بن عامر نے عثمان بن حنیف کو چارج دیا۔

اسی دور میں محمد بن ابو بکر اور اشتر نخعی کو آپ نے بڑے بڑے عہدے دے کر اپنی مخالف فضا کو اور شدید کر دیا۔

ادھر شام اور حجاز میں یہ ہو رہا تھا ادھر مصر میں حضرت علی رضؓ نے اپنے خیر خواہ عامل قیس بن سعد کو معزول کر دیا یہاں کے لوگ بھی حضرت معاویہ رضؓ کے ہمنوا بن گئے۔

اس تمام مخالفت کے پیچھے قاتلین عثمان رضؓ سے قصاص لینا تھا اور یہ حقیقت ہے کہ حالات ہی اس قسم کے تھے کہ حضرت علی رضؓ اس وقت ان سے قصاص لینے

میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ان ایام میں طلحہ رضؓ اور زبیر رضؓ بھی آپ سے الگ ہو گئے۔

صدیقۂ کائنات اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ مکہ میں تھیں بصرہ کے عامل عبد اللہ بن عامر رضؓ نے آپ کی خدمت میں ایک وفد بھیجا کہ حالات بد سے بدتر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اس وقت آپ خونِ عثمان رضؓ کے قصاص کو اپنے ہاتھ میں لے کر حالات کو سنبھال سکتی ہیں۔ عبد اللہ بن عامر رضؓ کا ایسا کہنا دراصل حقیقت پر مبنی تھا۔ آگے چل کر زمانے نے ثابت کیا کہ وہ شخص حضرت ام المومنین کی علمی اخلاقی اور مذہبی خدمات کا رہین منت ہے۔ حضرت ام المومنین مکہ سے عازم مدینہ ہو چکی تھیں کہ اس تحریک پر آپ نے مدینہ جانے کا ارادہ ترک کر کے بصرہ روانہ ہونے کا ارادہ کر لیا۔ آپ کا یہ مخلصانہ اقدام صرف اصلاح بین الناس کے مقصد سے تھا۔ جیسا کہ قعقاع التمیمی کے سوال پر انہوں نے خود فرمایا تھا۔ الغرض آپ بصرہ کی طرف روانہ ہوئیں۔

شیعوں کی وضعی اور من گھڑت روایات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بصرہ کے راستہ میں ایک مقام حوأب میں آپ پر کتے بھونکے۔ تو آپ نے پوچھا یہ کون سا مقام ہے جواب ملا کہ حوأب۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے واپس کر دو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا تھا کہ تم میں سے وہ کون ہوگی جس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے۔

طبری نے اپنے تقیہ کی آڑ میں اس پر ایک پورا باب باندھا ہے۔ اس روایت کا اصل خالق وہی ابو مخنف ہے جس نے کربلا کے واقعہ سے ۱۳۵ سال بعد کربلا کے واقعات تراشے اور جس کے متعلق مجاہد اعظم کے شیعہ مصنف کو بھی لکھنا پڑا کہ ابو مخنف کا لکھا ہوا کوئی واقعہ صداقت کے معیار پر پورا نہیں اترتا اصل واقعہ یہ ہے کہ ۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ کو ایک سریہ پر متعین کر کے بنو فزارہ کی طرف بھیجا۔ اس سریہ میں ام قرفہ نامی ایک عورت معہ اپنی بیٹی ام زمل سلمی کے گرفتار ہو کر آئی ام قرفہ واجب القتل تھی وہ اپنے انجام کو پہنچی۔ مگر ام زمل سلمی لونڈی کی حیثیت سے ام المومنین حضرت عائشہ کو دے دی گئی۔ آپ نے اسے آزاد کر کے اپنے پاس

رکھ لیا۔ ایک روز چند عورتیں معہ ام زمل سلمیٰ کے آپ کی خدمت میں بیٹھی ہوئی تھیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ نے فرمایا کہ تم میں سے وہ کون ہوگی جس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے۔ پھر یہ عورت اپنی قوم میں چلی گئی اور مرتد ہوگئی (معجم البلدان جلد ۲ صفحہ ۳۵۲ یاقوت حموی)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں جب مختلف قبیلوں نے بغاوت کی تو چند طالع آزماؤں نے نبوت کا دعویٰ کیا جن میں طلیحہ بن خویلد اسدی بھی تھا۔ غطفان ہوازن اسد اور طے کے قبائل کے بہت سے لوگ اس کے ساتھ ہو گئے۔ حضرت خالد نے انہیں شکست فاش دی اور ان کی طاقت کو منتشر کر دیا۔ سلمیٰ اس لشکر میں موجود تھی۔ جس کے دل میں اپنی ماں کے قتل کا کینہ بھرا ہوا تھا۔ طلیحہ بھاگ کر یمن چلا گیا غطفان سلیم اور ہوازن وغیرہ قبائل کے بچے کھچے لوگ حوأب کے مقام پر جمع ہوئے اور انہوں نے اسی سلمیٰ بنت مالک کو اپنا سردار بنا لیا۔ حضرت خالد کو معلوم ہوا تو وہ اس طرف متوجہ ہوئے۔ سلمہ اپنے لشکر کو مقابلہ پر لے آئی تو اس کی ناقہ کی کونچیں کاٹ ڈالیں ناقہ گری اور سلمہ مقتول ہوئی (تاریخ اسلام ج ۱ اکبر شاہ خان صفحہ ۲۹۲)

حوأب کے کتے بھونکنے کا اشارہ اسی عورت کی طرف تھا۔ فکانوا یرون انہا
انہا التی غاھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم (معجم البلدان جلد ۱ صفحہ ۳۵۲ یاقوت حموی)

ابو مخنف کی بیان کردہ اسناد کے علاوہ طبری نے اپنی طرف سے سلسلہ رواۃ بیان کر کے اس روایت کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسماعیل بن موسیٰ فزاری علی بن عابس۔ ابو الخطاب الہجری صفوان بن قبیصہ الاحمسی اس کی سند کے راوی ہیں۔ پہلا راوی اسماعیل بن موسیٰ الفزاری ہے بقول امام ذہبی اور غالی شیعہ اور فاسق تھا۔ جو سلف وصحابہ پر سب کرتا تھا وہ کوفی تھا۔ ۱۴۵ھ میں مرا۔
(میزان الاعتدال جلد ۱ صفحہ ۱۱۷)

مگر طبری ۲۲۴ھ میں طبرستان میں پیدا ہوا۔ یہ طبری ہی کا کمال ہے کہ پیدا ہونے سے تقریباً اسی سال پہلے طبرستان سے کوفہ پہنچا اور مرے ہوئے اسماعیل سے اس روایت کی سماعت کی۔

دوسرا راوی علی بن عابس بقول نسائی ضعیف ہے۔ تیسرا راوی ابو الخطاب الہجری

بقول حافظ ابن حجر مجہول ہے (تہذیب التہذیب)

اور ان مجہولوں کا سلسلہ اسناد عرنیہ قبیلے کے کسی نامعلوم الاسم اونٹ والے پر منتہی ہوتا ہے جس سے ام المومنین رض کی سواری کے لیے اونٹ خریدا گیا اور پھر اسے ہی راہبری کے لیے ساتھ رکھا۔

کتنی حیرانی کا مقام ہے کہ ام المومنین جیسی بلند مرتبہ ہستی ایک اہم ترین سفر پر روانہ ہو رہی ہوں اور ان کے پاس سواری ہے نہ رہبر وہ سواری کے لیے اونٹ خریدتی ہیں۔ اور اونٹ والے کو ہی اپنا بدرقہ بنا لیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی ایسی بے سر و پا ہانکنے والوں کو ہدایت دے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ آپ کے ساتھ ہزاروں کی جمعیت موجود تھی جن میں سے اکثر اسی علاقہ کے رہنے والے تھے اور ملک کے چپے چپے سے واقف تھے مگر شیعہ بزرگ یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ گویا معمولی قسم کی عورت گھر سے نکلتی ہے اور سفر کے لیے اونٹ خریدتی ہے۔ اسی اونٹ والے کو راستہ بتانے کے لیے ساتھ لیتی ہے۔ اصل واقعات کو اس طرح سوقیانہ انداز میں بیان کرنا شیعوں کے لیے تو جائز اور باعث ثواب ہے مگر اہل سنت عالموں کی عقل و خرد، علم و فضل اور سمجھ بوجھ کو کس مخبوط الحواس شخص کے گدھے چر گئے ہیں جو آئے دن نہایت دلسوزی، دردمندی اور مایوسانہ سے انداز میں محراب و منبر سے یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ کاش کہ حضرت عائشہ رض بصرے کا سفر نہ کرتیں اور آپ پر حوأب کے کتے نہ بھونکتے کوئی ان عقل کے کوروں سے پوچھے کہ اگر تمہیں اصل واقعہ کا پتہ ہی نہیں تو اس دردمندی کے ہلکان میں مبتلا ہونے کے لیے تمہیں کس حکیم نے مشورہ دیا ہے کہ جب تک تم اس واقعہ سے اپنے "مواعظ حسنہ" کو زینت نہ دو گے تمہیں کھایا پیا ہی ہضم نہیں ہو گا۔

اصل بات یہ ہے کہ بصرے کے عامل عبد اللہ بن عامر کی تجویز سے ام المومنین اس سفر پر روانہ ہوئیں تھیں۔ عامل موصوف کی فوج کا ایک دستہ آپ کے ہمراہ تھا۔ اور یہ راستہ کوئی نامعلوم راستہ نہیں تھا بلکہ ایک شاہراہ تھی جس پر دن رات قافلے چلتے رہتے تھے اور تمام راستے میں حاجیوں اور مسافروں کی سہولت کے لیے حوض اور کنوئیں تعمیر کرائے گئے تھے مقام بستان ابن عامر آج تک

ابن عامر کے نام کی طرف منسوب ہے۔

ام المومنین کی سواری کے لیے کس صحرا میں کس بدو سے کس شخص نے اونٹ خریدا۔ کیا ام المومنین رضؓ گھر سے پیدل ہی عازم سفر ہوئی تھیں۔ ایک معمولی آدمی تو گھر سے پورا ساز و سامان لے کر نکلے مگر ام المومنین رضؓ کے لیے سواری راستہ میں خریدی جائے ان کی سواری میں عسکر نام کا بہترین اونٹ تھا جو حضرت یعلی بن امیہ نے پیش کیا تھا۔ (معارف ابن قتیبہ صفحہ ۱۲۰)

مکہ سے بصرہ تک اکیس منزلیں تھیں۔ مؤلف ابو الفرج قدامہ بن جعفر متوفی ۲۹۰ھ نے اپنی تالیف کتاب الخراج وصنعۃ الکتابۃ میں اس دور کے تمام اہم راستوں کی منازل لکھی ہیں۔ مگر ان منازل میں حوأب نام کی کوئی بستی سرے سے نہیں۔ کتے اکثر قافلوں اور مسافروں پر بھونکتے رہتے ہیں۔ اگر کہیں کتے بھونک بھی گئے تو صرف طبری اور اس کے مجہول راویوں کو نظر آئے کہ یہ حوأب کا مقام ہے اور حضرت عائشہ رضؓ پر کتے بھونک رہے ہیں اور بعد میں آنے والے مورخ آنکھیں بند کر کے طبری کی اس ہرزہ سرائی اور یاوہ گوئی کو نقل کرتے چلے گئے۔ انہیں وہ تمام روایات بھول گئیں جو ام المومنین رضؓ کے لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔

چاہیئے تو یہ تھا کہ علماء اہل السنت شیعوں کی اس شرمناک بدگوئی سے حرم رسول اللہ۔ آپ کی محبوب زوجہ حقیقی اہل بیت جن کے لحاف میں آرام فرمائی کی حالت میں آپ پر وحی نازل ہوتی رہی جن کو کلمینی یا حمیرا کہہ کر مخاطب فرمایا جاتا رہا کو بچایا جاتا مگر آج اس واقعہ پر منافقانہ انداز میں گفتگو کی جاتی ہے۔ اور یہ نہیں کہا جاتا کہ یہ واقعہ سرے سے ہے ہی غلط شیعیت کی سازش نے بڑی بڑی جلیل القدر ہستیوں کے دماغوں میں غلط سلط نظریات ٹھونس کر انہیں کسی امر کی حقیقت سمجھنے سے دور پہنچا دیا تو عوام کا الانعام اگر آج یا علی رضؓ یا حسین رضؓ کے نعرے لگا کر تعزیئے بنائیں۔ محرم کے جلوس نکالیں مجلسیں سنیں تو حیرانگی کی کون سی بات ہے

لہ واقعہ حوأب کے لیے مؤلف کی شاہکار تالیف "عزت رسول" کا مطالعہ کیجیئے۔

منافقین نے اظہارِ تاسف کے جو کلمات ان سے منسوب کیے ہیں وضعی حدیثوں کی طرح سب من گھڑت ہیں۔ اظہارِ تاسف سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ آپ کی ذات سے "خطا اجتہادی" کی انوکھی اصطلاح منسوب کر کے اپنی غلط کاریوں کو بھی اسی اصطلاح کے لبادے میں پوشیدہ رکھنے کے لیے ع

رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

کے مصداق جو دل چاہے کرتے رہیں۔ عوام کا تو گلہ ہی بے سود ہے اہل سنت کے تمام فرقوں کے مسلمہ بزرگ حضرت شاہ ولی اللہ بھی اس تسامح کا شکار ہو گئے۔ چنانچہ ازالۃ الخفا میں انہوں نے بھی۔ حوأب کے کتے بھونکنے کی جھوٹی روایت کو قیس بن حازم متوفی ۹۸ھ کی سند سے نقل کر دیا ہے جسے یحیٰی بن سعید نے منکر الحدیث کہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسرائیلیات کی طرح شیعی تحریک کی وضع کردہ روایات آج اس طرح اصل روایات میں خلط ملط ہو کر رہ گئی ہیں جس طرح انگلیوں کے گوشت میں ناخن پیوست ہیں لہ

لہ شاہ صاحب نے سورج کے غروب ہونے کے بعد اس کے لوٹ کر آنے کا واقعہ بھی لکھا ہے کہتے ہیں کہ حضرت علی رضؓ کی نماز عصر فوت ہو گئی تھی آنحضرتؐ نے دعا کی تو سورج لوٹ آیا حضرت علی رضؓ نے وضو کر کے نماز پڑھ لی تو سورج غروب ہو گیا۔ قطع نظر دیگر طرق سے دیکھنے کی نماز کے متعلق کتاباً موقوتاً پر ہی غور کر لیا جاتا تو اس روایت کی حقیقت کھل جاتی۔ اصل وقت فوت ہو جانے کے بعد سورج کو واپس لانے سے اس فرض کی ادائیگی جس کا تعلق اس اصل وقت سے تھا آئین فطرت کے خلاف ہے۔ شیعوں نے اس روایت کو اس لیے وضع کیا تھا کہ اس پر آگے چل کر ایک عمارت کھڑی کرنی مطلوب تھی۔ معلوم نہیں کہ شاہ صاحب کو وہ عمارت نظر ہی نہیں آئی یا انہوں نے ارادۃً ترک کر دی۔ آگے روایات میں آتا ہے کہ حضرت علی رضؓ نے سورج کو سلام کیا اور سورج نے سلام کا جواب دیا۔ اور کہا کہ اے علی رضؓ تم ہی اوّل ہو اور تم ہی آخر ہو۔ اب یہ دریافت کرنا شیعوں کا کام ہے کہ علی رضؓ نے زبان سے سلام کیا تھا یا ہاتھ کے اشارے سے اور یہ آتش پرستوں کا شعار تھا یا وصی رسول اللہ کا اور پھر سورج کا جواب صرف علی رضؓ نے سنا تھا یا نبی اکرمؐ نے بھی یا کسی اور صحابی نے بھی۔ اگر سنا (بقیہ اگلے صفحہ پر)

الغرض آپ بصرہ پہنچیں ادھر سے علی رض بڑھے دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) تھا تو اس کا ردِّ عمل کیا ہوا۔

اگر شاہ ولی اللہ جیسے عبقری اس طرح شیعیت کی ہمنوائی کرتے ہوئے پائے جائیں تو ما و شما کا اللہ حافظ۔

چنانچہ ملا علی قاری کہتے ہیں کہ امام احمد فرماتے ہیں اس کی کوئی اصل نہیں اور علامہ ابن الجوزی کہتے ہیں یہ من گھڑت ہے (موضوعات کبیر صلا) دوسرے مقام پر لکھتے ہیں یہ جھوٹ ہے کہ حضرت علی رض کے لیے سورج لوٹایا گیا۔ لیکن اتنی بڑی بات کو کوئی شہرت نہ ہوسکی اور حضرت اُم سلمہ رض کے سوا کسی کو معلوم نہ ہوسکا (موضوعات کبیر ص۱۵۷) ابن کثیر کہتے ہیں آئمہ مثل امام مالک اور مصنفین صحاح ستہ اور اصحاب مسانید وسنن اور حسن احادیث کے جامع کا اپنی کتابوں میں اسے درج نہ کرنا اس بات کا بڑا ثبوت ہے کہ ان سب کے نزدیک یہ من گھڑت ہے (البدایہ جزء سادس)

ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ اگرچہ امام طحاوی اور قاضی عیاض نے اسے درج کیا ہے لیکن محققین جانتے ہیں کہ یہ روایت خالص جھوٹ اور موضوع و باطل ہے (منہاج جلد۴ صفحہ ۱۸۶-۱۸۷)

ردِّ شمس والی روایت حضرت ابوہریرہ سے بھی مروی ہے لیکن اس کی سند میں یزید بن عبدالملک بھی ہے جسے امام احمد، امام یحییٰ، امام احمد بن صالح امام ابوزرعہ، امام ابن عدی، امام بخاری امام نسائی نے ضعیف اور متروک الحدیث کہا ہے (میزان الاعتدال جلد۳ ص۳۱۵)

اس روایت کا دوسرا راوی یحییٰ بن یزید ہے۔ جسے ذہبی حد درجہ ضعیف اور کمزور کہتے ہیں (ایضًا) شاہ ولی اللہ صاحب کو اتنا خیال بھی نہ آیا کہ اگر علی رض کی نماز قضا ہوئی تو نبی علیہ السلام کی کیوں قضا نہ ہوئی جبکہ آپ سیدنا علی رض کے زانو پر سر رکھ کر آرام فرما رہے تھے۔ اگر آنحضرت نے نماز ادا کر کے آرام فرمایا تھا تو سیدنا علی رض اس وقت کیا کر رہے تھے؟ جب نبی علیہ السلام نماز ادا فرما رہے تھے۔

معین کاشانی نے یہاں پندرہ اشعار کی ایک نظم کہی ہے۔

تا صورت پیوند جہاں بود علی رض بود — تا نقش زمیں بود زماں بود علی رض بود
ہم اوّل و ہم آخر و ہم ظاہر و باطن — ہم عابد و ہم معبد و معبود علی رض بود

(اگلے صفحہ پر)

حضرت علی رض نے بصرہ کی جانب سفر کرتے وقت اپنے لشکر میں اعلان کر دیا کہ جس

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

عیسیٰ بوجود آمد فی الحال سخن گفت — آں نطق فصاحت کہ بد بود علی رض بود
موسیٰ و عصا و ید و بیضا و نبوت — در مصر بہ فرعون کہ بنمود علی رض بود
ہارون ولایت کہ پس از موسیٰ عمران — واللہ کہ علی رض بود علی رض بود علی رض بود
جبرئیل کہ آمد ز بر خالق بے چون — در پیش محمد شد و مقصود علی رض بود
ہر چند کہ نظر کردم و دیدم بحقیقت
از ہر دو جہاں مقصد و مقصود علی رض بود

یہ وہی معین کاشانی ہے جس نے

شاہ است شہنشاہ است حسین رض — دین است حسین رض دین پناہ ہست حسین رض
سر داد نداد دست در دستِ یزید — حقا کہ بنائے لا الہ ہست حسین رض

کی رباعی لکھی ہے اور آج زبان زد خاص و عام ہے کہ یہ رباعی حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کی لکھی ہوئی ہے اور ہر مسجد کے محراب کی دیوار اس رباعی سے مزین نظر آتی ہے اور ہر خطیب اسے حضرت اجمیری رح کی طرف منسوب کرتا ہے۔

شیعوں کی لاطائل روایات کے جرعات سے شاہ ولی اللہ جیسا بے مثل یگانہ روزگار اور عبقری اپنا دامن نہ بچا سکا ہو۔ حضرت احمد فاروق سرہندی جیسا عظیم الشان پیر رد روافض لکھنے کے باوجود خود ان کی من گھڑت اصطلاحات کی تلچھٹ کی جرعہ بازیوں کے تصورات کے متنے محض غیر ارادی طور پر تیار کرتے ہوئے ان کی دسیسہ کاریوں کو نہ سمجھ سکا ہو تو ما و شما کا کیا ذکر۔

یہ کہنے سے ان اصحاب کو کون باز رکھ سکتا تھا کہ مجتہد کو صحیح اجتہاد پر ایک نیکی اور غلط اجتہاد پر دو نیکیاں ملیں گی۔ اب یہ جسے چاہیں اجتہادی غلطی کا مرتکب گردان کر اسے دُگنے ثوابوں سے لادتے چلے جائیں۔

کسی نے خون عثمان رضؓ کے بارے میں کچھ کیا ہے ہمارے ساتھ نہ چلے۔ مگر اس تمام فتنہ کا سرغنہ عبداللہ بن سبا خود آپ کے لشکر میں موجود تھا۔ وہ لوگ کہاں ماننے والے تھے۔ صلح کی بات چیت شروع ہوئی تو سبائیوں نے سمجھا کہ ان کی صلح تو ہماری گردن کی رگوں پر ہوگی۔ رات کو حملہ کر دیا۔ ام المومنین رضؓ کے لشکریوں نے سمجھا حضرت علی رضؓ نے حملہ کر دیا ہے بس لڑائی تنراز ہوگئی۔ ہوا جو کچھ ہوا۔ پانچہزار حضرت علی رضؓ کے ساتھی اور سات ہزار حضرت ام المومنین کے ساتھی کھیت رہے مقتولین کی لاشیں میدان جنگ میں بکھری دیکھ کر حضرت علی رضؓ سخت متاثر ہوئے حضرت حسن رضؓ کو سینے سے لپٹا کر کہنے لگے کہ کاش میں آج سے بیس برس پہلے مر گیا ہوتا۔ حضرت طلحہ رضؓ کی لاش کے پاس بیٹھ کر ان کے چہرے سے گرد پونچھتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے جو بپتا مجھ پر پڑی ہے اللہ سے اس کا شکوہ کرتا ہوں

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۴۵)

حضرت ام المومنین کی خدمت میں حاضر ہو کر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگے قسم بخدا یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہیں دنیا اور آخرت دونوں میں، ان کے سفر کے تمام انتظامات کیے۔ چالیس عورتوں کو ساتھ کیا۔ ایک دستہ فوج بھی ہمراہ کیا۔ دو میل تک مشایعت کی۔ ایک دن کی مسافت پر بیٹوں کو ساتھ بھیجا حضرت ام المومنین رضؓ نے چلتے وقت لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ میرے بیٹو! دیکھو اب تم میں سے کوئی کسی کے ساتھ سختی نہ کرے۔ علی رضؓ میں اور مجھ میں پہلے سے کوئی بات مطلق نہ تھی سوائے اس معمولی بات کے جو سسرال والوں سے ہو جاتی ہے حضرت علی رضؓ نے بھی اس قول کی تصدیق کی۔

طلحہ رضؓ اور زبیر رضؓ میں معرکہ کارزار میں سبائیوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔

اکابر صحابہ رضؓ کی گوشہ نشینی

مسلمانوں کے اس اختلاف و انشقاق کے فتنہ کے دور میں اکثر جلیل القدر صحابہ رضؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد کے مطابق گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔

چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعری تحکیم کے واقعہ کے بعد رنجیدہ ہو کر گوشہ نشین ہو گئے۔ اس سے پہلے ہی مغیرہ بن شعبہ رضؓ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دعوت کے باوجود گھر سے نہ نکلے۔

اُم المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ساتھ دینے کے لیے تیار تھیں۔ مگر عبداللہ بن عمر رضؓ یعنی بھائی کے سمجھانے پر رک گئیں حضرت طلحہ رضؓ و زبیر رضؓ عین معرکہ کارزار میں خلعت شہادت سے سرفراز ہو گئے یہ تو چند جلیل القدر ہستیوں کا ذکر ہے ان بزرگوں میں سے ہر ایک بذاتہ ایک انجمن ایک اُمت اور ایک گروہ تھا۔ لامحالہ ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان کے ساتھ ہزاروں افراد نے گوشہ نشینی اختیار کر لی ہوگی۔

جب حضرت عائشہ رضؓ مکہ سے روانہ ہوئیں تو لوگ زار و زار روتے تھے اور اس دن کا نام ہی "یوم النحیب" پڑ گیا۔

شیعانِ علی رضؓ کا اپنے امام کے ساتھ سلوک

سبائی یہودی اب پورے طور پر حضرت علی رضؓ کے لشکر کا اہم حصہ ہی نہیں بن چکے تھے بلکہ تمام حالات پر چھا چکے تھے اور بقول مشہور شیعہ محقق شیخ جعفر الاسکافی آپ کی یہ حالت ہو چکی تھی کہ کل اہل بصرہ آپ سے متنفر تھے اور کوفہ اور مدینہ کے اکثر لوگ اور مکہ کے تو سب ہی لوگ ان سے متنفر تھے اور سب قریش ان کے خلاف تھے اور جمہور خلق ان کے مخالف بنی امیہ کے ساتھ تھی۔ عبدالملک بن عمیر نے عبدالرحمان بن ابی بکرہ کا قول بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت علی رضؓ کو یہ فرماتے سنا کہ انسانوں میں سے کسی ایک کو بھی وہ برائی پیش نہیں آئی جو مجھے آئی ہے پھر (یہ کہہ کر) رونے لگے۔ (شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید)

یہ افسوسناک صورت حالات کیوں پیش آئی۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ نے سبائی لیڈروں کو منہ لگایا اور ان پر اعتماد کیا۔ جو اعتماد کے لائق نہ تھے اور اس تدبر و فراست اور مستقل مزاجی اور آمرانہ سطوت سے کام نہ لیا جو ایک قائد و حکمران

میں ہونا ضروری ہیں۔ مگر یہ کہنے والے ان حقائق اور مجبوریوں سے عمداً چشم پوشی کرتے ہیں یا تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہیں جو حضرت علی رض کو مجبور کیے ہوئے تھیں۔ جنگ جمل میں عوام نے یہ تاثر پھیلا دیا تھا کہ آپ نے ام المومنین کے خلاف جنگ کی ہے۔ شام کا تمام ملک حضرت معاویہ رض کی داد و دہش اور ملوکانہ فراست کی اور حالات کے رُخ کی وجہ سے حضرت علی رض کے متعلق اس تاثر کو قبول کر چکا تھا کہ قتل عثمانؓ میں آپ کا ہاتھ تھا۔ آپ کی فوج میں اکثریت سبائیوں کی تھی اور وہ کسی صورت میں آپ کے لشکر سے الگ ہونے کے لیے تیار نہ تھے۔ آپ نے جنگ جمل کے موقع پر انہیں الگ کرنے کی کوشش کی تو انہوں نے چپکے سے جنگ شروع کر دی۔ صفین کے موقع پر ایسا کرنے کا ارادہ کیا تو بیس ہزار کا جیش پکار اٹھا کہ ہم سب قاتلین عثمان رض میں سے ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ حضرت علی رض نے ان حالات میں جس حد تک حالات کو سنبھالا دیئے رکھا وہ کسی حیثیت میں فتوحات صدیقی اور فاروقی سے کم نہیں۔ مگر افسوس کہ تاریخوں کو جس حد تک کرید کرید کر اصل حالات دریافت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ الجھنیں بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ ایوبی زار شاہی کا تیا پانچہ ہوئے چند روز ہی ہوئے ہیں خلافت راشدہ کے زمانے کی نسبت آج کے وسائل نشر و اشاعت کروڑ ہا گنا زیادہ ہیں۔ مگر کوئی ذہین سے ذہین آدمی بھی غیر جانبدار رہ کر تاریخ مرتب کرنے کی سکت اپنے پاس میں نہیں پاتا پھر ہم کس تاریخ کے کس واقعہ کو کس نظر سے دیکھ کر کیا اندازہ کر سکتے ہیں سوائے اس کے کچھ نہیں کہ نہایت بالغ نظری سے تمام موافق و مخالف تاریخوں کا مطالعہ کرنے کے بعد ہر قسم کے نظریات سے اپنے اذہان کو فارغ کر کے الگ کھڑے ہو کر دیکھیں تو ہمیں جس طرح حق حضرت علی رض کے ساتھ نظر آئے گا۔ اسی طرح صدیقۂ کائنات حضرت ام المومنینؓ کے ساتھ نظر آئے گا۔ اور اسی طرح امیر المومنین حضرت معاویہ رض کے ساتھ نظر آئے گا۔ مگر سبائی و سیسہ کاریوں نے تاوقتیکہ امت کی سربراہی حضرت امیر معاویہ رض کے ہاتھ نہ آئی کسی کو چین نہ لینے دیا۔ حالات نے حضرت علی رض کو اس حد تک بے دست و پا بنا کر رکھ دیا تھا کہ آپ اکثر اپنے ساتھیوں کے متعلق اظہار ناراضگی واشگاف انداز میں فرماتے رہتے۔ مشہور شیعہ مؤلف آغانی نے نقل کیا ہے کہ ایک بار آپ نے فرمایا تھا

کہ " اے زنان بصورت مرداں، اور اے کمینو زنانہ عقل والو" میری آرزو ہے کاش میں نے تمہیں کبھی دیکھا بھی نہ ہوتا۔ مجھے انتہائی ندامت ہے اور دل میں تم سے انتہائی غصہ ہے تم میرے نافرمان اور میرے رسوا کرنے والے ہو۔ تمہاری وجہ سے قریش کہنے لگے کہ ابی طالب کا بیٹا بہادر تو ہے مگر سیاست حرب سے نابلد محض ہے افسوس ان کہنے والوں پر مجھ سے زیادہ ان میں لڑائی کا دھنی کون ہے؟ میں نے بیس سال کی عمر سے آج تک کے ساٹھ برس کا ہو گیا ہوں۔ تیغ زنی کی ہے۔ مگر کوئی کم بخت جب کہنا ہی نہ مانے تو کیا ہو سکتا ہے (آغانی ص۲۲ ج ۱۵)

ان ہی حالات میں جنگ صفین کا المیہ پیش آیا۔ قریب تھا کہ شامی فوج شکست سے دوچار ہوتی کہ واقعہ تحکیم نے تمام صورت بدل کر رکھ دی۔ حضرت علی رض جانتے تھے کہ تحکیم کی یہ پیشکش اسی ہزار فرزندان اسلام کے لاشوں کے خاک و خون میں تڑپنے کے بعد کی جا رہی ہے۔ مگر مشکل یہ پیش آئی کہ اب خود عراقیوں میں پھوٹ پڑ چکی تھی تحکیم سے پہلے مسلمانوں میں صرف دو گروہ تھے شیعان علی رض اور شیعان معاویہ رض مگر اب تیسرا گروہ بھی پیدا ہو گیا جس نے آگے چل کر ہزاروں مسلمانوں کا بے دریغ خون بہانے سے دریغ نہ کیا۔

حضرت علی رض نے ایسے نامساعد حالات میں بھی استقامت، صبر، حوصلہ اور ثابت قدمی کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ یہ ہیں تاریخ اسلام میں حضرت علی رض کے صحیح خدوخال۔ مگر دنیائے شیعیت کے علی شیر خدا بھی ہیں اور معصوم عن الخطا بھی مامور من اللہ وصی رسول اللہ بھی ہیں اور امام الہدیٰ بھی۔ مگر ان تمام اوصاف کے باوجود مجبور بے کس، لاچار، بے بس اور شکست خوردہ ذہنیت کے حامل۔ انہیں اس مقام پر کس نے پہنچایا۔ شیعان علی رض نے اپنی بے وفائیوں، غداریوں، نافرمانیوں اور تلوّن مزاجیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے ایسے نظریات کی طرح ڈالی جن کا اسلام میں سرے سے کوئی وجود ہی نہ تھا۔

چنانچہ پروفیسر وائن ہارٹ ڈوزی لکھتا ہے کہ شیعان علی رض کے مذہبی اصول ایک شخصی حکومت اور وہ بھی سخت ترین شخصی حکومت پر منتج ہوتے تھے۔ اس امر کو تسلیم کرنے سے قطعی انکار کر کے کہ رسول اللہ ﷺ (معاذ اللہ) ایسے

تھے کہ انہوں نے اپنا جانشین مقرر کرنا لوگوں کی پسند پر چھوڑ دیا۔ انہوں نے
آپ کے چند مبہم اقوال کی بنا پر اس عقیدہ کو قائم کیا کہ آپ حضرت علی رضؓ کو اپنا
جانشین مقرر کرنے کے لیے فرما گئے تھے اور یہ کہ اولاد علی جو بطن فاطمہ رضؓ سے
ہو خلافت کا موروثی حق رکھتی ہے۔ پس شیعانِ علی رضؓ نے معاویہ کو ہی نہیں بلکہ
ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمان رضؓ کو بھی غاصبِ خلافت سمجھا اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے
خلیفہ کو خدا بنا دیا اور کہہ دیا کہ امام سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوتا اور جو کمزوریاں یا
نقائص انسان میں ہیں امام ان سے بری ہیں۔ عقائد میں شدت پیدا ہوتی گئی۔ امام
یا خلیفہ میں الوہیت کو بدلائل تسلیم کرکے اس زمانے میں فرقِ غالب نے جس کا
بانی کیسان حضرت علی رضؓ کا آزاد کردہ غلام تھا اور بعد میں مختار کی فوج کا محافظ سردار
بنا۔ ازروئے منطق یہ افسوسناک نتیجہ نکالا کہ ایمان، مذہب اور نیکی صرف اس
بات میں ہے کہ بلا عذر اطاعت اور کلام حکم برداری ایک ایسے انسان کی، بجائے
جو خدا بھی ہو۔ یہ عجیب خیال جو عرب کی طبیعت اور فطرت کے بالکل مغائر تھا
معتقدین زردشت نے اپنے دفاع سے پیکا کر نکالا تھا۔ کیونکہ پیروان زردشت
ہی اپنے بادشاہوں اور موبدوں کو خداؤں اور فرشتوں کی اولاد سمجھتے تھے۔ اس
عقیدے کے لوگوں نے اس پرانے خیال کو نئے مذہب (یعنی اسلام) کے بادشاہوں
کے ساتھ برتنا چاہا (درویزیوں کے حالات مذہب حصہ اوّل ص۲۷) دروزی کا مضمون
تاریخ اسلام مترجم ساون ص۲۱۹)

اور مسلمان بادشاہوں کی بھی وہی عظمت قائم کی جو اپنے بادشاہوں کی حالت بت پرستی
میں کیا کرتے تھے۔ شیعیت کی اصطلاح کے اوّلین خالق گو یہودی تھے مگر اس موڑ
پر عرب کے آزاد کردہ غلاموں کے ساتھ ایران کے نومسلم مجوسیوں نے مل کر عقائد
کا ایک عجیب ملغوبہ تیار کر لیا۔ الغرض ان سب نے مل کر نہایت غیض و غضب
کی ایک لڑائی کل سوسائٹی کے خلاف شروع کر دی۔ اس گروہ کے سرغنے یا سردار
عموماً عرب تھے جو ان لوگوں کی سریع الاعتقادی اور مذہبی تعصب سے اپنا نفع نکالتے
تھے (تلخیص عبرت نامہ اندلس پروفیسر رائن ہاسٹ ڈوزی)

حضرت علی رضؓ کے متعلق یہ لوگ جن نظریات کے داعی تھے حضرت علی رضؓ خود

ان سے بے خبر تھے۔ آپ کی شہادت کے بعد حضرت حسن رضؓ کو معاویہ رضؓ کے حق میں
ان ہی لوگوں کی بے وفائیوں کی وجہ سے دستبردار ہونا پڑا پھر ان لوگوں نے حضرت
حسین رضؓ کو کوفہ بلایا مگر جب انہیں اصل حالات کا علم ہوا اور آپ اپنے مؤقف
سے رجوع کرکے امیر یزید رہ کے پاس جانے کے لیے عازم دمشق ہوئے تو انہیں
تلوار کی دھار پر رکھ لیا۔

عالم اسلام پہلے ہی حضرت عثمان رضؓ کی مظلومانہ شہادت اور جمل و صفین میں
ایک لاکھ سے زائد جلیل القدر ہستیوں کی شہادت کے بعد نیز خوارج کے ظہور اور
ان کے قتل کے بعد اور پھر حضرت علی رضؓ کی شہادت کی وجہ سے شدید ذہنی انتشار
کا شکار تھا۔ اب حضرت حسین رضؓ کی شہادت کے متعلق جس نے بھی سنا دم بخود رہ گیا
علوی تحریک کے داعیوں کے ہاتھ ایک بہت بڑا حربہ آگیا۔ انہوں نے کوسنوں سے
کام لے کر صحیح انداز پر سوچنے والے اذہان کو پریشان کرکے رکھ دیا۔ صحابہ رضؓ کی کچھ
جماعت تو پہلے ہی گوشہ نشین ہو چکی تھی باقی اب گوشہ نشین ہو گئی۔

گویا عراق اس وقت عجیب عجیب پیچیدہ مسائل اور طرفہ خیالات کا دنگل بن چکا
تھا۔ طرح طرح کے مفرط اور حد سے بڑھے ہوئے مذہبی عقائد پیدا ہونے شروع ہو
گئے۔ توریث و انتخاب، مطلق العنان بادشاہی اور قومی حریت، جمہور کی سیادت یہ
سب حق پر غالب آنے کی کوشش میں سرگرم تھے۔ فاتح عرب مفتوح ایرانی، غریب
امیر وہمی متشکک سب ایک دوسرے سے آمادہ پیکار تھے۔ اعتدال پسند گروہ کو
امویوں سے محبت تھی نہ علویوں سے اُنس۔ مگر جب انہوں نے دیکھا کہ تمام مسلمان
دو گروہوں میں بٹ گئے ہیں یعنی شیعان علی رضؓ اور شیعانِ معاویہ رضؓ اور ان دونوں
گروہوں کے پیچھے تاریخ عرب کے پرانے المیہ کے کردار یمانیہ اور معدیہ بھی میدان
میں نکل آئے ہیں اور یمانیہ نے شامیوں یعنی شیعانِ معاویہ اور معدیہ نے
عراقیوں یعنی شیعان علی رضؓ کے جھنڈوں کے نیچے جمع ہونا شروع کر دیا ہے تو مجبوراً
صاحب الرائے اصحاب کی نظریں کسی غیر جانبدار شخصیت کو ڈھونڈھنے لگیں جو ملت
کو اس بحران سے نجات دلانے کی اہلیت، سکت اور طاقت کا اہل ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ :

چنانچہ اس انتشار سے سیدنا عبداللہ بن زبیر رضؓ نے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ مگر سیدنا ابن زبیر رضؓ نے عوام سے رابطہ قائم نہ کیا اور نہ کسی عوامی تحریک سے آپ کی خلافت کے استحکام کی صورت پیدا ہوئی۔ گو آپ کی ذات مجموعہ فضائل تھی۔ آپ مدینۃ النبیؐ میں مسلمانوں کے ہاں پہلے مولود تھے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دہن کی گھٹی سے سیراب، جرأت، ہمت، شجاعت ثابت قدمی، تورع، زہد، پاک نفسی اور پاک باطنی کے مجسمہ، مگر لطف یہ کہ بنو ہاشم نے بھی آپ سے تعاون نہ کیا۔ چہ جائیکہ عوام آپ کی طرف متوجہ ہوتے۔

صحیح بخاری کتاب التفسیر کی ایک روایت سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے۔ عمر بن سعیدؒ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں مجھے ابن ابی ملیکہ نے اطلاع دی اور کہا کہ ہم حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا تمہیں ابن الزبیر رضؓ کی اس بات سے تعجب نہیں ہوتا کہ وہ اپنی خلافت کی یہ تحریک لے کر اٹھے تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے ایسی پابندی نہ حضرت ابوبکر رضؓ کی نہ حضرت عمر رضؓ کی حالانکہ وہ ہر طرح اور ہر بھلائی کے ان سے زیادہ مستحق تھے۔ میں نے سوچا تھا کہ وہ نبیؐ کی پھوپھی کے بیٹے حضرت زبیر رضؓ کے فرزند ہیں۔ حضرت خدیجہ رضؓ کے بھتیجے ہیں۔ حضرت عائشہ رضؓ کے بھانجے ہیں لیکن وہ تو میرے مقابلے میں اکڑے ہی چلے گئے۔ اور وہ نہیں چاہتے کہ میرا ان سے تعلق ہو۔ میرے خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ میں اپنے آپ کو اس طرح ان کے سامنے پیش کروں گا اور وہ ٹھکرا دیں گے۔ میں تو سمجھتا ہوں ان کے پیش نظر بھلائی نہیں۔

صحیح مسلم کی ایک روایت کا مفہوم ہے کہ ابو نوفل نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضؓ کی معیت میں حضرت ابن زبیر رضؓ کی نعش کو سولی پر لٹکا ہوا دیکھا تو ابن عمر رضؓ نے بڑے افسوس [illegible] بار فرمایا کہ میں نے تمہیں اس کا[illegible] روکا تھا۔

ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی یہ تحریک ایک شخصی تحریک تھی ہو سکتا تھا کہ آپ حصین بن نمیر رضؓ کے ساتھ شام چلے جاتے تو امر خلافت آپ پر مستحکم ہو جاتا مگر آپ نے یہ موقعہ ضائع کر دیا اور روافض کی تقلید میں سیوطی اور خلافت ملوکیت

کے مصنف کو بھی اموی خلافت کے خلاف دروغ راویوں کے سہارے حضرت ابن الزبیر رضؓ کو خلیفۂ حق لکھنے میں شرم نہ آئی۔ آخر مرج راہط کے مقام پر امر خلافت حضرت امیر مروان رضؓ کے ہاتھ پہ مستحکم ہو گیا۔

تاریخ کی اس سٹیج پر بھی ہمیں خلافت بلافصل کی آواز کسی گوشہ سے سننے میں نہیں آتی۔

اس سے پہلے خوارج بھی اپنی خلافت کا اعلان کر کے نہروان کے مقام پر حضرت علی رضؓ کے ہاتھ سے شکست فاش کھا چکے تھے۔ یہ لوگ اپنے عقائد میں سخت متشدد، متقی، متورع، عابد، پرہیزگار، صائم الدھر، قائم اللیل، رحمدل رقیق القلب ہونے کے ساتھ ساتھ ظالم، اکھڑ مزاج، خودسر، خودرائے اور آزاد منش تھے۔ یہ لوگ آب و آتش کا بے مثال نمونہ تھے۔ ان کا نعرہ تھا۔ لاحکم الا اللہ ـــ صحیح اسلامی جمہوریت کے داعی تھے۔ اگر خلافت بلافصل کا معمولی سا تصور بھی ان کے سامنے ہوتا تو وہ ہرگز لاحکم الا اللہ کا نعرہ نہ لگاتے۔

حضرت علی رضؓ نے خود کسی مقام پہ خلافت بلافصل کا دعوای نہیں کیا تھا حضرت حسن رضؓ نے تو حضرت معاویہ رضؓ کے حق میں دستبردار ہو کر اس نظریہ کو بیخ و بن سے ہی اکھاڑ کر پھینک دیا تھا۔ حضرت حسن رضؓ کی زبان سے بھی کبھی خلافتِ بلا فصل کی کی صدا نہیں نکلی۔

عبداللہ بن عباس کے نہاں خانہ دماغ میں بھی حصول خلافت کی آرزو پرورش پا رہی تھی جو وراثتہً عبداللہ السفاح تک پہنچی اور آخر اموی خلافت کے مزار پر عباسی خلافت کا قصر تعمیر ہوا۔ اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ خلافت بلافصل کا تصور بہت بعد کی پیداوار ہے۔

یہاں اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ سیدنا عثمان رضؓ کی شہادت پہ ختم ہو چکی تھی۔ سیدنا علی رضؓ اور سیدنا حسن رضؓ کے ہاتھ پر اجتماع خلافت نہ ہوا۔ سیدنا حسن رضؓ اپنی نام نہاد خلافت سے سیدنا معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہو گئے۔

اس تمام دوران میں ہمیں خلافت بلافصل کا شمہ بھی نظر نہیں آتا۔ ولو فرضنا

خلافت بلافصل کا دعویٰ درست بھی ہو اور اصحاب ثلاثہ رضؓ کے زمانہ میں علی رضؓ مجبور رہے ہوں۔ مگر اب علی رضؓ کو خلافت مل چکی ہے شیعان علی رضؓ کی تعداد بقول شیعہ اصحاب لاکھوں پر مشتمل ہے۔ علی رضؓ، قاتل عمرو بن عبدود ہیں فاتح خیبر ہیں۔ شاہ مرداں شیر یزداں قوتِ پروردگار ہیں،" مگر شیعہ کہتے ہیں کہ علیؓ اپنی خلافت کا تمام زمانہ اتنی کثیر تعداد میں ساتھیوں کے باوجود نہایت بے کسی سے گزارتے ہیں عجیب ذہنیت تھی شیعانِ علی رضؓ کی۔ ان کی اس بے وفایانہ سرشت نے علی رضؓ کو اس حد تک مجبور معذور کر کے رکھ دیا کہ کئی مدعیانِ خلافت پیدا ہو گئے کیا اُمت کا یہ تشتت و افتراق بالواسطہ شیعانِ علی رضؓ کا پیدا کردہ نہ تھا۔

اگر خلافت بلافصل کی لم کو صحیح ہی تسلیم کیا جائے تو آیئے ہم ذرا تعمق نظری کے پیمانے سے ان حالات کا جائزہ لیں جو نبی علیہ السلام کی وفات کے وقت فتنہ ارتداد کی صورت میں تمام اسلامی سٹیٹ میں چند دنوں بلکہ لمحوں کے اندر پیدا ہو گیا تھا۔ تو علی رضؓ کس طرح اس پر قابو پا سکتے تھے۔ جبکہ صرف دو تین مسلمان باقی رہ گئے تھے اور وہ بھی ایسے کہ جنہیں ایک دوسرے پر اعتماد ہی نہیں۔ کیا علی رضؓ اکیلے میدان میں نکل کر ان فتنوں کا انسداد کرتے۔ حالانکہ ہزاروں کی جمعیت کی موجودگی میں ان کے شیعوں نے انہیں کچھ نہ کرنے دیا۔ معاذ اللہ، معاذ اللہ ثم معاذ اللہ مگر اس گروہ "منافقین" نے جو کچھ کیا وہ تاریخ عالم کا سب سے تابناک ترین باب ہے اور ہم تم اور یہ مراکش سے انڈونیشیا تک اللہ کے فضل وکرم سے اُنہیں کی محنت، ہمت، جرأت، شجاعت، استقامت، عدالت، تقویٰ، زُہد اور اولوالعزمی کے ثمرات سے متمتع ہو رہے ہیں۔

تحقیق حدیث مدینۃ العلم

شیعہ کہتے ہیں :۔

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے علی رضؓ ہیں اور فصل خصومات علم دین کو مستلزم ہے۔"

مگر حدیث "اقضاکم علی" کی کوئی اسناد معلوم نہیں تاکہ اس سے احتجاج کیا جا سکے۔ اس سے یہ حدیث صحیح تر ہے کہ حضرت معاذ رضؓ حلال وحرام کے بہت بڑے عالم ہیں۔ حلال وحرام کا علم دین اسلام میں بڑی اہمیت رکھتا ہے شیعہ کی ذکر کردہ حدیث سنن مشہورہ اور معروف مسانید میں بسند صحیح یا ضعیف کے ساتھ مندرج ہی نہیں۔

یہ روایت جس طریقہ سے مروی ہے اس میں متہم بالکذب راوی پائے جاتے ہیں یہ حضرت عمر رضؓ کا قول ہے کہ علیؓ اقضانا (علی رضؓ صحابہ میں ایک بڑے قاضی تھے) اقضاء فصل خصومات کو کہتے ہیں۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ فیصلہ حقیقت حال کے برعکس صادر کیا جاتا ہے۔ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

"تم میرے پاس خصومات کے لیے آتے ہو اس بات کا احتمال ہے کہ تم میں سے ایک شخص اپنا نقطۂ نظر وضاحت سے بیان کر سکتا ہو اور میں اس کے حق میں فیصلہ صادر کر دوں۔ یاد رکھو جس شخص کو میں نے اس کے مسلمان بھائی کے حق میں سے کچھ حصہ دے دیا تو میں نے اسے دوزخ کا قطعہ الاٹ کر دیا۔"

اس حدیث میں سالارِ رسل صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح کیا کہ آپ کے حکم دینے سے نہ حلال چیز حرام ہو جاتی ہے اور نہ حرام چیز حلال ٹھہراتی ہے۔

شیعوں کی طرف سے دوسری حدیث "انا مدینۃ العلم وعلیٌ بابھا" پیش کی جاتی ہے مگر یہ بھی حد درجہ ضعیف ہے اگرچہ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے تاہم یہ موضوعات میں شمار کی جاتی ہے۔ ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ اس کے جملہ طرق موضوع ہیں۔ اس کا متن خود اس کے موضوع ہونے کی شہادت دیتا ہے جب آپ کی ذات علم کا شہر ہوئی اور اس کا دروازہ صرف ایک (حضرت علی رضؓ) ہوا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ آنحضور کے اقوال وارشادات کے مبلغ صرف حضرت علی رضؓ ہوں گے۔ اس کا دین اسلام کا فساد لازم آتا ہے اس بات پر مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ آنحضورؐ کے اقوال وارشادات کو لوگوں تک پہنچانے والے اتنے کثیر التعداد لوگ ہونے چاہئیں کہ جن سے خبر متواتر حاصل ہو اس لیے کہ خبر واحد سے وہ

علم حاصل نہیں ہوتا جو قرآن اور احادیث متواترہ سے حاصل ہوتا ہے۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں بعد تحقیق کے یہ بات معلوم ہوئی کہ باب العلم والی حدیث کسی جاہل زندیق نے محض مدح علی رض میں گھڑ ماری ہے۔ حالانکہ اس نے اسلام میں نقص لازم آتا ہے۔

علامہ سخاوی کہتے ہیں۔ اس روایت کے صحیح ہونے کی قطعاً کوئی وجہ نہیں۔

ملا علی قاری کہتے ہیں امام ابن معین فرماتے ہیں کہ یہ جھوٹ محض ہے قطعاً اس کی کوئی اصل نہیں۔ اسی طرح امام ابوحاتم رازی اور یحییٰ بن سعید کی تحقیق ہے۔ ذہبی وغیرہ نے اسے موقوف قرار دیا ہے ابن دقیق العید کہتے ہیں یہ روایت قطعاً ثابت نہیں۔

دارقطنی کہتے ہیں بے اصل افسانہ ہے (موضوعات کبیر)

جلال الدین سیوطی اسے منکر کہتے ہیں۔ امام بخاری اس کی اصلیت کے منکر ہیں امام ذہبی من گھڑت کہتے ہیں۔ (کتاب الحاوی جلد ۲ ص۳۳ طبع اول ۱۹۰۰ء)

شاہ ولی اللہ جو "ردالشمس" کی روایت کے مؤید ہیں وہ کہتے ہیں اس کی سند میں ایک جماعت راویوں کی مجہول الحال اور مفقود الخبر کھڑی ہے۔

شاہ عبدالعزیز جو "النظر الی وجہ علی عبادۃ" کی تک سے اپنے آپ کو نہ بچا سکے "انا مدینۃ العلم" کے متعلق وہ بھی لکھتے ہیں کہ جن اکابر محدثین نے اسے لغو اور مردود قرار دیا ہے ان میں امام نووی، علامہ شمس الدین، علامہ ذہبی۔ امام جزری کے نام خاص طور پر مشہور ہیں۔ (تحفہ باب الامت ۲۴۴)

حافظ مقدسی المعروف علامہ قیسرانی ۵۰۷ھ کہتے ہیں اس روایت کا ایک راوی ابوصلت ہروی دوسرا عثمان بن خالد تیسرا اسماعیل بن محمد بن یوسف ہے اور یہ سب کے سب کذاب اور مفتری ہیں (تذکرۃ الموضوعات باب الالف ص۳۵)

ابوصلت ہروی رافضی ہے۔ (ایضاً ص۳۵)

ذہبی نے ابوصلت کو کٹر رافضی کہا ہے۔ محدث العقلی نے رافضی خبیث کہا ہے۔ امام ابن عدی نے متہم بالکذب اور نسائی نے غیر ثقہ اور دارقطنی نے خبیث رافضی کہا ہے۔ (میزان الاعتدال جلد ۲ ص۱۳)

امام احمد کہتے ہیں اللہ اسے ذلیل کرے (اللالی جلد ۱ ص۳۴)

علماء دیوبند میں سے مولانا مدنی رح کہتے ہیں۔ یہ روایت نہ تو صحیحین میں ہے اور نہ روایت کرنے والے اس کی تصحیح فرماتے ہیں۔ ترمذی نے بھی روایت کرنے کے بعد کلام کیا ہے۔

مولانا انور شاہ بھی اس کی صحت کو تسلیم نہیں کرتے۔

(ماخوذ از مکتوبات شیخ الاسلام حصہ اول بحوالہ میثاق ستمبر، اکتوبر ۱۹۷۶ء ص۱۴)

مگر رفض سے متاثر ذہنوں کا کیا علاج - دور حاضرہ کے بزعم خویش ایک دیوبندی شیخ الحدیث اس روایت کی صحت پر زور دیتے دیتے یہاں تک بڑھ گئے کہ سلاسل اربعہ کے متعلق کہہ اٹھے کہ چاروں سلسلے سیدنا علی رض پر منتہی ہوتے ہیں جن لوگوں کا یہ ادعا ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ سیدنا صدیق اکبر رض پر منتہی ہوتا ہے انہیں مبارک ہو۔[1]

اگر شیعہ کہیں کہ علی رض اگرچہ واحد ہیں مگر معصوم ہیں اس لیے آپ کی خبر سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ شیعہ پہلے آپ کا معصوم ہونا ثابت کریں۔ حضرت علی رض کی معصومیت ان کے اپنے اقوال ہی سے ثابت نہیں ہوتی۔ اجماع سے بھی آپ کا معصوم ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اس لیے آپ کی معصومیت پر اجماع منعقد نہیں ہوا۔

یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں کہ آنحضور ﷺ نے کتاب وسنت کا جو علم اکناف عالم میں پھیلایا تھا اس سے سب کرۂ ارضی معمور ہو چکا ہے حالانکہ حضرت علی رض کی منفرد روایات آنحضور ﷺ سے حد درجہ قلیل ہیں۔ پھر یہ بات کیونکر صحیح ہو سکتی ہے کہ حضرت علی رض ہی آنحضور ﷺ کے علم کا واحد دروازہ تھے۔

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ مدینہ میں اجل التابعین وہ تھے جو خلافت فاروقی وعثمانی رض کے تربیت یافتہ تھے نہ کہ علوی خلافت کے۔ حضرت معاذ نے تابعین اور اہل یمن کو جو تعلیم دی وہ حضرت علی رض کی تعلیمات سے بہت بڑھ کر تھی۔ جب حضرت علی رض وارد کوفہ ہوئے تو وہاں جلیل القدر تابعین کی خاصی تعداد موجود تھی۔ مثلاً

---

[1] اس سلسلہ میں راقم کی ان سے طویل خط وکتابت ہو چکی ہے جو محفوظ ہے انشاء اللہ ضرور شائع ہوگی۔

شریح وعبیدہ وعلقمہ ومسروق اور ان کے نظائر وامثال۔

امام محمد بن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"روافض کہتے ہیں کہ حضرت علی رضؓ اعلم الناس تھے۔ حالانکہ یہ جھوٹ ہے کسی صحابی رضؓ کے علم کا پتہ اس بات سے چلتا ہے کہ اس کے فتاویٰ وروایات کی تعداد کس قدر ہے اور آنحضورؐ نے کس حد تک اسے مختلف کاموں پر مامور کیا۔

جب ہم نے اس بات کو جانچ پرکھ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ آنحضورؐ نے حضرت ابوبکر رضؓ کو اپنی بیماری کے دوران امام صلوٰۃ مقرر کیا تھا۔ حالانکہ اس وقت حضرت عمر رضؓ وعلی رضؓ وابن مسعود رضؓ وابی بن کعبؓ اور دیگر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم موجود تھے غزوۂ تبوک کو جاتے وقت جب آپ نے حضرت علی رضؓ کو اپنا نائب مقرر کیا تھا وہ اس سے مختلف ہے اس لیے کہ مدینہ میں اس وقت صرف عورتیں اور بچے رہ گئے تھے ان کی ضروریات پورا کرنے کے لیے نبی علیہ السلام نے ان کو مدینہ میں چھوڑا مگر چند افراد نے کہنا شروع کر دیا کہ علی رضؓ کو نکما سمجھ کر پیچھے چھوڑا گیا ہے۔ سیدنا علی رضؓ سے یہ سن کر برداشت نہ ہوسکا اور نبی علیہ السلام کی ہدایت کے خلاف عورتوں اور بچوں کو بغیر کسی نگہداشت کے مدینہ میں چھوڑ کر آپ کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ جب نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آنحضرت کے پوچھنے پر حقیقت حال بیان کی۔ اسی موقع پر نبی علیہ السلام نے فرمایا تھا۔

"تم میرے لیے ایسے ہو جیسے موسیٰؑ کے لیے ہارونؑ تھے۔"

نبی علیہ السلام کے اس ارشاد کا مفہوم واضح ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی عدم موجودگی میں ہارون علیہ السلام قوم کو قابو میں نہ رکھ سکے اور سب گوسالہ پرستی میں مصروف ہو گئے۔ نبی علیہ السلام کی عدم موجودگی میں علی رضؓ بھی اپنے فرائض سے عہدہ برآ نہ ہو سکے۔ اس نیابت کو سیدنا علی رضؓ کی فضیلت کیسے سمجھا جا سکتا ہے جس کی ذمہ داریوں سے وہ عہدہ برآ ہی نہ ہو سکے۔

مگر حضرت ابوبکر رضؓ کو امام مقرر کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ دیگر صحابہ کی نسبت نماز کے مسائل سے زیادہ واقفیت رکھتے تھے اور نماز دین اسلام کا رکن اعظم ہے۔ علاوہ ازیں آنحضورؐ نے حضرت ابوبکر رضؓ کو امیر حج مقرر کیا تھا

اور زکوٰۃ کی فراہمی کے لیے عامل بھی بنایا تھا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان مسائل کو دیگر صحابہ رضؓ کی نسبت بہتر طور پر جانتے تھے علاوہ ازیں آنحضور نے حضرت ابوبکر رضؓ کو لشکر کا سپہ سالار بھی بنایا تھا اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ آپ دیگر مجاہدین کی طرح جہاد کے احکام ومسائل سے بھی آگاہ تھے غرضیکہ تمام امورات میں حضرت ابوبکر رضؓ کا مقام بلند تھا۔

جب علمی مسائل صلوٰۃ وزکوٰۃ اور حج کے احکام میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضؓ پر تفوق ثابت ہو گیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاد کے مسائل جاننے میں آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پیچھے نہ تھے تو اس سے آپ کا علمی پایہ واضح ہو جاتا ہے۔

حضرت ابوبکر رضؓ سفر وحضر میں آنحضورؐ کی صحبت ورفاقت میں رہا کرتے تھے اور اس طرح آنحضورؐ کے فتاویٰ واحکام سے بذات خود آگاہ تھے۔ بنا بریں آپ احکام ومسائل سے زیادہ واقفیت رکھتے تھے۔ علم کا کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جس میں حضرت ابوبکر رضؓ دوسروں پر فائق نہ ہوں یا کم از کم اس میں دوسروں کے برابر نہ ہوں۔ جہاں تک روایت وفتویٰ کا تعلق ہے آپ کو اس کی ضرورت بہت کم پیش آئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضورؐ کی وفات کے صرف اڑھائی سال بعد حضرت ابوبکر رضؓ کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس قلیل عرصہ میں روایت وفتویٰ کی ضرورت بہت کم پیش آئی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے ایک سو چالیس احادیث مروی ہیں۔ آپ کے فتاویٰ اس پر مزید ہیں۔ بخلاف ازیں حضرت علی رضؓ سے پانچ سو چھیاسی احادیث مروی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت علی رضؓ آنحضورؐ کے تیس سال بعد تک زندہ رہے۔ اس طویل عرصۂ حیات میں بکثرت لوگوں سے ملنے کی نوبت آئی۔ چونکہ اکثر صحابہ رضؓ فوت ہو چکے تھے اس لیے لوگوں نے آپ کے علم سے استفادہ کی ضرورت محسوس کی چنانچہ مدینہ وبصرہ وکوفہ وصفین کے لوگوں نے آپ سے علمی مسائل دریافت کیے۔

جب ہم ان تاریخی حقائق پر ایک نگاہ ڈالتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضؓ آنحضورؐ کے بعد بہت کم عرصہ زندہ رہے اس کے برخلاف حضرت علی رضؓ نے طویل زندگی پائی اور مختلف شہروں میں سکونت پذیر رہے اور وہاں کے رہنے والوں نے آپ سے

احکام ومسائل روایت کیے۔ دوسری طرف حضرت ابوبکر رضؓ جم کر مدینہ میں رہے اور کہیں اِدھر اُدھر نہ گئے۔ پھر یہ کہ آپ کے عہد خلافت میں لوگوں کو مسائل دریافت کرنے کی ضرورت بہت کم لاحق ہوا کرتی تھی کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے۔ ان حقائق کے پیش نظر جب ہم حضرت ابوبکر رضؓ کی مرویات وفتاوٰی کا حضرت علی رضؓ کی روایات کردہ احادیث وفتاوٰی کے ساتھ تقابل کریں تو ہر صاحب علم پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ حضرت ابوبکر رضؓ علم وفضل میں بدرجہا حضرت علی رضؓ پر فائق تھے اگر اڑھائی سال میں صدیق اکبر رضؓ کی مرویات کی تعداد ۱۴۰ ہے تو سیدنا علی رضؓ کی مرویات کی تعداد ۱۶۸۰ بلکہ اس سے دُگنی ہونی چاہیئے تھی۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ رضؓ میں جو قلیل العمر تھے ان کی مرویات کی تعداد طویل عمر پانے والوں کی نسبت بہت کم ہیں حضرت عمر رضؓ مدینہ میں سکونت پذیر تھے۔ آپ ملک شام بھی گئے تھے۔ آپ کی مرویات کی تعداد (۵۳۷) ہے یہ تعداد حضرت علی رضؓ کی مرویات کے لگ بھگ ہے۔ حضرت عمر رضؓ کی وفات حضرت علی رضؓ سے سترہ سال قبل ہوئی تھی۔ ہنوز بہت سے صحابہ رضؓ بقید حیات تھے۔ حضرت عمر رضؓ کے بعد طویل عرصہ زندہ رہنے کے باوصف حضرت علی رضؓ نے صرف ۹۴ احادیث حضرت عمر رضؓ سے زیادہ روایت کی ہیں۔

احادیث صحیحہ کا اعتبار کیا جائے تو حضرت علی رضؓ کی صرف ایک یا دو روایتیں حضرت عمر رضؓ سے زیادہ ہیں فقہی مسائل میں حضرت عمر رضؓ کے فتاوٰی حضرت علی رضؓ کے مسائل وفتاوٰی کے مساوی ہیں۔ جب ہم حضرت عمر رضؓ وعلی رضؓ دونوں کی مدت حیات اور سیاحت بلاد کا موازنہ کریں اور اس کے پہلو بہ پہلو ان کی مرویات فتاوٰی کا بھی تقابل کریں تو ہر سلیم العقل آدمی یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوگا کہ حضرت عمر رضؓ علم وفضل میں حضرت علی رضؓ سے بڑھ کر تھے۔

چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زمانہ کے اعتبار سے متاخر تھیں اس لیے آپ کی مرویات دو ہزار سے بھی کچھ زیادہ ہیں۔ حضرت ابن عمر رضؓ اور انس رضؓ کی روایات بھی اس کے لگ بھگ ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ سے پانچ ہزار احادیث مرفوعہ

اور تین صد احادیث غیر مرفوعہ روایات کی گئی ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضؓ کی مرویات کی تعداد آٹھ صد سے زائد ہے۔

حضرت ابن مسعود رضؓ حضرت عائشہ رضؓ اور ابن عمر رضؓ کے فتاوٰی حضرت علی رضؓ کے فتاوٰی سے زیادہ ہیں۔ کیونکہ یہ صحابہ رضؓ حضرت علی رضؓ کے بعد بھی زندہ رہے اسی طرح ابن عباس رضؓ کی مرویات دو ہزار پانچ صد سے زیادہ ہیں ان کے فتاوٰی وتفسیری اقوال کا تو کوئی شمار ہی نہیں۔ لہٰذا روافض کا قول باطل ٹھہرا یہ درست ہے کہ آنحضور صؐ نے حضرت علی رضؓ کو عامل مقرر کیا تھا اور یہ عہدہ اصحاب علم ہی کو تفویض کیا جاتا ہے۔ مگر اس میں سیدنا علی رضؓ کے لیے خصوصیت کی کوئی بات نہیں نبی علیہ السلام نے حضرت معاذ رضؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری کو بھی اسی عہدہ پر فائز کیا۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ آٹھ امویوں کو اس عہدہ پر فائز کیا۔

عتاب بن اسید اموی کو ۲۰ سال کی عمر میں مکہ کا عامل بنایا۔ ابوسفیان رضؓ بن حرب کو نجران کا، یزید، ابی سفیان رضؓ برادر امیر معاویہ رضؓ کو تیما حکم بن سعید اموی کو وادی القرای۔ ابان بن سعید اموی کو بحرین۔ امیر معاویہ بن ابی سفیان رضؓ کاتب وحی کو حضر موت، خالد بن سعید کو صنعا، عمرو بن سعید کو قرای عرفہ اور تبوک وخیبر کا عامل بنایا۔

میں کہتا ہوں کہ نبی علیہ السلام اپنی فراست نبوت کی روشنی میں امویوں کو مستقبل کی فتوحات اور خدمات اسلام کے لیے تیار کر رہے تھے۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے۔

"حضرت علی رضؓ نہایت ذہین وفطین اور علم کے بہت بڑے حریص تھے بچپن سے لے کر وفات تک آنحضور صؐ کی صحبت میں رہے"

ہم کہتے ہیں یہ بات کیسے ثابت ہوئی کہ حضرت علی رضؓ حضرت ابوبکر رضؓ وعمر رضؓ سے زیادہ ذہین اور ان سے زیادہ شائق علم تھے۔ بخاری ومسلم کی متعدد احادیث سے حضرت ابوبکر رضؓ وعمر رضؓ کے علم وفضل پر روشنی پڑتی ہے مثلاً حضرت ابوسعید خدری رضؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ لوگوں کو میرے سامنے پیش کیا جا رہا ہے انہوں نے قمیض پہن رکھی ہیں۔ بعض کی قمیض

سینہ تک پہنچتی ہیں اور بعض کی اس سے نیچے حضرت عمر رضؓ جب پیش کیے گئے تو وہ قمیض کا دامن کھینچتے ہوئے گزرے لوگوں نے پوچھا۔ پھر آپ نے اس کی کیا تعبیر کی؟ فرمایا قمیض سے دین مراد ہے۔

جب حضرت عمر رضؓ نے شہادت پائی تو حضرت ابن مسعود رضؓ نے کہا علم کے نو حصے رخصت ہو گئے اور ایک حصہ باقی رہا جس میں سب لوگ شریک ہیں۔

شیعہ مصنف لکھتا ہے۔

"بچپن میں جو علم حاصل کیا جائے وہ کالنقش فی الحجر ہوتا ہے۔ بنابریں حضرت علی رضؓ دوسروں سے بڑھ کر عالم ہوں گے۔ نیز اس لیے کہ آپ کے استاد (نبیؐ) ہر لحاظ سے کامل تھے اور شاگرد (علی رضؓ) میں قبول علم کی استعداد موجود تھی۔"

ہم کہتے ہیں۔ یہ ایک عامیانہ کلام ہے اور حدیث رسول نہیں ہے اقتضاء حدیث کے عین برخلاف صحابہ رضؓ نے کتاب وسنت کا علم بڑی عمر میں سیکھا تھا تاہم اللہ تعالیٰ نے ان پر اس کی تحصیل آسان کر دی تھی۔ حضرت علی رضؓ کا بھی یہی حال ہے۔ ابھی وحی تکمیل پذیر نہیں ہوئی تھی کہ حضرت علی رضؓ کی عمر تیس سال کو پہنچ گئی۔ آپ نے قرآن بڑی عمر میں یاد کیا تھا اس میں اختلاف ہے کہ آیا حضرت علی رضؓ کو پورا قرآن یاد تھا یا نہیں؟ دوسری طرف حضرت ابوہریرہ رضؓ کو دیکھیے انہوں نے صرف تین سال کے عرصہ میں جو کچھ یاد کر لیا تھا۔ دوسرے صحابہ رضؓ وہ طویل عرصہ میں بھی یاد نہ کر سکے تھے۔

حضرتِ حسن رضی اللہ عنہ، شیعوں کے دوسرے مزعومہ امام

امامِ اوّل حضرت علی رضؓ کی نسبت شیعوں کی تعداد اضعافاً مضاعفہ ہو چکی تھی۔ منقول ہے کہ بمقابلہ امیر معاویہ رضؓ صرف کوفہ کے چالیس ہزار تنخواہ دار شیعوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ اسی قدر ان کے فرزندان واتباع ان کے ساتھ تھے (جلاء العیون ص۳۳۵)

یہ تعداد گویا اسی ہزار تھی۔ مگر حضرت علی رضؓ چونکہ اپنے شیعوں کی سرشت سے

واقف تھے اس لیے امام حسن رضؓ کو آخری وقت وصیت کرتے ہیں کہ:

"اے فرزند! جب میں دنیا سے مفارقت کروں اور میرے اصحاب تم سے موافقت نہ کریں تو لازم ہے کہ تم خانہ نشین رہنا۔"

(جلاء العیون باب۳ فصل ۳ ص۲۴۱)

مزعومہ استقلال خلافت کے بعد آپ نے کوفہ کی جامع مسجد میں منبر پر تشریف فرما ہو کر حمد وثنا کے بعد معاویہ رضؓ سے جہاد کا حکم دیا تو کسی نے جواب نہ دیا۔ آخر عدی بن حاتم نے کھڑے ہو کر کہا سبحان اللہ! تم کیسے فرقۂ ناہنجار ہو تم کو رسول خدا کے فرزند جہاد کا حکم دیتے ہیں اور تم قبول نہیں کرتے۔ کیا ہوئے تمہارے شجاع۔ آیا تم لوگ خدا کے غضب سے نہیں ڈرتے اور ننگ وعار کی پرواہ نہیں کرتے۔

یہ سن کر ایک گروہ نے ساتھ دیا۔ ان سے امام نے فرمایا اگر سچ کہتے ہو تو جانب نخیلہ میرا لشکر ہے وہاں جاؤ اور مجھے معلوم ہے کہ تم اپنے قول پر وفا نہ کرو گے۔ جس طرح اس سے وفا نہ کی جو مجھ سے بہتر تھا (یعنی علی رضؓ) اور میں تمہارے قول پر کیونکر اعتماد کروں۔ حالانکہ میں نے دیکھا ہے کہ جو کچھ تم نے میرے باپ کے ساتھ سلوک کیا تھا پس امام منبر سے اترے اور سوار ہو کر لشکر گاہ کی طرف تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر دیکھا کہ جن لوگوں نے اظہار اطاعت کیا تھا ان میں سے اکثر نے اپنے قول پر وفا نہ کی اور حاضر نہ ہوئے۔ اس پر امام حسن رضؓ نے خطبہ دیا۔ اور فرمایا مجھے فریب دیا تم نے جس طرح اپنے پہلے امام کو تم نے دغا دی۔ نہیں معلوم تم لوگ میرے بعد کس امام سے مقابلہ کرو گے۔ (جلاء العیون باب۴ فصل ۵ ص۳۱۲)

گویا حضرت حسن رضؓ کی مومنانہ فراست نے انہیں سمجھا دیا تھا کہ میرے بعد بھی یہ لوگ ضرور اپنے امام سے قتال کریں گے۔ یہ سب کچھ ہو کر رہا کہ ان لوگوں نے امام حسین رضؓ کو شہید کرنے پر ہی اکتفا نہ کی بلکہ ہر امام کی مخالفت پر بیش از پیش عمل پیرا رہے اور اکثر ائمہ کو انہوں نے خود شہید کیا۔

اب اکثر تو علی الاعلان حضرت حسن رضؓ کا ساتھ چھوڑ کر الگ ہو گئے اور جو باقی رہے وہ بھی دن کے وقت امام کے لشکر میں رہتے ہیں اور رات کے وقت معاویہ رضؓ سے جا ملتے ہیں۔ چنانچہ ملا باقر مجلسی کہتا ہے کہ معاویہ رضؓ نے ان کے نام اور ان کی

چھٹیاں جو انہوں نے معاویہ رضؓ کو لکھی تھیں لفافہ میں بند کر کے حضرت حسن رضؓ کے پاس بھیجیں اور لکھا کہ تمہارے اصحاب نے تمہارے باپ سے دغا کی تو تم سے کب وفا کریں گے (جلاء العیون ص۳۱۴)

حضرت عباس رضؓ بقول ملا باقر مجلسی شیعہ تھے۔ چنانچہ لکھتا ہے کہ:
"نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عزت کرتے۔ ان کی تعظیم فرماتے اور کہتے کہ عباس رضؓ بمنزلہ میرے باپ کے ہیں[1]۔ (مجالس المومنین مجلس ۳)

انہیں عباس رضؓ کے بیٹے عبداللہ کے متعلق معاویہ رضؓ نے چاہا کہ امام کی رفاقت سے علیحدہ کریں۔

پس اس نے ابن عباس رضؓ کو درہم و دینار کا لالچ دیا اور بشیر نقدان کے پاس بھیجا اور نصف بوقت ملاقات دینے کو کہا جب رات ہوئی تو ابن عباس رضؓ اپنے چند دربانوں کے ساتھ سوار ہو کر امام کی رفاقت چھوڑ کر معاویہ رضؓ کی طرف چل دیئے صبح لوگ جماعت کے منتظر تھے مگر ابن عباس رضؓ کو نہ پایا تو قیس ابن سعد نے امامت کی جب امام نے اپنے خواص کا یہ حال دیکھا کہ وہ ایسی بے وفائیاں کرتے ہیں تو ان کی آنکھ کھلی اور خبر ہوئی کہ قوم کے سردار ہی ان کو رسوا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ (بحار الانوار جلد دہم) اہل سنت ایسی خرافات پر لعنت بھیجتے ہیں۔

حضرت امام نے اپنے لشکر کو آزمانا چاہا مگر لشکر والوں نے یہ جان کر کہ آپ معاویہؓ سے صلح کر لیں گے راستہ میں غدر کر دیا۔ حتیٰ کہ ایک شخص آپ کا مصلے لے کر بھاگ نکلا اور دوسرے نے آپ کی ران پر کلہاڑی ماری۔

ایک بار امام حسن رضؓ نے اپنے لشکر میں خطبہ دیا کہ میں مسلمانوں کے اتحاد کو پراگندگی

---

[1] انہیں عباس رضؓ کے متعلق دوسرے مقام پر بقول حضرت علی رضؓ بیان کیا گیا ہے کہ میرے اہل بیت کے وہ لوگ جاتے رہے جن کی قوت کا خدا کے دین میں مجھے بھروسہ تھا۔ اب قریب زمانہ جاہلیت کے دو خوار صرف عقیل رضؓ و عباس رضؓ رہ گئے ہیں (علامہ طبری)
اور سنیئے۔ فضیلہ مادر عباس کنیز مادر زبیر و ابوطالب و عبداللہ ابنائے عبدالمطلب بود عبدالمطلب باو مقاربت کرد کہ عباس انہاں بہم رسید، زبیر با عبدالمطلب دعویٰ کرد (بقیہ اگلے صفحہ پر)

سے بہتر جانتا ہوں یہ سن کر وہ لوگ آپس میں کہنے لگے کہ ان کو معاویہ رضؓ سے صلح کرنی منظور ہے اور منصب خلافت معاویہ رضؓ کے سپرد کرنا چاہتے ہیں پس سب نے یہ کہہ کر کہ "یہ شخص مثل پدر کافر ہو گیا ہے" بلوہ کر دیا۔ اور امام کا اسباب لوٹ لیا۔ امام کے نیچے سے جائے نماز کھینچ لی۔ دوش مبارک سے چادر اتار لی۔ امام گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے اہل بیت اور قلیل تعداد شیعوں کو ہمراہ لے کر ساباط مدائن پہنچے تو جراح بن سنان اسدی نے لگام پکڑ کر ران یا پہلوئے امام پر ایسا خنجر مارا کہ استخوان تک شگاف ہو گیا اور اس شقی نے کہا کہ تم مثل پدر کافر ہو گئے ہو (جلاء العیون ص۳۱۳)

امام حسن رضؓ نے معاویہ رضؓ سے صلح کی شیعہ ان کی خدمت میں آئے اور بعض ان میں سے ملامت کرنے لگے۔ (جلاء العیون)

امام حسن رضؓ نے مدائن میں اپنے مقرر کردہ عامل سعد بن مسعود رضؓ کے ہاں جو مختار ثقفی کا چچا تھا قیام کیا۔ مختار[1] نے اپنے چچا سے کہا چلو ہم امام حسن رضؓ کو معاویہ کے سپرد کر دیں شاید اس کے عوض میں ہمیں عراق کی حکومت مل جائے (جلاء العیون)

امیر معاویہ رضؓ سے صلح کرنے پر شیعہ امام سے از حد ناراض ہو گئے۔ چنانچہ سفیان بن لیلیٰ شیعہ نے ان الفاظ میں سلام کیا "السلام علیک اے ذلیل کنندہ مومناں" (جلاء العیون ص۳۲۴)

عام شیعہ تو درکنار حضرت امام حسینؓ پکار اٹھے لو جزانفی لکان احب الی ما فعلہ اخی (کشف الغمہ) یعنی جو کچھ میرے بھائی نے کیا اس سے اگر میری ناک کاٹ ڈالی جاتی تو بہتر تھی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) یہ پرخاش برآمد کہ ایں کنیز از مادر ما بما میراث رسیدہ است، تو بے رخصت با و مقاربت کردی (ایں فرزند یکہ عباس) بہم رسید بندہ ما است (حیاۃ القلوب)
امام زین العابدین کی زبانی یہ روایت بھی منقول ہے کہ من کان ھٰذہٖ اعمیٰ فھو فی الاخرۃ اعمیٰ عبداللہ اور عباس کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

[1] یہی مختار ثقفی شیعوں کی کتب میں امیر مختار رحمۃ اللہ علیہ ہے اس کے حالات اپنے مقام پہ آئیں گے۔

کسی ایک شیعہ نے امام سے کہا کہ ہماری گردنوں کو آپ نے ذلیل کیا اور ہمیں بنو امیہ کا غلام بنا دیا۔ امام نے پوچھا کیسے؟ اس نے کہا خلافت آپ نے معاویہ رض کو دے دی۔ امام نے جواب دیا خدا کی قسم میں نے کسی کو مددگار نہ پایا۔ اگر کسی کو مددگار پاتا تو دن رات معاویہ رض سے جنگ کرتا لیکن میں نے اہل کوفہ کو پہچانا، آزمایا اور جان لیا کہ یہ لوگ ہمارے کام نہیں آئیں گے ان کی زبانیں میرے ہمراہ اور دل بنو امیہ کے ساتھ ہیں۔ (ایضاً باب ۴ فصل ۶ ص۳۳۶)

سلیمان بن صرد خزاعی نے امام سے کہا ہمارا تعجب معاویہ رض سے صلح کرنے سے برطرف نہیں ہوتا حالانکہ چالیس ہزار مردان کارزار اہل کوفہ آپ کے ساتھ تھے جو آپ سے تنخواہ لیتے تھے۔ اور اپنے گھروں میں تھے۔ اور اسی قدر ان کے فرزندان و اتباع آپ کے ہمراہ تھے بغیر ان لشکروں کے جو بصرہ اور حجاز میں تھے۔ باوجود اس کے آپ نے معاویہ رض سے پیمان محکم صلح نامہ میں نہ لیا۔ اور اس کے اور آپ کے درمیان ایسے چند عہد ہوئے جن پر لوگ مطلع نہ ہوئے (ایضاً باب ۴ فصل ۵ ص۳۲۵)

بالآخر امام نے ان صدہا معترضین کے جواب میں ایک خطبہ میں فرمایا۔ خدا کی قسم معاویہ رض میرے لیے بہتر ہے۔ اس جماعت سے جو دعوای کرتے ہیں کہ میرے شیعہ ہیں حالانکہ انہیں شیعوں نے میرے قتل کا ارادہ کیا اور مجھے غارت کیا۔ (ایضاً)

تبصرہ: امام دوم اپنے شیعوں سے نالاں ہیں۔ ان کے شیعہ انہیں کافر تک کہنے سے گریز نہیں کرتے۔ ان کے نیچے سے جائے نماز کھینچ لیتے ہیں۔ ان کی ران پر کلہاڑا مارتے ہیں۔ ان کے پہلو میں برچھا سے وار کرتے۔ ان کے دوش مبارک سے چادر کھینچ لیتے ہیں۔ ان سے گھر بیٹھے تنخواہیں لیتے ہیں۔ اور لڑائی سے پہلوتہی کرتے ہیں۔ آخر امام ان کی حرکتوں سے تنگ آکر کوفہ چھوڑ کر مدائن چلے جاتے ہیں اور وہاں مختار کے ارادہ سے مطلع ہو کر مدینہ میں جا کر گوشہ نشین ہو جاتے ہیں اور پھر لطف یہ کہ منصوص حق امامت معاویہ رض کے سپرد کر دیتے ہیں۔

اب حضرت حسن رض کی زندگی کے اس دور کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سنیئے:

"کہ میرا بیٹا مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کا موجب بنے گا"

اور انہیں مقدس کلمات پر اہل سنت کا ایمان ہے۔ یہ کتنی سیدھی سادی اور سچی تصویر ہے حضرت حسن رض کی اور اس وقت کے مسلمانوں کی راہں کے مقابلے میں کیا شیعیت کی دنیا کا حسن رض امام معصوم ہے

اور پھر شیعوں کے معصوم عن الخطا امام دوم کہتے ہیں معاویہ رض تمہاری نسبت میرے لیے بہتر ہے"

حضرت حسن رض کی زہر خورانی کا لغو قصہ

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق شیعوں کی تمام کتب اور شیعوں کی اکثر کتب میں یہ واقعہ بڑی اندوہگین داستان کے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ معاویہ رض اور یزید رح نے آپ کی زوجہ جعدہ بنت اشعث کے ذریعے آپ کو زہر دلوایا تھا باقی جھوٹی داستانوں کی اور من گھڑت روایتوں کی طرح اس داستان پر بھی وہ وہ حاشیہ آرائیاں کی گئیں ہیں کہ الاماں۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ کسی نے یہ نہیں لکھا کہ یہ روایت چلی کہاں سے ہے۔ ایک بار ابو جعفر منصور نے محمد مہدی الحسنی کے خروج کو فرو کرنے کے بعد ایک مجمع عام میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ علی خلیفہ ہوئے تو اس میں وہ خون سے لت پت ہو گئے۔ پھر انہیں کے مددگار شیعوں نے ان پر یورش کی اور انہیں قتل کر دیا۔ ان کے بعد حضرت حسن رض خلیفہ ہوئے مگر وہ اس میدان کے مرد ہی نہ تھے۔ انہیں روپیہ پیش کیا گیا تو وہ خلافت سے دستبردار ہو کر عورتوں سے تمتع کرنے میں مصروف ہو گئے۔ (ماخوذ از طبری)

زہر خورانی کی داستان سراسر جھوٹ اور کذب ہے میرے خیال میں ابو جعفر منصور نے جس انداز سے حضرت حسن رض کا ذکر کیا ہے اس سے بھی قلبی بغض اور عناد کی بو آتی ہے۔ اس کے بھائی نے مجمع عام میں یہ کہنے سے بھی گریز نہیں کیا تھا کہ خلافت ہمارا حق تھا سو ہم کو مل گیا۔ اور غاصبوں کو اللہ تعالیٰ نے رسوا کیا شیعوں نے سیدہ جعدہ پر اس لیے تہمت لگائی کہ وہ حضرت صدیق اکبر رض کی بھانجی تھیں اور حنفیوں کے میلاد میئے اور مولود دیئے اس لیے اس من گھڑت روایت کو لے

لے اڑے کہ وہ اکثر امورات اور نظریات میں شیعوں کے ہمنوا ہیں حضرت حسن رضؓ جیسا پُرامن، صلح کن اور آرام طلب آدمی جس نے خود ہی سب کچھ معاویہ رضؓ کے سپرد کر دیا تھا ایسے آدمی کو زہر دینے کی کسی کو کیا ضرورت تھی حضرت حسن رضؓ البتہ عورتوں کی صحبت کے دلدادہ تھے۔ مدائنی کہتا ہے کہ آپ نے نوے نکاح کیے۔ ابن سیرین نے ایک دفعہ بیان کیا کہ ایک خاتون سے نکاح کیا تو سو کنیزوں کے ذریعہ اسے روپیہ بھیجا اور ہر کنیز ایک ایک ہزار درہم (یعنی ایک ایک لاکھ روپیہ لے کر گئی (تاریخ الخمیس ج ۲ صـ۳۲۴)

حضرت معاویہ رضؓ کے ساتھ صلح کے وقت یہ بھی وعدہ ہوا تھا کہ کوفہ کے بیت المال کی تمام نقدی حضرت حسن رضؓ کو دے دی جائے۔ چنانچہ وہاں سے آپ کو پانچ کروڑ نقد ملا بیس لاکھ سالانہ وظیفہ تھا۔ یہ تمام کچھ خرچ کر دیتے بلکہ اکثر قرض لیتے۔
(تاریخ الخمیس صـ۳۲۶)

ملا باقر مجلسی نے جلاء العیون میں خوب بے پر کی اڑائی ہیں کہ حضرت حسن رضؓ نے دو سو پچاس عورتوں سے نکاح کیا۔ پھر خود ہی دوسری جگہ تین سو لکھتا ہے اور یہ نکاح حضرت علی رضؓ کی زندگی میں ہوئے۔ بعد کے متعلق کوئی علم نہیں چنانچہ ایک بار حضرت علی رضؓ نے منبر پر چڑھ کر فرمایا کہ حسن بہت زیادہ طلاق دیتے ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ ہماری لڑکیوں کا ایک رات ان کے گھر رہنا ہمارے لیے موجب شرف ہے۔
(ایضاً مطبوعہ تہران صـ۳۰۹ سطر ۶ ۱۳۴۴ھ)

ملا صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت حسن رضؓ نے جتنی عورتوں کو طلاقیں دی تھیں وہ سب آپ کے جنازہ پر ننگے سر روتی پیٹتی حاضر ہوئیں۔ ابن ابی الحدید نے ستر نکاح اور پروفیسر حتی نے سو بیان کیے ہیں۔

آپ کی موت کے متعلق تاریخ الخمیس میں ہے کہ بیماری سے چالیس دن بستر پر پڑے رہے (صـ۳۲۶ ج ۲)

دمیری نے مدت علالت دو ماہ بیان کی ہے، ذیابیطس کا عارضہ تھا اور شہد کا شربت پینے سے بڑھ گیا۔

ابن قتیبہ متوفی ۲۷۶ھ ابوحنیفہ دینوری متوفی ۲۸۱ھ صاحب المجر متوفی ۲۴۵ھ

نے زہر خورانی کا ذکر تک نہیں کیا۔ بلکہ ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے بے حساب موضوعات کو بڑے وثوق اور یقین سے بیان کیا ہے۔ اس نے بھی کہیں زہر خورانی کی طرف اشارہ نہیں کیا۔

زہر خورانی سے متعلق سب سے پہلا الہام مسعودی متوفی ۳۴۶ھ کو ہوا۔ گویا چوتھی صدی ہجری کے ربع اول تک حضرت حسن رضؓ کی زہر خورانی کا تصور تک کسی کے ذہن میں نہ تھا۔

مسعودی نے زہر خورانی کی داستان وضع کرتے وقت بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے لیکن کسی کا نام نہ مل سکا تو مجبوراً لکھنا پڑا اور کہا جاتا ہے کہ جعدہ نے معاویہ رضؓ کے ایماء سے حضرت حسن رضؓ کو زہر دیا تھا۔

كبرت كلمة تخرج من افواههم ان يقولون الا كذبا

حضرت حسین رضؓ اور ان کے شیعہ

سطور گذشتہ میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ امام حسن رضؓ نے فرمایا تھا کہ مجھے فریب دیا گیا ہے جس طرح اپنے پہلے امام کو تم نے دغا دی۔ نہیں معلوم میرے بعد تم کس امام سے مقاتلہ کرو گے۔ اب میدان کربلا میں۔ امام حسن رضؓ کی یہ پیشن گوئی پوری ہو کر رہی۔ آگے بڑھنے سے پہلے اس وقت کے شیعوں کی تعداد پر بھی نظر ڈال لیجیے۔

"ایک دفعہ امام حسن رضؓ نے برسر منبر فرمایا کہ خدا کے دو شہر ہیں ایک مشرق میں دوسرا مغرب میں اور ہر ایک میں قلعہ آہنی ہے اور ہر شہر میں ہزار ہزار دروازے سے ستر ہزار آدمی داخل ہوتے ہیں اور ہر شہر میں ہزار لغت ہیں۔ کہ ہر طائفہ ایک دوسرے سے جدا زبان میں کلام کرتا ہے اور میں ان سب کی زبانیں جانتا ہوں اور دونوں شہروں میں اور وہاں کے ساکنوں پر سوا میرے اور برادر حسین رضؓ کے کوئی دوسرا امام اور حجت نہیں۔"

(جلاء العیون باب ۲ فصل ۳ ناسخ التواریخ کتاب ۲ جلد ۲ صفحہ ۳۵۸، ۳۵۹)
جلاء العیون باب ۵ فصل ۱۲ صـ۴۲۹ فصل ۱۵ صـ۴۹۸ وفصل ۱۷ صـ۵۴۰ کے مطالعہ

سے معلوم ہوتا ہے کہ ان گنت انسان، افواجِ جنّہ حتیٰ کہ افواجِ ملائکہ بھی شیعہ تھے۔

کوفی کون تھے؟

اہلِ کوفہ کا سُنی ہونا خلافِ اصل اور محتاج بہ دلیل ہے۔
(مجالس المومنین مجلس اول قاضی نور اللہ)

کوفی سب شیعہ تھے اور ان کی تعداد چھ لاکھ تھی (خلاصۃ المصائب ص۲)

امام حسین رض کی اجازت سے حبیب بن مظاہر نے قبیلہ بنی اسد کے نوّے آدمیوں کو نصرتِ امام کے لیے راضی کیا۔ (جلاء العیون ص۴۵۹)

یزید بن مسعود نہشلی رئیس بصرہ نے ان کے ارشاد کے مطابق ان کی امداد کے لیے قبائل بنی سعد، بنی حنظلہ، بنی تمیم سے بیعت لی تھی (ایضاً باب ۵ فصل ۱۳ ص۴۴۲)

کربلا میں امام حسین رض کے مقابلہ پر شامی نہ تھے بلکہ کوفی تھے۔
(تلخیص مرقع کربلا صفحہ ۲۰-۲۱ خلاصۃ المصائب ص۲۰۱)

امام حسین رض کا تحریری وصیت نامہ جو امام عابد کے نام تھا۔ ان کے تندرست ہونے پر انہیں فاطمہ رض دختر حسین رض نے دیا۔ اس میں تحریر تھا کہ:-

"اے فرزند! جب تم قید سے چھوٹ کر مدینہ پہنچو تو ہماری طرف سے ہمارے دوستوں کو سلام کہنا۔ اور کہنا حسین نے تم سبھوں کے لیے پیاسے گلا کٹوایا۔ شرطِ دوستی یہ ہے کہ جب تم آبِ سرد پیو تو اس وقت ہماری بے کسی اور تشنگی کو یاد کر کے رونا" (خلاصۃ المصائب ص۱۲۳)

الغرض واقعہ کربلا کے وقت مدینہ سے کوفہ تک بلکہ مشرق و مغرب میں لاکھوں شیعہ موجود تھے۔ فرشتے اور جنوں کے لشکر بھی شیعہ تھے۔

شیعوں کی اپنی لکھی ہوئی تاریخیں ان کے عقائد کی طرح عجب بھان متی کا سوانگ ہے۔ خود ہی کہتے ہیں کہ کوفی شیعہ تھے اور خود ہی ان پر کفر کے فتوے جڑتے ہیں اور انہیں منافق، ملحد، خبیث، پلید، کتے اور خنزیر سے بھی ناپاک، ظالم، بدبخت شقی، بداصل، نانجیان، بدبخت کے القاب بخشتے ہیں۔

ابن زیاد۔ ابن سعد اور شمر بھی شیعہ تھے

ابن زیاد کے نام نہج البلاغۃ میں حضرت علی رض کا ایک خط اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ شیعہ تھا۔ اور حضرت علی رض کا ایک عامل تھا۔ ملا باقر مجلسی بھی اسے شیعہ ہی بیان کرتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابن زیاد کے حقیقی پھوپھا تھے اس لحاظ سے زیاد اور اس کا بیٹا عبید اللہ حضرت علی رض اور حضرت حسین رض کے رشتہ دار تھے چنانچہ حضرت مسلم کے شہزادگان کے سر دیکھ کر تین مرتبہ تعظیماً اٹھا اور بیٹھا پھر قاتل کو کہا کہ اگر تو انہیں زندہ لاتا تو میں تجھے بہت انعام دیتا۔ پھر اسے قتل کرا دیا۔
(خلاصۃ المصائب ص۲۴۷)

واقعہ کربلا کے بعد جب امام حسین رض کا سر ابن زیاد کے سامنے پیش ہوا اور سنان بن انس نے کہا میری رکاب کو چاندی اور سونے سے بھر دے تو ابن زیاد نے اس کے قتل کا حکم دیا اور اس کی گردن ماری گئی۔ (خلاصۃ المصائب ص۲۸۰)
پھر اس نے تمام قافلہ بحفاظت دمشق بھیج دیا۔

ابن سعد

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ماموں زاد بھائی تھا اور حضرت حسین رض کا قریبی رشتہ دار تھا۔

- جب ابن سعد سے بمقابلہ امام فوج کی سرداری کے لیے کہا گیا تو اوّل اس نے انکار کر دیا۔ مگر بعد کو بطمع حکومت سرداری قبول کر لی۔ (ناسخ التواریخ ص۱۷۵)
- ابن سعد نے میدان کربلا میں امام کے پاس جانے کے لیے کثیر ابن عبد اللہ کو کہا وہ تیار ہو گیا۔ اور اس نے پوچھا کہ امام کے پاس صرف پیغام پہنچا دوں یا تیرے پاس ان کا سر لاؤں۔ ابن سعد نے کہا آخری بات مجھے پسند نہیں تو صرف اس قدر پوچھنا آپ یہاں کیوں تشریف لائے (ناسخ التواریخ)
- کثیر بن عبد اللہ کے ناکام واپس آنے پر ابن سعد نے قرۃ بن قیس کو بھیجا اس نے واپس آکر امام کا یہ پیغام سنایا کہ اہلِ کوفہ کے بلانے سے آیا ہوں۔ اگر

میرا آنا اب منظور نہ ہو تو مجھے واپس جانے دو یہ سن کر ابن سعد نے کہا کہ امید وار ہوں کہ خدا تجھے محاربہ و مقاتلہ امام حسین رضؓ سے نجات دے۔

(ناسخ التواریخ)

- ابن سعدرح حضرت حسین رضؓ کی خدمت میں رات کو حاضر ہوتا اور خاطر مدارات کرتا تھا۔ ابن زیاد کے پاس اس کی شہادت پہنچی تو اس نے ابن سعدرح کو یہ تہدید آمیز خط لکھا کہ اگر تجھ سے یہ کام انجام نہ ہو تو فوج کی سرداری شمر کے سپرد کردے ابن سعد نے شمر سے کہا خدا تجھے بدترین جزا دے تو نے صلح نہ ہونے دی۔

(جلاء العیون ص۴۶۰)

- حسن مثنیٰ بن حضرت حسن رضؓ معرکہ کربلا میں سخت زخمی ہو گئے اسماء بن خارجہ فرازی نے ابن سعدرح کی اجازت سے ان کا علاج کرایا۔

شمر

جنگ صفین میں شمر جناب امیر کی طرف سے معاویہؓ کے خلاف لڑا۔

(ناسخ التواریخ اور جلاء العیون)

شمر جناب امیر کا سالا اور برادران حسین رضؓ، جعفر رضؓ، عباس رضؓ اور عثمان کا ماموں تھا۔ چنانچہ اس نے عین معرکہ کے وقت خیمہ امام کے پاس آکر آواز دی کہ میرے فرزندان خواہر کہاں ہیں یہ سن کر جعفررح، عباسرح، اور عثمانرح نے باہر آکر پوچھا کہ تو کیا کہتا ہے۔ شمر نے کہا چونکہ تمہاری ماں میرے قبیلہ سے تھی اس لیے میں نے تمہیں امان دی (جلاء العیون ص۴۶۱)

متعدد کتب شیعہ میں مذکور ہے کہ جب شمر نے اہل بیت پر قابو پا لیا تو کسی ایک کو بھی قتل نہ کیا۔ بلکہ سب کو زندہ کوفہ میں پہنچایا۔ پھر دمشق میں پہنچایا۔

قاتلان حسینؓ تمام شیعہ تھے

تمام مردم بعد از قتل حسین رضؓ مرتد شدند (مجالس المومنین مجلس پنجم ص۱۴۴) یعنی

پہلے وہ شیعہ تھے اور قتل حسین رضؓ کے بعد مرتد ہو گئے (بہر حال تھے تو شیعہ للمؤلف)

حقیقت یہ ہے کہ ابن زیاد، ابن سعد، شمر شیعہ نہیں تھے بلکہ صحیح العقیدہ مسلمان تھے یہ تمام خرافیات شیعوں کے ذہنوں کی پیداوار ہیں۔

واقعۂ کربلا

حضرت علی رضؓ نے واقعہ صفین اور نہروان کے مقام پر خوارج کی بیخ کنی کے بعد عالم اسلام کو ایک لوائے کے نیچے جمع کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا۔ مگر آپ کو ۴۰ھ میں شہید کر دیا گیا۔ اس کے بعد حضرت رضؓ خود ہی خلافت سے حضرت معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ گویا ۴۱ھ میں خلافت خاندان بنوامیہ میں منتقل ہو گئی۔

۵۶ھ میں مغیرہ بن شعبہ کے مشورہ سے یزیدرح کی ولی عہدی کا اعلان ہوا معاویہؓ نہایت زیرک اور ہوشمند انسان تھے۔ مرتے وقت یزیدرح کو نصیحت کی کہ دیکھ خلافت کا معاملہ سب سے اہم ہے جس میں حضرت حسین رضؓ عبداللہ ابن زبیر رضؓ، عبدالرحمٰن بن ابی بکر، عبداللہ بن عمر کے سوا تیرا کوئی حریف مجھے نظر نہیں آتا۔

ابن عمر خدا پرستانہ رجحان کے حامل ہیں۔ زہد و عبادت کے سوا انہیں کسی چیز سے واسطہ نہیں۔ ابن ابی بکر میں کوئی ذاتی حوصلہ نہیں۔ وہ وہی کریں گے جو انہیں ان کے رفقا کہیں گے۔

عبداللہ ابن زبیر رضؓ لومڑی کی طرح کاوے دیکر شیر کی طرح حملہ کرنے والے ہیں اگر صلح کریں تو صلح کر لینا اور اگر جنگ کریں تو قابو پا کر زندہ نہ چھوڑنا حسین ابن علی رضؓ کو عراق والے ضرور تیرے مقابلہ میں لا کر کھڑا کریں گے لیکن جب ان پر قابو حاصل ہو جائے تو درگزر سے کام لینا چونکہ وہ بڑے حقدار اور قرابتدار رسولؐ ہیں۔ (طبری)

۶۰ھ میں امیر یزیدرح نے تخت خلافت پر بیٹھ کر ان لوگوں سے بیعت کا مطالبہ کیا۔ امیر یزیدرح کے حکم پر ولید گورنر مدینہ نے چاروں کو بیعت کے لیے

بلایا۔ ولید صلح جویانہ مسلک کا آدمی تھا معمولی بات چیت کے بعد اس نے انہیں واپس جانے کی اجازت دے دی۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ امیر مروان رض اس وقت ولید کے پاس بیٹھے تھے انہوں نے امیر ولید کو مشورہ دیا کہ حسین سے بیعت لینے کا یہ موزوں وقت ہے مگر سیدنا حسین رض نے کہا کہ میں کل اس بات کا فیصلہ کروں گا چنانچہ ایک شیعہ محقق لکھتا ہے۔

THE QUESTION OF ALLEGIANCE AROSE AND THE IMAM SAID THAT HE WOULD DECIDE IN THE NEXT DAY.
(SHIAISM AND SHIA III STEP. BY M.A. SHARIATI PAGE 28.)

مگر آپ اس وعدہ کے باوجود رات کو چپ چاپ مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

آپ شعبان سنہ ۶۰ھ میں مدینہ سے نکلے۔ عبداللہ بن مطیع ملے اور کہنے لگے آپ گھر سے تو نکل کھڑے ہوئے ہیں لیکن خدارا کہیں کوفہ کا ارادہ نہ کیجئے۔

آپ مکہ پہنچے تو کوفیوں کے وفود اور خطوط کا تانتا بندھ گیا۔ آپ نے دریافت حالات کے لیے مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا۔ مسلم کے پہنچتے ہی اٹھارہ ہزار افراد نے پہلی مجلس میں ہی بیعت کر لی حضرت مسلم نے حالات سے مطلع کیا تو آپ نے کوفہ جانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ ۱۰ ذی الحجہ کو مکہ سے چلے اور ۹ محرم شام کو کربلا میں پہنچے۔

یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ مکہ سے کربلا کا فاصلہ کسی صورت میں تیس منازل سے کم نہیں۔ مصنف خلافت معاویہ رض و یزید رح نے منازل کے نام بھی گنوائے ہیں۔ طبری مختلف روایتیں بیان کرتا ہے کبھی کربلا، کبھی نینوا۔ کبھی محرم لکھتا ہے۔ کبھی صفر۔

ناسخ التواریخ میں سنہ ۶۱ھ بھی ہے اور سنہ ۶۰ھ بھی۔ دونوں کا اختلاف بھی ہے

عاشورہ کا دن شنبہ تھا یا دوشنبہ غرضیکہ شیعہ آج تک صحیح سال، صحیح مہینہ اور صحیح دن پر بھی متفق نہیں۔ پھر ان کی بیان کردہ جزئیات کے متعلق کیا کہا جائے امیر یزید رح نے حفظ ماتقدم کے طور پر امیر عبداللہ بن زیاد کو لکھا کہ کوفہ پہنچ کر وہاں کی امارت سنبھال لو۔ امیر ابن زیاد رح چند سواروں کو لے کر کوفہ میں وارد ہوئے کوفیوں نے سمجھا حسین آ گئے ہیں۔ ابن زیاد دارالامارت پہنچے اور نعمان بن بشیر کو معزول کر کے اپنی امارت کا اعلان کیا۔ پھر مسجد میں پہنچ کر ایک پرزور تقریر کی۔ کوفیوں پر سناٹا طاری ہو گیا۔ اس زمانہ میں کوفہ کی آبادی کئی لاکھ تھی مگر نامعلوم ان لوگوں کا خمیر کس مٹی سے تھا سب دم بخود رہ گئے۔ حضرت مسلم جن کے ہاتھ پر ہزاروں نے بیعت کی تھی ان کے ہاں اب انہیں جائے پناہ نہ ملتی تھی بمشکل ہانی کے گھر میں پناہ ملی۔ مخفل کی سراغرسانی سے مسلم اور ہانی قتل کر دیئے گئے۔

حضرت حسین نے ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ میں حج سے ایک دن بعد مکہ چھوڑا۔ آپ نے مکہ سے نکل کر مدینہ کے راستہ میں تنعیم کے مقام پر یمن سے خراج کا مال جو دمشق لے جایا جا رہا تھا۔ اس پر قبضہ کر لیا اور پھر کوفہ کا رخ کیا۔ مکہ کے لوگ جوق در جوق آپ کو روکنے کی کوشش کرتے رہے۔ عبداللہ بن زبیر نے کہا کہ آپ حجاز میں رہ کر ہی خلافت کی کوشش کیجئے یہاں کا ہر شخص آپ کا ہمدرد اور خیرخواہ ہے۔

عبداللہ بن عباس رض نے کہا آپ خدا کے لیے فریب کار عراقیوں کے بھرے میں نہ آئیے۔ اگر آپ یہاں سے جانا ہی چاہتے ہیں تو یمن کی طرف نکل جائیے گورنر مکہ کے خط کا تذکرہ کسی اور جگہ ہو چکا ہے۔ بہرحال تمام کوششوں کے باوجود آپ آگے ہی بڑھتے رہے۔

راستے میں عمرو بن سعد اور محمد بن اشعث کا پیغام ملا کہ مسلم شہید کر دیئے گئے ہیں۔ آپ واپس چلے جائیں۔

زبالہ کے مقام پر آپ نے صورت حال سے اپنے ساتھیوں کو مطلع کیا۔ تو آپ کے ساتھ صرف اپنے خاندان والے اور چند کوفی رہ گئے باقی واپس چلے گئے۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ نے بھی واپسی کا ارادہ کر لیا تھا۔ مگر مسلم کے گھرانہ کے لوگوں نے کہا کہ ہم جب تک مسلم کا قصاص نہ لیں گے، واپس نہ لوٹیں گے

آپ ۹ محرم شام کو میدان کربلا میں پہنچے اور ۱۰ محرم کو یہ واقعہ پیش آیا۔ مشہور شیعہ عالم مصنف مجاہد اعظم لکھتا ہے کہ واقعات مثلاً تین شبانہ روز پانی کا بند رہنا۔ فوج مخالف کا لاکھوں کی تعداد میں ہونا۔ زینب کے صاحبزادوں کا نو دس برس کا ہونا فاطمہ کبریٰ کا عقد قاسم کے ساتھ ہونا شمر کا سینہ مبارک پر بیٹھ کر سر جدا کرنا۔ نبی زادیوں کی چادریں چھین لینا سکینہ کی عمر تین سال کا ہونا وغیرہ بیسیوں واقعات کو یہ نہایت مشہور اور زبان زد خاص وعام ہیں حالانکہ بعض ان میں سے غلط، بعض مشکوک بعض ضعیف بعض مبالغہ آمیز اور بعض من گھڑت ہیں۔

(ص ۱۶۸)

یہ ایک سیدھا سادا سا تاریخی واقعہ تھا۔ بعض مورخ کچھ اس قسم کی عبارتوں کی حاشیہ آرائی بھی کرتے ہیں کہ راستہ میں جب حضرت مسلم کی شہادت کی اطلاع ملی یا عبداللہ بن مطیع نے روکا تو آپ نے ہر بار یہی جواب دیا کہ اب اللہ کی رضا پوری ہو کر رہے گی۔

آپ کی شہادت کی کوئی صورت بھی پیش کیجئے۔ بس واقعہ اس قدر ہی ہے کہ آپ شہید ہوئے اس وقت اموی حکومت کے خلاف آپ خروج کر چکے تھے۔

امیر یزید رح آپ کو شہید نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اگر جنگ صفین کی طرح جیسے معاویہ رض اور علی رض کے آمنے سامنے تھے۔ یزید رح اور حسین رض آمنے سامنے ہوتے اور آپ کو شکست ملتی تو یزید یقیناً آپ سے وہی سلوک کرتے جو ایک بھائی دوسرے بھائی سے کرتا ہے۔

چند تنقیحات

یہاں چند سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

۱۔ کیا حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت معاویہ رض کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی۔ اور حضرت حسین رض اس بیعت میں شامل نہ تھے۔

۲۔ کیا حضرت حسین رض کے خروج کے وقت امہات المومنین، صحابہ کرام رض یا ان کے قریبی رشتہ داروں نے ان کا ساتھ دیا تھا۔

۳۔ کیا حضرت حسین رض نے یزید کی سالاری میں قسطنطنیہ کے جہاد میں حصہ نہیں لیا تھا۔ اور ان کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی۔

۴۔ کیا شہادت حسین رض کے بعد ان کے بقیۃ السیف افراد کو امان دی گئی تھی یا انہیں قتل کر دیا گیا تھا۔

۵۔ کیا حضرت علی رض (زین العابدین) یا دیگر ان افراد سے جو کربلا میں بچ گئے تھے ان سے کوئی روایت ملتی ہے یا آج کل جو کچھ رطب و یابس کتابوں میں ملتا ہے یہ سب یارانِ طریقت کی حاشیہ آرائی یا ایجاد بندہ ہے۔

۶۔ کیا واقعی اس وقت خروج کی ضرورت تھی؟

۷۔ کیا کربلا کے واقعات جو آج کتب شیعہ میں ملتے ہیں درست ہیں اور کیا کوئی شیعہ وثوق سے کہہ سکتا ہے کہ حضرت حسین رض ۱۰ محرم کو شہید ہوئے تھے۔

۱۔ حضرت حسن رض اور حضرت حسین رض دونوں نے حضرت معاویہ رض کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ کوفیوں نے جب حضرت حسین رض کو خط بھیجا جیسے متعدد مؤرخین نے نقل کیا ہے۔ اور آپ نے جواب دیا کہ جب تک معاویہ رض زندہ ہیں تم لوگ اپنے گھروں میں خاموش بیٹھے رہو۔ ہم نے ان کی بیعت کر لی ہے جسے توڑنے کا موقع نہیں ہاں اگر ان کی موت کا واقعہ پیش کیا تو اس وقت دیکھا جائے گا حضرت حسین رض اور حضرت عبداللہ ابن زبیر معاویہ رض کی زندگی میں ہی یہ آس لگائے بیٹھے تھے کہ حضرت معاویہ رض مریں تو ہم خروج کریں۔

یہ امر شیعہ مسلمات میں سے ہے کہ کوئی امام کسی غیر امام کا حکم ماننے کی صورت میں معصوم نہیں رہ سکتا۔

امیر یزید رح بقول ان کے فاسق، فاجر بلکہ کافر ہے اور ان لوگوں نے یزید رح کو بدنام کرنے میں اس حد تک تحریر وتقریر کے ذریعہ کام لیا کہ اہل سنت کے ایک بزعم خود غلط قسم کے فرقے نے یزید رح کی تکفیر پر اپنی کتب فقہ میں ایک الگ باب باندھنے سے کبھی گریز نہ کیا اور موافقت رہی کم) اور مخالفت رہی زیادہ) میں صفحوں کے صفحے سیاہ کرتے چلے گئے۔

شیعوں کے ایک غالی مؤلف نے اپنی مشہور تصنیف الامامت والسیاست

میں لکھا ہے کہ معاویہ رضؓ حجاز آئے انہوں نے بھرے مجمع میں اہل مدینہ کو بتایا کہ تمامی دیار وامصار میں لوگوں نے یہ بیعت کرلی ہے۔

اے اہل مدینہ! میں نے جب یزید رحؒ کی ولی عہدی کا قصد اور پختہ ارادہ کرلیا تو کسی قریہ اور جھونپڑی کو بھی نہ چھوڑا۔ جہاں بیعت کے لیے وفد نہ بھیجا ہو چنانچہ سب ہی لوگوں نے بیعت کرلی (ج ا صفحہ ۱۹۸)

گویا شیعہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ معاویہ رضؓ نے تمام دیار وامصار میں لوگوں سے امیر یزید رحؒ کی بیعت لی۔ اور امیر معاویہ رضؓ نے مجمع عام میں موجود نہ تھا۔ جو امیر معاویہ رضؓ کو کہتا کہ تم غلط کہتے ہو اور حسین رضؓ نے خود کیوں نہ کہا کہ تم غلط کہہ رہے ہو۔

(۲) حضرت حسین رضؓ کو سفر کوفہ سے روکنے والوں میں متعدد اجل صحابہ کرام رضؓ کے نام ملتے ہیں۔ حتیٰ کہ عمر بن علی رضؓ اور محمد بن علی رضؓ سگے بھائیوں نے روکا اور محمد بن علی رضؓ نے امیر یزید کا ساتھ دیا۔ عبداللہ بن عباس رضؓ عبداللہ بن عمر رضؓ اور عبداللہ بن جعفر طیار رضؓ نے بھی روکا۔ مگر جب حضرت حسین رضؓ نہ رُکے تو عبداللہ بن جعفر نے اپنے بیٹے علی الزینبی کو حضرت حسین رضؓ کے ساتھ جانے سے روکا اور اپنی زوجہ زینب بنت علی رضؓ کو بھی روکنے کی کوشش کی مگر جب وہ نہ رُکیں تو انہیں طلاق دے دی۔ بعد میں ان کی ہمشیر ام کلثوم سے نکاح کیا جو حضرت عمر رضؓ کی شہادت کے بعد بیوہ ہو چکی تھیں۔

حضرت عمر رضؓ سے ان کے ہاں زید پیدا ہوئے تھے۔ عبداللہ کے مرنے کے بعد ان عبداللہ سے نکاح ہوا تھا۔ زینب کا بیٹا علی الزینبی تھا جسے باپ نے روک لیا تھا۔ اور عون اور محمد، عبداللہ کے بھائی یعنی زینب کے دیور تھے جو اپنے بھائی عبداللہ یعنی زینب کے خاوند کے موقف کے حامی تھے۔

(۳) حیرانی اس بات کی ہے کہ اہل تشیع کے ہاں تو یزید رحؒ چونکہ قاتل حسین رضؓ ہے اس لیے وہ اسے کافر، فاسق یا فاجر جو چاہیں کہیں انہیں اس فعل سے کون روک سکتا ہے وہ تو سوائے تین صحابہ کرام رضؓ کے باقی سب کو مرتد اور کافر کہنا اپنے دین کا ایک اصول سمجھتے ہیں مگر وہ اہل سنت وجماعت جو علم وفضل

کے مدعی ہوتے ہوئے اپنے جلسوں خطبوں اور مجلسوں میں غرضیکہ جہاں بھی یزید رحؒ کا ذکر آئے اسے یزید رحؒ پلید کے بغیر نہیں پکارتے۔ کیا ان کے علم وفضل نے انہیں یہی سکھایا ہے کہ نبی علیہ السلام کے ارشادات کے علی الرغم جو منہ میں آئے کہتے چلے جاؤ۔ نہ خدا کا خوف نہ رسول اللہ کا لحاظ نہ انسانیت کا تقاضا اور نہ اخلاق کی کوئی حد۔

اس حدیث سے علم حدیث کا ایک معمولی طالب علم بھی انکار کی جرأت نہیں کرسکتا کہ نبی علیہ السلام ایک روز حضرت ام حرام رضؓ بنت ملحان کے گھر دوپہر کا کھانا تناول فرما کر قیلولہ فرما رہے تھے کہ یکایک حضورؐ نے مسکراتے ہوئے آنکھیں کھولیں حضرت ام حرام رضؓ نے پوچھا یا رسول میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کے مسکرانے کا کیا سبب ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے خواب میں میری اُمت کے کچھ ایسے لوگ دکھلائے گئے ہیں۔ جو سمندر میں جہاز پر سوار تھے اور ان کی شان بادشاہان مسند نشین کی سی تھی۔ وہ جہاد فی سبیل اللہ میں مصروف تھے حضرت ام حرام رضؓ نے عرض کی یا رسول اللہ دعا فرمایئے کہ مجھے بھی ان مجاہدین میں شامل ہونے کی سعادت نصیب ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام حرام رضؓ کی حق میں دعا فرمائی اور پھر سو گئے۔ تھوڑی دیر بعد پھر بیدار ہوئے تو ہونٹوں پر تبسم تھا اور وہی خواب زبان پر تھا۔ حضرت ام حرام رضؓ نے سابقہ دعا کے لیے پھر درخواست کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں تم بھی اسی جماعت کے ساتھ ہو۔ حضرت اُم حرام رضؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت یہ لفظ فرمائے تھے۔

اوّل جیش من امتی یغزون البحر قد أوجبوا۔

"یعنی میری امت کی پہلی فوج جو بحری جہاد کرے گی اس پر جنت واجب ہوگئی۔

دوسری بار استراحت فرما ہونے کے بعد جو کلمات فرمائے وہ کتب احادیث میں اس طرح مرقوم ہیں:۔

اوّل جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور لهم

"میری امت کا وہ لشکر جو پہلی بار قیصر کے شہر قسطنطنیہ پر حملہ کرے گا ان

کے لیے مغفرت کی بشارت ہے۔"

اسی طرح حضور نبی کریم کے یہ کلمات مبارک بھی کتب احادیث میں مذکور ہیں۔ فلتفتحن القسطنطنیۃ ولنعم الامیر امیرھا ولنعم الجیش جیشھا "یعنی قسطنطنیہ فتح کرنے والے لشکر کا امیر کیسا بہترین امیر اور اس کے لشکری کیسے بہترین لشکری ہیں۔"

ان ہر سہ بشارت ہائے عظیمہ کی بناء پر صحابہ کرام رضہ بحری غزوات کے لیے بے قرار رہتے تھے۔ پہلا غزوہ جس کے لیے جنت کی بشارت فرمائی گئی تھی وہ ۲۸ ہجری میں سیدنا ذوالنورین رضہ کی خلافت کے زمانہ میں امیر معاویہ رضہ کی سرکردگی میں سرانجام ہوا۔ اس جہاد میں شامل ہونے والے تمام مجاہدین کے لیے وجوب جنت کی بشارت واضح اور صاف ہے۔ اُم حرام رضہ کی شہادت اسی غزوہ میں گھوڑے سے گر کر ہوئی۔

دوسرا غزوہ جو باختلاف روایت ۵۰ یا ۵۱ ھ میں ہوا۔ بلا اختلاف امیر یزیدؒ کی سالاری میں ہوا۔ اس غزوہ میں شامل ہونے والوں کے لیے مغفرت کی بشارت ہے۔ تیسری بشارت فتح قسطنطنیہ کے متعلق ہے اس لشکر میں شامل ہونے والوں کے لیے فرمایا گیا کہ وہ کیا اچھے لوگ ہیں اور ان کا امیر کتنا اچھا ہے۔ یہ اس غزوہ کے متعلق سب جانتے ہیں کہ قسطنطنیہ سلطان محمد فاتح عثمانی کے ہاتھ پر فتح ہوا تھا۔

ان سطور میں ذرا تفصیل سے دوسری بشارت کو پیش کرنا مطلوب ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں خواب تقریبًا سب کتب احادیث میں موجود ہیں۔

۱۔ صحیح بخاری ۱ : ۳۹۱ باب الدعا بالجہاد والشہادۃ للرجال
۲۔ صحیح بخاری ۱ : ۳۹۲ ب فصل من یصرع فی سبیل اللہ فمات فھو منھم
۳۔ صحیح بخاری ۱ : ۳۰۴ باب غزوۃ المراۃ فی البحر
۴۔ صحیح بخاری ۱ : ۴۰۹ : ۴۱۰ باب ما قیل فی قتال للروم
۵۔ صحیح بخاری ۱ : ۲ : ۹۲۹ : ۹۳۰
۶۔ صحیح مسلم : کتاب الامارت ۳ : ۹۴ جز ۲ طبع مصر

۷۔ موطا امام مالکؒ۔ کتاب الجہاد باب الترغیب فی الجہاد ۱ : ۳۰۹ : ۳۰۸
۸۔ جامع ترمذیؒ کتاب الجہاد فی غزوۃ البحر ۱ : ۱۹۸ مطبع مجتبائی
۹۔ سنن ابوداؤد، جزو ثالث باب فصل الغزو فی البحر طبع مصر
۱۰۔ سنن ابن ماجہ، ترجمہ اردو سید دائم جلالی باب الجہاد کے بیان میں حدیث نمبر ۲۷۸۵
۱۱۔ رحمۃ اللعالمین۔ مصنفہ محمد سلیمان منصور پوری ۳ : ۱۸۴ عنوان جہاد بحری کی اطلاع بحوالہ بخاری و مسلم بروایت حضرت انس رضہ۔

یہ حدیث تمام آئمہ فن اور آئمہ حدیث اور اسماء الرجال کے نزدیک حسن صحیح ہے۔ تاریخی طور پر اس لشکر میں امیر یزید کی سرداری میں جہاد کرنے والے کون ہیں۔ عبداللہ بن عمر رضہ۔ عبداللہ بن عباس۔ ابوایوب انصاری۔ حسین ابن علی رضہ عبداللہ بن زبیر رضہ جیسی عظیم الشان ہستیاں شامل تھیں۔

اس غزوہ میں حضرت ابوایوب انصاری رضہ بعارضہ پیچش مبتلا ہو کر داصل بحق ہوئے آپ نے آخری وقت وصیت فرمائی کہ مجھے کفار کے علاقہ میں جتنی دور لے جا سکو وہاں دفن کرنا۔ امیر یزید نے رات کے اندھیرے میں قسطنطنیہ کے قلعے کی دیوار کے نیچے جا کر دفن کیا۔ صبح جب عیسائیوں نے دیوار کے نیچے ایک تازہ قبر دیکھی تو کہنے لگے ہم اس قبر کو مٹا دیں گے۔ اس پر امیر یزیدؒ نے غیرت ایمانی سے قیصر کو للکارتے ہوئے کہا کہ:۔

"اے قسطنطنیہ والو! یہ ابوایوب انصاری ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکابر صحابہ رضوان اللہ علیہم میں سے ایک ہیں۔ اور تم دیکھ رہے ہو ہم نے جہاں انہیں دفن کیا ہے قسم ہے رب ذوالجلال کی اگر تم نے اس قبر سے کچھ بھی تعرض کیا تو ارض اسلام کے ہر کنیسہ کو گرا دوں گا۔ پھر سرزمین عرب میں ناقوس کبھی نہ بج سکے گا۔"

امیر یزیدؒ کے یہ الفاظ بلا اختلاف الاستیعاب جلد ۲ صفحہ ۶۳۵ عقد الفرید جلد ۲ صفحہ ۱۳۳ پر موجود ہیں۔ اور ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سنیئے اور سنبھل کر بیٹھیے اور غور کیجیے کہ بعینہ یہی الفاظ مشہور شیعہ مورخ میرزا محمد تقی سپہر کاشانی نے اپنی مشہور تصنیف ناسخ التواریخ جلد ۲ صفحہ ۱۳۳ پر مرقوم کئے ہیں۔ وہ حنفی یا شیعہ جو ہر طرف سے فرار کی

راہیں بند پاکر کہتے ہیں کہ یزیدؒ اس لشکر میں موجود تھا۔ سالار فوج نہ تھا وہ ان لفظوں پر غور کریں جو امیر یزیدؒ نے فرمائے تھے کہ :

"ارض اسلام کے ہر کنیسہ کو گرا دوں گا"

کیا پورے لشکر کی موجودگی اور سالار لشکر کی موجودگی میں ایسے لفظ کوئی معمولی سپاہی یا عہدہ دار کہہ سکتا ہے یا ان لفظوں میں ایک سالارِ لشکر کا طنطنہ اور دبدبہ کارفرما ہے۔

اس لشکر کو امیر یزیدؒ نے مختلف دستوں میں تقسیم کرکے ہر دستے کا الگ سردار مقرر کر دیا تھا۔ مصری دستہ فوج کے قائد عقبہ بن عامر جہنی ایک دستہ کے امیر فضامہ بن عبیدؓ ایک دستہ کے امیر عبداللہ بن خالدؓ سیف اللہ تھے۔ مگر جلیل القدر صحابہ عام لشکریوں کی حالت میں شامل تھے جن میں حسین بن علیؓ تھے نو ماہ یہ لشکر دمشق سے باہر رہا اور اتنا طویل عرصہ یہ سب بزرگ امیر یزیدؒ کی اقتدار میں نمازیں پڑھتے رہے۔

مزید تفصیل کے لیے مشہور شیعہ مورخ سید امیر علی کی مشہور تصنیف ہسٹری آف سیرینز صفحہ ۸۴ مطبوعہ لندن ۱۹۵۱ء

مشہور شیعی مورخ ابن جریر طبری کی تاریخ الامم والملوک جلد ۴ صفحہ ۱۷۳ کتاب الذیل من الذیل فی اصول الصحابہ والتابعین صفحہ ۲ مطبوعہ مصر۔ نیز ایک اور مشہور شیعی مورخ مسعودی کی تالیف التنبیہ والاشراف صفحہ ۱۴۰

مشہور شیعی مؤلف محرم نامہ نے اپنی اس تصنیف میں صفحہ ۱۱۶ پر اور ابوالعلی شاہ محمد کبیر شاہ داناپوری مشہور شیعہ مؤلف نے تذکرۃ الکرام طبع لکھنؤ کے صفحہ ۲۷۶ پر بڑی تفصیل سے جہاد قسطنطنیہ کے واقعات لکھے ہیں اور امیر یزید کی سپہ سالاری کو تسلیم کیا ہے۔ ان شیعہ مورخوں اور مصنفوں کے علاوہ مشہور عیسائی مصنفین میں سے پروفیسر ہٹی نے تاریخ عرب میں ایڈورڈ گبن نے تاریخ عروج و زوال روما الکبریٰ صفحہ ۲۸۶ پر بزنطین ایمپائر کے صفحہ ۱۷ پر اور ہیرولڈ ولیم کی تاریخ میں امیر یزیدؒ کی سپہ سالاری کو تسلیم کیا گیا ہے۔

اب رہ گیا بعض اصحاب کا یہ اعتراض کہ یزیدؒ اس وقت مسلمان تھا بعد میں مرتد ہو گیا۔ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لفظ ہیں:۔

مغفور لھم یعنی وہ سب بخشے گئے ہیں۔ ان الفاظ کا واضح مقصد یہ ہے کہ اس لشکر میں شامل ہونے کی سعادت ہی اللہ تعالیٰ نے ان اصحاب کو عنایت فرمائی جو علم الٰہی میں مغفور لھم کا مصداق تھے۔ ورنہ نعوذ باللہ من ذالک یہ کہنے والا کہ یزید بعد میں مرتد ہو گیا تھا بلاواسطہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی بشارت کا منکر ہے جو بمنزلہ وحی کے تھی۔ گویا اس لشکر کے ہر فرد کا مغفرت یافتہ ہونا مشروط ہے۔ اس حکم کے ساتھ کہ اس میں شامل ہی وہی ہو گا جو مغفرت یافتہ ہے۔

مشہور اسلامی مورخ اکبر شاہ خان نجیب آبادی امیر یزیدؒ کے متعلق گو ان کے سپہ سالارِ اعظم ہونے کے قائل نہیں مگر ایک دستہ فوج کی سرداری کے قائل ہیں بہر حال حدیث مغفور کی روشنی میں امیر یزیدؒ کا اس لشکر میں شامل ہونا تواتر کی حد تک صحیح ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث مشہور تھی اور سب کو معلوم تھا کہ :

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پہلا لشکر میری امت کا جو قیصر کے شہر پر حملہ آور ہو گا وہ مغفرت یافتہ ہے"

لہٰذا صحابہ کرامؓ میں سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ عبداللہ بن زبیرؓ۔ عبداللہ بن عباسؓ۔ حسین ابن علیؓ ابوایوب انصاریؓ وغیرہم وعدۂ مغفرت کے شوق میں آ آ کر شریک لشکر ہوئے ایک عظیم الشان لشکر مرتب ہو گیا تو سفیان بن عوف کی سپہ سالاری میں قسطنطنیہ کی جانب روانہ کیا۔ سفیان کی سپہ سالاری میں اپنے بیٹے یزید کو بھی جو طائفہ فوج کا افسر تھا۔ ایک حصہ فوج کا سپہ سالار بنا کر روانہ کیا۔ (تاریخ اسلام جلد ۲ صفحہ ۳۴)

اکبر شاہ خان بھی بہر حال امیر یزیدؒ کی شمولیت بلکہ ایک ایک دستہ کی سرداری کے قائل ہیں۔

۴۔۵۔ میدان کربلا میں صرف وہی افراد شہید ہوئے جنہوں نے باقاعدہ جنگ میں حصہ لیا۔ جنہوں نے کسی قسم کا حصہ نہ لیا وہ بالکل مامون و محفوظ رہے۔ یاران طریقت تو یہاں تک کہتے ہیں کہ جب شمر "امام زین العابدین" کو قتل کرنے لگا تو زینب

تڑپ اٹھیں اور کہنے لگیں کیا تو خاندانِ نبوت کا ہی خاتمہ کرنا چاہتا ہے۔ ان بھلے لوگوں سے کوئی پوچھے کہ تم ایک غلط روایت گھڑنے کے لیے یہ کہتے ہوئے بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے کہ حضرت حسین کی بہن چلا کر ایک حملہ آور سے الجھ جائیں اور پھر حملہ آور بھی وہ جو ان کے نزدیک دنیا کا ذلیل ترین انسان ہو اسے کس چیز نے علی (زین العابدین رض) کے قتل سے روکا۔ حقیقت میں بات اسی قدر ہے جو بیان کی جا چکی ہے کہ جو تلوار لے کر نکلتا رہا وہ شہید ہو جاتا رہا اور جو خیموں میں موجود رہے انہیں بالکل نہیں چھیڑا گیا۔

حضرت علی رض (زین العابدین) کے بیٹے محمد باقر کی عمر اس وقت اڑھائی سال تھی۔ اور ان کا دوسرا بیٹا بھی موجود تھا۔ حضرت حسن رض مثنٰی جو حضرت حسین رض کے داماد تھے معہ اپنے متعدد عزیزوں کے صحیح سلامت واپس پہنچے اور عرصہ دراز تک زندہ رہے۔

سخت حیرانی کی بات ہے کہ کسی شیعہ یا غالی حنفی کی کسی کتاب میں ان بقیۃ السیف بزرگوں سے ایک روایت بھی نہیں ملتی۔ جائے غور ہے کہ اگر موقع پر موجود ہی کچھ بیان نہ کریں تو دوسرے تیسرے نے کہاں سے سنا۔ ان کے علاوہ جعفر عباس، عثمان رض پسران علی بھی کربلا سے زندہ واپس لوٹے۔

۶۔ اگر اس وقت فی الواقع خروج کی ضرورت تھی تو حضرت حسین رض اور ان اور ان کے مٹھی بھر ساتھیوں کے علاوہ صحابہ کرام رض کی ہزاروں کی تعداد میں موجود جماعت و دیگر مسلمانانِ عالم کے متعلق کیا کہا جائے گا جنھوں نے خاموشی سے یزید کو خلیفۃ المومنین تسلیم کر لیا اور وہ لاکھوں شیعہ کہاں چلے گئے۔ جن کا معتبر شیعہ کتب میں ذکر ملتا ہے۔

۷۔ آج کل واقعہ کربلا کے متعلق جو کچھ تشہیر میں آ رہا ہے یہ سب کچھ زمانہ حال کے ایک بہت بڑے شیعہ مؤلف کی کتاب "مجاہد اعظم" میں دیکھیے۔

عام کتابوں سے قطع نظر کر کے فریقین کی وہ مستند کتابیں جو تاریخ کی جان سمجھی جاتی ہیں اس قدر مختلف البیان ہیں کہ دیکھنے والے ششدر رہ جاتے ہیں اگر دو مستند سے مستند کتابوں کو بھی سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو تمام واقعات

کی تحریریں اوّل سے آخر تک متفق اللفظ نہیں (ص۱۷۴)

پھر خود ہی سوال کرتے ہیں کہ آخر اسلامی واقعات کے اس بڑے اور مہتم بالشان حادثہ کی نوعیت اس قدر ڈانواں ڈول اور سلسلہ روایات کے لا انتہا مختلف البیان ہونے کی وجہ کیا ہے پھر خود ہی جواب دیتے ہیں کہ کسی کا کوئی چشم دید واقعہ بیان نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ صدہا طبعزاد باتیں تراشی گئیں۔ واقعات کی تدوین عرصہ دراز کے بعد ہوئی۔ (ص۱۷۵)

سب سے پہلے جس شخص نے اس واقعہ کو افسانوی رنگ دیا وہ ابو مخنف لوط بن یحییٰ ازدی متوفی ۱۷۵ھ تھا (اگر وہ ۷۵ سال کی عمر میں مرا ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کربلا کے واقعہ سے چالیس سال بعد پیدا ہوا) اسے آئمہ رجال نے متفقہ طور پر کذاب اور غیر ثقہ کہا ہے۔

ابو مخنف کے بارے میں مصنف مجاہد اعظم تسلیم کرتے ہیں کہ اس نے یہ واقعات سماعی لکھے ہیں۔ اس لحاظ سے ابو مخنف کی تصنیف مقتل میں جو کچھ لکھا ہوا ہے سراسر ایجاد بندہ ہے۔ اور پھر لطف یہ کہ مقتل کے بھی کئی نسخے ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف البیان ہیں اور ان سے صاف پایا جاتا ہے کہ ابو مخنف بھی ان کا جامع نہیں بلکہ کسی اور نے ہی یہ واقعات قلمبند کیے ہیں (مجاہد اعظم ص۱۸۱)

تبصرہ: مکہ معظمہ سے کربلا تیس منزل ہے۔ اس زمانہ میں منزل سے ادھر یا ادھر قیام کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ مقررہ منازل پر قافلوں کے لیے سرائیں اور چارہ پانی کا انتظام ہوتا تھا۔

یہ بات بتواتر فریقین کے نزدیک مسلمات کا درجہ رکھتی ہے کہ سیدنا حسین رض ذی الحجہ کی دس تاریخ مکہ سے روانہ ہوئے۔ اب راستہ کی منازل دیکھیے۔ بستان عامر۔ ذات عراق۔ الغمرہ۔ المصلح۔ افیعیہ۔ التمیٰ۔ سلیلہ۔ معدن بن سلیم۔ زبذہ مغیثۃ الماوان۔ معدن لقرہ۔ الحاجز۔ سمیرا۔ توز۔ فید۔ الاجفر۔ الخزیمہ ازود۔ ثعلبیہ۔ قبر العبادی۔ اشقوق، زبالہ، القاع۔ عقبہ۔ واقصہ۔ القرعا۔

منازل کے حساب سے ۶ محرم کو آپ القرعا پہنچے۔ اس مقام سے کوفہ کا راستہ دائیں طرف ہو جاتا ہے۔ اسی مقام پر آپ کو معلوم ہوا کہ کوفی میرا ساتھ

نہیں دیں گے۔ بلکہ میں ان لوگوں میں خواہ مخواہ پھنسا ہوں۔ آپ نے اس مقام سے اپنا رُخ دمشق کی طرف کر لیا۔

۷ر محرم کو العذیب ۸ر محرم کو ذوحسم وقصر مقاتل اور ۹ر محرم کو کربلا پہنچے۔ دوسرے روز ۱۰ر محرم کو جب کوفیوں نے دیکھا کہ اب ہمارے ہاتھ نکلے جا رہے ہیں تو انہوں نے نہایت، شقاوت، سنگدلی اور بے رحمی سے آپ کو شہید کر دیا اگر حضرت حسین رضہ کی نظروں میں یزیدرہ واقعی فاسق و فاجر تھا اور آپ نے یہ سفر جہاد کے لیے کیا تھا تو پھر آپ نے کوفہ کی بجائے دمشق کا رُخ کیوں کیا۔ کیا آپ کا چند کوفیوں اور اپنے خاندان کے چند نوجوانوں کے ساتھ براہِ راست یزید سے ٹکر لینے کا ارادہ تھا۔ اس سیدھے سوال کا جواب فریقین کی کتب میں تواتر کی حد تک بلا اختلاف موجود ہے۔

القرعا سے سرکاری فوجیں آپ کے ہمراہ ہو چکی تھیں۔ کربلا کے مقام پر آپ نے دس محرم عمرو بن سعد رضہ کے سامنے تین صورتیں پیش کیں۔

۱۔ مجھے واپس جانے دیا جائے۔

۲۔ مجھے سرحدات کی طرف نکل جانے دیا جائے کہ وہاں جا کر جہاد کروں۔

۳۔ مجھے امیر یزیدرہ کے پاس جانے دیا جائے، کہ میں خود ان سے مل کر فیصلہ کر لوں۔ عمرو بن سعد نے آخری شرط منظور کر لی۔ مگر واقعہ جمل میں جس طرح صدیقہ کائنات رضہ اور سیدنا علی رضہ کے درمیان فیصلہ ہوتے دیکھ کر سبائیوں نے یہ یقین کر لیا کہ ان صلح ہماری گردنوں پر ہوگی۔ اور انہوں نے رات کو چپکے سے صدیقہ کائنات کے لشکر پر حملہ کر دیا اور غلط فہمی میں مبتلا ہو کر دونوں فریق ایک دوسرے سے الجھ گئے۔ اسی طرح کوفیوں نے دیکھا کہ اگر حسین رضہ، یزید کے پاس پہنچ گئے اور ہماری چٹھیاں امیر یزید کے سامنے پیش ہوئیں تو ہماری خیر نہیں۔ بس انہوں نے آگے بڑھ کر چند لمحات میں ان پاکباز نفوس کو تلواروں کی دھار پر رکھ لیا۔ عمرو بن سعد رضہ دیکھتے ہی رہ گئے۔

سیدنا امیر یزیدرہ جنہیں قاتل حسین رضہ قرار دیا جاتا ہے۔ انہیں تو سیدنا حسین رضہ کی مظلومانہ شہادت کے المناک واقعہ کی خبر کہیں دو ہفتے بعد پہنچی ہوگی۔

اس بات کو سمجھنے کے لیے ذیل کا نقشہ ملاحظہ ہو۔

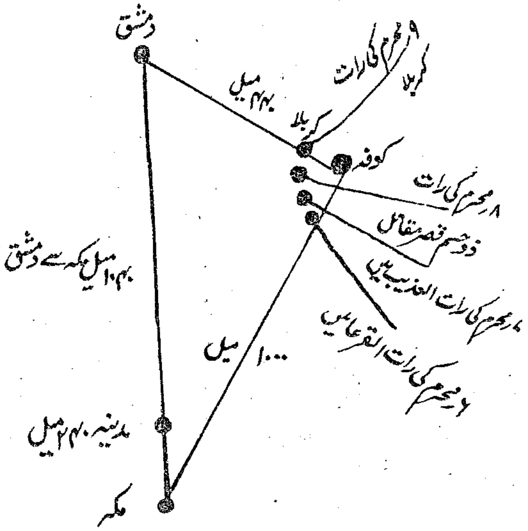

۱۔ سیدنا حسین مدینہ سے ۲۷ر رجب چلے اور ۳ر شعبان مکہ پہنچے اوسط سفر روزانہ : ۴۰ میل۔

۲۔ مکہ سے ۸ر ذو الحجہ کو چلے اور ۹ر محرم کربلا پہنچے اوسط سفر روزانہ = ۳۳ میل **اگر بقول روافض یکم محرم کو کربلا پہنچے** تو اوسط سفر روزانہ ۵۴ میل بنتی ہے جو اونٹوں، گدھوں، گھوڑوں کے قافلہ کی صورت میں معہ عیال ہو قطعاً ناممکنات میں سے ہے۔

اب دوسری صورت کی طرف توجہ دیجئے آپ ۱۰ر ذوالحجہ کو مکہ سے چلے اسی روز امیر مکہ نے امیر یزیدرہ کو اطلاع دی۔ مکہ سے دمشق کا فاصلہ ۱۲۸۰ میل کے قریب ہے۔ امیر یزید نے اطلاع ملتے ہی قاصد دمشق روانہ کر دیا۔ دمشق سے کوفہ ۴۴۰ میل ہے۔ گویا قاصد نے ۳۰ دن میں ۱۲۸۰ + ۴۴۰ = ۱۷۲۰ میل کا سفر طے کیا اس لحاظ سے اس نے ۵۷ میل اوسطاً روزانہ سفر کر کے امیر ابن زیاد کو اطلاع دی اور امیر ابن زیاد نے سیدنا حسین رضہ کے قتل کا حکم دیا۔

میں یہاں دنیا بھر کے جغرافیہ دانوں اور ریاضی دانوں کے سامنے انصاف کے نام پر اپیل کرتا ہوں کہ وہ کسی کلیہ یا فارمولا سے ثابت کر دیں کہ ایسا ہونا ممکنات

سے ہے۔

حسین دس محرم کو شہید ہوتے ہیں۔ اگر اسی روز آپ کی شہادت کی اطلاع کے لیے قاصد امیر یزید رح کی خدمت میں بھیجا گیا ہو اور قاصد کے روزانہ سفر کی اوسط ۳۵ میل ہو تو امیر موصوف کو کہیں ۲۳/۲۴ کو اطلاع پہنچ سکتی تھی۔

قصہ شہر بانو

ایک پُر فریب جعل، عظیم الشان جھوٹ اور کذب افترا سے بھرپور داستان

نامعلوم اس داستان کو کس نے جنم دیا؟ کس نے پروان چڑھایا اور ابتدائی طور پر کن لوگوں نے اسے شہرت دی۔

حسین کاظم زادہ نے بھی اس داستان سے اپنی مایہ ناز تصنیف کو زینت دیتے ہوئے خامہ فرسائی کی ہے کہ یزدگرد آخری ساسانی بادشاہ کی دختر شہر بانو ایرانی قیدیوں کے ساتھ عمر بن الخطاب کے سامنے پیش ہوئی۔ انہوں نے دوسرے قیدیوں کے ساتھ اسے بھی بازار میں فروخت کیے جانے کا حکم دیا۔ حضرت علی رضہ مانع ہوئے اور کہا کہ پادشاہزادگان عجم کو ننگے سر بازار میں لے جانا خلاف ادب ہے بالآخر شہر بانو حضرت حسین رضہ فرزند علی رضہ کے حصے میں آئی۔

اس داستان سرائی کے بعد مصنف لکھتا ہے کہ اسی سبب سے خاندان حضرت علی رضہ ایرانیوں کی نظر میں اصل نسل کے اعتبار سے ساسانی نسب رکھتا تھا (کذا) اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ کی بنا پر شرافت اور امتیاز سے بھی مخصوص تھا تنہا اسی سبب سے یہ خاندان جائز طور پر تخت و تاج کیانی کا وارث ہو سکتا تھا۔ نیز اسی بنا پر علی رضہ (زین العابدین) جو امام حسین رضہ کے فرزند ارجمند شہر بانو کے بطن سے تھے فخر العرب والعجم کہلاتے تھے کیونکہ باپ کی طرف سے ان کا سلسلہ نسب

بزرگ ترین عرب یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ماں کی طرف سے روئے زمین کے نجیب ترین سلاطین یعنی عجم کے بادشاہوں پر منتہی ہوتا ہے۔

یہی داستان جب کربلا تک پہنچتی ہے تو اس پر مزید جو حاشیہ آرائیاں ہوتی ہیں وہ بھی حیران کن ہی نہیں بلکہ پریشان کن بھی ہیں۔ ایک صاحب فرماتے ہیں۔ شہادت حسین رضہ کے بعد ان کا گھوڑا خیمہ کے دروازہ پر آکر کھڑا ہوا اور حضرت شہر بانو اس پر سوار ہو کر ایران کی طرف چل نکلیں۔ راستہ میں انہیں اپنا بھائی مل گیا جو حضرت حسین کے لیے آرہا تھا۔ راسے ٹیلی فون پر اطلاع دی ہوگی کہ مدد کے لیے پہنچو) حضرت شہر بانو کو ہمراہ لے کر واپس چلا گیا ایک اور صاحب دیا کھیان کرتے ہیں کہ آپ دریائے فرات میں ڈوب کر مر گئیں گویا خودکشی کی حرام موت مریں۔

میں سخت حیران ہوتا ہوں کہ شیعہ تو رہے درکنار اہل سنت و جماعت کا اچھا خاصا سمجھدار طبقہ بھی اپنے مواعظ میں شہر بانو کے حالات کو اس طرح بیان کر کے سامعین کو رُلاتا ہے گویا یہ بھی دین کا ایک اہم حصہ یا جزو ہے حالانکہ تاریخی نقطہ نظر سے شہر بانو کا وجود محل نظر ہی نہیں بلکہ بالکل عنقا ہے شہر بانو نام کی کوئی بیوی حضرت حسین رضہ کے حرم میں سرے سے تھی ہی نہیں چہ جائیکہ وہ یزدگرد کی لڑکی ہو۔ دراصل یہودی تکنیک اور مجوسی عصبیت نے مل کر شیعیت کا جو ہیولے کھڑا کیا اس میں نہایت چابکدستی سے اس قسم کی روایات کو سمویا کہ آج بڑے سے بڑا مورخ اور بڑے سے بڑا محقق بھی جھوٹ اور سچ کی تمیز میں اپنے آپ کو معذور پاتا ہے۔

اب آیئے ذرا چند لمحات کے لیے ہم تاریخ ایران کا مطالعہ کر کے شہر بانو کو تلاش کریں۔ کہ یہ کون تھی کہاں سے آئی تھی۔ کس کی بیٹی تھی یا سرے سے تھی نہیں۔

شہر یار کا بیٹا یزدگرد ۱۳ھ میں تخت نشین ہوا۔ اس کی عمر اس وقت ۱۶ سال تھی (اخبار الطوال صفحہ ۱۲۵) گبن نے پندرہ سال لکھی ہے۔ یہی سال فاروق اعظم کی خلافت کا پہلا سال ہے ۱۵ھ میں اس کی عمر ۱۸ سال تھی۔ قادسیہ کا معرکہ لڑا گیا۔ یزدگرد یہ سنتے ہی مدائن چھوڑ کر بھاگ نکلا اور حلوان پہنچ گیا۔

(ملخص فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۲۷۱ اخبار الطوال صفحہ ۱۳۳)

اسلامی لشکر نے جب ادھر کا رُخ کیا تو وہ مع اہل وعیال کے خاقان قم اور قاشان کو بھاگتا پھرا آخر ۲۹ھ میں جب اس کی عمر ۳۲ سال تھی خراسان پہنچا اور ۳۰ھ بعہد خلافت عثمانی اس کا خاتمہ ہوگیا۔

غرضیکہ یزدگرد پر اسلامی لشکر نے کہیں بھی قابو نہیں پایا۔ پھر شہر بانو کہاں گرفتار ہوئی اور کس نے گرفتار کی اصل میں اس قصہ کا خالق زمخشری جیسا تاریخ سے ناواقف انسان ہے۔ ابن خلکان بھی زمخشری کے چکر میں آگیا۔

زمخشری کے سوا طبری، ابن الاثیر، یعقوبی، بلاذری اور ابن قتیبہ وغیرہ کسی نے اس واقعہ کو نہیں لکھا۔ اور لکھتے بھی کیسے جبکہ یزدگرد معہ اہل وعیال آگے آگے بھاگتا رہا اور کسی مقام پر مسلمانوں کے قابو میں ہی نہیں آیا۔ اگر اس کے عیال میں سے کوئی گرفتار بھی ہوا ہوگا تو وہ زمانہ خلافت عثمانی کا تھا نہ کہ خلافت فاروقی کا۔

مگر مجوسیوں نے خود ایک وضعی داستان تصنیف کی اور اسے حضرت علی رضہ کے نام سے جہلا کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے پھیلایا۔ تاکہ عوام حضرت علی رضہ کے ہمنوا بن کر آپ کے نام کی آڑ میں اسلام دشمنی پر ہر معرکہ سر کرنے کے لیے تیار ہو جائیں حضرت عمر رضہ کی خلافت کے پہلے سال یعنی ۱۳ھ یزدگرد کی عمر ۱۶ یا ۱۸ سال ہے۔ محرم ۱۴ھ میں قادسیہ کا معرکہ لڑا گیا اور اس کے بعد مسلمان آگے بڑھنے شروع ہوئے۔ مگر یزدگرد آگے آگے بھاگتا رہا۔ سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں اس کے گھر لڑکی پیدا کرکے جوان کرنا اسے گرفتار کرکے مدینہ لانا اور حضرت حسین رضہ کے نکاح میں دینا یہ معجزہ شیعوں کا ہی کام ہے[۱]۔

وہ جسے اللہ نے بخش دیا مگر اس کے بندوں نے نہیں بخشا

حضرت حسین رضہ کے خروج کے وقت ہزاروں کی تعداد میں صحابہ کرام رضہ زندہ موجود تھے جن میں سے دو سو سے زائد کے نام اصابہ فی تمیز الصحابہ، البدایہ والنہایہ، جمہرۃ الانساب وغیرہ کتب میں ملتے ہیں۔ اور یہ وہ شخصیتیں ہیں جنہوں نے کسی نہ کسی وجہ سے تاریخ

---

[۱] شہر بانو کے تفصیلی حالات کے لیے راقم کی تالیف عزت رسول کا مطالعہ کیجیے۔

میں اپنا نام ثبت کرایا۔ امیر یزید رح کی ولی عہدی کے وقت امہات المومنین رضہ میں سے ام المومنین حضرت حفصہ رضہ ۵۸ھ، ام المومنین حضرت جویریہ رضہ متوفی ۵۶ھ حضرت عائشہ رضہ متوفی ۵۸ھ اور حضرت میمونہ رضہ متوفی ۶۱ھ زندہ موجود تھیں۔ ان کے علاوہ عشرہ مبشرہ میں سے سیدنا سعد رضہ بن وقاص متوفی ۵۵ھ سیدنا سعید بن زید رضہ متوفی ۵۱ھ۔ حضرت اسامہ بن زید رضہ متوفی ۵۹ھ حضرت ابوہریرہ رضہ متوفی ۵۹ھ زندہ موجود تھے۔ اور وہ اصحاب جنہوں نے امیر یزید رح کی سالاری میں قسطنطنیہ میں جہاد کیا ان کی تعداد کئی ہزار تھی۔ اس لشکر کی مغفرت کی بشارت رسول اللہ صہ نے دی تھی اور حضرت حسین رضہ خود اس لشکر میں موجود تھے۔ پھر ۵۰ اور ۵۱ھ میں دوبارہ امیر یزید نے امیر الحجاج بن کر تمام عالم اسلام کے مسلمانوں کو حج کرایا اور تمام مسلمانوں کو حج کرایا۔ اور تمام مسلمانان عالم نے متعدد نمازیں ان کے پیچھے پڑھیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ دیانت، غیرت، حیا، صداقت، حق وباطل کی تمیز کی قسم کی کوئی چیز بھی ان لوگوں میں باقی نہ رہی۔ خود کفر وشرک کا ارتکاب کریں۔ ان کی اولادیں مادر پدر آزاد ہوں ان کی مجالس سے شیطان پناہ مانگے ان کے افعال وکردار سے انسانیت سر بگریباں ہو مگر کوئی پرواہ نہیں۔ انہیں اگر تکلیف ہے تو یزید رح کی بدکرداری کی انہیں فکر ہے تو یزید کی بداعمالی کی کیا کبھی ان لوگوں نے اس بات کی طرف بھی غور کیا ہے کہ یزید رح کی سالاری میں سند یافتہ بخشے ہوئے لوگوں نے جہاد کیا۔ دو سال حج کے دوران میں ہزاروں صحابہ نے ان کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ ان کی ولی عہدی کی بیعت بقول شیعہ اصحاب ہر ہر قریہ سے لی گئی اور جب وہ خلیفہ بنے تو اس وقت بھی ہزاروں صحابہ زندہ موجود تھے۔ مگر ہمیں مخالف یا موافق مورخوں کی کسی تاریخ میں سوائے حضرت حسین رضہ کے خروج کے کوئی اور نام نہیں ملتا۔ اور وہ بھی اس صورت میں کہ کسی ایک صحابی رضہ نے آپ کا ساتھ نہیں دیا بلکہ چچا زاد بھائی اور بہنوئی بھی الگ ہوگئے۔

اس حقیقت کو ذہن نشین کرنے کے لیے ذہن، عقل، فراست، بصیرت اور ایمان کی ضرورت ہے مگر جب ہٹ دھرمی، ضد اور میں نہ مانوں کی پٹیاں قلب ونظر کی تمام طاقتوں کو ملیامیٹ کرکے رکھ دیں تو ایسے افراد سے امید انصاف محض

نادانی ہے۔

یزید کی خلافت کے وقت نا معلوم کس قدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زندہ تھے مگر تاریخ نے جن کے اسمائے گرامی کسی خاص شہرت کی وجہ سے محفوظ کر لیے وہ بھی سینکڑوں سے متجاوز ہیں۔ امیر یزید رح کی ولی عہدی کا دور دس سال پر محیط ہے مگر اس دس سال کے عرصہ میں کہیں سے اس کے خلاف آواز نہیں اٹھی۔ اس دس سال کی مدت میں مرنے والے صحابہ کرام رض کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے یہاں صرف ان صحابہ کرام رض کا ایک سرسری سا ذکر ہے جو خلافت امیر یزید رح کے وقت زندہ تھے اور انہوں نے باقاعدہ امیر یزید رح کے ہاتھ پہ بیعت خلافت کی۔

امیر یزید رح کے دور خلافت میں وفات پانیوالے صحابہ کرام رض

سنہ ۶۱ھ میں وفات پانے والے

حمزہ رض بن عمرو الاسلمی : صائم الدھر تھے فتوحات شام میں شریک تھے۔

شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ رض :۔ غزوۂ حنین میں شریک تھے۔ خانہ کعبہ کی حجابت کا عہدہ ان کے خاندان میں متوارث رہا۔

عبداللہ بن مغفل : فاروق اعظم رض کی طرف سے بصرہ میں معلم مقرر ہوئے۔ بیعت الرضوان میں شامل تھے۔

صفوان بن المعطل السلمی رض :۔ غزوۂ خندق میں موجود تھے۔ سادات المسلمین میں شمار ہوتے تھے۔

بلال رض بن الحرث :۔ نبی علیہ السلام نے قبیلہ مزینہ کے معادن ان کو عنایت فرمائے۔

عبید اللہ بن عباس رض : ولقی الی دھر یزید بن معاویہ (اصابہ) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد تھے۔

سنہ ۶۲ھ میں وفات پانے والے

سنین بن وافد الظفری : حجۃ الوداع میں موجود تھے۔

مسلم بن مخلد خزرجی : خلافت معاویہ رض اور یزید رح میں امیر مصر رہے۔

معبد بن یربوع : غزوہ حنین میں شریک تھے۔ ۱۰۰ اونٹ مال غنیمت میں ملے۔

عمر بن اخطب انصاری : تیرہ غزوات میں شرکت کی۔ ایک بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کرتا اٹھا کر فرمایا بیٹھے چھو لو۔ آپ نبی اکرم کی پشت مبارک پر ہاتھ پھیرتے پھیرتے مہر نبوت تک جا پہنچے۔ ایک بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سر اور منہ پر ہاتھ پھیر کر دعا دی ۹۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔ تمام دانت سالم تھے اور سر اور داڑھی میں ایک بال بھی سفید نہ تھا۔ چہرہ کی تابانی نوجوانوں کی طرح تھی۔

معقل رض بن یسار المزنی : راوی حدیث ہیں۔ بصرہ کی نہر انہیں کے نام پہ نہر معقل کہلائی بصرہ میں ہی انتقال فرمایا۔

ابو زمعہ البلوی رض : بیعت الرضوان میں موجود تھے۔ افریقہ کے جہادوں میں شریک رہے۔

عمرو بن حزم بن زید انصاری : غزوہ خندق اور بعد کے غزوات میں شریک رہے نبی علیہ السلام کے حکم سے کچھ عرصہ نجران کے عامل رہے۔

سنہ ۶۳ھ میں وفات پانے والا

عبداللہ قبطی : ام المومنین ماریہ قبطیہ رض کے ساتھ آئے۔ اور واپس مصر نہ گئے۔

جریر بن خویلد : اصحاب صفہ میں سے تھے اور راوی حدیث ہیں۔

عبداللہ بن خالد : فارس اور بصرہ کے عامل رہے۔ راوی حدیث ہیں۔

عبداللہ بن زمعہ القرشی : کان صدیقا لیزید بن معاویہ امیر یزید کے مخلص دوستوں میں سے۔ اپنے بیٹے کا نام یزید رکھا۔

عبداللہ بن زید انصاری : بدر اور بعد کے تمام غزوات میں شریک رہے۔ مسیلمہ کذاب کے قتل میں شامل تھے۔

عقبہ رض بن نافع الفہری : عمرو بن العاص کے خالہ زاد بھائی تھے بہت بڑے شجاع اور فاتح تھے۔ انہوں نے ہی رومیوں کو شکست دے کر اپنا گھوڑا سمندر میں ڈال کر کہا تھا اے خدا اگر میرے راستہ میں سمندر حائل نہ ہوتا تو میں جہاں تک میں جا سکتا تیرا نام بلند کرتا۔

مسلم بن مخلد انصاری : امیر یزید کی طرف سے مغربی افریقہ کے عامل رہے۔

سنہ ۶۴ھ میں وفات پانے والا

ثابت بن ضحاک انصاری: بخاری اور ترمذی کی روایات کے مطابق غزوہ بدر اور بیعت الرضوان میں شریک تھے۔ حدیث "جو کسی مومن پر کفر کا الزام لگائے وہ خود ایسا ہی ہوگا" کے راوی ہیں۔

ابو برزہؓ الاسلمی: نام فضلہ بن عبید۔ خیبر، فتح مکہ اور حنین میں شریک تھے خراسان کے جہادوں میں شریک۔ کچھ عرصہ مرو میں قیام کیا بصرہ میں وفات پائی۔

ابو بشیرؓ انصاری: متعدد سفروں میں نبی علیہ السلام کے ساتھ رہنے کا شرف حاصل کیا۔ واقعہ حرہ کے بعد فوت ہوئے۔

ابو جہم بن حذیفہ القرشی: حنین کے مال غنیمت پر اور دیگر صدقات پر نبی علیہ السلام نے محصل مقرر فرمایا۔ سیدنا ذوالنورین رض کی تدفین میں حکیم بن حزام۔ جبیر بن مطعم، نیاز بن مکرم۔ عبداللہ بن زبیر وغیرہ کے شامل تھے۔

ابو فراس الاسلمی: اصحاب صفہ میں سے تھے۔ بدری تھے۔

حارثہ بن بدر بن حصین التمیمی: اسلامی فتوحات میں حصہ لیا۔ فاروق اعظم رض۔ علی رض، معاویہ رض اور یزید رح کے ہم صحبت رہے۔

حارث بن نفیع انصاری: فتنوں سے الگ رہے۔

عمرو بن غیلان الثقفی: کچھ عرصہ بصرہ میں امیر رہے۔

حولہ رض بن کنیف بن محل: ابو ہریرہ رض کے ہم جلیس تھے بڑے فصیح و بلیغ اور ذواللسانین کے لقب سے ملقب تھے ایک سو بیس برس کی عمر میں بزمانہ امیر یزیدؒ فوت ہوئے۔ صحیح سن وفات معلوم نہ ہو سکا۔

ابو لیلی النابغہ الجعدی: آپ کے کسی کلام سے متاثر ہو کر نبی علیہ السلام نے فرمایا احسنت یا ابو لیلی امیر یزید کے زمانہ سے بہت بعد فوت ہوئے۔

عبداللہ بن خالد بن رسید الاموی: حدیث کے راوی ہیں۔ فارس اور بصرہ کے عامل رہے، امیر یزید کے دورِ خلافت میں وفات پائی۔

عائذ بن عمرو مزنی: بیعت الرضوان میں شامل تھے آخری عمر بصرہ میں گزاری اور وہیں انتقال کیا۔

بریدہؓ بن الحصیب الاسلمی: قبیلہ اسلم کے سردار تھے اُحد کے بعد سترہ غزوات میں شامل ہوئے۔ خراسان میں جہاد کیا اور مرو میں سکونت اختیار کی ان کے بیٹے عبداللہ اور سلیمان توام پیدا ہوئے اور ایک ہی دن ان کی موت واقع ہوئی۔

عبدالمطلب بن ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب: نبی علیہ السلام سے دوہرا تعلق تھا۔ یعنی حضورؐ کے بھانجے بھی تھے۔ ماں باپ دونوں مسلمان تھے۔ راوی حدیث بھی ہیں خیبر کی پیداوار سے نبی علیہ السلام ان کو ایک حصہ دے رکھا تھا۔ امیر یزیدؒ کے بچپن سے جوانی تک کے تمام حالات سے واقف تھے۔ اور ان کی صلاحیتوں کی وجہ سے ان سے محبت کرتے تھے۔ یہاں تک کہ وفات کے وقت امیر یزیدؒ کو ہی اپنا وصی بنایا۔ واوصی الی یزید بن معاویہ وقبل وصیۃ۔

(الاصابہ جلد ۲ صفحہ ۴۳۱، البدایہ ج ۸ صفحہ ۲۱۴۔ الاستیعاب وجمہرۃ ابن حزم)

امیر یزید کے حق میں عبدالمطلب کی یہی ایک گواہی کافی ہے۔ عبدالمطلب کے بیٹے محمد کا وہاں بڑا احترام کیا جاتا تھا محمد کے بیٹے عمرو کو امیر المومنین جعفر المنصور نے دمشق کا عامل بنایا۔ ان کی اولاد سے اکثر یمن اور مدینہ کے عامل رہے۔

مسلم بن عقبہ المری: صفین میں امیر معاویہ رض کے ایک دستہ کے کمانڈر تھے۔ کبیرا سن تھے۔ واقعہ حرہ کے بعد مکہ کے راستے میں فوت ہوئے۔

نوفل بن معاویہ الدیلی رض: غزوہ خندق کے بعد اسلام لائے اور بعد کے تمام غزوات میں شریک رہے۔ طویل عمر پائی۔

"مات بالمدینۃ فی خلافۃ یزید بن معاویہ"

الولید بن عقبہ بن ابی معیط: سیدنا ذوالنورین رض کے رضائی بھائی اور نبی علیہ السلام کی پھوپھی ام حکیم کے نواسے تھے۔ فتح مکہ کے بعد اسلام لائے دورِ صدیقی میں صدقات قضاعہ پر اور پھر شرق اُردن پر امیر عسکر مقرر ہوئے سیدنا فاروق اعظم رض کے زمانہ میں بنی ثعلب پر محصل صدقات اور پھر سیدنا ذوالنورین کے دور میں کوفہ کے گورنر رہے مصنف العواصم من القواصم لکھتے ہیں وکان خیر ولاتہا عدلاً ورفقاً واحساناً مفسدین نے ان پر شراب نوشی کا الزام لگایا آخری دنوں میں کوفہ کے قریب الرقہ میں مقیم ہوئے وہیں منزل عقبیٰ طے کی۔[1]

---

[1] ان کے تفصیلی حالات کے لیے مشکوٰۃ المصابیح کے فوائد غزنویہ پر ایک نظر اور امیر المومنین مروان بن حکم دیکھیے۔

ہلال بن حارث مزنی : فتح مکہ میں شریک تھے اپنے قبیلہ کا جھنڈا اٹھائے ہوئے تھے۔

امیر مروان رض کی خلافت کی بیعت کرنے والے صحابہ کرام رض

مدت خلافت : امیر مروان رض ایک سال۔

۱۔ **مالک بن ہبیرہ بن خادر الکندی :** فتح مصر میں شامل تھے راوی حدیث ہیں۔

۲۔ **عبداللہ بن سعد الفزاری**

۳۔ **اسماء بن خارجہ**

۴۔ **عمرو بن سفیان البکائی۔** جھوٹی حدیثیں وضع کرنے والوں پر لعنت کیا کرتے تھے۔

عبدالملک بن مروان رض ۶۵ تا ۸۶ھ امیر مروان رض کی وفات کے بعد ان کے فاضل ترین بیٹے امیر عبدالملک سر پر آرائے خلافت ہوئے یہ عبدالملک بن مروان رض اپنے زمانے کے مشاہیر فضلاء اور فقہاء میں سے تھے۔ موطا کتاب الاقضیہ، کتاب المکاتب کتاب العقول میں ان کے فیصلے موجود ہیں اور کتاب النکاح میں مالک بن ابی عصبہ کی حدیث ان کے فضائل کی ترجمان ہے۔ امام بخاری نے کتاب الادب المفرد میں ان سے روایت کی ہے اسی طرح امام زہری، عروہ بن زبیر، خالد بن معدان رجاء بن حیوہ بھی ان سے روایت کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رض کے آزاد کردہ غلام نافع کہتے ہیں کہ میں نے عبدالملک سے بڑھ کر قرآن کا قاری اور سنت کا متبع نہیں دیکھا۔ مدینہ میں صرف چار آدمی فقیہہ تھے سعید بن مسیب عروہ بن زبیر، قبیصہ بن ذوئب اور عبدالملک شعبی کہتے ہیں جن لوگوں کے پاس بیٹھا اپنے آپ کو ان سے بڑا پایا۔ مگر عبدالملک کا علم مجھ سے زیادہ تھا۔

آپ کی خلافت کا دور ۲۱ سال کے زمانہ پر محیط ہے ان کی خلافت کے اس طویل دور میں کسی تاریخ میں ایک واقعہ ایسا نہیں ملتا کہ ان سے کسی کو کسی قسم کی شکایت کا موقع ملا ہو۔ ان کے زمانے میں وفات پانے والے جن صحابہ کرام کے اسمائے گرامی تاریخ کے صفحات میں موجود ہیں ان میں سے چند ایک کے اسماء گرامی سے آپ بھی

اپنے ذہن و ایمان کو منور کیجیئے۔

۶۶ھ حارث بن عوف : قدیم الاسلام تھے۔ بعض نے بدری لکھا ہے۔ فتح مکہ کے روز بنی لیث کے علمبردار تھے۔

۶۶ھ جنادہ بن ابی امیہ الازدی : فتح مصر میں شریک تھے۔ راوی حدیث ہیں۔

۶۸ھ خویلد بن عمرو کعبی الخزاعی ابو شریح : فتح مکہ میں نبی علیہ السلام کے رکاب میں تھے اور اپنے قبیلہ کے علمبردار تھے۔ تمام زندگی مدینہ میں گزری۔

البراء بن طالب بن الوارث انصاری : ان کے باپ بھی صحابی تھے تمام غزوات میں شرکت کی ۶۸ھ، ۶۹، اور بعض روایات میں ۶۰ھ میں انتقال کیا۔

زید بن ارقم انصاری : غزوۂ اُحد کے بعد تمام غزوات میں شریک تھے۔ حضرت علی رض کے طرفدار تھے۔ سو سے زیادہ احادیث کے راوی ہیں۔

ضحاک بن قیس الفہری : کوفہ اور دمشق کے عامل رہے۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص : فقہاء و عباد میں شمار ہوتے ہیں احادیث نبوی کا پہلا مجموعہ مرتب کیا۔ باپ سے پہلے اسلام لائے عبداللہ بن العباس کی دختر سیدہ عمرہ زوجیت میں تھیں۔

عبداللہ بن یزید الاوسی : بیعت رضوان میں موجود تھے۔

عبدالرحمٰن بن حاطب :

عدی بن حاتم : صفین میں حضرت علی رض کے ساتھ تھے۔ راوی حدیث ہیں حضرت حسن رض کے ساتھ امیر معاویہ رض کی بیعت کی۔

عبداللہ بن عباس : انہیں حبر الامت کہا جاتا ہے فاروق اعظم رض کے مشیر خصوصی تھے

ابن زبیر کے زمانہ میں وفات پائی۔

۶۹ھ جابر بن عبداللہ انصاری: صحابی ابن صحابی ہیں۔ بدر میں عمر ۱۶-۱۷ سال تھی بیعت عقبہ میں موجود تھے فتح مکہ میں اپنے قبیلہ کے علمبردار تھے صحابہ کرام میں سے سب سے آخر میں مدینہ میں انتقال کیا احادیث کی کثرت سے روایت کی ہے۔

فضالہ بن عبید: غزوات میں شریک رہے۔ امیر معاویہ رضؓ نے دمشق کا قاضی بنایا۔

جندب بن عبداللہ بن سفیان البجلی: راوی حدیث ہیں۔ قبروں کی تعظیم سے منع کرنے کی حدیث کے اور فتنوں کے وقت الگ رہنے کی احادیث کے راوی ہیں۔

۷۰ھ عبداللہ بن ابی حدادا سلمی: بیعت الرضوان میں شامل تھے نبی علیہ السلام نے دو بار سریہ پر متعین کیا ۸۱ سال کی عمر پائی۔

ابوامامہ: اصل نام صدی بن عجلان تھا راوی حدیث ہیں قرآن کی آیت فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلٰهُ الخ میں صالح مومنین کی تفسیر میں ابوبکر رضؓ اور عمر رضؓ سے مراد لیا کرتے تھے۔ شام میں سب صحابہ سے آخر میں رحلت کی۔

ثعلبہ بن الحکم اللیثی: ۷۰ھ ۸۰ھ کے درمیان فوت ہوئے امام بخاری کہتے ہیں لہ صحبۃ۔

سعید بن غران الہمدان: حضرت علی رضؓ کے کاتب (سیکرٹری) تھے جرجان میں فوت ہوئے۔

سفینہ مولی نبی علیہ السلام: بعض احادیث کے راوی ہیں

عبداللہ بن معقل انصاری: غزوۂ اُحد میں شامل تھے۔ خلفائے بنو امیہ کے شعراء میں سے تھے۔

عبدالرحمٰن بن زید بن الخطاب: فاروق اعظم رضؓ کے بھتیجے اور ابولبابہ بدری

کے نواسے۔ نبی علیہ السلام نے کان میں اذان کہی اور برکت کی دعا دی امیر یزید کی طرف سے مکہ کے عامل رہے۔

حارث بن عمرو: مُتعہ کی حرکت کی حدیث کے راوی ہیں۔

۷۱ھ۔ ابوعبداللہ انصاری: نام جابر عتیک

سائب بن خلاد ابوسہلا خزرج: بدری ہیں اور بعد کے تمام غزوات میں شامل رہے۔ امیر معاویہ رضؓ کے زمانہ میں یمن کے گورنر رہے۔

عبداللہ بن ابی حدد: حدیبیہ اور خیبر میں شامل تھے، ۷ھ میں نبی علیہ السلام نے ایک سریہ پر متعین فرمایا۔

عبداللہ بن سائب المخزومی: کلام اللہ کے قاری تھے۔ اہل مکہ نے فن قرأت انہیں سے سیکھا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے باپ سائب رسول اللہ کے شریک تجارت رہے۔

۷۲ھ حارث بن سوید التیمی:

عبداللہ بن حازم اسلمی: بڑے شجاع تھے الحاکم نے ان کا ذکر کیا ہے۔

معبد بن خالد جہنی: سابقون الاولون میں سے تھے فتح مکہ کے اور اپنے قبیلہ کے علمبردار تھے۔

زید بن خالد الجہنی: بیعت رضوان میں شامل تھے۔ فتح مکہ کے روز اپنے قبیلہ کے علمبردار تھے۔ متعدد غزوات میں شریک ہوئے۔

۷۳ھ اوس بن صبیح حضرمی:

عبداللہ بن سعد انصاری: یرموک اور قادسیہ کی جنگیں لڑیں۔

عوف بن مالک اشجعی : غزوۂ خیبر میں شریک تھے فتح مکہ میں اپنے قبیلہ کے علمبردار تھے۔ آخری زندگی حمص میں گزاری۔

۷۴ھ سلمہ بن عمرو بن الاکوع انصاری : بڑے جانباز۔ شہسوار اور تیر انداز تھے یہ شعر انہیں کا ہے جو انگلی کے زخمی ہونے پر کہا ۔

هل انت الا اصبع دميت
وفی سبيل الله ما لقيت

ایک دفعہ نبی علیہ السلام نے بھی زخمی ہونے پر یہ ہی شعر پڑھا۔ مدینہ کے مفتی بھی رہے۔

عبداللہ بن عمر : بدر کے وقت ۱۵/۱۶ برس کے تھے بیعت الرضوان میں سب سے پہلے بیعت کی۔ نہایت عابد، زاہد، عالم اور متقی تھے شہادت عثمان رضؓ کے بعد تمام فتنوں سے الگ رہے۔ حضرت حسن رضؓ نے جب امیر معاویہ رضؓ کے ہاتھ پہ بیعت کی انہوں نے بھی بیعت کی۔ امیر یزید رحؒ کی بھی بیعت کی اور ثابت قدم رہے حضرت حسین رضؓ اور ابن زبیر رضؓ کو خروج سے منع کرتے رہے حضرت حسین رضؓ اور ابن عمر رضؓ کے کھیل کود کی داستانیں لغو ہیں آپ سیدنا حسین رضؓ سے ۱۵-۱۶ سال بڑے تھے۔ امیر یزید کے بعد امیر مروان رضؓ اور ان کے بعد عبدالملک کی خلافت کی بیعت کی۔ نبی علیہ السلام نے آپ کو رجل صالح کہا ہے ان کی ایک الگ مسند بقی بن مخلد نے جمع کی ہے جس میں ۱۶۳۰ احادیث ہیں۔

الاسود بن یزید۔ صایم الدھر تھے۔

جابر بن سمرہ بن جنادہ العامری : صحابی ابن صحابی تھے صنادید قریش میں سے تھے سعد بن وقاص کے بھانجے تھے بہت سی حدیثوں کے راوی ہیں۔ بارہ خلیفوں والی حدیث کے راوی ہیں۔ دو ہزار سے زیادہ نمازیں امیر یزید کے پیچھے پڑھیں۔

جابر بن عبداللہ انصاری : بیعت عقبہ میں شامل تھے ۷۴ھ یا ۷۸ھ میں فوت ہوئے

زرارہ بن جزء بن عمرو الکلابی : راوی حدیث ہیں۔

سعد بن مالک بن سنان انصاری : کثیر الروایات ہیں اُحد کے بعد تمام غزوات

میں شریک رہے۔ فضلاء و علماء انصار میں سے تھے۔ حضرت حسین رضؓ کو شدت سے منع کرتے رہے کہ خروج نہ کرو۔ امیر یزید کی بیعت کے مؤید تھے۔

عبید بن عمیر بن قتادہ الیثی : ان کے والد بھی صحابی تھے۔

عثمان بن عبید اللہ : طلحہ بن عبید اللہ کے بھائی تھے ہجرت بھی کی۔

۷۵ھ۔ ابو ثعلبہ خشنی : ابو ثعلبہ جرثوم بن ناشر۔ غزوہ حنین سے پہلے اسلام لائے مال غنیمت سے حصہ پایا۔

ابو ثعلبہ بن جرہم : بیعت الرضوان اور غزوہ حنین میں شریک تھے ان کے بھائی عمرو بن جرہم بھی صحابی تھے۔

العرباض بن ساریہ السلمی : اصحاب صفہ میں سے تھے۔

عطیہ بن بسر المازنی : حمص میں مسکن گزیں تھے۔

عمرو بن میمون الازدی : حضرت معاذ اور ابن مسعود کی علمی صحبت اٹھائی پچاس سے زیادہ حج کیے۔

عمرو بن سفیان بن عبد شمس : حضرت علی رضؓ کے سخت مخالف تھے۔ امیر مروان رضؓ کے ساتھ مصر کا سفر کیا۔

۷۶ھ زہیر بن قیس البلوی : فتح مصر میں شریک تھے برقہ میں رومیوں کے خلاف جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے۔

۷۷ھ سائب بن جناب مدنی : رسول اللہؐ سے وضو کے بارے میں حدیث کے راوی ہیں۔

۷۸ھ عبداللہ بن غنم الاشعری : آپ کا فضلائے صحابہ میں شمار ہوتا ہے۔ یمن میں معاذ رضؓ کے ساتھ رہے۔ فاروق اعظمؓ نے تبلیغ دین کے لیے شام بھیجا۔

جابر بن عبداللہ : نبی علیہ السلام کے ساتھ نو غزدوں میں شرکت کی لیلۃ البعیر میں ۲۵ مرتبہ دعاء کی۔ مسجد نبوی میں ان کا حلقۂ درس ہوتا تھا۔

۸۰ھ جبیر بن نفیر بن مالک الحضرمی : راوی حدیث ہیں۔

جنادہ بن امیہ دوسی: عبادہ بن صامت کے احباب میں سے تھے۔

سائب بن یزید الکندی: والد بھی صحابی تھے۔ نبی علیہ السلام کے وضو کا پانی پیا اور مہر نبوت کی زیارت کی۔

عبداللہ بن حوالہ الازدی: نبی علیہ السلام نے شام میں بسنے کی بشارت دی۔

ثعلبہ بن الحکم:

۸۱ھ عبداللہ بن شداد بن الہاد اللیثی: ان کی والدہ سلمی، ام المومنین میمونہ رضؓ اور ام الفضل زوجہ عباس کی بہن تھیں۔

ابو امامہ باہلی: جن کا اصل نام صدی بن عجلان ہے۔ راوی احادیث ہیں۔ پہلے مصر میں رہے پھر حمص ملک شام میں فوت ہونے والے آخری صحابی ہیں (استیعاب: ۶۳۸)

۸۲ھ۔ عبیداللہ بن عدی بن الخیار بن عدی بن نوفل القرشی:

عفان بن وھب الخولانی: افریقہ کے جہادوں میں حصہ لیا مصر میں فوت ہوئے۔

۸۳ھ عامر بن مسعود: امیر معاویہ رضؓ کی وفات کی خبر ابن عباس کو دی تو انہوں نے فرمایا آئندہ معاویہ رضؓ جیسی صفات کا آدمی آنے والا نہیں اور ان کا بیٹا یزید اپنے خاندان کا بہتر اور نیک شخص ہے۔ میں لوگوں کو وصیت کرتا ہوں کہ اس کی بیعت کرنا اور کسی قسم کا فتنہ پیدا نہ کرنا۔ پھر خود بیعت کی شروع خلافت مروان رضؓ میں انتقال کیا۔ (الانساب الاشراف بلاذری)

عمر بن ابی سلمہ: ام المومنین ام سلمہ رضؓ کے فرزند تھے۔ نبی کے سایہ عاطفت میں پرورش پائی۔ حضرت علی رضؓ نے بحرین اور فارس کا گورنر بنایا۔

طارق بن شہاب: خلافت شیخین میں بہت جہاد کیے۔

۸۴ھ عبداللہ بن ابی طلحہ انصاری: پیدا ہونے کے بعد پہلی چیز جو ان کے حلق میں گئی نبی علیہ السلام کا

گئی نبی علیہ السلام کا لعاب مبارک تھا۔ ایران کے جہادوں میں شامل رہے۔

الاسود بن ہلال المحاربی: صحیحین میں ان کی مرویات ہیں۔

۸۵ھ عبداللہ بن جعفر طیار ابن ابی طالب: حضرت علی رضؓ کے حقیقی بھتیجے اور داماد تھے حضرت صدیق اکبر رضؓ کے متعلق ان کے کلمات ہیں۔ کان خیر خلیفۃ رسول اللہ وارحمہ بنا واحسانا الینا معاویہ رضؓ اور یزید رحؒ سے بہترین مراسم تھے آپ کی بیٹی ام محمد یزید کے نکاح میں تھی۔ حضرت حسین رضؓ کے خروج کے سخت خلاف تھے۔ سیدنا حسین رضؓ کی بہن یعنی اپنی بیوی زینب کو حسین رضؓ کے ساتھ جانے سے روکا مگر جب وہ نہ رکیں تو طلاق دے دی اور اپنا لڑکا علی الزینبی ان سے لے لیا اور ام کلثوم بنت علی رضؓ یعنی سیدنا عمر رضؓ کی بیوہ سے نکاح کر لیا۔ (جمھرۃ الانساب ابن حزم) امیر یزید کے متعلق فداک ابی وامی میرے ماں باپ تم پر قربان کے لفظ تمام تاریخوں میں موجود ہیں۔

عمرو بن حریث القرشی المخزومی: حدیث کے راوی ہیں۔

واثلہ بن الاسقع کنانی: اصحاب صفہ میں سے تھے۔ دمشق کے قریب بلاط کے مقام پر فوت ہوئے۔

بشیر بن عمرو: ہجرت کے سال پیدا ہوئے۔

۸۶ھ عبداللہ بن حارث بن جزء الزبیدی: ان کی چچیری بہن فضل بن عباس کے نکاح میں تھیں مصر میں فوت ہونے والے آخری صحابی ہیں۔

ابو نملہ بن معاذ بن زرارہ انصاری: بدر میں اپنے والد کے ساتھ موجود تھے بعد کے غزوات میں بھی شریک رہے۔

ابو سعید انصاری: ان کی بیوی اسماء بنت یزید بن السکن بڑی بہادر خاتون تھیں جنگ یرموک میں نو عیسائی ڈنڈے سے ہلاک کیے۔

ابو عامر الاشعری:

ادہم بن محزر الباہلی: معمرین صحابہ میں سے تھے۔

ارطاۃ بن زفر المزنی: شاعر تھے۔

اسماء بن خارجہ بن حصین الفرادی: عبدالملک ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔

اسید بن ظہیر بن رافع انصاری: صحاح میں ان کی مرویات ہیں۔ احد کے بعد تمام غزوات میں شریک ہوئے۔

بسر بن ارطاۃ القرشی: جنادہ بن امیہ کی ایک حدیث کے راوی ہیں۔ امیر معاویہ کے بڑے کارگزار جرنیل اور امیر البحر تھے قسطنطین کے بحری بیڑے کو شکست دی۔

حصین بن نمیر السکونی الکندی: فاروق اعظم رضؓ کے زمانہ میں اردن کے عامل رہے نبی علیہ السلام کے کاتبین میں سے تھے۔ مدینہ کی بغاوت میں امیر یزید کی طرف سے ایک لشکر کے کمانڈر تھے۔ امیر یزید کی وفات کی خبر سن کر انہوں نے حضرت ابن الزبیرؓ کو کہا کہ میرے ساتھ شام چلیے ہم آپ کو خلیفہ تسلیم کر لیں گے مگر آپ نہ مانے ان کے بیٹے یزید اور پوتے معاویہ حمص کے گورنر رہے۔

سعد بن زید انصاری: طبقات ابن سعد میں ان کے تفصیلی حالات ہیں۔

سلمہ بن ابی سلمہ مخزومی: ابی سلمہ آنحضرتؐ کے رضاعی بھائی تھے ان کی والدہ برہ بن عبدالمطلب تھیں اسلام لانے والوں میں آپ کا گیارہواں نمبر ہے ابی سلمہ نے حبشہ کی ہجرت سے واپسی پر وفات پائی۔ اور سلمہ کی والدہ ام سلمہ کو ام المومنین ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ آنحضرتؐ نے امامہ بنت سید الشہداء حمزہ کا آپ سے نکاح کر دیا۔ امیر یزید کے موبدین میں سے تھے۔

سمرہ بن جنادہ: معرکہ مدائن میں موجود تھے۔ بارہ خلفاء والی حدیث کے راوی ہیں اس حدیث کے دوسرے راوی جابر بن سمرہ کی وفات ۴ھ، ھیں ہوئی۔

سندر ابو الاسود: حجۃ الوداع میں موجود تھے۔ ان کے بیٹے عبداللہ رضؓ بھی صحابی ہیں۔

عبداللہ بن الحارث بن نوفل بن الحارث بن عبدالمطلب: نبی علیہ السلام کے لعاب دہن سے سیراب اور آنحضرتؐ کے ہم شبیہ تھے۔ حضرت ابو سفیان کے نواسے تھے۔

عبداللہ بن سندر الجذامی: صحابی بن صحابی اور راوی حدیث

عبداللہ بن العباس بن عبدالمطلب: حبر الامت اور مفسر ترجمان القرآن کے لقب سے ملقب ہیں۔ امیر یزید کی صلاحیتوں اور علمی فضیلت کے معترف تھے۔ حضرت حسین رضؓ مدینہ سے مکہ پہنچ کر انہیں کے ہاں مقیم ہوئے۔ آپ نے حضرت حسینؓ کو نہایت دردمندی سے کوفہ کے سفر سے روکنے کی کوشش کی۔

عبداللہ بن عصام الاشعری: صحابی اور راوی حدیث ہیں۔ صفین میں امیر معاویہؓ کے ساتھ تھے۔ امیر یزید کی طرف سے بطور سفیر حضرت ابن الزبیر کے پاس گئے۔

عبداللہ بن نوفل بن حارث: نبی علیہ السلام کے بھتیجے اور ہم شبیہ۔ خلافت راشدہ کے بعد مدینہ میں امیر مروان رضؓ کی طرف سے عامل مقرر ہوئے ان کے بھائی مغیرہ سے امامہ بنت ابو العاص یعنی نبی علیہ السلام کی نواسی کا سیدنا علی رضؓ کی شہادت کے بعد نکاح ہوا۔

علقمہ بن وقاص اللیثی: غزوۂ خندق اور اس کے بعد تمام غزوات میں شریک ہوئے عکراش بن ذویب۔ نبی علیہ السلام کے حکم سے بنی نزال بن مرہ سے صدقات وصول کر کے پیش کیے۔ جنگ جمل میں صدیقۂ کائنات کے ساتھ تھے۔

عمر بن ابی سلمہ: نبی علیہ السلام کے ربیب یعنی ام المومنین ام سلمہ کے بیٹے تھے نبی علیہ السلام کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی۔ سیدنا علیؓ کی طرف سے بحرین کے عامل مقرر ہوئے۔ فتنوں سے الگ تھلگ رہے۔

عمرو بن عروہ بن عبس: قلوع الاسلام تھے۔ متعدد حدیثوں کے راوی ہیں متعدد غزوات میں شامل ہوئے۔

عوف بن مالک اشجعی: غزوۂ خیبر میں شامل تھے۔ فتح مکہ کے روز اپنے قبیلہ کے علمبردار تھے۔

اللجلاح العامری: پچاس سال کی عمر میں اسلام لائے اور ایک سو تیس سال کی

عمر میں وفات پائی۔

مالک بن عبداللہ بن سنان الخثعمی: امیر معاویہ رضؓ، امیر یزیدؒ اور امیر عبدالملکؒ کی خلافتوں میں متعدد جہادوں میں شرکت کی۔ جہاد فی سبیل اللہ کی حدیث کے راوی ہیں کہ جہاد میں جس کے پاؤں گرد آلود ہوں گے۔ اس پر آتش جہنم حرام ہے۔

معن بن یزید السلمی: والد اور دادا بھی صحابی ہیں جو بدری ہیں فاروق اعظم رضؓ کے احباب میں سے تھے۔ صفین میں امیر معاویہ رضؓ کے ساتھ تھے۔ یزید بن رکانہ باپ بھی صحابی ہیں سراوی حدیث ہیں۔ حضرت محمد باقر بن علی رضؓ (زین العابدین) بن الحسین رضؓ اور متعدد اشخاص نے آپ سے روایت کی۔ امام شافعیؒ آپ کے بھائیؒ کی اولاد میں سے تھے۔

بزمانہ امیر المومنین ولید بن عبدالملک: ۸۶ھ تا ۹۶ھ میں وفات پانے والے صحابہ کرام رضؓ یہ وہی ولید ہیں جن کے دور خلافت میں محمد بن قاسم نے مشرق میں ملتان تک موسیٰ ابن نصیر نے مغرب میں مراکش تک اور باہلی نے شمال اور شمال مشرق میں چین کی سرحدوں تک اسلامی فتوحات کے پرچم لہرائے۔

۸۷ھ عبداللہ بن علقمہ ابی اوفیٰ: باپ بھی صحابی تھے۔ سات غزوات میں شریک ہوئے کوفہ میں فوت ہونے والے آخری صحابی تھے۔

عتبہ بن عبد السلمی: اصحاب صفہ میں سے تھے۔ ملک شام میں فتح ہونے والے آخری صحابی ہیں۔

مقدام بن معدیکرب: وفد کندہ کے ساتھ حاضر ہوئے حمص میں وفات پائی تھی۔

علقمہ بن خالد: بیعت رضوان میں موجود تھے کوفہ میں فوت ہوئے۔

۸۸ھ قبیصہ بن ذویبؓ الخزاعی: فقہائے اربعہ کے ایک رکن یہ بھی ہیں بلند پایہ فقیہہ تھے اور علمائے امت

لہ (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں سے شمار ہوتے تھے۔

۸۹ھ عبداللہ بن ثعلبہ العذری: فتح مکہ کے دن نبی علیہ السلام نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی۔

۹۰ھ۔ ابو العالیہ ریاحی:
عالم قرآن تھے۔

۹۱ھ ابو سنان العبدی: اپنی قوم کے وفد کے ساتھ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے نبی علیہ السلام نے چہرے پر ہاتھ پھیرا انہایت خوب صورت تھے۔

سہل بن سعد بن مالک الساعدی: مدینہ میں سب سے آخر میں فوت ہوئے۔

۹۳ھ حضرت انس بن مالک خادم رسول اللہ: دس سال کی عمر تھی کہ انکے سوتیلے والد حضرت طلحہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ دس سال کاشانہ نبوی میں رہے بیعت رضوان میں شامل تھے۔ فاروق اعظم رضؓ نے مسلمانوں کو تعلیم دینے کے لیے بصرہ بھیجا۔ نبی علیہ السلام کی دعا کی برکت سے تمام انصار میں مالدار اور کثیر اولاد تھے اسیؓ بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ وفات کے وقت پوتے پوتیوں کو ملا کر سو سے زیادہ تھے۔ امام ابو حنیفہؒ الدال علی الخیر کفاعلہ ان سے روایت کی ہے مگر آپ کی ان سے رویت ثابت نہیں۔

۹۴ھ حارث بن اوس بن المعلی انصاری:

عبداللہ بن انیس: ۹۴ھ میں امام ابو حنیفہ نے ان سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ حبک الشیی یعمی ویصم ایک چیز کی محبت تجھے اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے۔ (مسند ابو حنیفہ)

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) لہ ابوالزناد کہتے ہیں کہ چار شخص مدینہ کے فقیہہ مشہور تھے ابن المسیب عروہ بن الزبیر عبدالملک بن مروان اور قبیصہ ابن الذویب۔

۹۵ھ سعد بن ایاس ابو عمرو الشیبانی:
حدیث کے راوی ہیں۔

سعید و وھب الجیوانی:

۹۶ھ عبد اللہ بن المازنی: باپ بھی صحابی تھے۔ شام میں سے سب سے آخری۔

محمود بن لبید بن رافع انصاری: راوی حدیث ہیں۔ علمائے صحابہ میں سے تھے۔

الولید بن عبادہ بن الصامت: صحابی اور جلیل القدر صحابی رضؓ کے بیٹے۔

عقبہ بن عامر الجہنی: راوی حدیث ہیں۔ غزوات نبوی میں شامل رہے صفین میں امیر معاویہ رضؓ کے ساتھ تھے۔ مصر کے عامل بھی رہے امیر یزید کی طرف سے افریقہ میں امیر لشکر تھے۔

ابو الغادیہ جہنی: حدیبیہ میں موجود تھے۔ حجۃ الوداع کے خطبہ کا یہ حصہ آپ سے مروی ہیں "خبردار میرے بعد تم کافروں کی طرح نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو" سیدنا عثمان کے طرفداروں میں سے تھے۔

ابو الکاہل الاحمسی: راوی حدیث ہیں۔

اسیر بن عمرو الکندی:
ہجرت کے سال پیدا ہوئے۔

حصین بن الجرؒ: صدیق اکبر رضؓ کے زمانہ میں جہرہ کے عامل رہے۔ فاروق اعظمؓ نے یہاں کا عامل مقرر کیا۔

سنان بن سلمہ بن المحبق:
والد بھی صحابی تھے۔ جہاد ہند میں شامل ہوئے۔

عبد الرحمٰن بن ابی سبرہ الجعفی: یمن میں جعفی نام کی وادی نبی علیہ السلام نے بطور جاگیر عطا فرمائی۔ امیر ولید نے اصبہان کا عامل بنایا۔

سلیمان بن عبد الملک: ۹۶ھ تا ۹۹ھ کے عہد حکومت میں فوت ہونے والے۔

حیدہ بن معاویہ القشیری:

خرشہ بن الحر الفزاری: معہ اپنی دو یتیم بہنوں کے فاروق اعظم رضؓ کے ہاں پرورش پائی۔

محمود بن الربیع انصاری: حدیث کے راوی ہیں۔ ان کا خاندان اہل مدینہ کی بغاوت کے خلاف تھا۔ انہیں کے محلہ سے گزر کر امیر مسلم بن عقبہ کے فوجی دستہ نے بغاوت فرو کی۔

عبد اللہؒ بن کعب انصاری:

عمر بن عبد العزیز: ۹۹ تا ۱۰۱ھ کے زمانہ میں فوت ہونے والے۔

عبد الرحمٰن بن مل: قادسیہ، جلولا، تستر، نہاوند، یرموک اور آذربائیجان کے معرکوں میں شریک رہے۔

معاویہ بن حکم السلمی: ایک حدیث کے راوی ہیں بعض کے نزدیک ۱۰۰ھ میں فوت ہوئے۔

عامر بن واثلہ لیثی ابو الطفیل: نبی علیہ السلام کی وفات کے وقت نو دس برس کے تھے کوفہ میں جا بسے اور وہاں کے صحابہ رضؓ میں سب سے آخر میں فوت ہوئے۔ انہیں کے بنو اعمام میں سے کلیب بن قیس نے فروز مجوسی قاتل عمر کے ہاتھ سے خنجر چھینا تھا۔ حضرت علی رضؓ کے طرفداروں میں سے تھے۔ حضرت ابن عباس رضؓ کی مدح میں ان کے اشعار ہیں کہا جاتا ہے وھو اخر من مات من الصحابة مطلقاً مگر یہ روایت ذرا محل نظر ہے چونکہ العدّا اور ابو غبہ کی وفات ان سے بعد بیان کی جاتی ہے اور بعض نے معاویہ بن حکم السلمی کا نام بھی لکھا ہے ۱۰۰ھ میں فوت ہوئے۔

سہل بن حنیف انصاری:
راوی حدیث ہیں ۱۰۰ھ میں فوت ہوئے۔

یزید بن عبد الملک ۱۰۱ تا ۱۰۵ھ میں فوت ہونے والے

العدّا بن خالد بن ھوذۃ العامری: غزوہ حنین کے بعد معہ تمام کنبہ کے اسلام لائے رسول اللہؐ نے بنی عامر کے کنوئیں اور نالاب عنایت فرمائے۔ الاصابہ کی روایت کے مطابق ۱۰۲ھ میں فوت ہوئے۔

ہشام بن عبدالملک کی خلافت میں فوت ہونے والے

ابو غبہ الخولانی: نبی علیہ السلام کے ساتھ قبلتین کی نمازیں پڑھنے کی سعادت پائی ۱۰۸ھ میں شام میں فوت ہوئے۔

صدہا صحابہ کرام رضؓ میں سے چند ایک کا ذکر کیا گیا ہے بتانا صرف یہ مقصود ہے کہ ان میں سے یا دیگر صحابہ کرام رضؓ میں سے کسی نے کسی وقت بھی امیر یزید رضؓ کے متعلق کسی کی بیزاری یا کراہت کا اظہار نہیں کیا۔ اور صحابہ کرام رضؓ کے ساتھ وہ تابعین بھی پیش نظر رکھیئے جن کے ذریعے ہمیں دین پہنچا۔

مُختار ثقفی

اس کتاب کے پہلے حصہ میں بھی اس امر کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے کہ شیعیت نیم یہودی، نیم ایرانی سیاسی تحریک تھی جو بعد میں مذہب کی صورت میں سامنے آئی سطور گذشتہ میں یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ واقعہ کربلا تک شیعہ نام کا کوئی فرقہ یا گروہ نہ تھا۔ بلکہ یہ لفظ اگر تاریخ میں استعمال ہوا ہے تو اس سے مراد صرف گروہ یا جماعت کے تھے۔ جیسے شیعانِ علی رضؓ اور شیعان معاویہ رضؓ واقعہ کربلا کے بعد عبداللہ بن سبا کے سازشی گروہ کے لوگوں نے کیسانی تحریک سے مل کر شیعیت کو ایک مذہبی شکل دی۔

یہاں ایک اور بات بھی ذہن نشین رکھیئے کہ کوفہ ایک نئی بستی تھی جہاں اکثریت عجم کے مختلف خطوں کے لوگوں کی تھی۔ یہ لوگ نومسلم بھی تھے

پھر یہ سب کے سب فوجی قسم کے لوگ تھے جن کی زندگی اس ڈگر پر رواں تھی کہ لڑو، مرو، مار ڈالو، لوٹ لو، چند روز آرام کرو۔ پھر لڑنے کے لیے اٹھ کھڑے ہو، یہ لوگ جس قدر ذہنی طور پر روح اسلام کی حقیقت سے بے خبر تھے اسی قدر وہ اسلامی جمہوریت کی روح سے بھی شناسا نہ تھے۔ علی کوفہ میں پہنچے سب نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ حسنؓ آئے ان کے ساتھی بن گئے۔ امام حسین رضؓ نے لکھا ان

کے پرستار بن گئے۔ ابن زیاد آیا اس کے سامنے جُھک گئے۔ ان کی تلون مزاجی کے متعلق کسی دوسرے مقام پر بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ دن کو حضرت حسن رضؓ کے ساتھ ہوتے تھے اور رات کو حضرت معاویہ رضؓ کے لشکر میں ہوتے تھے۔

اس مقام پر تاریخ کی روشنی میں ہمیں اسلام کا عیّارترین انسان سٹیج پر نمودار ہو کر ان حالات سے فائدہ اٹھانے کے لیے محب اہل بیت ہونے کا بھروپ بھرتا نظر آتا ہے۔ چنانچہ پروفیسر رائن ہارٹ ڈوزی عبرت نامہ اندلس میں لکھتا ہے کہ مختار نہایت چالاک، سفاک، ہشیار اور بہادر مگر بے اصول آدمی تھا۔ غصہ میں شیر اور مکاری میں روباہ سے کم نہ تھا کبھی خارجی رہا کبھی زبیری اور آخر میں شیعہ ہو گیا۔ آزاد سے آزاد جمہوریت کے حامیوں سے لے کر مطلق العنان بادشاہی کے پسند کرنے والوں تک کوئی فریق ایسا نہ تھا جس میں مختار کبھی نہ کبھی شریک رہا ہو۔ اپنے اس تلوّن سے جس سے لوگوں کو گمان ہوتا تھا کہ اس کے ایمان میں خلل ہے انصاف پر مبنی بتانے کے لیے اس نے اپنی ہی طبیعت اور مزاج کا ایک خدا بھی ایجاد کر لیا تھا۔ اس کے خدا کی تلوّن مزاجی کا یہ حال تھا کہ جس بات کا آج خیال یا قصد یا ارادہ یا حکم کیا ہے کل وہ بدل سکتا تھا۔ ایسے خدا کے عجیب اور مہمل اعتقاد میں ایک بڑا نفع یہ تھا کہ جب مختار اپنی غیب دانی اور الہامی قابلیتوں پر ناز کرنے لگتا تھا تو کسی کو انکار کی کوئی گنجائش نہ ہوتی تھی کیونکہ اگر وقوعہ اس کی پیشن گوئی کے مطابق نہ اترتا تو وہ آسانی سے جواب دے دیتا تھا کہ خدا نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے[1]

مختار نے جتنے سوانگ بھرے بڑی عمدگی سے بھرے لیکن شیعوں کی سرداری کا سوانگ جب بھرا تو اس کی طبیعت، اور مزاج کے لیے بہت ہی موزوں اور مرغوب تھا۔

مختار نے جب لشکر شام کے مقابلہ پر جانے کا اپنے لشکر کو حکم دیا تو ان کے سامنے ایک کرسی لا کر رکھ دی جو کسی بڑھئی سے بہت واجبی قیمت یعنی دو چار

---

[1] اس صفت میں مرزا غلام احمد قادیانی مثل مختار نظر آتا ہے۔

روپے میں خریدی تھی مگر اس کو ریشم سے منڈھ کر یہ بتایا کہ وہ جناب امیر علیہ السلام کی کرسی ہے اور اس کو پیش کر کے یہ تقریر کی۔

"اے لشکر کے لوگو! یہ کرسی تمہارے حق میں ایسی ہی مبارک ہے جیسے کہ تابوت سکینہ بنی اسرائیل کے حق میں ہوا تھا اسے لڑائی میں اپنے ساتھ رکھو اور جہاں سب سے زیادہ کشت و خون ہو وہاں اسے رکھ دو اور پھر اس کو دشمن سے بچاؤ (کتنی عیاری ہے) اگر فتح ہو جائے تو سمجھو کہ خدا نے تمہاری مدد کی ہے اور اگر شکست ہو تو ہمت نہ ہارنا۔ کیونکہ مجھ کو الہام ہوا ہے کہ ایسی صورت میں خدا کی جانب سے تم پر ملائکہ کا نزول ہو گا اور تم ملائکہ کو دیکھو گے اور وہ سپید کبوتروں کی شکل میں اونچے اڑتے ہوں گے۔ اصل میں مختار نے چند کبوتر جو کہ کوفہ میں پالے گئے تھے۔ اپنے چند معتبر لوگوں کو جو لشکر کے ساتھ جا رہے تھے یہ کہہ کر دیئے تھے کہ لڑائی میں اگر بات بگڑ جائے تو کبوتروں کو چھوڑ دینا۔ مختار جانتا تھا کہ جب ان کبوتروں کو چھوڑا گیا تو وہ سیدھے کوفہ واپس آئیں گے اس کے دو فائدے تھے ایک تو اس نے یہ سوچ رکھا تھا کہ کبوتر آنے پر میں بھاگ نکلوں گا اور دوسرے یہ کہ لشکری ڈٹ کر مقابلہ کریں گے اگست ۶۸۶ء میں موصل کے قریب جنگ ہوئی اور ان کا سردار عبید اللہ بن زیاد مارا گیا۔ آخر مختار مصعب بن زبیر کے ہاتھوں قتل ہوا۔

(تلخیص عبرت نامہ اندلس ص۲۰۳ تا ص۲۰۸)

آج شیعہ احباب نے مختار کو بہت بلند مقام پر لا بٹھایا ہے مگر اس طرف کسی نے دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔

مختار کے متعلق ان کے ائمہ کرام علیہم السلام کا کیا خیال تھا۔ مختار کا کل زمانہ حکومت ۴ ار ربیع الاول ۶۶ھ سے ۱۵ ار رمضان ۶۷ھ تک ہے۔

شیعوں کے اپنے چھٹے امام یعنی حضرت جعفر (صادق) سے روایت ہے کہ مختار حضرت امام زین العابدین سے غلط روایتیں منسوب کرتا تھا۔

(کتاب رجال کشی علامہ کشی بحوالہ مختار نامہ ص۲۴۷)

حضرت محمد باقر سے روایت ہے کہ مختار نے حضرت زین العابدین کی خدمت میں ہدیئے اور تحفے بھیجے مگر آپ نے یہ کہہ کر واپس کر دیئے کہ میں کسی دروغ گو کا ہدیہ

قبول نہیں کرتا (مختار نامہ ۲۴۷)

ایک دفعہ مختار نے ایک لاکھ درہم امام زین العابدین کی خدمت میں بھیجے مگر آپ نے قبول کرنا مکروہ جانا اور واپس بھیجنے میں خوف محسوس کیا۔ رقم لے کر دفن کر دی۔ مختار کے قتل کے بعد امیر المومنین عبدالملک کو مطلع کیا تو اس نے کہا خرچ کر لیجیے۔

(کتاب مختصر شیخ حسن بن سلیمان بحوالہ مختار نامہ ص۲۴۸)

امام زین العابدین نے مختار پر لعنت بھی بھیجی اور فرمایا کرتے تھے کہ اس نے ہم پر اور خدا پر بہتان اور افترا باندھا ہے وہ یہ بھی کہتا تھا کہ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے حضرت جعفر صادق سے روایت ہے کہ قیامت کے روز جناب سید الثقلین حضرت امیر المومنین اور حسنین جہنم کے کنارے تشریف لے جائیں گے اور مختار کو جہنم میں دیکھیں گے۔ ملا مجلسی نے بحار الانوار میں اس کی عجیب عجیب توضیحات کی ہیں ابتدا میں وہ امام جعفر صادق کی امامت کا قائل نہ تھا۔ بلکہ جہنم ابن صفوان کے عقیدے پر تھا۔ جناب امیر کی شہادت پر لوگوں کا خیال تھا کہ مختار بھی ابن ملجم کا ساتھی ہے اس لیے کوفہ میں ہر نماز کے بعد لوگ اس پر لعنتیں بھیجتے تھے۔ مختار نے اپنے چچا سعد ابن مسعود کو حضرت حسن کی گرفتاری پر آمادہ کرنا چاہا مگر اس نے کہا لعنت ہو تجھ پر مجھے کتنے بُرے کام کے لیے کہتا ہے۔

(تلخیص از تقریظ سید محمد ابراہیم قبلہ مجتہد العصر بحوالہ مختار نامہ ص۲۴۷ تا ص۲۴۹)

شیعوں کے چوتھے مزعومہ امام ــــ یعنی

سیدنا علیؓ (زین العابدین)

کوفی شیعوں کے دست ظلم سے بچ نکلے اور مختار ثقفی جس نے عبداللہ بن علیؓ کو شہید کیا تھا۔ امام چہارم کی امامت کا انکار کیا اور محمد بن حنفیہ کے متعلق اعلان کیا کہ امام وقت اوست نہ کہ علی بن الحسین (مجالس المومنین)

اس وجہ سے امام زین العابدین بھی اس سے سخت ناراض ہو گئے چنانچہ ایک مرتبہ اس نے امام کی خدمت میں چالیس ہزار درہم بھیجے مگر آپ نے اس لیے

کہ مختار نے مذہب باطل اختیار کیا تھا۔ اس کا ہدیہ مسترد کر دیا۔ (جلاء العیون ص۵۱۶)
امام زین العابدین نے ان وجوہات سے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔

مگر شیعہ کہاں چپ بیٹھنے والے تھے یہ تو ایک من چلا گروہ تھا پہلے عثمان رضؓ کو شہید کیا۔ پھر علی رضؓ کو شہید کیا۔ پھر حسن رضؓ کو خانہ نشینی پر مجبور کیا پھر حسین رضؓ کو شہید کیا۔ اب حضرت (زین العابدین) کو گھیرنے لگے جب انہوں نے دھتکار دیا تو آپ کے صاحبزادے زید کو گھیر کر اپنے ڈھب پر لانے پر قادر ہو گئے ان کا نعرہ بنوامیہ کی دشمنی تھا۔ مگر اب نہ ان کا کوئی سردار تھا اور نہ خروج کر سکتے تھے۔ اب امر بالمعروف کے نعرے سے منتشر رئیسوں کو جمع کیا۔ ان کی حقیقی غرض یہ تھی کہ اہل بیت رسول جو بچ گئے ہیں ان کا بھی صفایا کر دیا جائے۔ اس لیے سب نے مل کر عاجزی کر کے زید کو خروج پر آمادہ کر لیا۔ (تذکرۃ الائمہ ص۱۳۰)

الغرض چالیس ہزار شیعوں نے بیعت کی اور وعدہ نصرت سے زید کو آگے کیا اور اموی حکومت کے خلاف خروج کیا۔ مگر آئمہ سابقین کی پیشن گوئی اور بددعا کی وجہ سے عین وقت پر دھوکا دیا۔ یعنی اصحاب ثلاثہ پر تبرّا کرنا شروع کیا اور زید کو بھی اس فعل میں مجبور کیا۔ مگر آپ نے انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ کہ عین معرکہ کارزار میں حسین رضؓ کے پوتے کو بے یار و مددگار چھوڑ کر الگ ہو گئے اور بقول علامہ شوستری ازیں بہت غبار ملال بر حاشیہ خاطر زید نشست واز بے وفائی کوفیاں تعجب نمود (مجالس المومنین مجلس ۸ ص۳۶۰)

زید نے ان کوفی شیعوں سے پوچھا کہ (ا، رفضتمونی) کیا تم نے مجھے چھوڑ دیا۔ انہوں نے جواب دیا (رفضناک) ہم نے تجھے چھوڑ دیا۔ آخر زید لڑائی میں قتل ہو گیا (مجالس المومنین) اس دن سے شیعوں کا دوسرا نام رافضی مشہور ہوا۔

واقعہ حرّہ اور سیدنا علی ابن حسین رضؓ

امیر یزید رحؒ کے خلیفہ بننے کے بعد مدینہ میں جب ان کی مخالفت ہوئی اور قریش نے عبداللہ بن مطیع اور انصار نے عبداللہ بن حنظلہ کو اپنا اپنا سردار منتخب

کیا تو عثمان بن محمد اموی مروان بن حکم اور باقی اموی جن کی تعداد مدینہ میں ایک ہزار کے قریب تھی کچھ تو مدینہ سے نکل گئے اور باقی امیر مروان بن حکم کی حویلی میں پناہ گزین ہو گئے ان حالات میں بھی حضرت علی رضؓ (زین العابدینؓ) نے امویوں کا ساتھ دیا۔ امیر مروان رضؓ نے یہ دیکھ کر اپنا تمام قیمتی سامان حفاظت کے لیے آپ کے پاس بھیج دیا۔ آپ نے ان تمام حالات کی خبر عبدالملک بن امیر مروانؒ کے ذریعہ امیر یزید رحؒ کو لکھ بھیجی اور امیر مروان رضؓ کو اپنے ہاں پناہ دی مسلم بن عقبہ کو مدینہ روانہ کیا اور خصوصی طور پر نصیحت کی کہ علی بن حسین رضؓ سے نہایت نرمی کا سلوک کرنا، وہ میرا ہمدرد اور وفادار ہے مسلم رضؓ نے مدینہ کے قریب پہنچ کر پڑاؤ ڈالا اور تین روز تک لوگوں کو سمجھایا۔ مگر کسی نے اس کی بات نہ سُنی۔

۲۷ ذی الحجہ ۶۲ھ واقعہ کربلا سے تقریباً تین سال بعد یہ واقعہ پیش آیا۔ مشہور صحابی رسول حضرت مسلم بن عقبہ رضؓ اس لشکر کے سالارِ اعظم تھے۔ تمام لشکر چار دستوں پر مشتمل تھا۔ ایک دستہ کے حضرت عبداللہ بن سعد رضؓ انفرازی دوسرے کے حضرت روح بن زنباع الجذامی رضؓ تیسرے کے حضرت عبداللہ بن عصام الاشعری جو روایانِ حدیث میں شمار ہوتے ہیں اور چوتھے دستے کے حصین بن نمیر کمانڈر تھے۔ (الاستیعاب الاصابہ)

فوج کی تعداد صرف چار ہزار تھی (کتاب التنبیہ الاشراف مسعودی) اس لشکر کی اکثریت صحابہ کرام رضؓ پر مشتمل تھی۔ اور جو تابعی تھے وہ بھی اکثر جہادوں میں اسلام کی سربلندی کے لیے حصہ لے چکے تھے۔

حضرت امیر مسلم رضؓ سالار لشکر کی عمر نوے سال تھی اور تین دن تک اعلان کرتے رہے کہ شورش ختم کرو۔ امیر المومنین یزید رحؒ تمہارا خون بہانا پسند نہیں کرتے مگر شورش پسندوں نے اس کے جواب میں گالیاں دیں۔

تمام سادات بنوامیہ اپنے قریشی دوستوں کے ساتھ مدینہ کے عامل عثمان بن محمد کے ساتھ امیر مروان رضؓ کی حویلی میں پناہ گزین ہو گئے۔ حضرت ابن عمر رضؓ نے بھی سمجھایا مگر باغیوں کا سرغنہ ابن مطیع باز نہ آیا۔ (بلاذری، الانساب والاشراف)
بلکہ باغیوں نے گالیوں کے ساتھ تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی مجبوراً حضرت مسلم رضؓ

نے جوابی حملے کا حکم دے دیا اور انصار کے مقتدر قبیلہ بنو عبداللہ الاشہل نے فوج کو شہر میں داخلہ کا راستہ دے دیا۔

مشہور شیعہ مورخ طبری لکھتا ہے کہ ابھی لڑائی جاری تھی کہ نافِ شہر سے تکبیروں کی آواز بلند ہوئی۔

ہوا یہ کہ قبیلہ بنو حارثہ نے بھی بنو عبداللہ الاشہل کی طرح باغیوں کے مقابلہ میں اہل شام کا ساتھ دیا۔ صرف پانچ چھ سرغنہ قتل ہوئے۔ آٹھویں صدی ہجری تک کے مورخین نے اس سے زیادہ کچھ نہیں لکھا۔ مگر دورِ حاضرہ کے "مجدد اعظم"، کو امیر یزید رح کا فسق و فجور ڈھونڈنے کے لیے ایک ہزار عفت مآب کنواریوں کو زنا میں ملوث کر کے دکھانے کے لیے آٹھویں صدی کے مؤرخ ابن اثیر کی ایک بے سند روایت کے سہارے ایسے شرمناک الفاظ لکھنے سے ذرہ بھر شرم نہ آئی[1]۔

مدینہ کی شورش فرو کرنے کے بعد امیر مسلم مکہ کی طرف روانہ ہو کر راستہ میں فوت ہو گئے اور امیر حصین رض نے علی بن حسین رض کو کہا لائیے ہاتھ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کرتا ہوں۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ پھر حضرت زبیر رض کو کہا کہ میرے ساتھ دمشق چلئے میں امر خلافت آپ کے ہاتھ پر مستحکم کرا دوں گا۔ مگر انہوں نے دمشق جانے سے انکار کر دیا۔

یہ ہے واقعہ حرّہ کی اصل صورت جسے دورِ حاضرہ کے خود ساختہ مجدّد اعظم نے اپنی جبلی فطرت اور نسلی عصبیت سے بگاڑ کر شیعیت کی وکالت کا حق نمک ادا کیا ہے۔

امام چہارم کے شیعوں کے کرتوت

۱۔ امام حسین رض کی شہادت کے بعد ابو خالد، یحییٰ، جبیر، حرم امام حسین رض کے بغیر سب مرتد ہو گئے (مجالس المومنین مجلس پنجم صفحہ ۱۴۴)

---

[1] تفصیل کے لیے حقیقت خلافت و ملوکیت مرتبہ علامہ محمود احمد عباسی دیکھئے۔

لیجئے خس کم جہاں پاک۔ تو امام چہارم بے چارے اپنے ابا کے صرف تین شیعوں کے امام رہ گئے۔

۲۔ شیعوں کے "حضرت امیر مختار" نے کہا امام علی "زین العابدین" نہیں بلکہ امام وقت محمد بن حنفیہ است (ایضاً)

لیجئے اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔

۳۔ زین العابدین کو شیعوں نے حسین کی طرح شہید کرانے کے لیے گھیرا مگر وہ ان کے قابو میں نہ آئے۔ آگے تذکرہ الائمہ کے مصنف کی زبان سے سنئے۔ سب مل کر (وہ سب کہاں سے آ گئے جبکہ حسین کی شہادت پر گنتی کے تین رہ گئے تھے۔ (مؤلف) زید کی خدمت میں گئے اور اس قدر عاجزی کی کہ زید آمادہ خروج ہو گئے (ایضاً ۱۳۰۸)

زید آمادہ خروج تو ہو گیا مگر کس کے کہنے پر؟ اصل مومن تو صرف تین تھے۔ پھر یہ کون ذات شریف تھے۔ لیجئے وہ بھی مجھ سے سن لیجئے۔

اجی وہاں شیعان علی کی آڑ میں یہود و مجوس کے اسی گروہ کی ذریت غریب فاطمیوں اور علویوں کی گھات میں تھی جنہوں نے پہلے تین اماموں کو آڑ بنا کر اسلام میں تخریب کارانہ کاروائیاں کی تھیں۔

آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ علی زین العابدین کی امامت کا ماننے والا اس وقت ایک آدمی بھی نہیں تھا۔ مختار ملعون نے اپنے ساتھیوں سمیت محمد بن حنفیہ کو اپنا امام بنا لیا، جو باقی بچے انہوں نے زید کو امام بنا لیا۔ چلو چھٹی ہوئی۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ محمد بن علی جنہیں یارانِ طریقت محمد بن حنفیہ کہتے ہیں علم و فضل شجاعت و شہامت اور تقویٰ و زہد کے پیکر تھے امیر یزید رح کے گہرے دوست تھے مختار اپنے طور پر ان کی امامت کی بڑ ہانکتا رہا۔ میرا خیال ہے کہ انہیں تو اپنی زندگی میں اس بات کا علم بھی نہ ہو سکا کہ یہ مزعومہ امامت کیا ہے؟ اور میرے سر پر بھی اسی امامت کا تاج رکھا گیا ہے۔

اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُہُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَھُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا

شیعوں کے مزعومہ امام پنجم ——— محمد باقرؒ

نام محمد باقر۔ کُنیت ابوجعفر۔ پیدائش ۵۷ھ مدت امامت ۱۹ سال وفات ۱۱۴-۱۱۶-۱۱۷ھ۔

اس لحاظ سے حضرت باقر صاحب واقعہ کربلا کے وقت تین چار سال کے تھے اب آگے ملا باقر کی حواس باختگیاں ملاحظہ ہوں۔

ہشام نے دمشق بلایا اور ارادہ قتل کیا (کیا مدینہ میں قتل نہیں کرایا جا سکتا تھا) پھر اُٹھ کر بغل گیر ہو گیا اور اپنی داہنی طرف بٹھایا اور کہنے لگا زیبا ہے کہ آپ کے قبیلہ پر عرب و عجم ہمیشہ فخر کریں۔ (جلد ۲ صفحہ ۳۲۴ جلاء العیون)

شیعوں کی یہ امامت بھی مداریوں کا ڈرامہ ہے جس میں دو تین مداری اکٹھے ہو کر ایک دوسرے سے کہتے ہیں "میں وڈا" اور یہی "میں وڈا" ان کی کھیل کی جان ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم غریب مسلمان تو آج تک یہ سمجھ ہی نہیں سکے کہ ان میں سے "اصلی تے وڈا" امام کون سا تھا۔ اور نقلی اور جعلی کون سا تھا۔ بیک وقت دو دو تین تین چار چار امامت کا دعوای کرتے ہیں اور پھر صرف دعوای ہی نہیں کرتے بلکہ خلفائے وقت کے خلاف خروج کر کے اپنی امامت کا مستند ہونا بھی ثابت کرتے ہیں مگر بغل ہی سے ایک اور صاحب نمودار ہو کر کہتے ہیں یہ جعلی امام ہے "اصلی تے وڈا" امام میں ہوں۔

چنانچہ اسی مصرعہ طرح پر ایک لطیفہ یہاں بھی سن لیجئے۔

قطب راوندی نے بسند معتبر جناب صادق سے روایت کی ہے کہ زید بن حسنؓ نے میرے پدر بزرگوار از وفات حضرت رسولؐ میں مخاصمہ کیا۔ زید کہتے تھے حضرت حسنؓ چونکہ اولاد اکبر ہیں اس لیے ان کا فرزند اوّل تر فرزند حسین سے ہے۔ ایک روز زید میرے چچا کو قاضی کے پاس لے گئے۔ اثنائے خصومت میں میرے چچا کو کہا اے فرزند کنیز مندی۔ میرے چچا نے کہا ایسی خصومت پر تف ہو جس میں اسم مادراں لیا جائے اب جب تک زندہ ہوں تم سے کلام نہ کروں گا۔ یہ کہہ کر میرے پدر بزرگوار کے

پاس آئے اور کہا اے برادر میں نے قسم کھائی کہ زید سے بات نہ کروں گا آپ ہی پر مجھے اعتماد ہے اور اگر آپ اس کے معترض نہ ہوجیئے گا وغیرہ وغیرہ پھر اس کے بعد جناب باقر صاحب نے چھری، پتھر اور درخت سے زید کے خلاف اپنے حق میں گواہی دلائی مگر زید باز نہ آیا۔ اور عبدالملک کے پاس دمشق جا کر کہا کہ میں مدینہ میں ایک زندہ جادوگر چھوڑ آیا ہوں۔ اسے زندہ چھوڑنا تم پہ حلال نہیں۔

(ملخص جلاء العیون)

اس کے بعد ایک لمبی الف لیلیٰ کی قسم کی داستان ہے۔ بوستانِ خیال طلسم ہوشربا اور فسانہ آزاد کی قسم کے مطالعہ کے شوقین جلاء العیون منگوا کر خود پڑھ لیں۔

ذرا چند اور لطائف سن لیجئے۔ عبداللہ بن عطاء نے امام سے کہا کہ کوفہ میں آپ کے بہت شیعہ ہیں اور بخدا آپ کے خاندان میں آپ کا کوئی نظیر نہیں پھر آپ بنو امیہ پر خروج نہیں کرتے (صافی شرح اصول کافی کتاب الحج ۴۱۱)

امام باقر نے کہا اے ابن عطا میں تجھے دیکھتا ہوں کہ تو بیوقوفوں کی باتوں پر عمل کر رہا ہے بلی اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں تمہارا صاحب نہیں (بحار الانوار جلد ۱۱ صفحہ ۹)

لیجئے پانچویں امام نے بھی امامت کا بیڑہ غرق کر دیا زرارہ نے ایک بار امام باقر کے متعلق کہا۔ لاعلم لہ بالخصومۃ (اصول کافی)

پانچویں امام کی موت کا ڈرامہ

بحکم عبدالملک لعین زین کو گھوڑے پر باندھا اور حضرت سوار ہوئے اس زین کے اندر زہر رکھا تھا اس زہر نے جسم میں نفوذ کیا جسم پر ورم آگیا اور تیسرے روز مر گئے۔

(جلاء العیون ۴۳۱/۱)

دیگر علماء نے لکھا ہے کہ شہادت آنحضرت بحکم ابراہیم بن ولید واقع ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ بحکم ہشام بن عبدالملک آپ کی موت واقع ہوئی تھی۔

مجلسی کیا اٹکل پچو ہانک رہا ہے باقر صاحب ۱۱۴-۱۱۶ یا ۱۱۷ میں مرتے ہیں اس خاتم المفسرین، رئیس المحدثین حضرت علامہ محمد باقر مجلسی علیہ الرحمۃ والرضوان" کو اتنا بھی معلوم نہیں ۱۱۴ تا ۱۱۷ میں خلفائے بنو امیہ میں سے کون سا خلیفہ متمکن بہ تخت

خلافت تھا۔ اے میاں یہ تو خلفائے بنو امیہ کا ذکر ہے تمہیں تو اپنے طالبیوں کے نام اور ان طالبی شہزادیوں کے نام بھی معلوم نہیں جو اموی شہزادوں کے حبالہ عقد میں تھیں۔

جعفر (الصّادق)

متولد ۸۰ – ۸۳ – ۸۶ متوفی ۱۴۸ھ

فاطمہ بنت حسین بن حسن کے بطن سے

عبداللہ — نسل مذکر نہیں چلی

اسماعیل متوفی ۱۳۴ھ — لنگڑے تھے

اُم فروہ

موسیٰ — ساتواں مزعومہ امام

محمد

اسحاق

علی

عباس

اسماعیل کے بیٹے: محمد، علی

محمد — یہ موسیٰ کاظم کے سخت خلاف تھا اور بنی عباس کے پاس موسیٰ کی مخبری کرتا تھا۔ (عمدۃ المطالب ص۳۲۲)

۱۸۰ھ میں فوت ہوا تھا۔

عبداللہ میمون ۲۶۱ھ میں مرا۔ اس نے محمد کے متعلق جو کچھ کہا سب لغو ہے پہلے یہ خود محمد بن اسماعیل بنا۔ پھر رُخ محمد کی طرف پھیر دیا۔

فاطمہ — ان کا نکاح عباس بن موسیٰ بن عیسیٰ بن موسیٰ سے ہوا۔ موسیٰ ابوجعفر منصور کے بھائی تھے۔ (جمہرۃ الانساب ص۲۴)

گویا چھٹے امام کی پوتی اور ساتویں امام کی بھتیجی عباسی خلیفہ کی بھاوجہ تھی۔

شیعوں کے چھٹے امام ——— جعفر (الصادق)

(ابن محمد باقر متولد ۸۳ھ متوفی ۱۰۸ھ)

امام جعفر صادق پر بھی شیعوں کا جادو نہ چلا۔ چنانچہ ابوسلمہ شیعی نے جبکہ بنی عباس

خلافت کے لیے کوشش کر رہے تھے آپ کی خدمت میں لکھا کہ آپ کے حقوق بازیافت کا یہی موقعہ ہے اور دوسری طرف جواب آنے سے پہلے بنی عباس کی خلافت تسلیم کر لی۔ امام نے اس کا خط بغیر کھولے نذرِ آتش کر دیا۔

زرارہ نے جسے شیعہ اصدق الصادقین کہتے ہیں ایک دفعہ زیاد بن حلال سے کہا کہ امام جعفر نے مجھے تو استطاعت کا فتوٰی دیا ہے اور خود اسے کلام سمجھنے کی بصرت نہیں۔ ایک بار اسی زرارہ نے کہا کہ :-

رحم اللہ ابا جعفر واما جعفر فان فی قلبی علیہ لعنۃ (تنقیح رجال کشی)

"یعنی باقر پر اللہ رحم کرے۔ مگر جعفر کے لیے تو میرے دل میں لعنت ہے"

ابو نصیر ایک شیعہ رئیس تھا۔ ایک مرتبہ امام کی خدمت میں پہنچا مگر اندر داخل ہونے کی اجازت نہ ملی تو کہنے لگا۔ میرے ساتھ طبق ہوتا تو ضرور اجازت مل جاتی اس پر ایک کتا آیا اور ابو نصیر کے منہ میں پیشاب کر گیا۔ (تنقیح رجال کشی ص۱۰۱)

عباسی خلیفہ منصور کے متعلق شوستری لکھتا ہے کہ منصور قولاً و فعلاً شیعہ تھا۔ اس نے امام جعفر صادق کو مدینہ سے طلب کیا۔ اب منصور نے دار السیاست میں بیٹھ کر اپنے خاص شیعہ مصاحب ربیع کو بلا کر اپنے عنایات و احسانات کا اعتراف کرایا۔ پھر کہا کہ جا اور جعفر بن محمد کو میرے حضور میں لا کر حاضر کرو۔ ربیع نے باہر نکل کر انا للہ پڑھا اور کہا میں ہلاک ہوا۔ اگر اس وقت اس ملعون (منصور) کے پاس جعفر کو لاؤں گا تو بوجہ شدت غضب ان کو ضرور مار ڈالے گا اور اگر نہ لایا تو وہ مجھ کو قتل اور میری نسل کو برباد کر دے گا۔ ربیع دنیا و آخرت کے درمیان متردد ہوا۔ آخر دنیا کی طرف ہو کر اس کو آخرت پر ترجیح دی اور بارادہ گرفتاری۔ امام اپنے گھر پہنچ کر اپنے لڑکوں میں سے سب سے بہادر اور سنگدل سے کہا۔ اسی وقت جا اور دیوار کی طرف سے مکان میں داخل ہو کر جعفر بن محمد باقر کو جس حال میں ہو پکڑ لا۔ اور خود خلیفہ کے پاس پہنچا اور محمد کا بیان ہے کہ میں آخر شب چھپ کر پہنچا اور سیڑھی لگا کر مکان میں داخل ہوا۔ دیکھا کہ امام جعفر پیراہن اور ایک رومال کمر سے باندھے نماز میں مشغول ہیں۔ بعد ختم نماز کے میں نے کہا چلو تم کو خلیفہ بلاتا ہے۔ امام نے دعا پڑھنے اور کپڑے پہننے کی مہلت چاہی۔ مگر میں نے نہ دی پھر امام نے کہا اچھا مہلت دو کہ غسل کر کے مرنے کے لیے

تیار ہو جاؤں۔ میں نے یہ بھی نہ مانا۔ پس ستر برس سے زیادہ بڈھے کو اس ایک کرتہ کے ساتھ سر و پا برہنہ میں نے مکان سے باہر نکالا اور ان کو پیدل لے چلا۔ تھوڑی دور چلنے پر امام کو ضعف طاری ہوا مجھے رحم آگیا تو اپنے اونٹ پر سوار کر لیا۔ جب خلیفہ کے مکان پر پہنچا تو میں نے سُنا کہ منصور میرے والد سے کہہ رہا ہے خرابی ہو تم پر اے ربیع تو نے دیر لگا دی اور جعفر کو نہ لایا۔ پس والد باہر آئے امام کی حالتِ زار پر نظر پڑی تو رونے لگے۔ اس لیے کہ امام کی خدمت میں بہت اخلاص تھا اور ان کو امامِ زمانہ مانتے تھے امام نے فرمایا اے ربیع میں جانتا ہوں کہ تو مجھ سے محبت رکھتا ہے۔ اتنی مہلت دے کہ میں دو رکعت نماز پڑھ کر مناجات کر لوں۔ ربیع مہلت دے کر منصور کے پاس گیا۔ منصور نے غصہ اور اصرار سے کہا جعفر کو جلد حاضر کر، ادھر امام بھی نماز اور دعا سے پوری طرح فارغ ہو چکے تھے۔ ربیع نے امام کا ہاتھ پکڑا اور محل میں داخل کر دیا۔ (جلاء العیون)

حضرت جعفر کے سات بیٹے تھے۔ عبد اللہ سے نسل مذکر نہیں چلی صرف ایک بیٹی فاطمہ تھی۔ جس کا نکاح عباس بن موسیٰ بن عیسیٰ بن موسیٰ سے ہوا۔ موسیٰ ابو جعفر منصور عباسی کا بھائی تھا۔ (جمہرۃ الانساب ص۶۴)

اسماعیل متوفی ۱۴۳ھ۔ ان کے دو بیٹے محمد اور علی تھے اسماعیل اپنے بھائی موسیٰ کاظم (ساتویں امام) کے خلاف مخبری کرتے رہتے تھے (عمدۃ المطالب ص۲۲۲)

عبید اللہ بن میمون القداح متوفی ۲۶۱ھ نے پہلے محمد بن جعفر ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ حالانکہ محمد اور عبید اللہ کے درمیان اسّی سال کا فرق ہے۔ علی بھی موسیٰ کاظم کے خلاف عباسیوں کے ہاں شکایتیں کیا کرتے تھے اور ان کی شکایتوں کی بنا پر موسیٰ کو بغداد طلب کر کے نظر بند کیا گیا۔

زین العابدین سے پوچھا گیا آپ کے بعد کون امام ہے۔ حضرت نے فرمایا محمد باقر وہ علم کو شگافتہ کرنے والا ہے۔ پھر پوچھا ان کے بعد کون امام ہوگا۔ آپ نے فرمایا جعفر کہ ان کا نام آسمانوں کے باشندوں (آسمانوں کے باشندوں کی خوب رہی) میں صادق آیا ہے۔ پوچھا ان کو خاص صادق کیوں کہتے ہیں حالانکہ سب امام سچے ہیں۔ حضرت نے فرمایا میرے پدر بزرگوار نے اپنے

پدر نامدار اور انہوں نے اپنے جدِّ عالی جناب رسول خدا سے روایت کی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا جب میرا فرزند جعفر بن محمد بن علی بن حسین متولد ہوگا۔ اس کا نام صادق رکھنا۔ اس لیے کہ اس کے پانچویں فرزند کا نام جعفر ہوگا اور دعویٰ امامت دروغ کر کے خدا پر افترا کرے گا۔ اور خدا کے نزدیک جعفر کذّاب مفتری ہے۔ (جلاء العیون ص۳۳۴)

آنحضرت نے پانچ شخصوں کو وصی کیا۔ خلیفہ وقت، محمد بن سلیمان حاکم مدینہ عبد اللہ۔ موسیٰ اور حمیدہ مادر موسیٰ الکاظم (جلاء العیون جلد ۲ ص۳۴۴)

آنحضرت نے تین اشخاص کو وصی کیا۔ عبد اللہ افطح۔ موسیٰ کاظم۔ منصور دوانقی یعنی عباسی خلیفہ۔ (جلاء العیون جلد۲ ص۳۴۵)

قطع نظر طویل گفتگو کے چند باتیں قابل غور ہیں۔

۱۔ جعفر پیدا ہونے سے پہلے کذّاب بنا دیا گیا۔

۲۔ امامت کا حق عورتوں کو بھی حاصل ہے خواہ وہ لونڈیاں ہی ہوں۔

۳۔ لیجئے منصور عباسی کے لیے بھی وصائت کا مژدہ مبارک ہو۔

یہ شیعی امامت بھی عجیب گورکھ دھندا ہے۔ غریب امام کو اپنے وصی کا بھی علم نہیں اور اس ضمن میں اس سے عجیب عجیب حواس باختگیاں سرزد ہو رہی ہیں اپنے خاندان کے قاتل کو بھی امامت سے نوازنا ع

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

یہاں چانڈو خانہ کی ایک گپ بھی سنتے جایئے۔ یعنی

امام ابو حنیفہ رح، امام جعفر (صادق) کے شاگرد تھے۔ اتنا بڑا جھوٹ تراشنا اور اسے تاریخی دنیا میں پھیلانا۔ دنیائے شیعیت کا ہی کام ہے امام ابو حنیفہ رح اور حضرت جعفر ہم عصر تھے۔ ہو سکتا ہے ایام حج میں ہر دو اصحاب اکٹھے ہوتے رہے ہوں اور ان کے درمیان علمی مذاکرات بھی ہوتے رہے ہوں مگر علمی مذاکرات ان لوگوں کے درمیان ہوتے ہیں جن کا علمی پایہ تقریبًا تقریبًا ایک دوسرے کے برابر ہو۔ امام ابو حنیفہ رح کا علم و فضل میں جو مقام ہے اس سے تمام عالم اسلام آگاہ ہے مگر جعفر بے چارے کے نام کو سوائے دنیائے شیعیت کے کوئی جانتا ہی نہیں۔

یہاں ایک اور جھوٹ بھی تراشا گیا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے محمد الارقط جیسے یارانِ طریقت نے بعد میں نفس زکیہ بنا دیا کے خروج کے حق میں فتوای دیا تھا اور اس کی مدد کی تھی۔ امام ابو حنیفہ رح کو معلوم تھا کہ صاحب امر اگرچہ فاسق و فاجر بھی ہو تو رعایا کے امن میں خلل پیدا کرنے کی نسبت اس کی اطاعت واجب ہے ان حالات میں امام ممدوح ایک سر پھرے باغی کی معاونت پر کیسے آمادہ ہو سکتے تھے[1]

تبصرہ: منصور شیعہ، ربیع شیعہ اس کا بیٹا محمد شیعہ، امام وقت ضعیف اور کمزور ہیں مگر کسی کو امام وقت کی حالت پر رحم نہ آیا۔

اصول کافی کتاب الحجۃ میں کیا معقول بات بیان کی گئی ہے یعنی ایک بار عبداللہ بن یعفور نے امام کی خدمت میں عرض کیا کہ میں یہ دیکھ کر تعجب کرتا ہوں کہ ابو بکر رض اور عمر رض سے محبت کرنے والوں میں تو امانت داری، راست بازی اور وفا شعاری ہے مگر آپ کے محبین میں نہ امانت ہے نہ وفا اور نہ صدق ہے یہ سن کر امام غضبناک ہوئے اور شیخین کو ظالم اور ان کے محبین کو بے دین کہا اور اپنے کو عادل اور اپنے شیعوں کو دیندار فرمایا مگر ابن یعفور کی بات کو نہ جھٹلا سکے اور بزبان سکوت اقرار کیا کہ شیعہ خائن، بے وفا اور جھوٹے ہیں۔ شیعوں کے انہیں معصوم اور مفترض الطاعۃ امام کے وقت میں امویوں کے مقابلہ میں عباسیوں اور طالبیوں کی متحدہ و متفقہ کوششیں عروج پر تھیں۔

اموی خلافت کے خاتمہ پر تمام شیعان علی رض نے عباسی خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ جن میں ابو مسلم خراسانی اور ابو سلمہ کوفی جیسے طالبیوں کے جاں نثار بھی تھے۔

ابو سلمہ کوفی نے ہی، کوفہ میں ابو العباس کی خلافت تسلیم کر کے عباسی خلافت کے لیے راستہ ہموار کیا اور فاطمی اپنے شیعوں کی بے وفائیوں اور فریب کاریوں کا تماشہ دیکھتے رہ گئے۔

(ہسٹری آف اسلام سید امیر علی ص ۵۵)

---

[1] جناب جعفر (صادق) محمد الارقط اور امام ابو حنیفہ رح کے تفصیلی حالات کے لیے سیرۃ ابو حنیفہ مؤلفہ پروفیسر سید علی احمد عباسی کا مطالعہ ضروری ہے۔ اس موضوع پر بے مثال تالیف ہے۔

شیعوں کا اپنے چھٹے امام سے سلوک

۱۔ جب بنو عباس حصولِ خلافت کی کوشش کر رہے تھے تو ابو سلمہ شیعی نے جناب جعفر کو لکھا کہ آپ کے حقوق کی بازیافت کا یہی موقع ہے اور خط جناب جعفر تک پہنچنے سے پہلے ہی خلافت بنو عباس کو تسلیم کر لیا۔ جناب جعفر کو خط ملا تو انہوں نے نذرِ آتش کر دیا۔

۲۔ شیعوں کے ایک اصدق الصادقین ہیں زرارہ۔ وہ زیاد بن ہلال کو کہتے ہیں بہ تحقیق جعفر نے مجھے استطاعت کا فتوای دیا اور خود اسے خبر نہیں تمہارے اس امام کو لوگوں کا کلام سمجھنے کی بصیرت نہیں (رجال کشی)

۳۔ یہی اصدق الصادقین صاحب فرماتے ہیں رحمہ اللہ ابی جعفر و اما جعفر فان فی قلبی علیہ لعنۃ (رجال کشی)

"اللہ باقر پر رحم کرے مگر جعفر کے لیے تو میرے دل میں لعنت ہے"

۴۔ ابو بصیر ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں گیا۔ مگر اندر داخل ہونے کی اجازت نہ ملی تو کہنے لگا میرے ساتھ طبق ہوتا تو ضرور اجازت ملتی۔ ایک کُتا آیا اور ابو بصیر کے منہ میں موت گیا۔ (تنقیح رجال کشی ص ۱۴۷)

یہ وہی ابو بصیر ہے جو روایت "وجود رسول و آل رسول قبل مخلوق" کا راوی ہے۔

(جلاء العیون ۲/۲۲)

۵۔ زرارہ کے بھائیوں کا ایک دفعہ آپ کے سامنے ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا واللہ ما یرید الخ خدا کی قسم اعین کے بیٹے بس مجھ کو مغلوب کرنا اور دبا دینا چاہتے ہیں۔ (رجال کشی)

۶۔ ایک مرتبہ آپ نے زیاد بن ہلال سے کہا: لیس ھکذا سالنی ولا ھکذا قلت کذب علی کذب واللہ علی لعن اللہ زرارۃ۔

"زرارہ نے اس طرح مجھ سے پوچھا نہ میں نے ایسا جواب دیا اس نے مجھ پر جھوٹ باندھا خدا کی قسم اس نے مجھ پر جھوٹ جوڑا اللہ زرارہ پر لعنت

کرے" (رجال کشی)

۷۔ ابوالجارود، کثیر النوا، سالم بن ابی حفصہ آپ کے مخصوص احباب ہیں مگر نہ معلوم ان اصحاب نے اپنے امام کو کیا ایذا پہنچائی کہ امام صاحب ان الفاظ میں ان کی تعریف فرماتے ہیں۔

کثیر النوا و سالم بن ابی حفصۃ و ابوالجارود کذابون مکذبون علیہم لعنت اللہ (رجال کشی)

جناب جعفر کی شیعوں سے یہ بیزاری اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ان لوگوں نے اپنی فطرت کسی حال میں بھی نہ بدلی اور اپنے ائمہ سے ان کا بغض اور دشمنی صرف زبانی حد تک نہ تھی بلکہ عملاً بھی وہ اس میدان کے شہسوار تھے۔ خلیفہ منصور عباسی جلاء العیون کی زبان میں دوانقی ہے، کافر ہے، منافق ہے، غاصب ہے اور فاسق ہے مگر بقول شوستری منصور در مقامیکہ اور از دال ملک بنود اظہار تشیع قولاً و فعلاً مے نمود۔ (مجالس المومنین)

جس مقام پر اسے اپنا وصی مقرر کرنے کی وصیت کی تھی اس کا حاجب ربیع شیعہ (مجالس المومنین) حاجب کا بیٹا محمد شیعہ (مجالس المومنین) دونوں باپ بیٹا ستر سالہ ضعیف کمزور ناتواں امام کو ننگے پاؤں اور ننگے سر گھسیٹتے ہوئے دربار میں لے گئے (جلاء العیون)

شیعیت عجیب بھان متی کا ٹوکرا اور مداری کا کھیل یا شعبدہ بازوں کی پتلیوں کا کھیل۔ دم میں فانی انسان کو رب اللوح والقلم بنا دیا جاتا ہے اور لمحہ بھر میں انہیں گھسیٹ کر انسانی سطح سے بھی نیچے پھینک دیا جاتا ہے۔

زین للذین کفروا ما کانوا یعملون

شیعوں کے مزعومہ امام ہفتم —— موسیٰ کاظم

(پیدائش $\frac{۱۲۸}{۱۲۹}$ ھ مدت امامت ۳۵ سال وفات $\frac{۱۸۱}{۱۸۶}$ کے درمیان)

اُم ولد حمیدہ کے بطن سے تھے آپ ان تمام کارستانیوں سے واقف تھے جو شیعہ ان کے آباؤ اجداد سے کر چکے تھے۔ ابوبصیر جس کے منہ میں کُتے نے مُوت دیا تھا۔ آپ کے ایک فتوای کو غلط بتا کر کہا کہ ابھی ان کا علم کامل نہیں (تنقیح رجال کشی ص۱۶۷) اسی لیے امام کاظم نے اپنے شیعوں سے اظہار ناراضی کرتے ہوئے فرمایا۔

"تحقیق اللہ نے غضب نازل کیا شیعوں پر اور مجھ کو اختیار دیا کہ اپنی جان دوں یا شیعہ ہلاک ہوں پس بخدا میں اپنی جان دے کر شیعوں کو بچاتا ہوں۔

(اصول کافی ص۱۵۹)

"اگر میں اپنے شیعوں کو منتخب کروں تو نہ پاؤں مگر آسان۔ اور اگر امتحان لوں تو نہ پاؤں مگر مرتد" (فروغ کافی۔ روضہ ص۱۰۷)

جناب (صادق) کے جن سے عبیدین نے اپنے آپ کو منسوب کیا تھا۔ سات بیٹے تھے۔

عبداللہ۔ اسمٰعیل۔ موسیٰ۔ محمد۔ اسحاق۔ علی۔ عباس۔ عبداللہ کے نام سے ہی جناب جعفر کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ عبداللہ، اسماعیل اور ان کی بہن اُم فروہ تینوں فاطمہ بنت حسین بن حسن بن علی کے بطن سے تھے۔ ان کی ایک بیٹی فاطمہ جو علیہ بنت حسین بن زید بن زین العابدین کے بطن سے تھی۔ ابوجعفر منصور خلیفہ عباسی کے بھائی موسیٰ بن محمد کے پروتے عباس بن موسیٰ بن عیسیٰ بن موسیٰ سے بیاہی گئی تھیں۔ (جمہرۃ الانساب ابن حزم ص۶۴)

اسماعیل کے دو بیٹے تھے۔ محمد اور علی یہ دونوں بھائی اپنے چچا موسیٰ بن جعفر یعنی موسیٰ کاظم کے سخت خلاف تھے۔

مؤلف عمدۃ المطالب ص۲۲۲ پر لکھتا ہے کہ موسیٰ الکاظم اپنے بھتیجے محمد بن اسمٰعیل

سے ہراساں رہتے تھے۔ وہ بنی عباس کے سلطان سے ان کی مخبری کرتے رہتے تھے۔ آخر اس روز روز کی ضیق سے تنگ آکر مہدی باللہ عباسی ۱۵۸ تا ۱۶۹ھ نے انہیں بغداد طلب کیا۔ انہوں نے اپنی صفائی پیش کی مہدی نے واپس جانے کی اجازت دے دی اور تین ہزار کا گراں قدر عطیہ بھی مرحمت کیا ہارون نے سریر آرائے خلافت ہوکر موسیٰ کاظم کا بڑا اعزاز واکرام کیا۔ (عمدۃ المطالب ص۱۸۴)

ہارون حج کے لیے گیا تو محمد بن اسماعیل نے پھر کچھ رازہائے دروں پردہ خلیفہ کے سامنے پیش کئے آخر موسیٰ (الکاظم) گرفتار ہوکر قید ہوئے۔ (عمدۃ المطالب ص۲۲۳)

اور قید میں ہی وفات پائی۔ کہا جاتا ہے کہ انہیں قید میں زہر دیا گیا مگر یہ غلط ہے قید میں جناب موسیٰ کو پوری سہولتیں حاصل تھیں۔ وہ قید نہیں تھی۔ بلکہ ایک قسم کی نظر بندی تھی۔ اس نظر بندی کے دوران ان کی دس بارہ اولادیں ہوئیں۔ ان کی اولاد کی تعداد ساٹھ ہے ۳۷ بیٹیاں اور ۲۳ بیٹے۔ نظر بندی کے دوران آپ کی زندگی نہایت پرسکون تھی۔ مگر جب آپ کے شیعوں نے وہاں پہنچ کر آپ کو سبز باغ دکھائے تو آپ تنگ آکر کہہ اٹھے۔ "اگر میں اپنے شیعوں کو منتخب کروں تو نہ پاؤں مگر لسان اور اگر امتحان لوں تو نہ پاؤں مگر اسلام سے برگشتہ مرتد (فروع کافی روضہ ۱۰۷)

مبارک ہو شیعان علی حیدر کرار کو۔ بل بدالھم ما کانوا یخفون من قبل۔

شیعوں کے مزعومہ امام ہشتم — حضرت علی رضا

تکتم یا نجمہ لونڈی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ آپ مامون کے زمانہ میں ہوئے ہیں۔ مامون بھی شیعہ مورخوں کی تحقیق کے مطابق شیعہ تھا بلکہ اس کا باپ ہارون بھی شیعہ تھا۔ منصور کا شیعہ ہونا پہلے بیان ہو چکا ہے۔

ملاحظہ ہو۔ مجالس المومنین مجلس بذیل عنوان ذکر ملوک نامدار و سلاطین کامگار فرقہ ناجیہ اولی البصائر والابصار بحوالہ کتاب احتجاج طبرسی۔

ایک روز مامون نے اپنے اصحاب سے کہا جانتے ہو میں نے مذہب شیعہ

کس سے سیکھا۔ لوگوں نے کہا ہمیں معلوم نہیں مامون نے کہا میں نے شیعہ مذہب اپنے والد ہارون سے سیکھا لوگوں نے کہا وہ تو شیعوں کو قتل کرتا تھا تو مامون نے جواب دیا کہ وہ تو ان کو ملک کے لیے قتل کرتا تھا کیونکہ اس میں غیر کی شرکت نہیں ہوتی۔

مامون نے چالیس مخالف اہل علم اکٹھے کرکے ان سے بحث کرکے ثابت کیا کہ حضرت علی رضؓ پیغمبر کے خلیفہ برحق ہیں اور دوسرے لوگ غاصب ہیں اور اس کے زمانے میں جن وانس کے امام برحق اور خلیفہ موسیٰ رضا ہیں۔

(مجالس المومنین بحوالہ کتاب عیون (اخبار الرضا وکتاب طرائف)

اب اس مامون اور اس کے ندیم خاص صبیح دیلمی جس کا کٹر شیعہ ہونا اہل تشیع کے ہاں مسلّم ہے، ہر دو نے اپنے امام وقت کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ ابن بابویہ بسند معتبر ہرثمہ بن اعین سے ناقل ہے کہ ایک روز مامون نے بوقت شب صبیح دیلمی کو معہ تیس غلاموں کے بلا کر رازداری کا عہد لے کہ ہر ایک کو ایک زہر آلود خنجر دیا اور کہا کہ امام رضا کے حجرہ میں جاؤ اور وہ جس حالت میں ہوں۔ یہ تلواریں ان کے جسم میں اتار دو۔ ان کے گوشت اور ہڈی کو ریزہ ریزہ کر دو اور ان تلواروں کو انہیں کے بستر میں صاف اور خون سے پاک کرکے میرے پاس پہنچو تم میں سے ہر ایک کو بارہ تھیلیاں زر سرخ کی معہ مال اور اسباب عمدہ دوں گا۔

صبیح کا بیان ہے کہ ہم نے تلواریں لیں اور امام کے حجرہ میں پہنچے دیکھا کہ آپ پہلو کے بل سوئے ہوئے ہیں اور ہاتھوں کو حرکت دے رہے ہیں اور نا معلوم کیا باتیں کر رہے ہیں۔ میں ڈرتا ہوا حجرہ میں ایک طرف تلوار کی نوک زمین پہ ٹیک کر کھڑا ہو گیا اور ان بے حیا غلاموں نے دوڑ کر اپنی تلواریں امام مظلوم کے جسم میں اتار دیں۔ امام صرف ایک زرہ اور کپڑے پہنے ہوئے تھے تا کہ تلوار کا اثر نہ ہو پھر اس مظلوم امام کو انہیں کے بستر میں لپیٹ کر ہم لوگ مامون الرشید کے پاس پہنچے۔

مؤلف جلاء العیون کہتا ہے کہ مامون نے امام موسیٰ رضا کو اپنا داماد بنایا۔ اور آخر زہر آلود انگور کھلا کر شہید کیا۔ اس نے جہاں بھی مامون کا نام لکھا ہے اس کے ساتھ لعینؑ کا لفظ ضرور چسپاں کیا ہے۔

تبصرہ: تاریخ کا معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ مامون معتزلی تھا۔ خلق قرآن

کے مسئلہ میں اس نے بڑے بڑے زعمار ملت اور آئمہ عظام پر تشدد کیے۔ انہیں کوڑے لگوائے اور جیلوں میں بند کیا۔ اس کے دربار میں گو اظہار خیال کی آزادی تھی۔ مگر وہ اپنے عقائد کے مخالفین کو کسی صورت میں معاف کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

موسیٰ رضا ایک زاہد، مسکین طبع، حکومت کا وظیفہ خوار اور پُرامن گوشہ نشین فقیر منش آدمی تھا۔ اسے قتل کرنے کے لیے مامون کو کس کا خوف تھا کہ پہلے اُسے لڑکی دیتا ہے پھر چُوروں کی طرح قتل کر دیتا ہے۔

ایسی گپ بازی کے خالق یحملون اوزاھم علیٰ ظھورھم الاسآء ما یزرون۔

شیعوں کے مزعومہ امام نہم ــــــ محمد تقی

نام محمد لقب تقی۔ ولادت ۱۹۵ھ مدت امامت ۱۸ سال وفات ۲۲۰ھ

یہ جناب بھی چشم بد دور لونڈی زادہ تھے۔ جس کا نام سبیکہ تھا۔ بعض شیعوں نے بسبب صغرسنی آپ کی امامت کا انکار کیا (جلاء العیون ۳۹/۲)

مامون نے اپنی لڑکی ام الفضل کا آپ سے نکاح کر دیا اور بہت سامال دیا ام الفضل ملعونہ آپ کی طرف متوجہ نہ ہوتی تھی چونکہ حضرت اور عورت کی طرف متوجہ ہوتے تھے (یاد رہے کہ حضرت کی عمر اس وقت گیارہ سال تھی اور انہیں حضرت کی سنت پر واجد علی شاہ عمل کرتا رہا) ۲۱۸ھ میں مامون بعذاب الٰہی جہنم واصل ہوا۔ اس کے بعد معتصم خلیفہ بنا اس نے حضرت کو بغداد طلب کیا۔ حضرت نے بوقت روانگی علی نقی کو اپنا وصی مقرر کیا۔ بغداد پہنچے اور شہید کر دیئے گئے۔ بعض [illegible] میں واثق باللہ نے شہید کیا اور ام الفضل بھیک مانگتی ہوئی مر گئی۔ یہ تمام ہفوات [illegible] کا کوئی سر ہے نہ پاؤں۔ جلاء العیون سے ملخص ہے۔

شیعوں کے مزعومہ امام دہم ــــــ علی نقی

ولادت ۲۱۲ھ مدت امامت ساڑھے بتیس سال

یہ جناب بھی ماشاء اللہ لونڈی زادہ تھے۔ ماں کا نام سمانہ مغربیہ تھا۔ محمد بن عبداللہ حاکم مدینہ نے متوکل لعین کو لکھا کہ علی نقی کو یہاں سے بلا لو ورنہ یہاں فساد پیدا ہو جائے گا جب آپ بغداد پہنچے تو متوکل شقی نے آپ کو شہید کرنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا اور سر من رائے میں بھیج دیا۔

یہاں ایک بار پھر وہی ڈرامہ دہرایا جاتا ہے کہ متوکل ان جناب کو قتل کرنے کے لیے بلاتا ہے جب وہ دربار میں پہنچتے ہیں تو تخت سے اتر کر استقبال کے لیے دوڑ پڑتا ہے۔ پھر حضرت کو برکۃ السباع یعنی چیتوں اور شیروں کے باڑے میں داخل کر دیا مگر ان سب جانوروں نے اپنے منہ حضرت کے پاؤں پر رکھ دیئے۔ انہیں صاحب کے متعلق یہ بھی مرقوم ہے کہ آپ نہایت سیاہ فام تھے کہیں حمام میں داخل ہوئے۔ بعد میں کوئی اور آدمی بھی حمام میں داخل ہوا اس نے جناب کو حمام کا نوکر سمجھ کر خوب مالش کرائی اور جب تھک کر باہر نکلے تو فرمایا کہ یہ قصور اس شہری کا نہیں جس نے مجھ سے خدمت لی ہے بلکہ میرے اس باپ کا ہے جس نے اپنا نطفہ ایک حبشن کے رحم میں ڈالا۔

شیعوں کے مزعومہ گیارہویں امام ــــــ حسن عسکری

ولادت ۲۳۱/۲۳۲ھ وفات ۲۶۰ھ

ان صاحب کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ ان کے بعد امامت کا زمانہ غیبت شروع ہوتا ہے یہ آخری ظاہری امام تھے ع

تو بیرون درچہ کردی کہ درونِ خانہ آئی

یہ حضرت بھی ماشاء اللہ لونڈی زادہ تھے۔ والدہ کا نام سوسن یا سیلیل تھا۔ یہ لوگ انہیں ہاشمیوں پر مقدم رکھتے تھے اور کہتے تھے یہ رافضیوں کے امام ہیں۔ ایک شخص نے کہا ان کے بھائی جعفر کا کیا حال ہے تو جواب ملا کہ وہ ایک مردِ فاسق و فاجر، شراب خوار و بدکار تھا اور مثل اس کے رسوا اور بے عقل اور بدکار دوسرا میں نے نہیں دیکھا۔

میں کہتا ہوں کہ آج ساٹھویں پینسٹھویں پشت میں فاطمیت سے شجرہ نسب ملانے والے بھنگ پئیں شراب سے دل بہلائیں، بھنگڑے ڈالیں۔ منہ پر شیطان کے نیچے سجائیں۔ مست سانڈوں کی طرح گلیوں میں ڈکارتے پھریں مگر آل نبی اولاد علی، کہلاتے ہوئے مستجاب الدعوات اور صاحب راز سمجھے جائیں۔ مگر چند پشتوں کے واسطے سے فاطمہ رض تک پہنچنے والا دس آئمہ کے اصلاب میں پرورش پانے والا اس قدر بدکار یا للعجب؟

اس جعفر غریب کا جرم صرف اس قدر تھا کہ گیارہویں امام صاحب دنیا سے لاولد رخصت ہو گئے۔ مگر یارانِ طریقت نے قائم آل محمد کی اصطلاح وضع کر کے عالمِ خیال میں ان کے ہاں بارہویں امام کو پیدا کر کے کسی سرداب میں پوشیدہ کر دیا۔ ان کے اس دروغ بے فروغ کا بھانڈا عین چوراہے میں پھوڑنے کا جرم جعفر سے سرزد ہو گیا۔ اساس شیعیت کے لیے یہ ایک کاری زخم تھا پھر جعفر ان کی زبانوں سے کیسے بچ سکتا تھا۔

تبصرہ: آپ نے ان صفحات میں سیدنا علی رض اور حسنین رض کے بعد آٹھ اماموں کے حالات پڑھے ہیں شیعہ مذہب کی کتب میں ان کو تخیلات کی دنیا کی انتہائی بلندیوں پر پہنچایا گیا ہے۔ مگر سطح ارضی پر ان کے کارناموں سے سوائے دنیا شیعیت کے کوئی واقف نہیں، علم میں، جہاد میں تبلیغ اسلام میں، رشد و ہدایت میں ہمعصر علماء کے مقابلہ میں یہ لوگ صفر محض تھے۔ البتہ ایک خوبی قدر مشترک کے طور پر تمام میں موجود رہی ہے۔ ایک دو کے علاوہ تمام کے تمام لونڈی زادہ تھے اور دوسری خوبی یہ رہی ہے کہ خلفائے وقت انہیں قتل کرنے کے لیے بلاتے رہے مگر جونہی وہ دربار میں پہنچتے رہے ایسا چھو منتر پڑھتے رہے کہ خلفائے وقت ننگے سر، ننگے پاؤں

دوڑ کر ان سے بغل گیر ہو کر انہیں ہمراہ لا کر اپنے ساتھ تخت پر بٹھاتے رہے۔

پہلی خوبی سے تو ہم اور آپ سب واقف ہیں مگر دوسری خوبی کا سوائے اس کے کسی تاریخ میں کوئی ذکر نہیں۔ اگر ذکر ہے تو ان الفاظ میں کہ حریم خلافت میں علوی شہزادیوں کی کثرت تھی۔ بیسیوں اموی اور عباسی شہزادوں کے نکاح میں بیسیوں فاطمی شہزادیاں موجود تھیں سسرال والے لوگ جب داماں کے ہاں پہنچتے ہیں تو وہ ان کی یقیناً تعظیم کرتے ہیں۔

امام حسن عسکری کے وقت شیعوں کی تعداد

نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد تین چار مسلمان رہ گئے۔ حسین رض کی شہادت کے بعد صرف چار۔ پھر کئی دور ایسے آئے کہ ایک شیعہ بھی سطح ارضی پر موجود نہ پایا گیا اور اللہ میاں کو ان پر بار بار غصہ آتا رہا۔ پہلے قائم آل محمد کے ظہور کا زمانہ ۷۰ھ قرار دیا۔ اللہ میاں کی یہ بات معقول تھی یعنی ایک تو امامت کا یہ جھنجھٹ چوتھے امام کی امامت کے دسویں سال ہی ختم ہو جاتا پھر نہ باقر صاحب کی امامت کا کھکھیڑ پیدا ہوتا نہ دوسرے مدعیان امامت خلفائے وقت کے حضور میں چغلیاں کرتے۔ نہ موسیٰ کاظم، موسیٰ رضا، محمد تقی، علی نقی اور حسن عسکری پیدا ہوتے بس قائم آل محمد ۷۰ھ میں آجاتے اور فوراً حجرہ صدیقہ کائنات سے ابوبکر رض اور عمر رض کی نعشیں نکال کر انہیں کوڑے لگا کر سولی پر لٹکا دیتے اور صدیقہ کائنات کو قبر سے نکال کر حد لگا کر پھانسی پر لٹکا دیتے اور خالص دین دنیا میں پھیل جاتا۔ مگر یہ بات شاید آپ کی سمجھ میں نہ آسکی ہو کہ قائم آل محمد نے حسن عسکری کے ہاں پیدا ہونا تھا۔ اور حسن عسکری خود ۲۳۱ھ میں پیدا ہوا تو قائم آل محمد کس طرح ۷۰ھ میں ظہور فرماتے؟ مگر یہاں آپ جیسے سڑی، خطبی اور سودائیوں کی نہیں سنی جاتی۔ یہ امامت کے راز ہیں اور امامت کے راز اسی قسم کے لوگ سمجھ سکتے ہیں جن کے منہ میں کتے موتیں جنہیں ان کے آئمہ کذاب اور فاسق و فاجر کہیں اور دھکے دے کر گھروں سے نکال دیں۔

مگر شکر کیجیے کہ شیعوں کے اللہ میاں کو غصہ آگیا اور ظہور قائم آل محمد کا وقت مؤخر کر کے ۱۴۰ھ کر دیا۔ اب کٹ گیا پتہ موسیٰ کاظم اور اس کے بعد کے آئمہ کا مگر شیعوں کے اللہ میاں کا یہ دعویٰ بھی ٹھُس ہو کر رہ گیا یا شیعوں پر غضبناک ہو کر خود ہی ٹھُس کر دیا کہ قائم آل محمد اس وقت تک ظہور نہیں فرمائیں گے جب تک ۳۱۳ مومنین کی تعداد پوری نہیں ہو گی۔

میں کہتا ہوں کہ ۳۱۳ کے معاملہ میں بھی شیعوں کے اللہ صاحب کو بداء ہو گیا ہے مذہب شیعہ پر ایسے وقت آ چکے ہیں جب دنیا میں ایک شیعہ بھی باقی نہ رہا تھا اور اس کے بعد "سنی اگر شیعہ شود حکم کافر اصلی دارد" یعنی اگر کوئی سنی شیعہ ہو جائے تب بھی وہ حقیقی کافر ہے پھر ۳۱۳ کہاں سے آئیں گے۔

شیعوں کی نسل ختم ہو گئی۔ سُنی شیعہ بن کر بھی کافر ہی رہے تو ۳۱۳ کے چکر میں قائم آل محمدؑ اب قیامت کو باہر نکلیں گے۔

قائم آل محمد کی پیدائش کا افسانہ

خلیفہ ملعون نے فرزند سعادت مند امام حسن عسکری کے تفحص میں کوشش کی۔ اور ملازموں کو حکم دیا کہ حضرت کا مکان گھیر لیا۔ اور سب حجروں میں تلاش کریں شاید پا جائیں اور عورات قبیلہ کو بھیجا کہ کنیز امام حسن عسکری کی تفحص کریں کہ مبادا ان میں سے کسی کو حمل ہو ایک عورت نے کہا ایک کنیز حضرت میں احتمال حمل ہے خلیفہ نے حکم دیا کہ خادم کو اس کنیز پر موکل کیا جائے کہ جویائے حال رہے (جلاء العیون ص $\frac{408}{2}$)

جس کنیز پر احتمال حمل تھا دو سال تک اس کے جویائے احوال رہے مگر کچھ اثر ظاہر نہ ہوا۔ پس موافق روایات اہلسنت میراث آنحضرت درمیان مادر جعفر کذاب کہ برادر حسن عسکری تھا تقسیم کی (ایضاً $\frac{409}{2}$)

لیکن خلیفہ ملعون پھر بھی تفحص احوال صاحب الوصی رہا۔ (ایضاً $\frac{209}{2}$)

یہ طوطا کہانی بڑی طویل ہے۔ معمولی سوجھ بوجھ کا آدمی بھی اتنی بات سمجھ سکتا ہے کہ خلیفہ وقت کو ایک معمولی آدمی کے گھر کی اس قدر تلاش کیوں۔ اور اس بات کا کیا خطرہ کہ اس درویش طبع آدمی کے جو لڑکا پیدا ہو گا وہ رستم زماں ہو گا اور مجھ سے

حکومت چھین لے گا۔ اور اس کی تلاش نو مہینے سے بڑھ کر دو سال تک جا پہنچی ہے۔ اور لطف یہ کہ حسن عسکری کا سگا بھائی چلا چلا کر کہہ رہا ہے کہ میرا بھائی لاولد مر گیا ہے۔

حسینؓ کی شہادت سے حسن عسکری کی موت تک

حسین ۶۰ یا ۶۱ھ میں شہید ہوئے اور قائم آل محمد ۲۵۵ھ میں بزمانہ معتمد باللہ پیدا ہوئے اس ۱۹۵ سال کے عرصہ میں پانچ آئمہ کی موجودگی اور بارہ خلفاء کے زمانہ میں چالیس طالبیوں نے خروج کیے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اگر امام کی اجازت کے بغیر جہاد حرام ہے تو وہ خروج کرنے والے کون تھے؟ اور اگر آئمہ زیر زمین رہ کر ان سے خروج کراتے رہے تو اس سے بڑھ کر منافقت کا اور کون سا مقام رہ جاتا ہے[1] اور اگر خلفائے وقت چاہتے تو جو انجام خروج کرنے والوں کا ہوتا رہا وہی ان "ارباب والقلم" کا ہوتا ہے۔

شیعوں کے بارہویں امام کی کارستانیاں

شیعہ حضرات جس مہدی کے زمانہ کو غلبہ اسلام کا زمانہ باور کرانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اگر بقول ان کے مہدی کی کارکردگی یہی ہے جو ان کی کتب میں مذکور ہے تو وہ زمانہ اسلام کے لیے بدترین زمانہ ہو گا۔ چند نظائر کی دید کے لیے بیراساتھ دیجئے۔

۱۔ پس بعد از سہ روز امر فرماید کہ دیوار روضہ (رسول) را بشگافند پس برائے ابوبکر و عمرؓ فرماید کہ کفنہا ایشاں بکشایند و ایشاں را بحلق کشند بر درخت خشکے۔

(حق الیقین سطر ۲۰ ص ۲۱۶ مطبع جعفری لکھنو)

ترجمہ: "مہدی حکم کرے گا کہ نبی کے روضہ کی دیوار گرا دو۔ اور ابوبکرؓ اور عمرؓ

---

[1] تفصیل کے لیے راقم کی تالیف عترت رسول دیکھئے۔

کے لیے حکم دے گا کہ ان کے کفن اتار دو اور ان کو ایک خشک درخت پر پھانسی دے دو۔

اس سے اگلے صفحہ پر یہ عبارت مرقوم ہے۔

وآتشے را امر فرمائید کہ از زمین بیرون آید وایشاں را بسوزاند وبا درخت و بادے را امر فرماید کہ خاکستر ایشاں را بدریا پاشد حتے کہ در شبانہ روزے ہزار بار ایشاں را بکشند وزندہ شوند وخدا بہر جائیکہ بخواہد ایشاں را ببرد و معذب گرداند۔

ترجمہ: پس مہدی لوگوں کو حکم دے گا کہ ابوبکرؓ اور عمرؓ کو درخت پر باندھ دیں اور پھر آگ کو حکم کرے گا کہ زمین سے باہر آ کر ابوبکر اور عمر (رضی) کو جلا دے اور ہوا کو حکم کرے گا کہ ان کی راکھ کو دریا پر اڑا دے حتی کہ صبح و شام ہزار دفعہ ان کو قتل کرے گا اور پھر وہ زندہ ہوں گے پھر خدا جہاں چاہے گا ان کو پھینک کر عذاب کرے گا۔"

بدرستیکہ خدا فرعون و ہامان را بکشت وقارون را در زمین فرو برد یعنی عثمان زیرا کہ ایشاں غصب حق خلافت کردند توبہ ایشاں مقبول نیست وایشاں در عذاب خدا ہستند در برزخ تا بجہنم روند۔ ودر رجعت اماماں را با ایشاں بدنیا خواہد گرداند کہ تا انتقام بکشد از ایشاں۔ (حیات القلوب جلد ۳ ص۲۰۲)

ترجمہ: اللہ تعالی نے فرعون اور ہامان (ابوبکر اور عمر) کو قتل کیا اور قارون کو زمین میں غرق کر دیا یعنی عثمان کو اس لیے کہ انہوں نے خلافت کے حق کو غصب کیا تھا ان کی توبہ مقبول نہیں اور وہ خدا کے عذاب میں گرفتار ہیں برزخ میں یہاں تک کہ جہنم میں پہنچ جائیں گے اور اماموں کی حجت پوری کرنے کے لیے انہیں دنیا میں لایا جائے گا تاکہ ان سے انتقام لیا جائے۔"

ودر احادیث بسیار منقول است کہ علماء سائر آئمہ ابوبکر را فرعون ایں امت وعمر را ہامان امت فرمودہ اند ودر رجعت نیز غرق آب شمشیر قائم آل محمد خواہند شد (حیات القلوب جلد ۱ ص۳۲۸)

ترجمہ: اور متعدد احادیث میں منقول ہے کہ علما را اور تمام اماموں نے ابوبکرؓ کو اس امت کا فرعون اور عمرؓ کو ہامان اور عثمانؓ کو قارون کہا ہے اور رجعت کے زمانہ میں قائم آل محمد کی تلوار آبدار سے قتل ہوں گے۔

مقبول رافضی سورۂ احزاب کی آیت نمبر ۶۰ لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ الْمُنَافِقُونَ کی تفسیر میں لکھتا ہے کہ جھوٹی حدیث بیان کرنے کی بنا غاصب اول نے کی اور تائید غاصب ثانی نے انہیں دونوں کے جوارِ رسول میں ہونے کا فخر کیا جاتا ہے اب فخر کرنے والے ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا کو غور سے تلاوت کریں اور جناب امام صاحب العصر والزمان کی اس حدیث کو جس میں یہ ہے کہ وہ حضرت ان کی قبریں کھدوا کر لاشے نکلوائیں گے اور سوکھے درخت پر ان کو لٹکوائیں گے اور بغرض امتحان خلق وہ درخت ہرے ہو جائیں گے پھر ان سے بیزاری کا حکم دیا جائے گا۔ مگر منافقین نہ مانیں گے اور مومنین سے الگ ہو جائیں گے اور انہی ملعونین کے ساتھ قتل کیے جائیں گے۔ اس ملعون کو أَيْنَمَا ثُقِفُوا أُخِذُوا وَقُتِّلُوا تَقْتِيلًا کے ساتھ ملا کر پڑھیں۔

ان کے مہدی کا ایک اور کارنامہ ملاحظہ ہو۔ روایت کردہ است از حضرت باقر کہ چوں قائم ما ظاہر شود عائشہ را زندہ کند تا بر وحد بزنند۔

(حق الیقین ص۲۰۹ سطر ۲۳ علل الشرائع ابن بابویہ)

"امام باقر سے روایت ہے کہ جب ہمارا مہدی ظاہر ہو گا تو عائشہ کو زندہ کر کے اس پر حد اور سزا قائم کرے گا۔"

آگے چلئے:۔ چوں قائم آل محمد ظاہر شود عائشہ را زندہ گرداند تا آنکہ اورا حد بزند وانتقام بکشد برائے حضرت فاطمہ۔ راوی گفت فدائے تو شوم۔ بچہ سبب اورا حد بزند فرمود کہ برائے افترائے کہ بر مادر ابراہیم گفت۔ راوی پرسید کہ چرا حضرت رسول اورا حد نزند وحق تعالی حد اورا تاخیر فرمود امام باقر گفت برائے آنکہ حق تعالی محمدؐ را برائے رحمت فرستادہ است وقائم برائے انتقام وعذاب خواہد فرستاد (حیات القلوب فارسی جلد دوم ص۷۴۱)

"امام باقر سے روایت ہے کہ جب مہدی ظاہر ہو گا تو عائشہ کو زندہ کرے

گا پھر اس پر حد جاری کرے گا اور حضرت فاطمہ رض کا انتقام لے گا۔ راوی نے کہا میں آپ پر قربان عائشہ پر کیوں حد جاری کرے گا باقر نے فرمایا اس لیے کہ اس نے ابراہیم کی ماں پر افترا کیا تھا۔ راوی نے پوچھا کہ نبی نے کیوں حد جاری نہ فرمائی اور اللہ نے بھی تاخیر کی۔ امام باقر نے فرمایا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے محمدؐ کو رحمت کے لیے بھیجا تھا اور قائم کو انتقام اور عذاب کے لیے بھیجے گا۔"

محمد مہدی کے متعلق شیعوں کے مفروضہ عقائد

۱۔ ۲۵۵ھ میں بزمانہ خلیفہ معتمد علی اللہ پیدا ہو چکے ہیں۔
۲۔ والد کی طرف سے سید ہیں۔ والد کا نام حسن عسکری اور والدہ کا نام نرجس (ایک فرنگن لونڈی)
۳۔ کمسنی کے زمانہ میں ہی معہ خدم و حشم غار سر من رائے میں پوشیدہ ہو گئے۔
۴۔ بجائے رحم و شکم کے ران سے پیدا ہوئے۔
۵۔ آئندہ بزمانہ رجعت ظاہر ہوں گے۔
۶۔ معصوم اور مفترض الطاعۃ امام ہیں۔
۷۔ خلفائے ثلاثہ، حضرت عائشہ اور امیر معاویہ کے دشمن ہوں گے۔
۸۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہو کر آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔
۹۔ صاحب معجزہ ہوں گے۔
۱۰۔ آپ کے پاس گذشتہ انبیاء کے صحیفے اور کتابیں، نیز صحیفہ، جامعہ مصحف فاطمہ، کتاب علی۔ کتاب شب قدر اور جفر و نجوم (جوتش ہو گا)
۱۱۔ عالم الغیب ہوں گے۔
۱۲۔ موجودہ قرآن کے منکر ہوں گے آپ کے پاس حضرت علی رض کا جمع کردہ قرآن ہو گا جو عہد جناب امیر سے لے کر تا ظہور امام مہدی غائب ہے۔
۱۳۔ دجال کے قاتل ہوں گے۔

امام مہدی کے متعلق شیعوں کے عجیب و غریب تمسخرانہ عقیدے ہیں مولوی

گل حسن نے سید غوث علی پانی پتی کے تذکرہ میں سید صاحب کی زبانی بیان کیا کہ:
"ایک دفعہ ہم موضع منڈاور پہنچے تو سنا کہ یہاں ایک سید صاحب شیعہ تھے مرتے دم انہوں نے یہ وصیت کی کہ ہماری دونوں لڑکیوں کی شادی نہ کی جائے جب حضرت امام مہدی آخر الزمان کا ظہور ہو تو یہ دونوں ان کے نکاح میں دی جائیں۔
ہم نے سید صاحب کی بیوی سے کہا کہ امام مہدی تو شریعت محمدی کے تابع ہوں گے اور اس شریعت میں دو بہنوں کا جمع کرنا جائز نہیں۔ پس مناسب ہے کہ ان میں سے ایک کی شادی کر دو اور ایک امام موصوف کی نذر کے لیے رہنے دو۔ چنانچہ ایک کی شادی ہو گئی اس کے بعد ہم نے کہا کہ اب اس غریب کو کیوں بٹھا رکھا ہے۔ خدا جانے امام مہدی کے ظہور تک اس کی عمر وفا کرے یا نہ کرے اس سے تو یہی بہتر ہے کہ اس کی بھی شادی کر دو۔ اور اس کی اولاد سے امام کے زمانہ میں جو لڑکی موجود ہو وہ امام صاحب کی نذر کی جائے تاکہ وصیت بھی پوری ہو جائے۔"
غرض اس کی بھی شادی ہو گئی۔ یہاں مودودی صاحب کا انکشاف بھی ملاحظہ ہو۔ مہدی ہر وہ لیڈر، سردار اور امیر ہو سکتا ہے جو راہ راست۔ (تجدید احیائے دین)

تیسرا باب

دین میں بدعات

شیعہ اور سُنی دونوں فرقے کُلُّ بدعۃٍ ضلالۃٍ کُلُّ ضلالۃٍ فی النّار
ہیں مگر اہل سنت افکار و نظریات شرک و بدعت کی ان دیو مالائی داستانوں
سے مبرا ہیں۔

شیخ عبدالقادر جیلانی حسنی الحسینی رح امام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد امام ابن
قیم۔ ابو بکر بن ہانی مصنف کتاب سنن فی الفقہ ابو القاسم خرقی متوفی ۳۳۴ھ
مصنف المختصر عبد العزیز بن جعفر متوفی ۳۶۳ھ شمس الدین بن قدامہ متوفی ۶۸۲ھ
مؤلف شرح الکبیر علی متن المقنع۔ موفق الدین بن قدامہ مصنف کتاب المغنی اور
آخری دور میں شیخ محمد بن عبدالوہاب جیسے لوگ ہر دور میں شرک و بدعت کی ضلالت
کے خلاف علمی میدان میں شمشیر بکف رہے۔

ان کے علی الرغم اصحاب التشیع نے ہر مجتہد کو یہ حق دے دیا کہ وہ وقت کے
حالات کے تحت جو ردّ و بدل موزوں سمجھے کرنے کا مجاز ہے یہی وجہ ہے کہ شیعہ
مذہب کے پیرو کسی ایک امر، کسی ایک بات، کسی ایک مسئلہ میں بھی ایک دوسرے
سے متفق نہیں۔ شیعہ مذہب کی تمام تفاسیر، روایات اور معتبر کتب میں اصحاب
ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اوصاف اسی طرح بیان کیے گئے ہیں جس طرح اہلسنت
کی کتابوں میں ہیں۔ مگر نہایت حیران کن امر یہ ہے کہ ان ٹھوس حقائق کے علی الرغم
گھٹیا قسم کے شیعہ مصنفین نے بغیر کسی ثبوت کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم
کے خلاف وہ سوقیانہ انداز بیان استعمال کیا ہے جو شیطان کے متعلق بھی استعمال
نہیں کیا گیا۔

دراصل یہودی اور مجوسی گٹھ جوڑ کی بنیاد ہی اس عناد پر رکھی گئی تھی کہ فاتحین
ایران کو جس قدر بُرا کہا جا سکتا ہے۔ کہا جائے اسلام نے ایک طرف یہودیوں کو

جزیرہ نما عرب سے باہر دھکیلا اور دوسری طرف ہزار ہا سالہ مجوسی شہنشاہیت
کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی یہ صدمہ یہود و مجوس کے لیے کوئی معمولی
صدمہ نہ تھا ایک فرزند مجوس فاروق اعظم کو شہید کر چکا تھا۔ فتنہ یہود ذوالنورین
کو خاک و خون میں تڑپا چکا تھا مگر ان کی آتش انتقام ابھی سرد نہیں ہوئی تھی۔
بلکہ آئے دن اور بڑھکتی جا رہی تھی۔ حالات نے حضرت علی رضہ کے زمانہ میں انہیں
چند کامیابیوں سے ہمکنار کیا وہ کھل کر سامنے آنے لگے مگر ان کے پاس دینی یا دنیوی
طور پر کوئی ٹھوس پروگرام نہ تھا۔ وہ ہار کر ایک ہی بات پر وہ متفق ہو سکتے تھے کہ
فاتحین ایران اور یہود کو خارج البلد کرنے والوں کے خلاف زبان دشنام دراز کی
جائے۔ انہوں نے اپنے دعوای کو صحیح ثابت کرنے کے لیے جو لائحہ عمل تیار کیا تھا
وہ صرف اس قدر تھا کہ علی وصیٔ رسول ہیں مگر اس وصائیت رسول کی جزئیات
میں بھی وہ متفق الخیال نہ ہو سکے یہی وجہ ہے کہ اصحاب ثلاثہ کو علی منہاج الخلافۃ
بزرگ سمجھنے والے بھی شیعہ اور ان پر تبرا کرنے والے بھی شیعہ ہیں۔

شیعوں کے کسی ایک فرقہ کے دس آدمیوں کے درمیان بھی کسی ایک بات پر
اتفاق نہیں مگر ان کے تمام فرقوں میں صرف ایک قدر مشترک ہے اور وہ قدر مشترک
صحابہ کرام رضہ اور امہات المومنین رضہ کی پاکیزہ ذاتوں کی دشنام طرازی ہے۔

اُن کی اس مجتہدانہ آزادی نے ہر مجتہد کو یہ کہنے کی کھلی چھٹی دے دی کہ وہ جو
کہے وہی حرف آخر ہے اس آزادی کا بیج مختار نے یہ سوچ کہ بویا تھا کہ آج اگر
کچھ کہوں گا تو کل ولیانہ ہونے پر شرمندہ ہوں گا لہذا ایسی کیفیت پیدا کی جائے
کہ جو کہوں درست ہو یا غلط میری سیادت اور قیادت قائم رہے بہر حال بدعات
کا دروازہ کھولنے میں شیعوں نے بھرپور کردار ادا کیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے تولا اور تبرا نے سر نکالا۔ اس کے ساتھ ہی
قرآنی تحریف کی ڈھنڈیا پیٹنی شروع کر دی۔ ساتھ ہی تقیہ بھی نمودار ہوا۔ اور کچھ
جلد ہی بعد ماتم شروع ہو گیا اور بغداد میں آل بویہ اور مصر میں فاطمیوں کو عروج
ملا تو اذان بھی بدل دی گئی۔ متعہ کے جراثیم تقریبی طور پر تو ایرانی تحریک کے ساتھ
ہی شیعیت میں داخل ہو چکے تھے مگر ان کے پروان چڑھانے میں زیادہ ہاتھ

ان شیعہ حکمرانوں کا تھا جو حسین چہروں کو اپنے کاشانہ کی زینت بنانا چاہتے تھے ہندوستان میں پہنچ کر متعہ کے ساتھ ندائے لغیر اللہ کے مشرکانہ افعال کی بھی پورے زور شور سے تبلیغ شروع ہوگئی جن کی موجودگی میں خدا ایک بے معنی سا وجود ہو کر رہ گیا۔ اس باب میں احناف کے اس گھبرائے ہوئے گروہ نے بھی اہل تشیع کا بھرپور ساتھ دیا جو آج بھی ہمارے سامنے انہیں مشرکانہ افعال کو عین اسلام ثابت کرنے میں مصروف ہے اور سوائے اپنے دنیا کا ہر مسلمان ان کے نزدیک کافر ہے

۱۔ تولا و تبرا:

تولا و تبرا کو شیعوں نے اپنے اصولات دین میں سے قرار دیا ہے۔ شیعہ مذہب چونکہ یہودی سازشوں اور ایرانی سیاسی تحریک کے طور پر شروع ہو کر ایک زمانہ کے بعد مذہبی شکل میں منتقل ہوا اس لیے آج تک اس مذہب کی تمام کڑیاں بالواسطہ اور بلاواسطہ ایران کی مجوسیت ثنویت اور یہودیوں کی تخریبی تکنیک پر جا کر ختم ہوتی ہیں۔ عبد اللہ بن سبا یہودی نے حب علی کی آڑ میں سیدنا عثمان رضی کی مخالفت کا جو بیج بویا تھا اس سے اسے تقویت ملی۔

خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں دو نوں بڑی طاقتوں کا خاتمہ ہو گیا۔ مسیحیت چونکہ ایک الہامی مذہب تھا اگرچہ امتداد زمانہ سے اپنی اصلی ہیئت کھو چکا تھا مگر اس نے اسلام کو قبول کرنے کے بعد اسلامی عقائد میں کوئی نرالا پن محسوس نہ کر کے اس پر عمل کرنے میں تکلیف محسوس نہ کی مگر مجوسیت سراسر ایک خود ساختہ مذہب تھا۔ جس میں مانویت اور مزدکیت نے مل کر اسے دو آتشہ بنا دیا تھا۔ ایران فتح تو ہو گیا مگر حجاز کی دوری کی وجہ سے وہ اسلام کی روح کو اپنا نہ سکا۔ پھر یہ فتوحات ایک سیل رواں کی طرح ایران کی آخری سرحدوں تک پہنچ گئیں۔ اس لاکھوں بلکہ کروڑوں انسانوں کی آبادی پر مشتمل ملک میں ہزاروں مبلغوں اور معلموں کی ضرورت تھی جو سالہا سال کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر کے مجوسیت کے جراثیم دور کر کے اپنے کردار و افعال و اعمال اور تبلیغ سے انہیں روح اسلام سے شناسا کرتے۔ مگر فتوحات کے اس تیز ترین دور میں فتوحات کے مقابلہ

میں تبلیغ و اشاعت دین کا کام بہت سست رہا ایران سے سینکڑوں اور ہزاروں مجوسی غلام مدینے پہنچ چکے تھے ان لوگوں کے دلوں میں اسلام کی مخالفت کی چنگاریاں بجھ بجھ کر بھڑکتیں اور بھڑک بھڑک کر بجھتیں۔ ایران کے لوگ نسلی طور پر بھی اپنے آپ کو عربوں کے مقابلہ میں برتر سمجھتے تھے اسی نسلی تفاخر اور عصبیت نے ان کے بزرگوں سے یہ کلمات کہلوائے تھے۔

زشیر شتر خوردن سوسمار ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ عرب را بجائے رسید است کار

یہاں اس بات کو بھی ذہن سے دور نہیں کیا جا سکتا کہ فردوسی نے محمود غزنوی کے زمانہ میں شاہنامہ لکھا۔ مگر شاہنامہ کے مطالعہ سے ہر قاری فردوسی کے اسی نسلی عصبیت اور ایران پر مسلمانوں کی فتح کو نہایت ناپسندیدہ انداز میں پیش کرنے کو محسوس کر سکتا ہے۔

اسی مجوسیت کے ایک فرزند ابو لولو کے ہاتھوں ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ کو فاروق اعظم رض مسجد میں زخمی ہوئے اور یکم محرم ۲۴ھ کو شہادت کے مرتبہ پر فائز ہو گئے۔ گویا آتشکدہ ایران کے ایک بیٹے نے سقوط ایران کا انتقام لے لیا۔ اسی ایران سے ابو مسلم خراسانی اٹھا۔ اسی ایران نے مامون کو اپنا نواسہ سمجھ کر خلیفہ وقت امین کے قتل میں مامون کی مدد کی۔ اسی ایران میں آل بویہ نے اپنی حکومت کی داغ بیل ڈال کر بغداد کی وزارت حاصل کی اور پھر وہاں جبراً شیعی بدعات کو رواج دیا۔

اسی ایران کے صفویوں نے تبلیغ شیعیت کے جوش میں جو ان کے سامنے آیا اسے خس و خاشاک کی طرح بہا دیا۔ اسی ایران سے شاہ عباس نے اٹھ کر ۱۶۲۳ء میں بغداد کو تاخت و تاراج کیا۔ اسی ایران کے شاہ اسمٰعیل صفوی نے ۹۱۴ھ میں کربلا کا سفر کیا اور راستہ میں لوٹ مار کرتا ہوا دولت جمع کر کے کربلا پہنچا اور وہاں اسی لوٹ کی دولت سے عمارات تعمیر کرائیں۔

بیجاپور اور گولکنڈہ کی ریاستوں کے بانی اسی ایران کی پیداوار تھے سعادت خان بانیٔ ریاست اودھ بھی ایرانی تھا۔ ایران میں بیٹھ کر ہی ہلاکو نے بغداد کو تاخت تاراج کرنے کا منصوبہ بنایا اور ابن علقمی نے اس کی راہنمائی کی۔

اسی ایران کے شاہ اسمٰعیل نے سنی علماء کو بلا کر اصحاب ثلاثہ پر لعنت

کرنے کے لیے مامور کیا۔ مگر جب انہوں نے انکار کیا تو سب کو قتل کروا دیا۔
(انوار نعمانیہ ص۱۳۸ سطر ۶)

اسی ایران کے ایک بیٹے حسین طباطبائی نے جو ان دنوں سمرقند کا گورنر تھا شہر کے دروازے کھول کر حملہ آور تاتاریوں کا استقبال کیا اور اس کی اس غداری کے نتیجے میں خوارزم شاہی کی اینٹ سے اینٹ بج گئی اور سمرقند کی حکومت پر مستطر رہنے کے لیے اپنی پوتی گلبدن تاتاریوں کی خدمت میں پیش کرنے پر آمادہ ہو گیا جس نے بھاگ کر جان بچائی۔

اسی ایران کی فوج کے بل پر تیمور لنگ نے انگورہ کے مقام پر بایزید کو شکست دے کر تاریخ اسلام میں ایک دردناک باب کا اضافہ کیا۔ اسی ایران سے نادرشاہی عذاب سعادت خان کی سازش سے ہندوستان میں قتل عام کا سبب بنا۔

الغرض ابولولو مجوسی نے حضرت عمرؓ کو شہید کر کے شیعیت کی دنیا میں ایک ہیرو کا رتبہ حاصل کیا اس کے اس فعل کو صرف مستحسن ہی نہیں بلکہ ایک بہت بڑا کارنامہ ثابت کرنے کے لیے صدیوں بعد پیدا ہونے والے شیعہ علماء نے وضعی روایات کا ایک ذخیرہ مرتب کر ڈالا۔ چنانچہ ملا باقر مجلسی کی تالیف زاد المعاد کے حوالہ سے نواب محسن الملک نے اپنی تالیف "آیات بینات" میں حضرت حذیفہ کی طرف ایک حدیث منسوب کی ہے کہ نویں ربیع الاول کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت علی رضؓ اور حسین رضؓ کھانا نوش فرما رہے تھے حضرتؐ نہایت خوش تھے اور اپنے نواسوں کو فرما رہے تھے کہ :-

"کھاؤ بیٹا کھاؤ۔ یہ کھانا تم کو مبارک ہو۔ کہ آج کا دن وہ دن ہے کہ جس میں خدا اپنے دشمن کو اور تمہارے جدّ کو ہلاک کرے گا اور تمہاری مادر مشفقہ کی دعا قبول کرے گا۔ کھاؤ بیٹا کھاؤ۔ حضرت نے فرمایا کہ خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس روز کو فضیلت دے۔ خدا نے آپ کی دعا قبول کی۔ اور کہا میں نے ملائکہ ہفت آسمان کو حکم دیا ہے کہ اس دن کو جس دن وہ (عمرؓ) مارا جائے شیعہ اپنے محبوں کے لیے عہد کریں اور تمام شیعوں کی مغفرت کی دعا کریں۔ میں نے تمام فرشتوں کو بھی حکم دیا ہے

کہ اس تاریخ سے تین دن کے لیے قلم آدمیوں سے اٹھا لیں۔ کوئی شخص کچھ گناہ کیوں نہ کرے اس کو نہ لکھیں اور ہر سال اس دن ہزار ہزار محبان اہل بیت اور شیعوں کو جہنم کے عذاب سے نجات دوں گا۔ ان کے اعمال کو قبول کروں گا اور ان کے گناہوں کو بخشوں گا۔"

شیعہ اس روز کو عید الفطر اور عید الاضحیٰ اور عید غدیر سے بھی افضل جانتے ہیں آپ یکم محرم کو شہید ہوئے مگر ۲۴ صفر کو یہ دن منایا جاتا ہے اور اسے یوم عید الاکبر یوم مفاخرہ اور یوم برکت قرار دیا ہے۔ شیعان ہند کے انگریز مصنف نے اس عید کا نام عید عمرؓ لکھا ہے۔ اور لکھا ہے کہ شیعان ہند اس روز بڑی خوشیاں مناتے ہیں۔

تبرا بازی کے چند اور نمونے ملاحظہ ہوں

عمر ابن الخطاب علیہ اللعنۃ والعذاب (حیات القلوب مطبوعہ ایران ملا باقر مجلسی ص۴۲۶)

قرآن کے مقبول ترجمہ و حواشی میں انّ الصّلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر کے تحت لکھا ہے کہ الفحشاء سے مراد ابوبکر رضؓ اور منکر سے مراد عمر رضؓ ہے اس لیے کہ دونوں ازروئے صورت و سیرت مجسمہ بے حیائی و بدکاری تھے۔

یہ وہی عمر رضؓ ہیں جن کے متعلق حضرت علی رضؓ کا یہ قول

نوّر اللہ قبر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ۔

کما نوّر اللہ مساجد اللہ با القرآن

یہ وہی ابوبکر ہیں جن کے متعلق شیعہ تفاسیر سے والّذی جآء بالصدق وصدق بہ اور دیگر آیات کے تحت فضائل گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکے ہیں اور یہ وہی ابوبکر رضؓ اور عمر رضؓ ہیں اور عثمان رضؓ ہیں جن کی حضرت علی رضؓ نے بیعت کی اور بائیس سال کا طویل زمانہ ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے۔

میر حیدر بخش نائب آفرین علی خان نے اصحاب ثلاثہ کے نام لکھ کر فرش تلے بچھوائے۔ لکھنؤ کی کربلا تال کٹورہ میں یہ نمونہ دیکھا جا سکتا ہے۔

امجد علی کے زمانہ میں اہلسنت کا شمار ہنود میں تھا (طلسم ہند)

اسامیٔ ملعونان و ملعونات کہ تا قیامت بر آنہان لعنت یاد کرد۔

(مجموعہ واجدیہ صـ۲۰۴)

مسٹر ہالسٹرایم۔اے مؤلف شیعان ہند نے لکھا ہے کہ:۔

۱۔ معرفت امام نام کتابچے میں پہلے دونوں خلفاء کے نام تحقیر و توہین کی غرض سے (کمنوم۔ا۔کسر) یعنی الٹے لکھے ہیں۔

۲۔ عمرؓ کی شہادت کے دن تسبیح کے دانوں پہ دیگر وظائف کی طرح سو دفعہ مذہبی فریضہ کی طرح یہ وظیفہ کیا جاتا ہے۔

"لعنت ہو ابوبکرؓ پر پھر عمرؓ پہ، پھر عمرؓ پہ پھر عمرؓ پر

۳۔ اصحاب ثلاثہؓ کے نام پائخانوں کی دیواروں اور قدمچوں پہ لکھ لیتے ہیں۔

مولوی مسیح الدین جو بطور وکیل یا سفیر مرزا حامد علی، سکندر بخت اور واجد علی شاہ کی والدہ کے ہمراہ لندن، ریاست کی بازیافت کے لیے گئے تھے اپنے سفرنامہ میں لکھتے ہیں کہ لندن میں مرزا جواد علی سکندر بخت نہایت بیمار ہوئے اور ایک مہینے کے بعد قضا کر گئے۔ ان کا عارضہ عجیب و غریب ہوا۔ ایک دنبل ان کی مُبرز پر نکلا وہ ناسور ہو گیا تھا کبھی اس کا بہنا بند ہو جاتا تھا اور کبھی دنبل ہو کے پکتا پھوٹتا تھا پھر جب بہنے لگتا تو تسکین ہو جاتی تھی۔ اب کی دفعہ اس ناسور نے زور پکڑا اور اس کے سبب تپ محرقہ ہو گئی۔ آخرش اسی عارضہ میں انتقال کر گئے۔ مرزا سکندر حشمت کو مذہب تشیع میں بہت تعصب اور غلو تھا۔ چنانچہ کمال جہالت سے انہوں نے ایک طشت چاندی یا تانبے کا بنوایا تھا اور اس پہ خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم اور بزرگان دین کے نام کندہ کرائے تھے وہ طشت ہمیشہ پاخانہ کی چوکی میں لگا رہتا تھا۔ میرے خیال میں اسی بے ادبی کے انتقام میں ان کے مُبرز پہ ناسور پیدا ہوا۔

اقول:۔ اودھ کے تمام حکمران حکمران مُبرز کنج ران اور سیون کے جوڑ پہ ڈنبل نکلنے سے مرتے رہے معلوم ہوتا ہے کہ سب اسی فعل کے ارتکاب کی وجہ سے عذاب الٰہی میں گرفتار ہو کر تڑپ تڑپ کر مرتے رہے۔

شیعوں کی تضاد بیانیاں قول و فعل میں عدم تطابقت ملاحظہ ہو کہ حضرت شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شان میں اس تبرا بازی کے باوجود ان کی درجہ اوّل

کی کتب میں شیخین رضی اللہ عنہما کی تعریف بھی موجود ہے۔

یہ تمام تفاصیل دوسرے مقام پہ بیان کی گئی ہے۔

سعادت خان کے زمانہ سے واجد علی شاہ کے دور تک اس شیعہ سلطنت نے اسلام دشمنی کے تمام حربے بے دریغ استعمال کئے۔

۷، فروری ۱۸۵۶ء کو واجد علی شاہ جلاوطن ہوا مگر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریزوں کے ظلم و ستم کے باوجود ان لوگوں کی آنکھیں نہ کھلیں اور ۱۹۰۴ء سے ۱۹۰۸ء تک متعدد بار شیعہ سنّی فسادات ہوئے۔ ۱۹۳۵ء میں مدح صحابہؓ اور تبرا بازی کے شدید ہنگامے ہوئے انہیں حالات میں ۱۲، جون ۱۹۳۹ء کو علامہ عنایت اللہ خان المشرقی نے اس تنازعہ سے متاثر ہو کر اس فساد کو مٹانے کے لیے ایک اعلان کیا کہ:۔

"قرآن میں لکھا ہے کہ اگر مسلمانوں کے دو فریق آپس میں لڑیں تو ان میں صلح کرا دو۔ اور جو فریق باغی ہو اسے قتل کر دو"

موجودہ معاملہ میں دونوں فریق باغی ہیں، ایک فریق مدح صحابہؓ پہ ضد کر کے، اور دوسرا تبرا صحابہ پر ضد کر کے حالانکہ دونوں فریق ضد کے بغیر اپنے اپنے عقیدوں پر قائم رہ سکتے ہیں اس لیے ہر دو فریق کا قتل از روئے قرآن جائز ہے۔

اس اعلان کے ساتھ خاکساروں کے جتھے لکھنؤ پہنچنے شروع ہو گئے آخر افہام و تفہیم اور علامہ مرحوم کی کوششوں سے یہ فساد ختم ہوا۔

میں نے اپنی سیاحت کے زمانہ میں بیسیوں مقامات پر اس قسم کے مناظر دیکھے ہیں کہ سیدہ کائنات ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے مجسّمے بنا کر ان پر تیر اندازی کی جا رہی ہے اور زبان سے نہایت سوقیانہ انداز کی دشنام طرازی کی جا رہی ہے۔

۲۔ شیعہ اور قرآن

آج تک شیعہ اصحاب قرآن کے متعلق کسی ایک فیصلہ پر نہیں پہنچے کہ موجودہ قرآن وہی قرآن ہے جو نبی علیہ السلام پر نازل ہوا تھا یا وہ اور تھا۔ اسکی آیات

پوری ہیں یا کم و بیش۔ چنانچہ شیعہ محدث محمد بن یعقوب الکلینی متوفی ۳۲۹ اپنی کتاب صافی میں لکھتے ہیں۔ کہ قرآن جو جبریل فرشتہ (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پہ لایا تھا اس میں ۱۷۰۰۰ آیتیں تھیں اور ہمارے پاس مشہور ۶۶۱۶ آیات ہیں۔ شیعوں کے قرآن کے متعلق میرا ایک مضمون، اخبار اہلحدیث سوہدرہ میں مورخہ یکم اپریل ۱۹۵۶ء کو شائع ہوا تھا جس کے متعلق تا ایندم مجھے کسی شیعہ عالم کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔

اہل التشیع کی مختلف کتابوں میں قرآن مجید کے متعلق پڑھ کر ایک غیر جانبدار اور مبتدی سے مبتدی بھی عجیب مخمصہ میں پھنس جاتا ہے۔ کہ الٰہی خیر یہ کیا ماجرا ہے۔ میں مکرر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ان سطور سے میرا مقصد کسی قسم کی بحث نہیں بلکہ محض ایک علمی محاکمہ اور تحقیق ہے۔

قرآن کو بظاہر فریقین قرآن ہی مانتے ہیں۔ مگر اہل التشیع حضرات کے علمی ذخائر قرآن کے متعلق متفق الخیال نہیں ہیں چند ایک مثالیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) قال یا ابا محمد وان عندنا الجامعة وما یدریك ما الجامعة قال قلت جعلت فداك وما الجامعة قال صحیفة طولها سبعون ذراعاً (اصول کافی ص۱۴۱)

(ترجمہ) امام جعفر صادق نے فرمایا اے ابو محمد ہمارے پاس ایک جامعہ ہے تجھے معلوم ہے کہ وہ جامعہ کیا ہے، میں نے کہا کہ میں آپ پر قربان ہو جاؤں وہ جامعہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ قرآن ہے جو ستر گز لمبا ہے اور اس کی کتاب کے ص۱۴۷ پر لکھا ہے کہ اس کی موٹائی اونٹ کی ران کے برابر ہے"

۲۔ وان عندنا لمصحف فاطمه علیه السلام وما یدریهم ما مصحف فاطمه قال مصحف فیه مثله قرانکم هذا ثلاثه مرات والله ما فیه من قرآنکم هذا حرف واحد (اصول کافی ص۱۴۶)

ترجمہ: "امام علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمارے ہاں ایک مصحف فاطمہ بھی ہے اور تم جانتے ہو مصحف فاطمہ کیا ہے فرمایا وہ ایک قرآن ہے جس میں تمہارے قرآن سے سہ گنا زیادتی ہے اور خدا کی قسم اس میں تمہارے اس قرآن کا ایک حرف

بھی نہیں"

۳۔ قال ان عندنا الجعفر وما یدریهم ما الجعفر الخ (اصول کافی ص۱۴۶)

ترجمہ: امام علیہ السلام نے فرمایا ہمارے پاس جفر بھی ہے اور تمہیں معلوم ہے کہ وہ جفر کیا ہے۔ کہا وہ ایک چمڑے کا تھیلہ ہے جس میں انبیاء اور اولیاء کے علوم بھرے ہیں اور اس میں علمائے بنی اسرائیل کے علوم بھی ہیں۔

(۴) جو قرآن کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا تھا وہی ہے جو اب لوگوں کے پاس موجود ہے۔ نہ اس میں کچھ کم ہوا ہے نہ زیادہ۔

(رسالہ عقائد مصنفہ شیخ صدوق ابو جعفر محمد بن علی بابویہ)

(۵) سید مرتضےٰ کہتے ہیں کہ جو قرآن عہد پیغمبر میں تھا وہی اب بھی ہے بلا تفاوت (تفسیر مجمع البیان زیر تفسیر آیات ذالك الكتاب اور انا له لحافظون)

(۶) یہ بات جو شیعہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے کہ وہ قرآن میں تغیر و تبدل کے قائل ہیں، محض غلط ہے محققین شیعہ میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں اور جو کوئی کہے تو اس کا کیا اعتبار ہے (مصائب النوائب مصنفہ قاضی نور اللہ شوستری)

(۷) یہ قرآن اسی طرح امام مہدی تک سالم رہے گا (شرح کلینی مصنفہ ملا صادق)

بات طویل ہوتی جا رہی ہے اب صرف تحریف قرآن کے متعلق چند حوالجات سن لیجئے

(۸) ابن بصیر امام صادق سے راوی ہیں کہ آپ نے آیۂ ومن یطع الله میں عبارت فی ولایۃ علی کا اضافہ کر کے کہا کہ یہ آیت اسی طرح نازل ہوئی ہے (اصول کافی ص۲۶۲)

(۹) امام جعفر نے امام باقر سے روایت کر کے کہا کہ آپ نے آیت بئسما اشتروا به الخ میں فی علی ایزاد کر کے کہا جبرائیل نے اسی طرح رسول اللہ پر نازل کیا (اصول کافی ص۲۶۳)

(۱۰) جابر راوی ہیں کہ نزلنا علی عبدنا فی علی اور اسی طرح یہ آیت حضور پر نازل ہوئی (اصول کافی ص۲۶۴)

(۱۱) منخل امام جعفر سے راوی ہے کہ اوتوا الکتب میں نورا مبینا سے پہلے فی علی ہے (اصول کافی ص۲۶۴)

علی ہذا القیاس ایسی مثالیں بیسیوں ہیں مقصود صرف نمونہ پیش کرنا تھا۔

(۱۲) امیر المومنین نے جو قرآن جمع کیا تھا وہ اس وقت شیعہ سنی دونوں کے پاس نہیں

مگر ہے ضرور۔ آخر کچھ لوگوں نے اس کو دیکھا ہے۔

(رسالہ عجالہ نافعہ ۲۱-۲۴ مصنفہ مولوی محسن علی شاہ سبزواری شائع کردہ جعفریہ ایسوسی ایشن پنجاب)

(۱۳) سالم بن سلمہ راوی ہیں کہ ایک شخص نے امام جعفر صادق کے پاس قرآن کے ایسے حروف پڑھے اور سُنے جو اس قرآن میں نہیں جو لوگ پڑھا کرتے ہیں۔ امام علیہ السلام نے اسے کہا کہ ابھی اسے بند رکھو بلکہ یہی لوگوں کا قرآن پڑھا کرو جب تک امام مہدی کا ظہور نہ ہو جب وہ تشریف لائیں گے تو دوسرا قرآن پڑھیں گے حضرت علی رضؓ نے جو قرآن لکھا تھا وہ جب لوگوں کے پاس لائے تو انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس قرآن جامع موجود ہے تمہارے قرآن کی ہمیں ضرورت نہیں۔

آپ نے فرمایا بخدا تم یہ قرآن اس کے بعد نہیں دیکھو گے۔ (اصول کافی ص۶۷)

(۱۴) اسی حوالہ ۱۳ کی قسم کی روایت جلاء العیون اردو مطبع جعفری لکھنوی کے صفحہ ۱۵۰ پر درج ہے۔

(۱۵) ہشام بن سالم نے امام جعفر صادق سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا کہ جو قرآن جبرائیل رسول پاک کے پاس لے کر آئے وہ ۱۷ ہزار آیت کا ہے۔ (اصول کافی ص۶۷)

(۱۶) حضرت عثمان رضؓ کا قرآن کی نقلوں کا پھیلانا مسلم لیکن یہی ترتیب قرآن غفلت از اسلام کو طشت از بام کرتی ہے اگر وہ حضرت علی رضؓ کے جمع شدہ قرآن کو رائج کرتے تو ان پر کوئی الزام عائد نہ ہوتا ہم نمونہ کے طور پر اس کی چند غلطیوں کو ظاہر کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ (الانصاف فی الاستخلاف ص۱۴۵ مصنفہ مرزا احمد علی)

(۱۷) اسی رسالہ میں مرزا احمد علی اس قرآن کی غلطیاں نکالتا ہے اور پھر یہ بھی کہتا ہے کہ ایسا قرآن تو میں بھی لکھ سکتا ہوں۔

(۱۸) کسی معترض نے حضرت امیر کے سامنے چند اعتراض قرآن مجید کے متعلق پیش کیے بعینہٖ وہی اعتراضات مرزا احمد علی اس رسالہ میں دہراتا ہے۔

اور آپ سے کوئی جواب بن نہ آیا تو کہہ دیا کہ قرآن میں تحریف ہو جانے کی وجہ سے ایسا ہوا ہے (احتجاج طبرسی مطبوعہ ایران ص۱۱۹ تا ص۱۳۲)

شب آخر آمد افسانہ از افسانہ مے خیزد

نمبر ۲ میں جو روایت بیان کی گئی ہے ایک کتاب میں چند لفظ اس سے زیادہ بھی دیکھے ہیں یہ کہا خدا کی قسم اس میں تمہارے قرآن کا ایک حرف بھی نہیں ہے۔"

نقلی سنی حسن نظامی دہلوی کہتا ہے کہ میں نے احمد خان کے مکان پر علی رضؓ کا ترتیب کردہ قرآن دیکھا۔ سمجھ نہیں آتی کہ علی رضؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں اسے مروج کیوں نہ کیا۔ (بہائی میگزین اپریل ۱۹۳۷ء بحوالہ اہلحدیث امرتسر ۳۰ اپریل ۱۹۳۷ء)

۳۔ ماتم اور تعزیہ داری

۳۲۹ھ میں راضی باللہ کے زمانہ میں علی بن بویہ نے فارس میں اپنی حکومت قائم کی اور اس کے بھائی حسن بویہ نے اصفہان اور جبل پر اپنا تسلط قائم کیا ۳۴۱ھ ۹۷۲ء میں معز الدین نے مصر میں فاطمی سلطنت کی بنیاد رکھی۔

چنانچہ تصویر کربلا ص۸۶ مطبع یوسفی دہلی میں سید آل محمد لکھتے ہیں کہ:۔

"خدا نے اپنے نور کے اتمام کو بذریعہ دو بادشاہ بزرگ کے دو مملکت وسیع میں حاکم کر کے بفراغبالی دکھایا اور اس کی عزت دکھائی ان کے سبب سے باقامت مراسم شیعہ کامیاب ہوئے۔"

پہلے بادشاہ معز الدولہ ابو الحسین احمد بن ابی شجاع بویہ بادشاہ ایران تھے۔ شیخ عمر بن الوردی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ۳۵۲ھ میں معز الدولہ نے نوحہ کرنے، طمانچے مارنے اور عورتوں کے بال بکھیرنے کا امام حسین رضؓ کی مصیبت میں حکم دیا اور اہل سنت بہ سبب شیعہ بادشاہ کے اس کے منع کرنے سے عاجز رہے پھر صاحب قمقام فرماتے ہیں کہ ۳۵۲ھ کا حال ایک کتاب میں میری نظر سے گزرا ہے کہ معز الدولہ نے اہل بغداد کو حکم دیا کہ اپنے منہ پر خراش کر کے بال بکھیر کر منہ نوچتے اور پیٹتے کوچہ و بازار میں گریہ کریں۔

دوسرے بادشاہ معز الدین اللہ ابو علیم محمد بن منصور بن قائم بن مہدی عبد اللہ فاطمی ۳۴۱ھ میں تخت سلطنت مصر اور مغرب پر زینت بخش ہوئے اور اسماعیلیوں کی خلافت ان کو ملی۔ تقی الدین مقریزی نے کتاب الخطط والاثار میں لکھا ہے کہ ۳۶۳ھ میں معز الدین نے شیعوں کی طرف مشہد کلثوم اور نفیسہ بھیجا اور وہ امام حسین رضؓ

پر توجہ دیا کرتے تھے۔ ایک جگہ یہ بھی لکھا ہے۔ کہ یہ رسم دولتِ اسماعیلیہ میں تا حکومت آل ایوب جاری رہی (ملخصاً)

معلوم ہوا کہ تعزیہ داری یا ماتم کی رسم چوتھی صدی ہجری کے وسط میں جاری ہوئی۔ مگر ہندوستان کی دکنی شیعہ ریاستوں یا دیگر مقامات پر ان کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ بلکہ برصغیر میں یہ رسم آصف الدولہ کے زمانہ میں جاری ہوئی۔

چنانچہ مجاہد اعظم کے شیعہ مؤلف کے الفاظ ہیں کہ:۔

"تعزیئے جس طرح ہندوستان میں ہوتے ہیں کہیں بھی نہیں ہوتے یہاں تک کہ ایران جو شیعوں کا خاص گھر ہے وہاں بھی اس کا رواج نہیں۔ ہندوستان کے طول و عرض میں ہر جگہ تعزیئے بنائے جاتے ہیں اور یہ شیعوں پر ہی منحصر نہیں ہندو بھی اس رسم میں شریک ہیں آخر اس کی ابتداء کب ہوئی۔ کس نے اور کیوں کی؟ افسوس کہ اس کے جواب میں تاریخ خاموش ہے (ص ۳۳۳)

گنبد دار تعزیہ کا رواج غالباً لکھنؤ سے ہوا۔ بعض سن رسیدہ لوگوں سے سُنا گیا ہے کہ آغاز زمانہ نواب آصف الدولہ بہادر میں اوّل ایک سبزی فروش نے بانس اور کاغذ کا تعزیہ بنایا۔ وہ سبزی فروش مر گیا تو وہاں میر باقر نے ایک امام باڑہ بنوایا۔ اس کے بعد تعزیوں کا رواج ہوا۔ شدہ شدہ تمام ہندوستان میں اس کا رواج ہو گیا۔ (مجاہد اعظم ص ۳۳۶)

"تاریخ خطہ پاک بلگرام" کے مؤلف نے لکھا ہے کہ یہاں کے مشہور تعزیوں میں نبیوں کا تعزیہ، کنجڑوں کا تعزیہ، کرم میاں کا تعزیہ، رسول بخش حیدری، نیچہ بند قصابوں، گاؤ قصابوں، خیاطوں، معماروں، جوگیوں، نور بانوں، گاذروں کے تعزیئے امام باڑے میں آکر شریک گشت ہوئے۔

ان کے علاوہ الیشری ساہ، بقال، ہیرا لال بھرجی، سوہن بقال گوگل تنبولی لچھمن بقال، سوہن نجار بھی تعزیئے بناتے۔

غرضیکہ تمام شہروں اور قصبات کے نچلے طبقے کے لوگ، پیشہ ور نائی، تیلی، تنبولی، دُھنیئے، جلاہے، دھوبی۔ سقے، کنجڑے جو اکثر شیعہ جاگیر داروں کی رعایا ہوتے تھے (جاگیر داروں کو خوش کرنے کے لیے) تعزیئے بناتے۔

صوفی جو پیری مریدی کے پردے میں شیعیت کی تبلیغ کرتے تھے اپنے مریدوں سے تعزیئے بنواتے۔

تعزیئے تو معز الدولہ نے بھی بنوائے مگر گشت نہ کرائے۔ حالانکہ ماتم حسین منانے کی ابتداء واقعہ کربلا سے تین سو سال بعد اسی نے اپنے زمانہ امیر الامرائی میں بغداد میں جاری کرائی تھی۔ مگر تعزیہ کی گشت کی ابتداء لکھنؤ سے ہوئی (مجاہد اعظم سے ملخص)

شواہد الصادقین میں سید احمد شاہ لکھتے ہیں کہ تعزیہ، علم، ذوالجناح شعائرِ خدا ہیں۔ (ص ۱۰۸ سطر ۱۹)

(مگر تین سو سال تک یہ شعائرِ خدا کہاں روپوش رہے مؤلف)

تبصرہ:۔ حضرت علی رضؓ کا قول ہے کہ دشمنوں کو معاف کرنا ہمیں آل یعقوب سے اور مصیبتوں پر صبر کرنا آلِ ایوب سے ورثہ میں ملا ہے۔

(فروغ کافی جلد ۳ ص ۱۴۴ مطبع نولکشور)

صبر کا ایمان سے وہی رشتہ ہے جو سر کا جسم سے۔ اگر سر کو جسم سے الگ کر دیا جائے تو جسم بے جان لاشہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ اسی طرح اگر دامان صبر چھوٹ جائے تو ایمان باقی نہیں رہتا۔ (نہج البلاغہ جلد ۲ ص ۱۶۵ اصول کافی باب الصبر)

حضرت زین العابدین فرماتے ہیں جو مصیبت کے وقت صبر نہیں کرتا وہ مومن نہیں۔ (الصافی شرح اصول کافی حصہ اوّل جزو یہ ص ۱۷۵)

(مگر جن باتوں سے آئمہ کرام نے منع کیا ان کے خلاف کرنا ہی شاید شیعوں کے نزدیک عین عبادت ہے مؤلف)

آج تعزیئے ہیں تو حسین رضؓ کے ماتم ہے تو حسین رضؓ کا مجلسیں منعقد ہوتی ہیں تو حسین رضؓ کے نام پر۔ مرثیہ خوانی ہے تو حسین رضؓ کے نام کی حالانکہ حضرت علی رضؓ شہید بقول ان کے حضرت حسن شہید۔ حضرت موسٰی رضا شہید۔ حضرت مسلم شہید۔ قاسم عون اور محمد شہید مگر جو کچھ ہوتا ہے صرف حسین رضؓ کے نام پر ہوتا ہے۔

یہاں سید غوث علی شاہ پانی پتی کا ایک لطیفہ یاد آگیا ہے کہ کسی منچلے سنی نے ایک بار شیعوں کی کسی مجلس میں بیان کیا کہ آج رات خواب میں مجھے حضرت امام حسین کی زیارت ہوئی ہے میں نے دیکھا کہ آپ ایک بہترین گھوڑے پر سوار ہیں آپ کے

ہر کا ب ہزاروں کا قافلہ ہے اور آپ بڑی شان وشوکت اور کروفر سے کہیں تشریف لے جا رہے ہیں شیعوں نے ایک سنی کی زبان سے یہ تعریفی کلمات سن کر سبحان اللہ سبحان اللہ! کہنا شروع کیا۔ ذرا دم لے کر خواب بیان کرنے والے نے اپنا بیان آگے بڑھایا اور کہا کہ میں نے اس کے بعد دیکھا کہ ایک اور نہایت خوبصورت نوجوان گھوڑے پر سوار تشریف لا رہے ہیں ان کے جلو میں بھی کچھ آدمی ہیں مگر پہلے جلوس سے کچھ کم پوچھنے پر معلوم ہوا کہ حضرت حسن ہیں۔ اس کے بعد ایک بزرگ معمولی قسم کے گھوڑے پر سوار نظر آئے جن کے ہمراہ گنتی کے چند آدمی تھے دریافت پر معلوم ہوا کہ یہ حضرت علی رضؓ ہیں۔

ان کے بعد ایک اور نورانی صورت بزرگ معمولی سے گھوڑے پر سوار آتے نظر آئے جن کے ساتھ صرف تین آدمی ہیں۔ پوچھنے پر بتایا گیا کہ یہ حضرت محمد رسول اللہؐ ہیں ان کے معاً بعد ایک اور پیر مرد ایک مریل سے ٹٹو پر سوار یکہ و تنہا آ رہے ہیں ان کے متعلق استفسار کیا تو معلوم ہوا کہ یہ اللہ میاں ہیں۔

گویا جو کچھ ہے صرف حضرت حسین رضؓ کے لیے ہے۔ کیا حضرت حسین رضؓ کی شہادت ہی مظلومانہ تھی اور باقی شہداء کی شہادت کھیل کود کے طور پر واقع ہوئی تھی۔ اصل میں بات یہ ہے کہ حضرت حسین رضؓ کی شہادت کو شیعوں نے اپنے نظریات کی اشاعت کے لیے ایک آڑ بنا کر شہرت دی۔ اور اس آڑ میں آگے چل کر بہت کام لیے۔ یہاں تک کہ سب کچھ حسین رضؓ کی شہادت ہی رہ گیا۔ میدان کربلا کی یاد کتنے انوکھے طریقے سے منائی جا رہی ہے۔ کہیں مہندی بازی ہو رہی ہے کہیں ذوالجناح کا جلوس ہے کہیں ماتم اور مرثیہ خوانی ہے۔ کہیں دیگیں دم پخت ہو رہی ہیں کہیں خوش رنگ خوش ذائقہ اور شیریں نیز مفرح اور خوشبودار شربت اڑائے جا رہے ہیں اور سال بھر سے جو امام باڑے صرف سجا سجا کر بقعہ نور بنائے جا رہے ہیں اور یہ سب کچھ حسین کی یاد میں کیا جا رہا ہے۔ حضرت حسین رضؓ تو بقول ان کے پیاسے شہید ہوں اور ان کے ماتمی مفرح شربت اڑائیں۔ حضرت حسین رضؓ بھوکے شہید ہوں اور ان کے ماتمی اور مرثیہ خواں بریانی متنجن اور قورمہ سے کام و دہن کی تواضع کریں حضرت حسین رضؓ تو سجدہ میں سر کٹائیں اور ان کے ملنگ بھنگ چرس کے نشہ میں مست ہو کر

ماتم کے نام پر بھنگڑا ڈالیں۔

یا للعجب، مسجدیں ویران، امام باڑے غیر آباد، نمازیں غتر بود روزے صبوحی کے لطف سے بھرپور، پھرے سنت رسول اللہ سے عاری۔ اور پھر ماتم حسین رضی اللہ عنہ۔

یہاں ایک سچا واقعہ بیان کئے بغیر آگے نہیں بڑھا جاتا کہ کسی مقام پر تعزیہ کا جلوس جا رہا تھا اور ساتھ ہزاروں کا گروہ ماتم میں مشغول تھا۔ لب سڑک ایک بھنگ بیچنے والا کابلی اپنا تھیلہ سرہانے رکھے لیٹا ہوا تھا جلوس کو دیکھ کر ہڑبڑا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اور پوچھنے لگا تم لوگ کیا کر رہا ہے۔ کسی نے مجمع سے جواب دیا ہم لوگ حسین رضؓ کا ماتم کر رہے ہیں۔ کابلی نے پوچھا حسین رضؓ کون تھا؟ جواب ملا نبیؐ کا نواسہ۔ کابلی نے پھر پوچھا اسے کس نے شہید کیا جواب ملا یزید نے۔ کابلی چند منٹ گردن نیچی کیے سوچتا رہا اور پھر سر اٹھا کر پوچھنے لگا تم لوگ اگر اس وقت حسینؓ کے ساتھ ہوتا تو کیا کرتا کسی نے جواب دیا ہم ساتھ ہوتے تو امام پاک کے ساتھ شہید ہو جاتے کابلی نے آستین چڑھا کر کہا — ہم — یزید ہے۔ ہم نے حسینؓ کو مارا ہے۔ آؤ ہم کو قتل کرو۔ مجمع پر سکتہ طاری ہو گیا۔ کابلی نے چند بار للکارا مگر کوئی ٹس سے مس نہ ہوا۔ آخر کابلی آگے بڑھ کر بولا ہم یزید بنا تم نے ہم کو قتل نہیں کیا۔ اب تم میں سے کوئی یزید بنو اور ہمارا تماشا دیکھو — بولو تم میں سے کون یزید ہے — بولو — خاموش کیوں ہو گیا۔ کابلی کا یہ نعرہ مستانہ سن کر تمام مجمع کو گویا سانپ سونگھ گیا۔ آخر کابلی چلا کر کہنے لگا نہ حسینی بنتا ہے نہ یزیدی اور خواہ مخواہ ڈھونگ اور فریب کرتا ہے چھوڑ دو اس ڈھونگ کو اور اللہ اللہ کرو۔

(۴) شیعہ اور اذان

شیعیت نے جس طرح دوسرے کئی امورات میں رخنہ اندازیاں کیں اسی طرح اذان بھی ان کی دستبرد سے نہ بچ سکی۔ اصل اذان کے کلمات یہ ہیں۔

اللہ اکبر اللہ اکبر   اللہ اکبر۔ اللہ اکبر

اشہد ان لا الٰہ الا اللہ   اشہد ان لا الٰہ الا اللہ

اشہد انّ محمد رسول اللہ   اشہد ان محمد رسول اللہ
اشہد ان لا الٰہ الا اللہ   اشہد ان لا اِلٰہ الا اللہ
اشہد ان محمد رسول اللہ   اشہد انّ محمد رسول اللہ
حیّ علی الصلوٰۃ   حیّ علی الصلوٰۃ
حیّ علی الفلاح   حیّ علی الفلاح
اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ لا اِلٰہ الا اللہ

صبح کی اذان میں حیّ علی الفلاح کے بعد الصلوٰۃ خیر من النوم دوبار۔
اقامت میں اللہ اکبر دوبار
اشہد ان لا الٰہ الا اللہ ایک بار
اشہد انّ محمدًا رسول اللہ ایک بار
حیّ علی الصلوٰۃ ایک بار حیّ علی الفلاح ایک بار
قد قامت الصلوٰۃ ۲ بار۔ اللہ اکبر دوبار لا الٰہ الا اللہ ایک بار۔

چنانچہ کتب فقہ میں بھی ترجیع یعنی اشہد ان لا اِلٰہ الا اللہ اور اشہد انّ محمدًا رسول اللہ کو چار چار بار کہنا مرقوم ہے۔

(دیکھئے ترجمہ ہدایہ جلد اوّل صـ۲۹۲ نولکشور مطبوعہ ۱۸۹۶ ارکنز صـ۳)

چنانچہ متعدد احادیث میں اذان کے انیس کلمات بیان کیے گئے مگر ترجیع کے بغیر بھی اذان جائز ہے۔ جیسا کہ ہمارے ہاں اذان دی جاتی ہے۔

اذان کی ابتداء مدینہ میں اس وقت ہوئی جب نمازیوں کی تعداد بڑھ گئی اور نماز باجماعت ادا کرنے میں نمازی تکلیف محسوس کرنے لگے اب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضؓ سے مشورہ کیا کہ نماز کے لیے بلانے کے واسطے کیا طریقہ اختیار کیا جائے کسی نے کہا کہ نماز کے لیے بلانے کے واسطے یہ طریقہ اختیار کیا جائے کسی نے کہا آگ جلا کر اطلاع دی جائے کسی نے کہا ناقوس پھونکا جائے علیٰ ہذا القیاس مختلف آراء پیش کی گئیں۔ بعض کہتے ہیں حضرت عمر رضؓ نے اذان کا مشورہ دیا۔ بہر حال کچھ بھی ہو اذان کے موجودہ کلمات کی بنا یہ ہے کہ عبداللہ بن زید بن عبداللہ نے اپنے آپ کو خواب میں اذان دیتے دیکھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض

کیا تو آپ نے فرمایا یہ کلمات بلال کو سکھا دو۔ وہ بلند آواز ہیں۔

یہ واقعہ آواخر یکم ہجری کا ہے۔ عموماً ابن ام مکتوم اور بلال مسجد نبوی میں ابو محذورہ مسجد حرام مکہ میں حضرت سعد مسجد قبا میں بعد رسالت اذانیں اسی طرح کہتے رہے ۸ھ فتح مکہ کے روز خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر بلال نے بھی اذان دی پھر تمام خلافت راشدہ میں امویوں اور عباسیوں کی ملوکیت کے دور میں یہی کلمات تواتر سے جاری رہے۔ عباسی دور میں جب قلمدانِ وزارت اور امیر الامراء کا عہدہ شیعہ آلِ بویہ کو ملا تو انہوں نے یہ بدعت ایجاد کی۔ مگر شیعہ سنی فساد ہو گیا۔ آخر بنی بویہ کی وزارت جاتی رہی اور وزارت پر سلجوقی ترکوں نے قبضہ کیا تو شیعوں نے نہ صرف حیَّ علی خیر العمل ترک کیا بلکہ فجر کی اذانوں میں الصَّلوٰۃ خیر من النوم بھی کہنے لگے۔

۱۔ شیعہ امامیہ کے مجتہد اعظم ابن بابویہ قمی الصدوق نے اپنی کتاب من لا یحضرہ الفقیہہ میں بھی یہی اصل اذان لکھی ہے۔

۲۔ ملا باقر مجلسی نے بھی حیات القلوب کے چوبیسویں باب میں معراج کے ذکر کے تحت یہی اصل کلمات حضرت جبرئیلؑ کے ذریعہ بیان کیے ہیں۔

۳۔ حضرت جعفر صادق سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اذان کے کلمات بتائیے فرشتے کے جانے کے بعد نبی علیہ السلام نے علی رضؓ سے پوچھا تم نے اذان سن لی۔ آپ نے کہا ہاں سن لی۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا بلاؤ بلال رضؓ کو اور اسے سکھا دو۔ وہاں بھی اسی اصل اذان کے کلمات بیان کئے گئے ہیں۔

(من لا یحضرہ الفقیہ صـ۷۶ مطبوعہ ۱۳۷۶ھ)

ان مقامات میں کہیں بھی حیَّ علی خیر العمل یا اشہد انَّ علیًّا ولی اللہ وصی رسول اللہ کا ذکر نہیں۔

۴۔ من لا یحضرہ الفقیہ کی ایک اور روایت سنئیے:۔

وروی ابوبکر الحضرمی وکلیب الاسدی عن ابی عبداللہ علیہ السلام انہ حکی لہما الاذان فقال۔

اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر

اشھدان لاالہ الا اللّٰہ	اشھدان لاالہ الا اللّٰہ
اشھدان محمد رسول اللّٰہ	اشھدان محمد رسول اللّٰہ
حیّ علی الصلوٰۃ	حیّ علی الصلوٰۃ
حیّ علی الفلاح	حیّ علی الفلاح
حیّ علی خیرالعمل	حیّ علی خیرالعمل

اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر، لا الہ الا اللّٰہ۔ لا اِلہ الّا اللّٰہ والاقامۃ کذلک ولا باس ان یقل فی صلاۃ الغداۃ علی اثر حی علی خیرالعمل الصلوٰۃ خیر من النوم مرتین للتقیۃ۔

اس روایت میں حیّ علی خیرالعمل ہے اور اس کے بعد صبح کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کے کلمات بھی ہیں۔ اس روایت پر مصنف کے تشریحی کلمات بھی دیکھیے۔

وقال مصنف ھذا لکتاب: ھذا ھوالاذان الصحیح لایزاد فیہ ولا ینقص منہ۔ والمفوضۃ لعنھم اللّٰہ قد وضعوا اخبارًا وزادوا فی الاذان محمد وآل محمد خیر البریۃ مرتین فی بعض روایاتھم بعد اشھدانّ محمدًا رسول اللّٰہ، اشھد انّ علیًا ولی اللّٰہ مرتین ومنھم من روی بدل ذلک اشھد انّ علیًا امیرالمومنین حقا مرتین ولاشک فی اشھد انّ علیًا ولی اللّٰہ وانہ امیرالمومنین حقاوان محمدوالہ صلوات اللّٰہ علیھم خیرالبریۃ ولکن لیس ذلک فی اصل الاذان وانما ذکرت ذلک لیعرف بھذا لزیادۃ المتھون بالتفویض المدلسون انفسھو فی جملتنا۔

(من لایحضرہ الفقیہ جلد اول ص۱۸۸ ص۱۸۹ طبع جدید تحقیق سید حسن موسوی دارالکتب الاسلامیہ طہران)

مصنف کتاب ہذا (ابن بابویہ متوفی ۳۱۱) کہتا ہے کہ یہی وہ صحیح اذان ہے کہ جس میں کوئی زیادتی یا کمی نہیں اور مفوضہ[1] پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کہ جنہوں نے

[1] حاشیہ پر لکھا ہے کہ مفوضہ وہ گروہ ہے جن کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے (بقیہ آگے)

یہ روایات وضع کیں اور اذان میں محمد وآل محمد خیر البریہ کے کلمات دو بار کہنے میں زیادتی کی۔ اور ان کی بعض روایتوں میں اشھدان محمد رسول اللہ کے بعد اشھد ان علی ولی اللہ دو بار کہنا آیا ہے۔ اور انہیں (یعنی مفوضہ) میں سے بعض نے اس کے بجائے اشھدان علیا امیرالمومنین حقا دو بار کے متعلق کہا ہے۔

اگرچہ اس میں شک نہیں کہ علی رض اللہ کے ولی ہیں اور امیرالمومنین ہیں اور بلاشک محمد صلعم اور ان کی بہترین آل پر صلوٰۃ ہو۔ مگر یہ کلمات اصل اذان میں نہیں اور یہ میں نے اس لیے بیان کیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس زیادتی کے متہم صرف مفوضہ ہیں جن کے نفسوں نے ہماری اذان کے کلمات میں زیادتی کی ہے۔

حاصل کلام:۔

اذان میں تقیہ کے طور پر الصلوٰۃ خیرٌ من النوم کہنا جائز ہے۔

مذہب شیعہ میں اشھدان محمد رسول اللہ کے بعد اشھدان علیا ولی اللہ وغیرہ قسم کے کلمات کی زیادتی کے مرتکب اللہ کی لعنت کے سزاوار ہیں یہ کلمات فرقہ مفوضہ کی تلبیسات سے ہیں جن کا مذہب شیعہ سے کوئی تعلق نہیں۔

اپنے اس دعوے کے ثبوت میں شیعہ مذہب کی دو دیگر کتب حدیث کے حوالے قلمبند کر کے ثابت کرتا ہے کہ گو علی رض ولی ہیں امیرالمومنین ہیں مگر اذان میں ان کلمات کی زیادتی کرنے والے ملعون ہیں۔

کیا کوئی شیعہ مجتہد اپنے آپ میں اس قسم کی جرأت کا داعیہ رکھتا ہے کہ شیعوں کو اس لعنت کے گرداب سے نکالے۔

ابن بابویہ نے حی علی خیر العمل کے جواز کا بھی محض تکلّف کیا ہے ورنہ یہ کلمات بھی جزو اذان نہیں۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) دنیا بنا کر اس کے امورات محمد اور علی کے سپرد کر دیئے ہیں بلکہ صرف علی رض کے سپرد کر دیئے۔ ابن بابویہ نے تو ان کے متعلق اپنے بیان کی تائید میں الاستبصار جلد ۱ ص۳۰۶ اور التہذیب جلد ۱ ص۱۵ کے حوالے دیئے ہیں۔

۵۔ تیسری صدی ہجری کے بعد بعض غالی شیعوں نے بعض کلمات وضع کر کے اذانوں میں شامل کیے۔ عبیدیوں کے سپہ سالار جوہر نے جب مصر پر قبضہ کیا تو حی علی خیر العمل کے الفاظ اذانوں میں کہلوائے۔

(البدایہ والنہایہ ج صـ۲۶۶)

۶۔ عبیدیوں کے زمانہ میں شام کے زیر تسلط علاقوں میں حی علی خیر العمل جاری ہو گیا۔ (ایضاً صـ۲۶۱)

ملک الاقبیس نے وہاں سے رفض کو مٹایا تو اذان پھر اصل الفاظ میں شروع کر دی گئی۔

۷۔ شیعوں کی اکثر کتب میں ہے کہ یہ اعتقاد رکھنا جائز نہیں کہ ان کلمات (یعنی معمول یہ اذان) کے علاوہ اپنی طرف سے شریعت میں بدعت جاری کی جائے۔

۸۔ چوتھی پانچویں صدی ہجری میں عراق اور ایران میں بڑے بڑے انقلاب آئے لیکن حی علی خیر العمل سے زائد کلمات رائج نہ ہوئے۔

۹۔ عباسی ملوکیت کے خاتمہ کے چار سو سال بعد ایران میں صفویوں کی حکومت قائم ہوئی تو انہوں نے ایران کا سرکاری مذہب شیعہ قرار دیا۔ اسماعیل صفوی نے کوشش کی کہ اپنا شجرہ علی رض سے ملائے اور وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا۔ (ہسٹوریز آف دی مڈل ایسٹ صـ۲۰۷)

اب اس نے ضروری سمجھا کہ ایران سے سنی مذہب کا خاتمہ کرے چنانچہ پروفیسر براؤن ادبیات ایران میں لکھتا ہے کہ سنیوں کے قتل پر شیعہ شاعر بھی اسے ورغلاتے رہتے تھے اس کے زمانہ میں اشہد انّ علی ولی اللہ کے کلمات اذان میں بڑھائے گئے۔

۱۰۔ صفویوں کے زمانہ میں جنوبی ہند میں بیجا پور اور گولکنڈہ وغیرہ کی شیعی ریاستوں میں اشہد ان علی ولی اللہ کا رواج ہوا مگر یا محمد، یا علی رض یا حسین رض کا رواج نہ تھا۔

۱۱۔ علی شاہ اول بیجاپور کے حکمرانوں نے تنخواہ دار تبرا کہنے والے شیعہ ملازم رکھے اور صفویوں سے تعلقات قائم کر کے ان کا نام خطبہ میں پڑھنا شروع کیا آخر ۱۰۸۰ھ میں اورنگ زیب نے ان ریاستوں کا خاتمہ کر دیا اور تبرا بازی

اور اذان کے زائد کلمات ختم ہوئے۔

۱۲۔ ۱۱۱۹ھ میں اورنگ زیب کے بڑے بیٹے معظم نے جو مسلکاً شیعہ تھا اور بہادر شاہ کے نام سے حکمران بنا۔ علی ولی اللہ وصی رسول اللہ کے کلمات اذان میں بڑھانے کا حکم دیا۔ مگر اس کے حکم پر عمل کرنے سے ایک جامع مسجد کا خطیب قتل کر دیا گیا۔ (سیرۃ المتاخرین ج ۲ صـ۳۱۱)

۱۳۔ ایسے ہی حالات دیگر صوبوں میں بھی پیدا ہوئے بادشاہ نے تشدد سے دبانا چاہا مگر مخالفت بڑھ گئی آخر بادشاہ کو یہ حکم واپس لینا پڑا۔

(شیعان ہند صـ۱۳۹)

۱۴۔ ۱۱۳۵ھ میں برہان الملک سعادت خان کو اودھ کی حکومت ملی مگر اذان حسب دستور ہی جاری رہی۔ ۱۲۰۰ھ کے قریب آصف الدولہ نے اشہدان علی ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفتہ بلا فصل کے کلمات شیعہ مجتہد مولوی دیدار علی کے مشورہ سے شروع کیے خلیفتہ بلا فصل کے کلمات سے اصحاب ثلاثہ رض کو غاصب قرار دینا ظاہر ہوتا تھا اس لیے فساد ہو گیا تو انگریز ریذیڈنٹ نے حکماً یہ بند کرا دیئے۔

۱۵۔ چنانچہ شیعہ مجتہد شمس العلماء نجم الحسن سے شیعان ہند کے انگریز مؤلف کے گہرے مراسم تھے۔ اس نے لکھا ہے کہ علی ولی اللہ تو اذانوں میں کہا جاتا تھا مگر وصی رسول اللہ و خلیفتہ بلا فصل کے الفاظ نہیں کہے جاتے تھے۔ آج کل اہل سنت کی بعض مساجد میں تثویب شروع کی گئی ہے جو منع ہے۔

۱۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں ایک شخص نے اذان کے بعد، نماز پکارنا شروع کیا تو آپ نے فرمایا کیا تو پاگل ہے۔

(ابوداؤد باب تثویب)

۲۔ حضرت مجاہد رض سے روایت ہے کہ میں عبداللہ بن عمر رض کے ساتھ ایک مسجد میں داخل ہوا جس میں اذان کہی جا چکی تھی موذن نے تثویب کہی اس پر حضرت عبداللہ بن عمر مسجد سے نکل آئے اور فرمایا ہم کو اس بدعتی کے پاس سے لے چلو۔ آپ نے اس مسجد میں نماز نہ پڑھی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رض

نے اسے مکروہ بتایا (ترمذی شریف)

مندرجہ بالا تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ جس مسجد میں تثویب کہی جاتی ہو۔ اس میں نماز نہیں پڑھنی چاہیئے۔ عبداللہ بن عمر حالانکہ آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے مگر پھر بھی اس مسجد میں نماز نہ پڑھی جس میں تثویب کہی گئی تھی۔

۲۔ حضرت علی رضؓ نے ایک موذن کو دیکھا کہ وہ عشاء کے وقت تثویب کہہ رہا ہے آپ نے فرمایا اس بدعتی کو مسجد سے نکال دو۔

اقول:۔ شیعہ اور بعض سنی اس بدعت میں ایک دوسرے کے ہم پہلو بلکہ طابق النعل بالنعل ہیں۔

فلیتنافس المتنافسون

۵۔ مُتعہ

شیعہ مذہب میں مُتعہ سے مراد ہے کہ عورت اور مرد آپس میں رضامند ہو کر ہم بستر ہو جائیں۔ شیعہ اصطلاح میں اسے زنا نہیں بلکہ مُتعہ کے نام سے پکارا جاتا ہے شیعہ مذہب کی معتبر کتب میں آئمہ کرام سے نقل کیا گیا ہے کہ مُتعہ ایک ایسا نکاح ہے جو تھوڑی دیر کے لیے ہو۔ اس میں نہ گواہوں کی ضرورت ہے اور نہ اس میں عدت ہے اور کم از کم جو اُجرت عورت کو ادا کی جائے خواہ وہ ایک درہم (ساڑھے تین آنے) ہی ہو۔ (فروع کافی جزء ۲ ص۱۸۹ (تہذیب الاحکام جلد ا صفحہ ۱۸۹-۱۹۳)

مُتعہ کی دو قسمیں ہیں دائم اور غیر دائم۔ دائم وہ ہے جس میں مدت مقرر نہ ہو اور غیر دائم وہ ہیں جس میں مقرر ہو خواہ وہ ایک ساعت ہو یا سال یا بیشتر۔
(توضیح المسائل)

مُتعہ کرنے کے ثواب کے بارے میں بے حساب روایات معتبر کتب شیعہ میں موجود ہیں۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (معاذ اللہ) فرمایا کہ جو ایک دفعہ مُتعہ کرے اس کا درجہ امام حسین رضؓ کے برابر ہے اور جو دو دفعہ مُتعہ کرے اس کا درجہ

امام حسن رضؓ کے برابر ہے اور جو تین دفعہ متعہ کرے اس کا درجہ حضرت علی رضؓ کے برابر ہے اور جو چار دفعہ مُتعہ کرے اس کا درجہ میرے درجہ کے برابر ہے
(تفسیر منہج الصادقین جزء خامس ص۴۸۱)

(نامعلوم پانچ یا اس سے زائد بار متعہ کرنے سے انسان اللہ تعالیٰ کے مقام تک پہنچ جاتا ہو گا۔ للمؤلف)

۲۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو مُتعہ کرنے کے بغیر مر جائے گا قیامت کے دن اس کی ناک کٹی ہوئی ہو گی (تفسیر منہج الصادقین جزء خامس ص۴۹۱)

۳۔ امام جعفر صادق رضؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ نے بھی مُتعہ کیا تھا۔
(ابن بابویہ باب المتعہ (حدیث ۳۳ ص۴۳۲)

۴۔ معراج میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا گیا۔ اے نبی تمہاری امت کی متعہ کرنے والی عورتوں کی مغفرت کر دی گئی۔ (ایضاً حدیث ۱۸)

۵۔ کوئی مومن اس وقت تک کامل ایمان دار نہیں ہو سکتا جب تک مُتعہ کرے
(ایضاً حدیث ۳۱)

۶۔ جب مُتعہ کے بعد انسان غسل سے فارغ ہوتا ہے تو جتنے بال پانی سے تر ہوتے ہیں اتنے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ (من لایحضرہ الفقیہ ص۴۳۱)

۷۔ فرمایا جناب صادق علیہ السلام نے کہ نہیں ہے کوئی مرد جو متعہ کرے پھر غسل کرے مگر یہ کہ خدا خلق کرے گا ہر قطرہ غسل سے ستر لاکھ ملائکہ جو استغفار کریں گے اس کے لیے روز قیامت تک اور لعنت کریں گے اس سے اجتناب کرنے والوں پر تا قیامت (اصلاح الرسوم ص۱۶۴)

اقول: سبائیوں کو یہ لطف اندوز یاں مبارک اجی حضرت! نکاح کے جھنجھٹ کو چھوڑیئے یہ تعزیہ اور ماتم کے بکھیڑے یا گری پڑی نماز سے ہلکان ہونا ختم کیجئے اور مُتعہ کا فریضہ ادا کرنے پر جُٹ جایئے۔

مشہور تارک الدنیا فقیر اور سیاح سید غوث علی شاہ پانی پتی متعہ کے متعلق اپنا ایک چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں کہ لکھنو میں ایک امیر زادہ شیعہ ہمارے پاس آیا کرتا تھا۔ اتفاق سے اس کی تاریخ نکاح قرار پائی۔

براٹ کے وقت خود آیا اور باصرار تمام ایک ہاتھی پر سوار کرا کے ہم کو بھی لے گیا۔ اور حسب وعدہ ہم کو علیحدہ مکان میں اتارا کوئی آدھی رات گذری ہوگی کہ نوشہ کا باپ بزم عقد میں شریک ہونے کے لیے ہم کو لے گیا صیغہ شروع ہونے کو تھا کہ ایک دایہ سر محفل کو کہنے لگی کہ اس نیک بخت یارسا لڑکی کو پانچ مہینے کا حمل بھی ہے مگر حرام کا نہیں بلکہ مُتعہ شرعی کا ہے یہ بات سن کر دولہا چونکا اور بے باکانہ کہہ اٹھا کہ میں نکاح نہیں کرتا۔ ہر چند لوگوں نے سمجھایا ایک نہ مانی۔ اس کے باپ نے ہم سے کہا کہ صاحب یہ آپ کا بہت معتقد ہے آپ ہی اس کو سمجھایئے۔ ہمارا تو کہنا مانتا نہیں۔ ناچار ہم نے پاس جاکر کہا۔ کہ صاحبزادے وجہ انکار کیا ہے؟

بولا کہ حضرت یہ بچپن کی چاٹ لگی ہوئی آئندہ کب چھوٹے گی۔ ہم نے کہا کہ میاں جب تمہارے مذہب میں یہ امر جائز ہے تو پھر بُرا کیوں سمجھتے ہو۔ کہا بس صاحب ایسے مذہب کو میرا اسلام اس کے باپ نے کہا کہ ہیں؟ کیا تو سُنی ہو گیا۔؟ بولا کہ ہاں پہلے تو نہ تھا مگر اب ہو گیا۔ یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا اور محفل درہم برہم ہو گئی — آخر اس نے باصرار ہمارے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ (تذکرہ غوثیہ)

کتب شیعہ میں اس قسم کی روایات اور احادیث بھی ہیں جن میں مُتعہ کے متعلق ترغیب و تحریص ہی نہیں بلکہ متعہ نہ کرنے والے کے متعلق وعیدیں بھی آئی ہیں اور کہا گیا — متعہ نہ کرنے سے بہت بڑا عذاب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا قہر نازل ہوتا ہے۔

اکبر کے زمانہ میں ہی قاضی القضاۃ قاضی یعقوب مانکپوری کو مُتعہ کے خلاف فتوای دینے پر قتل کرا دیا گیا۔ (رود کوثر ص۱۰۲)

تبصرہ: مُتعہ دراصل مزوک ایرانی کی جدت طبع کی ایجاد ہے، اس نے نوشیرواں کے زمانہ میں یہ ڈھونگ رچایا اور کچھ عرصہ خوب داد عیش دیتا رہا آخر نوشیرواں کی ماں یا اس کی کسی قریبی رشتہ دار عورت پر طبیعت للچائی اور اس نے مطالبہ کیا تو نوشیرواں نے اسے قتل کرا دیا۔ اموی دور میں جب علوی داعی ایران پہنچے اور انہوں نے ایرانی حسن دیکھا تو ان کی طبیعتیں للچا اٹھیں۔ مزوک

کے زمانہ کو بھی بمشکل پون صدی گزری تھی اور ایرانی نومسلم جو اس چاٹ کے عادی رہ چکے تھے ان کی زبانی ان داعیوں کو اس کار ثواب کا علم ہوا تو انہوں نے فوراً چند من گھڑت حدیثوں کی آڑ میں مُتعہ کے جواز بلکہ ثواب اور ثواب عظیم کی خوشخبریوں سے انہیں شاد کام کیا۔ یہ خبریں جب علوی داعیوں کے ذریعے واپس جزیرہ نما عرب تک پہنچیں تو اور من چلوں نے بھی ایران کی راہ لی۔ بس پھر کیا تھا ہر طرف مُتعہ کی گرم بازاری شروع ہو گئی جہاں اور جس کو جو عورت نظر آئی آنکھ لڑائی ذرا آڑ میں ہوئے اور شیطان دفع کر لیا۔ ابو مسلم خراسانی کے دور میں جب شیعیت کو عراق کے خطہ میں ذرا عروج حاصل ہوا تو یہاں بھی اس قبیح فعل کے حق میں پرچار شروع ہو گیا۔ مگر عراق کی غیرت مندانہ بدوی فضا میں یہ لعنت ۔ البتہ شہروں میں ایک طبقہ ضرور داد عیش دیتا رہا جس کے نتیجہ میں امتداد زمانہ نے رنڈیوں کے وجود کو جنم دے کر اس ملت میں گویا ایک نہ مندمل ہونے والا ناسور پیدا کر دیا۔

فروغ شیعیت کے لیے یہ حربہ خوب کامیاب ثابت ہوا۔ ہر ایرا غیرا جسے اس بھری دنیا میں کہیں بھی سوائے دھتکار کے کچھ نہ ملا فوراً شیعہ ہو کر داد عیش دینے لگا اور سب سے آخر میں نوابان اودھ نے تو تمام پچھلے ریکارڈ توڑ دیئے۔ خاکم بدہن — کیا کوئی بڑے سے بڑا مومن بھی اپنی بیٹی بہن یا ماں کے لیے مُتعہ کا یہ ثواب حاصل کرنے کی اپنے اندر سکت رکھتا ہے؟ بشرطیکہ اس کے دل میں ذرّہ بھر بھی غیرت کا مادہ ہو۔

ہاں وہ دوسروں کے گھروں کی طرف ضرور تاکے گا۔ اور جب اپنے جیسے کسی ذی عزت گھرانے سے مطلب برآری نظر نہ آئے گی تو رذیل اور ذلیل طبقہ کی طرف جھپٹے گا اور ان گھٹیا، رذیل، کمینے اور پست سطح کے لوگوں کے گھروں کی گندی نالیوں میں اپنی خاندانی شرافت اور نجابت کا جنازہ نکالے گا۔

(۶) ندائے لغیر اللہ

یا حرف ندا ہے۔ اس کے معنی آواز اور پکار کے ہیں۔ آواز اس کو دی جاتی

ہے، پکارا اس کو جاتا ہے، بلایا اسے جاتا ہے، مخاطب اسے کیا جاتا ہے جو حاضر ہو، موجود ہو اور سامنے ہو، اسلامی عقیدے میں صرف اللہ تعالیٰ ہی ہر وقت ہر حال میں، ہر جگہ اور ہر مقام پر حاضر و ناظر ہے۔ وہی خالق کائنات ہے، وہی زندگی، موت اور نفع و ضرر کا مالک ہے۔

وَاتَّخَذُوا مِن دُونِهِ آلِهَةً لَّا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ وَلَا يَمْلِكُونَ لِأَنفُسِهِمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيَاةً وَلَا نُشُورًا ”اور انہوں نے سوائے اللہ تعالیٰ کے دوسروں کو معبود (حاجت والا) بنایا وہ کچھ پیدا نہیں کر سکتے بلکہ خود مخلوق ہیں وہ اپنے نفسوں کے لیے بھی نفع اور ضرر کے مالک نہیں اور نہ زندگی اور موت کے اور نہ دوبارہ پیدائش پر قادر ہیں۔“

باقی ہر چیز، ہر ذی روح مخلوق ہے۔ مخلوق میں یہ طاقت نہیں کہ وہ کسی وقت ہر جگہ موجود ہو۔ خدا لا یزال ہے۔ اس کے سوا سب ہلاک ہونے والے ہیں اس کی ابتدا و انتہا نہیں۔ باقی سب کی ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ	ہر جی فانی ہے اور موت کا مزہ چکھنا ہے
كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ	اس کے سوا سب کو فنا ہے۔
كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ	اس کائنات کی ہر چیز فنا ہو جانے والی ہے اور باقی
رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ	رہنے والا وہی جلال و اکرام کا مالک ہے۔

ہر شخص، ہر فرشتہ، ہر جن اور ہر ذی روح کو مرنا ہے، یہاں تک کہ افضل البشر کو بھی إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ ”بے شک آپ کو بھی مرنا ہے اور وہ بھی مر جائیں گے“ موت کا مزہ چکھنا پڑا۔ اس آیت کی کتنی بہترین تفسیر کا موقع اللہ تعالیٰ نے خود ہی پیدا فرمایا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے جاتے ہیں تو صحابہ رضؓ دم بخود رہ جاتے ہیں۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ تو تلوار ننگی کر کے مسجد میں گھوم رہے ہیں کہ محمدؐ کو جو مردہ کہے گا میں اس کی گردن مار دوں گا اس موقع پر صحابہ رضؓ میں سب سے بزرگ شخصیت کو گویا الہام ہوا۔ آپ نے بآواز بلند سب کو مخاطب کر کے فرمایا۔

اے لوگو! جو شخص محمدؐ کو پوجتا تھا وہ جان لے کہ محمدؐ مر گئے ہیں لیکن جو شخص

اللہ کی بندگی کرتا ہے اسے سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ زندہ ہے اسے کبھی موت نہیں آئے گی اس کے بعد آپ نے اس آیت کی تلاوت کی۔

”اور محمدؐ اس کے سوا کیا ہیں کہ اللہ کے رسول ہیں اور ان سے پہلے بھی اللہ کے رسول گزر چکے ہیں۔ پھر اگر وفات پا جائیں یا قتل ہو جائیں تو کیا تم راہِ حق سے الٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔“

حضرت ابوبکر رضؓ کی اس پکار پر عمر رضؓ ہوش میں آ گئے۔ صحابہ کرام رضؓ کو معلوم ہو گیا کہ محمد رسول اللہ وفات پا چکے ہیں۔ اور ہم سب کو بھی مرنا ہے۔

سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے۔ (اے رسول) جب مجھ سے میرے بعد میرے متعلق استفسار کرتے ہیں تو میں یقیناً نزدیک ہوتا ہوں پکارنے والے کی پکار کو جب وہ پکارے قبول کرتا ہوں۔“

سورۂ المجادلہ کی پہلی آیات پر غور کیجئے۔

خولہ بنت ثعلبہ یا خویلد کی اپنے خاوند اوس بن صامت کے ساتھ ناچاقی رہتی تھی۔ ایک بار اوس نے خولہ کو غصے کی حالت میں کہہ دیا کہ تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ، خولہ یہ مسئلہ پوچھنے کے لیے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچیں۔

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات حمد و ثنا کے لائق ہے جس کے سننے نے تمام آوازوں کو گھیر رکھا ہے۔ یہ بی بی صاحبہ آپ سے اس طرح چپکے چپکے باتیں کر رہی تھیں کہ باوجود اس گھر میں موجود ہونے کے میں مطلقاً نہ سمجھ سکی کہ وہ کیا کہہ رہی ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے اس پوشیدہ آواز کو بھی سن لیا۔

خولہ نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اب کیا کروں چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اگر اس کو دے دوں تو ہلاک ہو جائیں گے۔ اپنے پاس رکھوں تو کھلاؤں کہاں سے؟ اسی طرح روتی پیٹتی کہتی رہی آپ خاموشی سے اس کی باتیں سنتے رہے اور آخر فرمایا کہ خدا کا خاص حکم اس معاملہ میں مجھے نہیں پہنچا۔ مروجہ رسم کے مطابق فرمایا کہ میرے خیال میں تو اس پر حرام ہو گئی ہے۔ وہ فریاد کرنے لگی کہ اے اللہ! تو اپنے نبی کی زبان سے میری مشکل حل کر دے اللہ تعالےٰ نے

اس کی فریاد سنی اور سورۂ مجادلہ کی پہلی آیات نازل ہوئیں۔

ان آیات میں غور کیجیے تو صاف نظر آتا ہے کہ سرورِ عالم عالمیان، خیر البشر کے سامنے دعاؤں اور التجاؤں کا سننے والا اور مشکلات کے حل کرنے والے اللہ تعالیٰ نے ہی خولہ کی مشکل کشائی فرمائی۔

ایک اور جگہ پر ارشاد ہوتا ہے۔

"اور البتہ تحقیق بنایا ہم نے انسان کو اور ہم جانتے ہیں کہ جو اس جی میں آتی ہے اور ہم نزدیک ہیں اس کے اس کی پھڑکنے والی رگ سے زیادہ" (قرآن)

خالق کائنات ہی انسان کی رگ جاں سے قریب ہے، وہی فریاد رس اور مشکل کشا ہے۔ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ کا یہی مفہوم و مطلب ہے یا اللہ کہہ کر پکارنا اس کی ذات کے لیے سزاوار ہے مگر یہاں — یا محمد — یا علی رضہ مشکل کشا، یا شاہ نقشبند یا غوث اعظم رح یا خواجہ خضر جس کو چاہو اور جن لفظوں میں چاہو پکارو۔

سورۂ آل عمران میں نبی کو حکم ہوتا ہے۔

"کسی انسان کے لیے یہ سزاوار نہیں کہ اللہ اسے کتاب، حکومت اور نبوت عطا فرمائے اور پھر وہ لوگوں کو کہے میرے بندے بن جاؤ"

سورۂ الکہف ———— میں ہے۔

"اے رسول کہہ دو! میں بھی تمہارے طرح ایک بشر ہوں۔ البتہ اللہ نے مجھ پر وحی کی۔ سوائے اس کے نہیں کہ تمہارا معبود ایک معبود ہے"!

موعظت

بنی نوع انسان کے متعلق ارشاد ہے کہ ہم نے انسان کو احسن تقویم میں پیدا کیا۔ اور یہ بھی ظاہر و باہر ہے کہ فرشتے، جن اور تمام دیگر ذی روح مخلوق سے انسان کا مرتبہ بلند ہے۔ اسے مخدوم بنایا اور باقی سب حیوانات، جمادات، نباتات کو اس کا خادم بنایا پھر انسانوں کو پیغمبروں کو برگزیدہ کیا اور تمام پیغمبروں میں سے نبی علیہ السلام کو خاتم النبیین اور سید المرسلین کے مقام پر فائز کیا۔ اب کیا کہا

جائے ان محبان رسول کو جنہوں نے اپنے جوش محبت میں مخدوم کے مقام سے اتار کر نبی کو خادم کے مقام پر پہنچا دیا اور پھر اس پر ایسے بضد ہوئے کہ مباحثوں، مناظروں اور مجادلوں سے نبی کی تنقیص پر اتر آئے۔ فرشتے نوری ہیں مگر ان کی پیدائش کی غرض ہی بنی نوع انسان کی خدمت ہے اور انسان اشرف المخلوقات اور مخدوم ہے مگر محبانِ رسول نے انسان کو ہی نہیں بلکہ محسنِ انسانیت کو انسانی مرتبہ سے گرا کر فرشتوں جیسی مخلوق بنا دیا۔ شیعوں نے ایک قدم اور آگے بڑھا کر ایک کی بجائے بارہ کو اس مقام پر فائز کر دیا۔

اللہ تعالیٰ ہدایت دے ان عقل کے اندھوں کو۔ کہ تم محبت رسول میں جس بات کو نبی کی تعریف سمجھتے ہو وہ نبی کی تعریف نہیں بلکہ آپ کی شان کی تنقیص ہے۔ عہدِ رسالت زمانہ صحابہ اور دور تابعین میں اسلامی عقیدہ توحید بالکل ان مشرکانہ عقائد سے پاک تھا۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ خیال نہ گزرا ہوگا۔ کہ ایک ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ لوگ یا اللہ کے ہم پہلو اسی کی مخلوق کو بھی "یا" کہہ کے پکاریں گے نہیں بلکہ نعرے لگائیں گے۔ مسجدوں کی دیواروں پر لکھیں گے۔ ہزاروں برس کے مدفون بندوں سے استعانت طلب کریں گے۔ ان کے نام کے وظائف پڑھیں گے ان کے مکار صوفی ان کے عیار ملاں ان کے چالاک پیر جلب منفعت کے لیے اپنے اوہام پرست معتقدوں، جاہل مقلدوں اور ان پڑھ مریدوں کو مزاروں پر نذریں چڑھانے، سجدے کرنے اور قبروں پر طواف کرنے پر اکسائیں گے۔ کیا خوب کہا تھا مولانا رومی نے۔ ایک گدھا بھی دوسرے گدھے کے سامنے نہیں جھکتا۔ اور کیا مزیدار بات کہی تھی اقبال نے

"من ندیدم کہ سگے پیش سگے سر خم کرد"

شیعہ اصحاب نے آئمہ کی بندگی، ان کے فرضی مدفنوں پر شاندار تعمیرات اور ان کی فرضی قبروں کی زیارت کی مذہبی اہمیت کو فروغ دے کر شخصیت پرستی قبر پرستی کا جو نمونہ پیش کیا ہے اس کی مثال دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ملتی پھر لطف یہ کہ ہر ڈاکو، بدمعاش، راہزن، سمگلر، چور یا علی، یا علی کے نعروں سے استمداد و استعانت چاہتا نظر آتا ہے اور بعض من چلوں نے اس قسم کی بدعات کو اس حد تک فروغ دیا کہ حج تک کا انکار کر کے اپنے ہاں حج مروج کر لیا۔

سندھ میں لاڑی کاج بھی انہیں خرافات کے باقیات الصالحات میں سے تھا اور باوجود ہزاروں پند ونصائح کے وہ لوگ کسی کی کوئی بات سننے کے روادار نہ تھے۔

آخر ۳ نومبر ۱۹۳۹ء کو خاکساروں کے ایک وفد نے سندھ کے وزیراعظم سے ملاقات کرکے اسے ختم کرایا۔ اہل سنت وجماعت نے اسے شرک عظیم قرار دیا ہے۔ "اختلاف امت کا المیہ" میں فقہ حنفی کے متعدد حوالوں سے اس موضوع پر بحث کی گئی ہے۔ یہاں امام ابوحنیفہؒ کا ایک واقعہ بھی سن لیجئے۔

"آپ نے یعنی امام ابوحنیفہ رح نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ بعض بزرگوں کی قبروں پر آکر ان بزرگوں پر سلام کرکے ان کو مخاطب کرتا تھا (اس کلام کے ساتھ) کہ اے قبرستان والو تمہارے پاس کچھ بھلائی ہے۔ میں تمہارے پاس کئی مہینوں سے آتا ہوں۔ تم کو پکارتا ہوں اور میرا سوال تم سے صرف دعا کا ہے سو تم کو میرے سوال کی کچھ خبر ہوئی یا بے خبر رہے؟

امام ابوحنیفہؒ نے اس کا یہ کلام سن کر اسے کہا کہ تجھ کو کچھ جواب بھی ملا۔ اس نے کہا کچھ نہیں ملا۔ امام صاحب نے فرمایا لعنت ہو تجھ پر اور نامراد رہے تو کیونکر کلام کرتا ہے تو ایسے جسموں سے جو نہ جواب دے سکتے ہیں اور نہ کسی چیز کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ آواز سنتے ہیں پھر امام صاحب نے یہ آیت پڑھی۔

وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ۔ (تفہیم المسائل بحوالہ غرائب فی تحقیق المذاہب)

تفسیر کبیر چھاپہ مصر جلد ۵ ص۴۳۳ میں مرقوم ہے کہ یعنی اگر تو نے سوائے اللہ کے کسی سے نفع یا نقصان چاہا پس تو ظالموں سے ہوگا۔

مگر شیعیت کے تصور معصومیت دوازدہ آئمہ نے اس شرک کو ایسی وسعت دی کہ اس میدان میں بعض اہل سُنّت ان سے بھی دو ہاتھ آگے بڑھ گئے۔ امام ابوحنیفہ رح کا قول دیکھ لیا۔ اب شاہ احمد رضا کا ارشاد بھی سن لیجیے۔

سوال: بوسہ دینا قبر اولیائے کرام اور طواف کرنا گرد قبر اور سجدہ کرنا تعظیماً ازروئے شرح شریف موافق مذہب حنفی جائز ہے یا نہیں؟

جواب: بلاشک وشبہ غیر کعبہ معظمہ کے طواف تعظیمی ناجائز ہے اور غیر خدا کو

سجدہ ہماری شریعت میں حرام ہے اور بوسہ قبر میں بھی اختلاف ہے اور احوط (زیادہ مناسب) منع ہے خصوصاً مزارات طیبہ اولیائے کرام کہ ہمارے علماء نے تصریح فرمائی ہے کم ازکم چار ہاتھ فاصلے سے کھڑا ہو یہی ادب ہے۔

(ماخوذ احکام شریعت ص۲۵۹ از اعلحضرت) نقل کتبہ مزار مولوی سردار احمد لائلپور

امام ابوحنیفہ رح سے لے کر مولانا احمد رضا تک اس قسم کے اقوال کے باوجود ہم سینکڑوں سُنیوں کو سجدہ تعظیمی اور طواف قبر کے جواز پہ مُصر اور عامل پاتے ہیں بلکہ پچانوے فیصدی کو اپنی ان گنہگار آنکھوں نے قبروں پر سجدہ ریز پایا اور جب حکم شریعت سنانے کی جرأت کی تو وہابی کے لقب سے ملقب ہو کر رہ گیا اور یا تعظیمی سجدہ کے جواز میں قرآن وحدیث کے غلط معنی اور مفہوم سے شور مچا کر اصل مسئلہ سے ہی فرار کی راہ تلاش کرتے نظر آئے۔

آتش پرستی سے ملوث نسلی عصبیت نے شیعوں کو قبروں پہ چراغ جلانے کا راستہ دکھایا۔ اور شیعوں سے بعض جاہل سنیوں نے اخذ کرکے اسے ایک اہم موضوع بنا کر بڑی باقاعدگی بلکہ نظم وضبط سے اس کا سلسلہ شروع کردیا اور اس ڈھونگ نے ان لوگوں کو اہل قبور سے استمداد کا گُر سکھا کر جہلا کی جیبیں خالی کرانے کی تدابیر سمجھائیں اور جب دیکھا کہ فریب کاری کا یہ دام ہم رنگ آشیانہ ہو چکا ہے تو اسے دوآتشہ کرنے کے لیے اس بدعت سئیہ بلکہ مشرکانہ فعل کا جواز ثابت کرنے کے لیے تصنیف وتالیف کا سلسلہ شروع کر دیا یہ گویا آتے جاؤ اور پھانستے جاؤ کے لیے ایک کامیاب تر پھندا تھا جس میں لاکھوں بلکہ کروڑوں موحدین کی گردنیں پھنستی چلی گئیں اور پھنستی جا رہی ہیں۔ آج اگر کوئی مرد مومن کسی وقت عوام کی گردنیں ان پھندوں سے آزاد کرانے کی کوشش کرتا ہے تو یہ چالاک اپنے صید کی گردن میں بڑی چابکدستی سے دو چار گانٹھیں اور لگا دیتے ہیں۔

اس باب میں فقہ حنفی کیا کہتی ہے۔

اخراج الشموع الی المقابر بدعة لا اصل لہ (عالمگیری)

یعنی قبروں پر چراغ جلانا ایک بدعت ہے جس کی کوئی اصل نہیں (درمختار)

فقہ کی کتابوں میں آخر ایسا کیوں نہ لکھا جاتا جبکہ رسول کریم کا صاف ارشاد موجود ہے۔

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زائرات القبور والمتخذین علیہا المساجد والسرج (رواہ الترمذی والنسائی) مشکوٰۃ شریف

لعنت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زائرین القبور پر اور جو بکڑیں قبروں پر مسجدیں (یعنی قبروں کی طرف سجدہ کریں اور قبروں پر چراغ روشن کریں۔

شاہ رفیع الدین کے فتاوے میں ہے کہ ازنکاف محرمات از روشن کردن چراغہا وملبوس ساختن قبورہا ونواختن معارف بدعات شنیعہ اند حضور چنیں مجالس ممنوع است اگر مقدور شد محل ایں حدیث:

من رای منکم منکرًا فلیغیرہ بیدہٖ وان لم یستطع بلسانہٖ وان لم یستطع بقلبہٖ وذالک اضعف الایمان۔

"ایسے محرکات کا ارتکاب یعنی قبروں پر چراغ جلانا اور ان پر کپڑے پہنانا اور سرود وسانہ بدترین بدعتیں ہیں اور ایسی مجالس میں شامل ہونا منع ہے اور اگر مقدور ہو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق کہ جب تم میں سے کوئی کسی کو منکر کام میں مشغول پائے تو ہاتھ سے کام لے۔ یعنی اسے مار کر منع کرے۔ اور اگر سزا دہی کی قدرت نہ رکھتا ہو تو زبان سے سمجھائے ایسے منکرین سے خطرہ ہو تو انہیں دل سے برا سمجھے اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے ارشاد الطالبین میں لکھا ہے کہ چراغاں کرنا بدعت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کے نزدیک چراغ جلانے والوں پر لعنت کی ہے یہاں تک کہ بعض لوگ منت مانتے ہیں اور اس کا ایفا کرتے ہیں اور اہل اللہ کے مزار پر چراغاں کرتے ہیں معمولی آدمی کی قبر پر نہیں کرتے اس طرح پر جب کتب فقہ وحدیث اور تحریرات علماء میں نکلا تو میں نے بلا خوف وخطر اس کو ترک کر دیا۔

(ارشاد الطالبین ص۱)

عجب حیرت کا مقام ہے تیس تیس سال کی لڑکیاں گھر بٹھائے رکھو اور ان کا نکاح نہ کرو۔ داڑھی منڈاؤ اور تاش کھیلو۔ بھنگ چرس اور شراب پیو اور

اور سینما دیکھو۔ جھوٹی گواہیاں دو اور نکاح پر نکاح پڑھاؤ جھوٹا بیچ کے بلند سے جمع کر کے جاہل عوام کے سامنے اپنی ولایت کا ڈھونگ اور غیب دانی کا سوانگ بھر و مگر مسلمانی میں فرق نہ آئے اور ہاں اگر کوئی اللہ کا بندہ ان محرمات اور امورات شنیعہ سے اپنے دکھی دل کے ساتھ بوجہ اللہ باز رہنے کی تلقین کرے تو اس پر وہابیت کی چاپ لگا کر کفر کا فتوای جڑ دو۔ خرد کا نام جنوں رکھ دیا۔ جنوں کا خرد۔

بعض کودن طبع یہ بھی کہتے سنے گئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مقدس پر روشنی ہوتی ہے۔ ان عقل کے اندھوں سے کوئی پوچھے کہ تم نے کب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر روشنی ہوتی دیکھی ہے۔ روشنی تو مسجد نبوی میں ہوتی ہے۔

مسجد نبوی اور مقصورۃ النبویہ الشریفیہ

مقصورۃ النبویہ الشریفہ مسجد نبوی کے قبلہ رخ انسان کے دست چپ اور جانب شرق واقع ہے۔ مسجد چاروں طرف سے بڑھائی گئی مگر اس طرف سے اس وجہ سے نہ بڑھائی گئی کہ اس صورت میں مقصورہ مبارک مسجد کے وسط میں آجائے گا۔ اور چاروں طرف سے کھلا ہونے کی حالت میں طواف کی شکل پیدا ہو جائے گی۔ مقصورہ مبارک کا اندرونی حجرہ صدیقۂ کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مسکونہ مکان ہے جس کی بنیاد ہجرت کے بعد پہلے سال رکھی گئی جس کی دیواریں آج تک اپنی اصلی حالت میں کچی اینٹوں کی ہیں اور تربت شریف بھی کچی حالت میں ہے مقصورہ مبارک سب سے پہلے ۶۶۷ھ میں شاہ مصر سلطان الظاہر رکن الدین بیبرس نے تعمیر کرایا اس سے پہلے اندر کا چوبی جنگلہ تھا جس سے پرے خطار مرز صاف نظر آتا تھا چوبی جنگلے کے نیچے اس سے پہلے ۵۵۷ھ میں نور الدین زنگی نے گہری خندق کھود کر ایک خواب کے تحت رصاص سے بھروا دیا تھا۔[1]

---

[1] تاریخ کی تمام کتابوں میں یہ واقعہ بڑی تفصیل سے موجود ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سنہ ۶۹۴ھ میں رکن الدین نے جنگلا تبدیل کر دیا جو آدم قد تھا اور اس میں تین دروازے رکھے زین الدین عادل نے سنہ ۸۵۳ھ میں اسے مسقف کر دیا جب اسے آتشزدگی نے تباہ کر دیا تو ۸۸۶ھ موجودہ مقصورہ سنگ رخام کے ستونوں اور محرابوں سے بنا رکھا گیا۔ گنبد عالی جسے اب قبہ خضرا سے موسوم کیا جاتا ہے اسی مقصورہ کی دیواروں پر ہے۔

مقصورہ کی عمارت مربع ہے اس سے جالیوں کے اندر دیکھا جائے تو اندر کی عمارت جو مخمس یا مسدس شکل کی ہے اور قیمتی احجار سے بنائی گئی ہے نظر آتی ہے۔ اس خطار کو ۸۸ھ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بنوایا تھا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اسے مربع کی شکل میں اس لیے نہ بنوایا کہ لوگ اسے مثیل کعبہ سمجھ کر کہیں اس کا طواف ہی نہ کرنے لگ جائیں۔ اب تمام عمارت ملبوس ہے۔

مقصورہ اور خطار کا درمیانی فاصلہ ۷ فٹ سے ۱۰ فٹ تک ہے ۱۷ رمضان سنہ ۱۴۰۰ھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سلطان نور الدین زنگی کو خواب میں تین شب متواتر نبی علیہ السلام دو گربہ چشم آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے فرماتے رہے۔

انجدنی انقذنی من ھٰذین

سلطان نے تیز رو سانڈنیاں منگوا کر بیس آدمی ساتھ لیے اور مصر سے سولہ روز میں مدینہ پہنچ گیا تمام اہل شہر کو اکٹھا کیا اور دیکھا مگر وہ دو گربہ چشم نظر نہ آئے دریافت سے معلوم ہوا کہ صرف دو درویش طبع بزرگ مسجد نبوی میں باقی ہیں جو مسجد سے نکلتے ہی نہیں سلطان نے انہیں طلب کیا اور دیکھتے ہی پہچان لیا دونوں نے دریافت پر بیان کیا کہ ہم عیسائی ہیں اور ہمیں فلاں بادشاہ نے نبی علیہ السلام کی نعش مبارک نکال کر لانے کے لیے بھیجا ہے ہم رات کو ساتھ والے مکان سے جو رہائش کے لیے رکھا ہے سرنگ کھودتے ہیں مٹی چرمی تھیلیوں میں بند کر کے دن کو بقیع کی طرف زیارت کے بہانے پھینک آتے ہیں سلطان نے دونوں کو قتل کرا دیا ان حالات کو سن کر سلطان زار و زار روتا تھا اور اسے صبر نہ آیا تھا اس وقت اس نے چاروں طرف خندق کھود کر اسے اماس سے بھر وا دیا۔

کو حضرت صدیقہ کائنات کی وفات کے بعد حجرہ شریف کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ اور اس وقت سے آج تک صرف دو آدمیوں کو اندر داخل ہونے کی سعادت ملی ہے سنہ ۵۴۸ھ میں اندر دھماکے کی آواز پیدا ہوئی تو خلیفہ کی منظوری سے عمر النسائی موصلی کو خطار مروز کی چھت سے اندر پہنچایا گیا۔ معلوم ہوا کہ دیوار سے ایک اینٹ گری ہوئی ہے مسجد نبوی کی مٹی سے اینٹ بنا کر اندر بھیجی گئی اور انہوں نے دیوار درست کر دی۔ قبور پر جو مٹی گر گئی تھی اسے انہوں نے اپنی ریش سفید سے صاف کیا۔

سنہ ۹۱۱ھ میں ابوالحسن علی نور الدین مصنف خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفٰی کو حجرہ منورہ کی ارض مقدسہ کی زیارت کی دولت جاوید کی سعادت حاصل ہوئی۔ جب صفائی کرتے ہوئے حجرہ منورہ کی اصل زمین نظر آئی تو ایسی روائح سے دماغ مشام معطر ہوا کہ آج تک کسی عطر میں ایسی خوشبو نہ پائی گئی۔ ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ ۵۷ھ کے بعد صرف دو آدمی حجرہ شریف میں داخل ہوئے تو کب ؟ کیسے ؟ کس نے اور کہاں ؟ ان مبارک اور مقدس لحدوں پر چراغ جلا رکھے ہیں۔
تین دیواروں کے اندر پوشیدہ قبور مبارکہ کو کسی شیعہ یا کسی نام نہاد سنی بزرگ نے اپنے زور باطن سے دیکھا ہوگا اور ان سے یہ سب کچھ بعید بھی نہیں مگر عام انسانوں کی آنکھیں تیرہ سو سال سے اس نعمت سے محروم ہیں۔

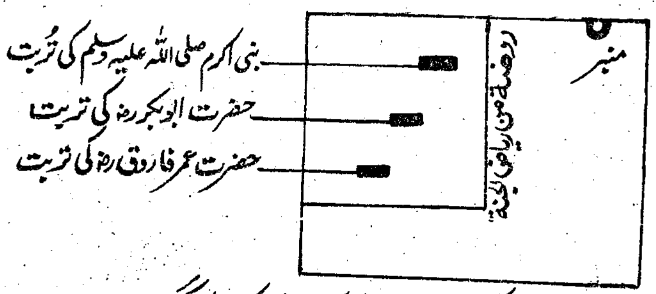

حضرت فاروق اعظم رضہ کے پاؤں دیوار کے نیچے تک آ گئے ہیں ۵۴۸ھ میں صاف کرتے ہوئے مٹی ادھر ادھر ہوئی تو آپ کا ایک پاؤں ننگا ہو گیا جو بالکل زندہ انسانوں کی طرح تھا جس طرح نبی کا جسم مٹی نہیں کھا سکتی اسی طرح نبی کے ساتھیوں کے جسم بھی اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھے ہیں۔

تبصرہ: یا علی رض اور یا عباس علمدار وغیرہ کے نعروں سے متاثر ہو کر بیکار مگر عیار، جاہل مگر ہشیار کام نہ کر کے کھانے والے مگر مکار قسم کے لوگوں نے صوفیوں، پیروں، درویشوں اور فقیروں کے لباس میں جلب منفعت کے لیے اس مشرکانہ فعل کو خوب شہرت دی۔

شیعوں میں اس مشرکانہ فعل کا آٹھویں صدی ہجری کے آخر تک کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ بلکہ شیعوں کے ہاں تبرا بازی تو درکنار اصحاب ثلاثہ کی عزت و تکریم کا ثبوت ملتا ہے۔

۷۴۸ھ میں حسن خان گنگو نے دکن میں بہمنی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ بارہ سال حکومت کرنے کے بعد حسن کے مرنے پر محمد شاہ اوّل اس کا جانشین بنا۔ تخت نشینی سے چند سال بعد گلبرگہ میں اس نے ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کروائی۔ اس کے محراب و منبر پر اس نے تین کتبے تیار کرائے
ان کی شکل کچھ اس قسم کی تھی۔

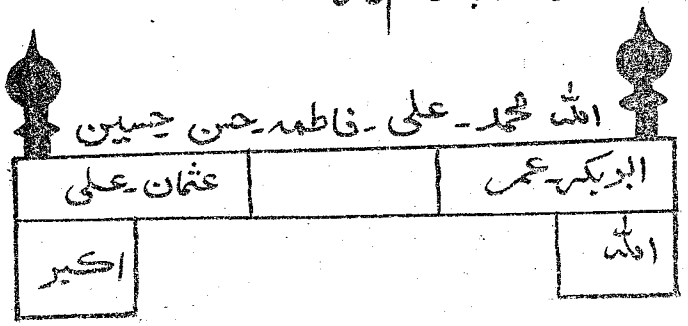

یہاں کسی نام کے ساتھ "یا" کا اضافہ نہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بہت بعد بلکہ درست یہ ہے کہ نوابان اودھ کے زمانہ میں اس کا رواج ہوا مصنف بیگمات اودھ نے بھی اپنی کتاب میں اس قسم کا ایک نقشہ دیا ہے۔

۲۔ نبی علیہ السلام اور حضرات شیخین کی قبریں آج تک معجزہ اپنی اصلی کچی حالت میں موجود ہیں۔ مگر ان محبان رسول کا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ کے متعلق کیا خیال ہے جنہوں نے آج ہر گھوڑے شاہ،

گکڑ شاہ، بوٹی شاہ اور خاکی شاہ کے مفروضہ مزاروں پر ہزارہا روپے کے بے جا اسراف سے بڑی بڑی عمارتیں بنا رکھی ہیں نبی کا ادب اور تعظیم کوئی ان سے سیکھے! یا للعجب

باغ فدک؛

حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے متعلق شیعہ حضرات کا سب سے بڑا اعتراض باغ فدک کے متعلق ہے ان کا موقف ہے کہ باغ فدک نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتی جائداد تھی اور آپ کے وصال کے بعد باغ فدک بطور وراثت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ملنا چاہیئے تھا مگر حضرت ابوبکر رض اور حضرت عمر رض نے غصب کر کے اپنے قبضہ میں کر لیا۔

اس بات پر فریقین متفق ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمدن کی مدات ہدایا کے علاوہ غنیمت، فی اور زکوٰۃ پر مشتمل تھی غنیمت اور زکوٰۃ کی تقسیم کا فیصلہ قرآن میں واضح فرما دیا گیا ہے۔ فی کے معاملہ میں سورہ حشر میں ارشاد ہے مَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَیْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ۔ یعنی جو فی بنا دے اللہ تعالیٰ اپنے رسول ؐ پر بستیوں والوں سے وہ واسطے خدا کے اور رسول کے اور واسطے قرابت والوں کے اور یتیموں کے اور مسکینوں کے اور مسافروں کے تاکہ نہ آوے لینے دینے میں دولت مندوں کے تم میں سے"

شیعوں کی مشہور اور معتبر کتاب

صافی شرح اصول کافی - میں ہے کہ یہ آیت اتری یہی باغ فدک کے بارے میں تھی اس لحاظ سے فدک بیت المال کا مال تھا۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس میں تصرف متولیانہ تھا۔ مالکانہ نہیں تھا۔ اور جس مال میں متولیانہ تصرف کا حق ہو اس میں ملکیت نہیں ہوتی نہ وہ مال متولی کسی دوسرے کو ہبہ کر سکتا ہے نہ متولی کی وفات کے بعد اس میں وراثت کا قانون جاری کیا جا سکتا ہے۔

چنانچہ شیعہ مذہب کی معتبر کتاب تفسیر خلاصۃ المنہج میں فی کی تعریف کی گئی ہے کہ

"فی آں مالیست کہ از کفار بمسلمانان منتقل شود بدون قتال وآں رسول را باشد در حیات وے و بعد از وے کسے راکہ قائم مقام او باشند"۔

"یعنی فی وہ مال ہوتا ہے جو مسلمانوں کو بغیر لڑے کفار سے ملے اور رسول اللہؐ کی حیات میں انہیں کو تصرّف کا حق ہوتا ہے اور بعد میں جو ان کا قائم مقام ہو"۔

اس کی تفسیر میں امام جعفر (صادق) کی ایک روایت تفسیر صافی میں ملتی ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ نے وَاٰتِ ذَی القربیٰ حقہٗ وَالمسکین نازل فرمائی تو رسول اللہؐ نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ مسکین تو میں نے پہچان لیے بتائیے ذوی القربیٰ کون ہیں ؟ جبرئیل نے جواب میں عرض کیا کہ وہ آپ کے رشتہ دار ہیں جو زیادہ قریبی ہیں۔ پس حضورؐ نے حسنؓ حسینؓ اور فاطمہؓ کو بلایا اور کہا کہ میرے پروردگار نے مجھے حکم دیا ہے کہ مال فی میں سے تم کو عطا کر دوں ......

اسی قسم کی ایک اور روایت معمولی سے تغیر لفظی کے ساتھ اصول کافی اسلفی والانفال ص۱۵ مطبوعہ طہران میں ملتی ہے پھر لطف یہ کہ آیت ذی القربیٰ حقہٗ، بالاتفاق فریقین مکی ہے۔ کیونکہ یہ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے جو مکی ہے اور فدک کے متعلق ہجرت کے ساتویں سال فتح خیبر کے بعد حکم ملتا ہے پھر آپ نے فی میں سے تم کو عنایت کر دوں" اوّل تو روایت کے لفظ ہیں۔ "فی میں سے" یعنی کچھ حصہ۔ اور دوسری بات یہ کہ حضرت حسین رضؓ کی پیدائش ۲ھ اور حضرت حسین رضؓ کی پیدائش ۳ھ میں ہوئی۔ گویا امامین کے پیدا ہونے سے نو دس سال پہلے ہی نبی علیہ السلام نے بلا کر فے میں سے کچھ حصہ انہیں دے دیا۔ شان نزول کے لحاظ سے یہ روایت قطعاً موضوع ہے۔

اب اصول کافی کی روایت بھی سُن لیجئے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم پر مکہ معظمہ میں سورۂ بنی اسرائیل میں وَقَضٰی رَبُّکَ سے لے کر خَبِیْرًا بَصِیْرًا تک نازل فرمائی (باب الکفر والایمان ص۱۶۰) اور آیت اٰتِ ذی القربیٰ بھی انہیں آیات میں سے ہے۔

اگر ہبہ فدک کی روایات پر اور کوئی بحث نہ کی جائے اور نہ کوئی دلیل پیش کی جائے تو بھی یہ دلیل کافی ہے۔

اب پہلی آیت پر غور کیجئے وہاں بھی ذی القربیٰ کے ساتھ مساکین وغیرہ کی قید موجود ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ فدک پر حضرت سیدہ فاطمہؓ کا حق نہیں تھا۔ اور پھر قانون وراثت کے تحت بھی اگر اسے تقسیم کیا جاتا تو نبی علیہ السلام کی ازواجِ مطہرات بھی حصہ دار تھیں۔ مگر آج تک کسی کتاب میں اس بات کا اشارہ تک نہیں ملتا کہ نبی علیہ السلام کی ازواجِ مطہرات نے کسی وقت بھی اس بات کا دعویٰ کیا ہو۔

پس قرآنی آیات کے واضح دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ فدک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی ملک میں نہ تھا اس لیے آپ نہ ہبہ کر سکتے تھے اور نہ آپ نے ایسا کیا جن روایات میں ایسا کرنا مذکور ہے وہ سب باطل اور من گھڑت ہیں۔

شیعوں کی مشہور کتاب شرح مواقف مقصد رابع ص۷۳۵ کی روایت پر غور کیجئے۔

اگر کہا جائے کہ حضرت فاطمہ رضؓ نے یہ دعویٰ کیا کہ فدک انہیں ملا تھا اور حضرت علی رضؓ اور حسین رضؓ نے اور ام کلثوم نے گواہی دی تھی۔" اگر کہا جائے" اس سے صاف عیاں ہے کہ ایسا وقوع میں آیا نہیں بلکہ فرض کیا گیا ہے۔

بعض کتب اہل سنت میں مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر رضؓ نے ہبہ فدک کے دعویٰ کو تسلیم کر کے ایک وثیقہ لکھ دیا تھا۔ لیکن حضرت عمر رضؓ نے وہ وثیقہ لے کر پھاڑ دیا۔ (تفسیر درمنثور[۱])

مگر اس روایت کے تمام راوی شیعہ ہیں۔ ابو یحییٰ تمیمی شیعہ تھا (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص۲۸۱)

عباد بن یعقوب شیعہ تھا اور صحابہ کرام کو بہت برا جانتا تھا (میزان الاعتدال جلد ۲ ص۱۹)

فضیل بن مرزوق غالی شیعہ اور موضوعات کا عادی تھا (میزان الاعتدال جلد ۲ ص۳۲۵)

عطیہ عوفی کوفی شیعہ اور کذّاب تھا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۷ ص۲۲۶)

امام محمد باقر فرماتے ہیں کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے اپنے بندے پر قرآن

---

[۱] درمنثور میں سیوطی نے تاریخ الخلفاء کی طرح رطب ویابس جمع کر دیا ہے چنانچہ شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں سیوطی در درمنثور جمع احادیث مناسبہ بقرآن مناسبہ نمود قطع نظر از صحت وسقم تا محدثے آنہار المیزان علم خود سنجلا قرۃ العین ص۲۲۸ ۱۳۱۰ھ

نازل کیا تاکہ وہ تمام جہانوں کے ڈرانے والا ہو کہ ان دونوں یعنی ابوبکر رض اور عمر نے ہمارے حق میں رائی کے دانہ کے برابر بھی کم نہ کیا۔ (وفا الوفا جلد ۲ ص۱۶۱)

کتب شیعہ کی تمام روایات اخبار احاد ہیں اور پھر کسی روایت کا سلسلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچتا مگر نحن معشر الانبیاء لا نرث ولا نورث ما ترکنا صدقۃ ہم انبیاء ہیں ہم نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں اور نہ ہمارا کوئی وارث ہوتا ہے۔ ہمارا ترکہ صدقہ بن جاتا ہے اس حدیث کے راوی حضرت علی رض حضرت حذیفہ حضرت زبیر بن عوام رض حضرت ابو درداء رض حضرت ابوہریرہ رض حضرت عثمان رض عبدالرحمٰن بن عوف رض، حضرت سعد بن وقاص رض حضرت عباس رض اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم ہیں اور حضرت عباس رض خود بھی قانونِ وراثت کے لحاظ سے فدک کے حصہ دار تھے۔

غرضیکہ یہ روایت تواتر کے درجہ تک پہنچ چکی ہے جس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

حقیقت میں شیعہ خود بھی وراثت کے قائل نہیں۔ حضرت عثمان رض کی شہادت کے بعد جب حضرت علی رض خلیفہ ہوئے تو فدک کے متولیانہ حقوق پر قابض ہوئے اگر وراثت کا قانون جاری ہوتا تو فدک آپ کے تمام بیٹوں اور بیٹیوں میں تقسیم ہوتا۔ اگر حضرت علی رض کے بارے میں یہ اصول قائم رہا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کیوں برقرار نہیں رہ سکتا۔

انبیاء علیہم السلام کی وراثت نہ ہونے کے شیعہ خود بھی قائل ہیں چنانچہ شیعوں کی اصح الکتاب اصول کافی اور دوسری بڑی بڑی کتابوں میں یہ حدیث موجود ہے۔

عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال ان العلماء ورثۃ الانبیاء وذالکم ان الانبیاء لم یورثوا درھمًا ولا دینارًا انما ورثوا احادیث من احادیثھم فمن اخذ بشیءٍ منھا فقد اخذ حظًا وافرًا ۔

"حضرت جعفر صادق نے فرمایا کہ علماء دین ہی پیغمبروں کے وارث ہوتے ہیں اور یہ اس لیے کہ پیغمبروں نے کسی کو سونے چاندی کا وارث نہیں بنایا انہوں نے

تو صرف شریعت کی باتوں کا وارث بنایا ہے جس شخص نے ان بزرگوں کی حدیثوں میں سے کچھ بھی حاصل کر لیا اس نے بڑا بھاری نصیبہ حاصل کر لیا۔

(اصول کافی باب صفۃ العلم وفضلہ ص۲)

اس حدیث میں لفظ انّما آیا ہے اور کلام عرب میں اِنّما کا لفظ کلمہ حصر کہلاتا ہے اس لحاظ سے اس حدیث میں پیغمبروں کی وراثت کو صرف ان کی احادیث اور روایات میں محدود کر دیا گیا ہے۔

سونا، چاندی، مویشی، اراضیات، باغات، مکانات تمام دولت ہیں اور دولت ہی سونا چاندی ہے۔

اسی حدیث کی شرح میں شیعہ مجتہد ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں کہ:

بل اراد ومانا الیہ من عمدۃ اموالھم وما کانوا یقنون بہ یورثونہ ھو العلم دون المال (مراۃ العقول شرح اصول کافی جلد ۱ ص۲۳)

بلکہ اس سے مراد وہ ہے جس کا ہم نے اشارہ کیا ہے کہ انبیاء عمدہ اموال میں سے اور اس چیز میں سے جس کے ساتھ اغتنا کرتے ہیں اور اپنا وارث بناتے ہیں علم ہے مال نہیں۔ کتنے صاف الفاظ میں ملا باقر نے بیان کیا ہے کہ مال خواہ کس قسم کا ہو اس میں انبیاء کی وراثت نہیں ہوتی بلکہ صرف علم میں وراثت ہوتی ہے پھر یہ باغ فدک میں وراثت کی لم کیسی؟

محقق قزوینی لکھتے ہیں کہ نبی اور ولی کے مال میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

(الصافی شرح اصول الکافی جزو سوم حصہ دوم)

پس زکوٰۃ نہ ہوئی تو ملک ذاتی نہ ہوا جب ملک ذاتی نہیں تو سلسلہ وراثت مالی نہ رہا۔ اصول کافی میں ایک اور روایت ہے۔

امام جعفر صادق نے فرمایا کہ خدا کے رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ علماء دین پیغمبروں کے وارث ہوتے ہیں اس لیے خدا کے پیغمبر سونے چاندی کا کسی کو وارث نہیں بناتے لیکن وہ علم دین کا وارث بناتے ہیں۔ (اصول کافی جلد ۱ کتاب فضل العلم ص۳۴)

فقہاء ہی انبیاء کے وارث ہوتے ہیں کیونکہ انبیاء درہم و دینار کی وراثت جاری نہیں کرتے بلکہ ان کی وراثت علم ہوتا ہے (من لا یحضرہ الفقیہ باب المواعظ الموخرہ ص۵۸۱)

سلیمانؑ، داؤدؑ کے وارث ہوئے اور محمدؐ سلیمان کے۔ اور ہم محمدؐ کے وارث ہیں۔ (اصول کافی جلد ا صفحہ ۱۳۷)

نبی علیہ السلام حضرت سلیمان ع کی کس جائیداد کے وارث ہوئے وہ وراثت مال و دولت کی تھی یا صرف علم کی؟

اصول کافی کے متعلق شیعوں کے "امام مہدی علیہ السلام" امام غائب عالم علم ما کان دیکون نے فرمایا ہے کہ ھٰذَا کَافٍ لِشیعتنا یہ ہمارے شیعوں کے لیے کافی ہے۔

قرآن مجید میں جہاں جہاں پیغمبروں کی زبان سے وراثت کا لفظ دیا ہوا ہے وہاں وراثت سے مراد علم ہی ہے۔

اگر فدک نبی کی ذاتی جائیداد تھی تو سیدہ فاطمہ کی التجا پر نبی اکرمؐ ضرور کچھ عنایت فرماتے اور تسبیح و تحمید و تہلیل و تکبیر کی تلاوت کی ہدایت فرما کر نہ فرماتے تمہارے لیے یہ کافی ہے۔ سبحان اللہ نبی نے وراثت تقسیم کی اور کتنی بہترین۔

میرا مقصد اس وضاحت سے بطور بحث کے کچھ بیان کرنا نہیں بلکہ صرف حقیقت حال کی وضاحت ہے ورنہ معتبر کتب شیعہ سے سینکڑوں صفحات لکھے جا سکتے ہیں۔

اب مختصراً شیعوں کی زبان سے فدک کی کیفیت بھی سن لیجیئے۔

مہدی عباسی نے حضرت امام موسیٰ کاظم سے عرض کیا کہ آپ فدک کی حدود بیان فرما دیں، تو آپ نے فرمایا ایک حد اس کی اُحد پہاڑ ہے دوسری حد اس کی عرش مصر ہے تیسری حد اس کی سمندر کا کنارہ ہے اور چوتھی حد اس کی دومۃ الجندل ہے۔

(صافی شرح اصول کافی کتاب الحجۃ صفحہ ۳۶)

ہارون الرشید نے امام موسیٰ کاظم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ فدک لے لیں میں آپ کو واپس دیتا ہوں تو حضرت نے انکار فرمایا جب ہارون الرشید نے انکار کیا تو حضرت نے فرمایا کہ خواہ مخواہ تم مجھے فدک دینا چاہتے ہو تو اس کے پورے حدود مجھے دو پھر میں لینے کے لیے تیار ہوں۔ ہارون نے پوچھا کہ اس کے حدود کیا ہیں۔ پس حضرت نے فرمایا کہ اس کی حد اوّل عدن پس ہارون کا رنگ فق ہو گیا

دوسری حد سمرقند یہ سنکر ہارون کا رنگ زرد ہو گیا۔ تیسری حد افریقہ ہے۔ بس ہارون کا رنگ سیاہ ہو گیا اور چوتھی حد سیف البحر ہے جو جزائر آرمینیہ سے ملحق ہے تب ہارون نے کہا کہ پھر ہمارے لیے کیا رہ گیا ہے؟

پس حضرت نے فرمایا کہ میں نے پہلے ہی تمہیں کہہ دیا گیا تھا کہ جب فدک کی حدود متعین کر کے بتاؤں گا تو تم نہ دے سکو گے (انوار نعمانیہ صفحہ ۱۴)

اس امر سے یہ بحث نہیں کہ دونوں روائتیں امام موسیٰ کاظم سے مروی ہیں اور دونوں روایتیں شیعوں کی دو معتبر کتابوں میں مرقوم ہیں اور دونوں میں بیّن تضاد موجود ہے۔ وضاحت صرف اس امر کی مقصود ہے کہ آیا واقعی فدک اس قدر وسیع تھا اور وہ علاقے بھی فدک میں شامل تھے جن میں نبی علیہ السلام کے زمانہ میں اسلام ہی نہیں پہنچا تھا۔

شیعہ حضرات، اصحاب ثلاثہ رضہ کی دشمنی میں بے خود ہو کر اپنے آئمہ کرام پر بھی بہتان باندھنے اور افترا کرنے سے بھی نہ چوکے۔

فدک کا رقبہ کتنا تھا؟

فدک بفتحین خیبر کا ایک گاؤں ہے (صراح)

فدک ایک بستی کا نام تھا جو مدینہ منورہ سے کچھ فاصلہ پر تھی۔

(قاموس۔ منتخب مصباح اللغت، معجم البلدان حموی وغیرہ)

یہ ایک بستی ہے جو مدینہ منورہ سے تین منزل کے فاصلہ پر ہے۔

(فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۱۵۱ مطبوعہ مصر)

الغرض امت میں اختلاف پیدا کرنے کے لیے یہودیوں نے جو سازش تیار کی تھی۔ فدک بھی اس سازش کا ایک جزو تھا۔ فدک کا معاملہ بالکل صاف اور واضح تھا اور آج تک صاف اور واضح ہے جس حدیث میں فغضب والا اضافہ ہے وہ ابن شہاب زہری کا ایک قیاس ہے شیعہ کتب میں اس کے متعلق لکھا ہے کہ وہ شیعہ تھا۔

ابن شہاب پہلے سنی تھا پھر شیعہ ہو گیا (شیخ عباس قمی تیمۃ المنتہیٰ صفحہ ۱۲۸)

عین الغزال فی اسماء الرجال میں بھی اس کو شیعہ کہا گیا ہے۔

یہاں محدثین کی چھان بین کی داد دیئے بغیر نہیں رہا جاتا جنہوں نے اپنی علمی

کا دشوں سے تقیہ میں مستور شیعوں کو بھی گھسیٹ کر باہر نکالا اور امت کو ان سے آگاہ کیا۔

شیعہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ صدیق اکبر رضؓ اور سیدہ فاطمہ رضؓ کے درمیان کسی قسم کی ناچاقی یا شکر رنجی نہ تھی۔ چنانچہ عبداللہ بن نمیر اسماعیل سے وہ عامر سے اور وہ شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ جب سیدہ فاطمہ رضؓ بیمار ہوئیں تو حضرت ابوبکر رضؓ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور اجازت مانگی۔ حضرت علی رضؓ نے کہا کہ ابوبکر دروازے پر ہیں اگر آپ چاہیں تو انہیں اجازت دوں۔ سیدہ فاطمہ رضؓ نے کہا۔ کیا یہ آپ کے نزدیک پسندیدہ ہے حضرت علی رضؓ نے جواب دیا ہاں۔ پس حضرت ابوبکر رضؓ حضرت فاطمہ رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے کلام کیا اور وہ حضرت ابوبکر رضؓ پر راضی تھیں اور راضی کیوں نہ ہوتیں وہ تو انہیں خلیفہ برحق سمجھتی تھیں اسی لیے ان کے پاس اپنا مقدمہ لے گئی تھیں۔ ورنہ امام جعفر صادق کا قول ہے حکام جور کے ہاں مقدمہ لے جانا حرام ہے (فروع کافی جلد ۳ ص ۲۲۵)

اگر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ خلیفہ برحق نہیں تھے تو حضرت فاطمہ رضؓ کا ان کے پاس مقدمہ لے جانا حضرت فاطمہ رضؓ کی معصومیت کے خلاف ہے اب قابل غور امر یہ ہے کہ انہوں نے دعویٰ کرنے کے بعد خلیفہ برحق کا فیصلہ تسلیم کیا یا نہیں۔ اگر فیصلہ تسلیم کیا تو پھر شیعوں کو صدیق اکبر رضؓ پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں اور اگر فیصلہ تسلیم نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے حضرت ابوبکر رضؓ کو خلیفہ تسلیم نہیں کیا اس صورت میں انہوں نے بقول حضرت جعفر صادق رضؓ ایک حرام فعل کا ارتکاب کیا ؏

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو؟

گذشتہ صفحات میں امام محمد باقر کی ایک روایت بیان کی ہے جس میں انہوں نے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ ابوبکر رضؓ اور عمر رضؓ نے ہمارے حق میں رائی بھر کمی نہ کی چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضؓ نے جب حضرت سیدہ فاطمہ رضؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ خدا کے رسول ؐ فدک کی آمدنی سے تمہارا حق علیحدہ کر لیا کرتے تھے اور جو کچھ باقی بچ جاتا وہ مسکینوں میں تقسیم کر دیتے اور اس میں سے جہاد کے لیے سواریاں بناتے تھے خدا کی رضامندی کے لیے مجھ پر تمہارا حق ہے کہ فدک کے معاملہ میں وہی کاروائی جو رسول خدا ؐ اپنی

زندگی میں کیا کرتے تھے۔

فرضیت بذالک ۔ پس جنابہ زہراء رضؓ اس بات پر راضی ہو گئیں اور حضرت ابوبکر رضؓ سے عہد لیا۔ پھر آپ فدک کی آمدنی سے آپ کو اس قدر دیتے تھے کہ سال بھر کے اخراجات کے لیے کافی ہوتا۔ پھر باقی خلفاء نے بھی اسی طرح کاروائی جاری رکھی۔

(شرح نہج البلاغۃ ابن ہیثم البحرانی ص ۵۴۳ مطبوعہ ایران)

چونکہ فدک کی آمدنی سے انہیں اخراجات کے لیے کافی مال مل جاتا تھا اسی لیے سیدنا علی رضؓ نے اموال غنیمت میں سے خمس لینا بند کر دیا تھا۔ چنانچہ ابوداؤد میں ہے کہ حضرت علی رضؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضؓ نے مجھے بلایا اور کہا کہ خمس لے لو میں نے کہا میں خواہش نہیں رکھتا۔ حضرت عمر رضؓ نے دوبارہ کہا کہ لے لو چونکہ تم زیادہ حقدار ہو۔ میں نے کہا ہم لوگ خمس سے مستغنی ہو گئے ہیں۔ پھر حضرت عمر رضؓ نے بیت المال میں داخل کر دیا (ابوداؤد جلد ۲ باب فی بیان مواضع الخمس)

اس سے معلوم ہوتا ہے سیدنا علی رضؓ کو فدک کے مال نے اس قدر مرفہ الحال کر دیا تھا کہ وہ خوشی سے خمس کے مال سے دستبردار ہو گئے تھے۔

حضرت فاطمہ رضؓ اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے باہمی تعلقات کے متعلق چند اور جید اور قوی حوالجات بھی سن لیجئے۔

شرح ابن ابی الحدید شیعوں کی ایک نہایت معتبر کتاب ہے اس میں مرقوم ہے کہ حضرت فاطمہ رضؓ نے جب میراث طلب کی تو خلیفہ اول نے کہا جو آپ کے مورث کا حق تھا وہی آپ کو ملے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ باغ فدک میں سے آپ اپنے عیال کا گزارہ لے لیتے تھے اور باقی تقسیم کر دیتے تھے یہ سن کر فاطمہ رضؓ اس پر رضامند ہو گئیں (ص ۵۳۸)

شیعوں کی معتبر کتاب شرح نہج البلاغۃ ابن ہیثم بحرانی جزو ۳۵ ص ۴۳ اور شرح نہج البلاغۃ درہ نجفیہ مطبوعہ طہران ص ۳۳۲ پر مرقوم ہے کہ:۔

حضرت صدیق اکبر رضؓ نے جناب سیدہ کی خدمت میں عرض کیا کہ رسول اللہ فدک کی پیداوار سے تمہارا خرچ لے لیا کرتے تھے اور باقی ماندہ تقسیم فرماتے اور جہاد وغیرہ میں سواریاں لے دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر تم سے معاہدہ کرتا ہوں کہ میں

فدک میں اسی طرح کروں گا جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے تو حضرت فاطمہ رض فدک کے اس فیصلہ پر راضی اور خوش ہو گئیں اور حضرت صدیق اکبر رض سے اس بات کا عہد لیا تو حضرت ابوبکر رض فدک کی پیداوار وصول کر کے اس سے آپ کو کافی ووافی خرچ دے آتے تھے پھر حضرت ابوبکر رض کے بعد امیر معاویہ رض کی حکومت تک تمام خلفاء نے یہی عمل جاری رکھا گویا حضرت ابوبکر رض کے زمانہ سے حضرت معاویہ رض کے زمانہ تک یہی عمل جاری رہا اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بقول شیعہ مصنفین حضرت علی رض کے عہدِ خلافت اور حضرت حسن رض کے عہد خلافت میں بھی اسی طرح عمل ہوتا رہا۔

پھر اب فدک فدک کی رٹ چہ معنے دارد

بقول شیعہ مصنفین ان تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر رض اور حضرت فاطمہ رض کے درمیان کسی قسم کی شکر رنجی نہ تھی وہ خرچ دیتے تھے آپ خوشی لے کر اپنے تصرف میں لاتی تھیں۔ حضرت ابوبکر رض کی زوجہ اسماء بنت عمیس اکثر آپ کی خدمت میں رہتیں۔ حضرت سیدہ کی بیماری کے دنوں میں حضرت اسماء نے ہی تیمارداری کی۔ وفات کے بعد غسل بھی آپ نے دیا۔ (جلاء العیون ص۲۳)

خاتون جنت محلہ کی عورتوں سے میل جول نہیں رکھتی تھیں۔ ان کی بہنیں ہمسایوں کے گھروں میں جاتی رہتی تھیں (الزہرا ص۲۲) ایسی گوشہ نشین خاتون کو بازاروں میں گھمانا۔ شیعوں کا ہی کام ہے اور بہنوں کے لفظ پر بھی وہ شیعہ غور کریں جو نبیؐ کی دوسری صاحبزادیوں کے منکر ہیں۔

اقول : حضرت ابوبکر صدیق رض جو خلیفہ اوّل تھے اور حضرت فاطمہ رض جو نبی علیہ السلام کی بیٹی اور حضرت علی رض کی زوجہ تھیں ان کے درمیان تو شیعوں کی معتبر کتب میں کسی قسم کی شکر رنجی یا ناراضگی کا وجود نہیں ملتا البتہ جن گھٹیا قسم کے شیعہ مصنفین نے جس ابوبکر رض اور جس فاطمہ رض کے درمیان بغض اور دشمنی کا ذکر کیا ہے نا معلوم وہ ابوبکر رض اور وہ فاطمہ رض کون رہا تاریخ ان کی طرف رہنمائی کرنے سے قاصر ہے۔

چنانچہ حافظ عماد الدین ابن کثیر نے حافظ ابوبکر بیہقی رض کے حوالہ سے نقل کیا

ہے کہ حضرت فاطمہ رض نے ان کو اندر بلا لیا دونوں میں راضی خوشی گفتگو ہوئی۔ حافظ ابن کثیر اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس کی سند جید اور قوی ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص۲۸۹)

علاوہ ازیں یہی روایت شیعوں کی کتاب وفاء الوفاء جلد ۲ ص۱۵۵ طبقات ابن سعد جلد ۲ ص۱۷ اور ریاض النضرہ میں بھی نہایت بسط کے ساتھ آئی ہے۔

یہاں تک کہ حضرت فاطمہ رض کا جنازہ بھی حضرت ابوبکر رض نے پڑھایا۔ خبر دی مجھ کو محمد بن عمرؓ نے کہ حدیث بیان کی ہم سے قیس بن ربیع نے مجاہد سے اور مجاہد نے شعبی سے کہا شعبی نے کہ حضرت زہرا رض پر نماز پڑھی حضرت ابوبکر رض نے۔ ہم کو خبر دی شبانہ بن سوار نے کہ حدیث بیان کی ہم سے عبدالاعلیٰ بن مساء نے حماد سے۔ حماد نے ابراہیم سے کہا ابراہیم نے کہ نماز پڑھی حضرت ابوبکر رض نے فاطمہ رض بنت رسول اللہ پر پس آپ نے ان پر چار تکبیریں کہیں۔

شیعہ کتب میں مسطور ہے کہ حضرت فاطمہ رض کا جہیز حضرت ابوبکر رض نے خریدا حضرت بلال رض اور عمار رض اٹھا کر لائے نیز حضرت علی رض کی طرف سے حضرت فاطمہ رض کا حق مہر حضرت عثمان رض نے ادا کیا۔ (بحار الانوار جلد ۱۰ ص۳۵) جلاء العیون)

حضرت فاطمہ رض کو اُم رومان زوجہ حضرت ابوبکر رض نے غسل دیا (بحار الانوار ج ۱۰ ص۵۶)

اب فدک کے بارہ میں حضرت علی رض کا رویہ ملاحظہ کیجئے۔

آپ فرماتے ہیں کہ نہیں ہے امام کے ذمے مگر وہی پروردگار کا حکم جس کو امام نے خود برداشت کیا ہے اور وہ پانچ امر ہیں۔

۱۔ لوگوں کو خوب وعظ کہنا۔
۲۔ لوگوں کی خیر خواہی میں خوب طاقت صرف کرنا۔
۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو زندہ کرنا۔
۴۔ سزاؤں کے حقداروں پر سزائیں قائم کرنا۔
۵۔ حقداروں کو ان کے حقوق واپس دلانا (نہج البلاغۃ ج ۱ ص۲۰۲ مطبوعہ مصر)

صاف ظاہر ہے کہ ان پانچ امورات میں سے دو امر فدک کے بارے میں حضرت علیؓ پر عائد ہوتے تھے پیغمبر کی سنت کو زندہ کرنا جو بقول شیعہ خلفائے ثلاثہ نے مردہ کر دی

تھی چونکہ آپ نے ایسا نہیں کیا اس سے ثابت ہوا کہ خلفائے ثلاثہ کے زمانہ میں کوئی سنت مردہ نہیں ہوئی تھی اور اگر آپ نے کسی وجہ سے تقیہ کر کے ایسا نہیں کیا تو امام قائم اور معصوم کا یہ فعل ان کی معصومیت کا نقیض ہے دوسرے یہ کہ آپ نے فدک کو حقداروں کے سپرد نہ کیا اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ خلفائے ثلاثہ رضہ نے جو کچھ کیا وہ عین ارشاد نبوی کے مطابق تھا اور اگر اس معاملہ میں بھی آپ نے لوگوں کے خوف سے ایسا نہیں کیا تو ذرا تقیہ کی شرائط پر بھی غور ضروری ہے۔

۱۔ بھاری ضرر کو دفع کرنے کے لیے منافع حاصل کرنے کے لیے نہیں۔

۲۔ تقیہ کی وجہ سے کسی کا قتل ہونا لازم نہ آئے۔

۳۔ تقیہ کے وقت عادل بادشاہ موجود نہ ہو۔

۴۔ تقیہ کسی جماعت کی گمراہی کا سبب نہ بنے۔

(صافی شرح اصول کافی کتاب کفر والایمان جزو پنجم ص۲۹۳)

آپ امام عادل خود تھے پھر فدک کا معاملہ ایک جہان کی گمراہی کا سبب بھی ہو سکتا تھا۔ کیونکہ تمام اہل سنت نے حضرت ابوبکر رضہ کی خلافت کو حق سمجھا ہوا ہے پھر کیا وجہ ہے کہ حضرت علی رضہ نے فدک وارثوں کے حوالے نہ کر کے ایسے بھیانک جرم (نعوذ باللہ) کا ارتکاب کیا۔

حالانکہ مٹی بھر ساتھیوں کی موجودگی میں حضرت حسین رضہ نے تقیہ نہ کیا کہ کہیں کوئی کسی "فاسق یا فاجر" کی حکومت کو صحیح نہ تسلیم کرے۔

مگر بقول مصنف احتجاج طبرسی "پھر پکڑا حضرت علی رضہ نے حضرت ابوبکر رضہ کا ہاتھ اور بیعت کر لی۔" (ص۵۴)

نامعلوم یہ فدک کا ایک معمولی سا گاؤں کیوں شیعوں پر بری طرح سوار ہے۔ وہ فدک کے معاملہ میں اپنا موقف صحیح ثابت کرنے کے لیے جو لم بھی تراشتے ہیں اس کی تان آخر حضرات آئمہ پر جا کر ٹوٹتی ہے مگر اپنی ہٹ کے پکے ضد کے پورے پھر بھی میں نہ مانوں کی رٹ لگانے سے باز نہیں آتے۔ کوئی صاحب فلک النجات نامی کتاب کے مصنف ہیں۔ وہ اس معاملہ میں بڑے دور کی کوڑی لائے ہیں کہ کہ حضرت علی رضہ نے فدک کے معاملہ میں صحیح رویہ اس لیے اختیار نہ کیا کیوں کہ

حضرت عثمان رضہ نے اپنے دور خلافت میں فدک مروان کے قبضہ میں دے دیا تھا اور حضرت علی رضہ کو خلافت کے چارج کے وقت وہ قبضہ میں نہیں ملا تھا۔

(فلک النجات ج ۱ ص۴۰۴ طبع اول)

حقیقت یہ ہے کہ جب کسی کے قلب ونظر پر ضد اور عناد کی دبیز پٹیاں چڑھ جائیں تو وہ حواس باختہ ہو کر واہی تباہی بکنے پر مجبور ہو جاتا ہے حضرت علی رضہ وقت کے امام اور اولوالامر ہیں پھر حقدار کو حق پہنچانا بھی خود ہی فرض فرماتے ہیں اور اس کے باوجود کہ مروان مدینہ میں موجود بھی نہیں بلکہ حضرت عثمان رضہ کی شہادت کے معًا بعد بھاگ کر دمشق چلا جاتا ہے آپ اپنے آپ کو اس پوزیشن میں نہیں پاتے کہ وہ قطعہ اراضی جس کا اس وقت کوئی مالک نہیں۔ حقداروں کے حوالے کر دیتے۔

صاحب فلک النجات کی غلط بیانی، دروغ گوئی اور اس بہتان عظیم کا کیا علاج جبکہ اہل تشیع کا ایک مایہ ناز مصنف سید علی نقوی فیض الاسلام لکھتا ہے

خلاصہ ابوبکر رضہ غلہ وسود آنرا گرفتہ بقدر کفایت باہل بیت میداد و خلفائے بعد از اوہم بر آں اسلوب رفتار نمودند تا زمانِ معاویہ رضہ کہ ثلثِ آں بعد از امام حسن ع بمروان داد (شرح نہج البلاغتہ جلد ۵ ص۹۶۰)

فدک کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ابوبکر رضہ فدک کی آمدنی سے سیدہ فاطمہ رضہ ضرورت کے مطابق دے دیا کرتے تھے اور دوسرے خلیفوں یعنی حضرات عمر رضہ اور عثمان رضہ اور علی رضہ نے بھی اسی طریق پر عمل کیا۔ یہاں تک کہ معاویہ رضہ کی حکومت کا زمانہ آگیا تو اس نے حضرت حسن رضہ کی وفات کے بعد فدک میں سے ایک مروان رضہ کو دے دیا۔

یہی عبارت بالکل معمولی سے لفظی تغیر کے ساتھ نہج البلاغتہ کی شرح ۲ جزو ۱۹ ص۲۹۱ پر مرقوم ہے بعض شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ اپنی چھینی ہوئی وراثت دوبارہ واپس نہیں لینا چاہتے تھے تو پھر چھینی ہوئی خلافت کیوں قبول کی۔ اور قبول کرنے کے بعد بخش دی اور اس کے بعد حصول خلافت کے لیے بار بار خروج کرتے رہے

باوجود انتہائی اختصار کے مضمون کچھ طویل ہو گیا۔

اب میں اصحاب شیعہ کی خدمت میں التماس کروں گا کہ وہ اپنے ایمان الیقان اور وجدان کو سامنے رکھ کر خود ہی انصاف کریں کہ فدک کے متعلق ان کی معتبر کتابیں کیا کہتی ہیں اور ان میں یہ گھٹیا قسم کے ذاکر اور مولوی منبروں پر کھڑے ہو کر اپنے کلام کو ذکر آئمہ کرام سے مزین کرنے کے لیے کس قدر غلط بیانیوں سے عوام کو گمراہ کرتے ہیں اور عوام کالانعام ان کی چکنی چپڑی باتوں میں آ کر غلط نظریات کو اپنے ذہنوں میں جگہ دے کر جانشینان رسالت کی شان میں دریدہ دہنی سے کام لے کر اپنے دین و ایمان سے دستبردار ہونے کا سامان کرتے ہیں۔

چوتھا باب

اہل التشیع کا عقیدہ امامت

اہل سنت و جماعت کے ارکان دین توحید۔ نماز۔ روزہ۔ حج اور زکواۃ ہیں جو دین کے ارکانِ خمسہ کہلاتے ہیں مگر اہل التشیع کا عقیدہ ہے کہ اصولاتِ دین توحید رسالت۔ امامت۔ عدالت۔ قیامت اور بعض نے تولا و تبرا کو بھی اصولاتِ دین میں شمار کیا ہے۔

اہل التشیع کے نزدیک نماز، روزہ حج اور زکواۃ فروعاتِ دین میں سے ہیں ان کے ہاں توحید اور رسالت کے بعد امامت پر ایمان لانا اصولات دین میں سے ہے امامت کے متعلق ان کا تصور یہ ہے کہ امام جب ظاہر ہو تو وہ اپنی زندگی میں آئندہ ہونے والے امام کے متعلق بحکم الٰہی نص کرتا ہے۔ منصوص امام کی امامت سے انحراف کفر ہے۔

امام اوّل حضرت علی رضؓ تھے۔ یہاں اس بات کو بھی ذہن میں رکھیے کہ حضرت علی رضؓ کے اسم مقدس کے ساتھ باقی ائمہ کی طرح امام لکھا یا بولا نہیں جاتا یعنی آج تک امام حسن رضؓ یا امام حسین رضؓ کی طرح امام علی رضؓ نے تحریری یا تقریری طور پر رواج نہیں پایا۔ بلکہ شیعہ کتب میں انہیں امام علی رضؓ کی بجائے حضرت امیر یا حضرت علی رضؓ لکھا گیا ہے اور یہی لفظ امیر کتب شیعہ میں عراق کے شاطر مختار ثقفی کے نام کا جزو ہے۔ گذشتہ صفحات میں واضح کیا گیا ہے کہ شیعہ مذہب، دیگر فقہی مذاہب کی طرح دوسری صدی ہجری میں بطور مذہب نمودار ہوا۔ شروع میں یہ ایک اسلام دشمن مجوسی اور یہودی تحریک تھی جس کی بنیاد سیاسی طور پر رکھی گئی تھی نہ کہ دینی طور پر۔ اسی لیے یہ لوگ جوں جوں وقت کی ضرورت دیکھتے رہے اپنے تصورات و عقائد کو اسی طرح توڑ موڑ کر پیش کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے رہے یہاں تک کہ مصحف فاطمہ رضؓ، مصحف علی رضؓ اور سونے کی مہروں والے نافرمانوں کی اصطلاحیں وضع کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی یعنی جب

کسی نئے شیعہ نے اپنے اطمینان قلب کے لیے کسی نئی بات، کو پہلی بات کے خلاف، پاکر دریافت کیا تو فوراً یہ آڑ لی گئی کہ یہ بات تو مصحف فاطمہ رضہ میں تھی اور یہ حکم مصحف علی رضہ میں درج تھا۔ اس امام کے متعلق نص فلاں تھیلے میں بند تھی۔ دلو فرضنا حضرت علی رضہ امام منصوص اور معصوم عن الخطاء تھے اور آپ نے اپنی شہادت کے وقت حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے نص کی تھی مگر حسن نے حضرت امیر معاویہ رضہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے گویا امامت ان کے سپرد کر دی تو پھر یہ جھگڑا کاہے کا! اور اس کے بعد حضرت حسین رضہ کے لیے نص کس نے کی؟ اور اگر حضرت حسن رضہ نے اس باب میں تقیہ سے کام لیا تو حضرت علی رضہ اور حضرت حسین رضہ نے تقیہ کیوں نہ کیا پھر یہ دور امام وقت کی غیوبت کا نہیں بلکہ شہود کا ہے۔

حضرت علی رضہ اور ان کی اولاد حسن کے بارے میں شیعہ اصحاب نے غلو کر کے ان کی اصل سیرتیں ہی بدل کر رکھ دی ہیں۔ سب کے اعمال دعقائد سے یہ بھری دنیا واقف ہے۔ ان کے سیاسی مواقف کے متعلق صفحات گذشتہ میں بہت کچھ کہا جا چکا ہے اہلسنت صمیم قلب سے ان کے رفیع المنزلت ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ انہیں فسق و فجور کے شوائب تک سے مبرا مانتے ہیں یہ الگ بات ہے کہ ان میں سے بعض سے سیاسی غلطیاں سرزد ہوئیں بعض کی صحیح تدبیریں ہی ناکام رہیں۔ بعض نے اپنے اجتہاد میں غلطی کی۔ بعض اپنی بشری کمزوریوں کا شکار ہو گئے۔ لیکن من حیث المجموع ان کی جلیل جلیل القدر ہستیوں میں سوء اعتقادی یا دعوت اسلام کے ساتھ بے وفائی کا شائبہ تک کبھی بھی کسی کے دل میں پیدا نہیں ہوا۔

وقت گزرتا رہا ان مقدس ہستیوں کے متعلق خوش اعتقادی کے انبار تیار ہوتے رہے جو حقیقت میں بظاہر ان کی تعریفوں پر مشتمل سہی مگر بباطن ان کی رفیع الشان دینی خدمات، کی تنقیص پر مبنی ہوتے گئے۔ اس تصور امامت کا وجود بعض شیعوں کے نزدیک رسالت سے افضل، بعض کے نزدیک رسالت کے برابر اور بعض کے نزدیک رسالت سے کم ہے ہمیں یہاں صرف یہ دیکھنا ہے کہ آیا کسی پیغمبر نے اپنے سے پہلے کسی پیغمبر کی تکذیب کی ہے؟ یا ہر پیغمبر دوسرے پیغمبروں کا مصدق ہوا ہے پھر کیا وجہ ہے کہ امامت کا منصب بھی مندرج ہونے کے باوجود سراسر ایک دوسرے

کا مکذب ہے ایک امام یہ جانتا ہی نہیں کہ اس نے پہلے بیٹے کے لیے نص کی ہے یا دوسرے کے لیے پھر یہاں ایک نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ کسی ایک پیغمبر کے بعد جب بھی دوسرا پیغمبر آیا تو وہ اپنے پیشرو کی نسبت زیادہ بہتر نظام حیات اور وسیع تر دائرہ عمل لے کر آیا مگر آئمہ کے لائحہ عمل اور طریق کار میں ہمیں کسی مقام پر بھی کوئی ارتقائی شان نظر نہیں آتی اب پھر سطور بالا کی طرف توجہ کیجیے حضرت حسن رضہ نے حق امامت حضرت معاویہ رضہ کے سپرد کر دیا تو پھر حسینؓ کے لیے کس نے نص کی — آپ نے شہادت کے وقت حضرت علی رضہ (زین العابدین) کے حق میں نص کی تو محمد بن حنفیہ کے لیے کس نے نص کی۔ شاید یہاں یہ کہا جائے کہ اصل امام حضرت علی زین العابدین تھے اور محمد بن حنفیہ صرف داعی تھے مگر یہ قطعًا غلط ہے کسی دوسری جگہ جگہ بیان کیا گیا ہے کہ محمد بن الحنفیہ خود امام تھے اور ان کو امام ماننے والے کیسانیہ کے نام سے آج بھی دنیا میں موجود ہیں۔ اب ہم کیا جانیں کہ سچا امام کون ہے اور بناوٹی کون یہ تو شیعہ اصحاب کے خود فیصلہ کرنے والی چیز ہے۔

اس نظری استدلال کے بعد عدل وانصاف کا تقاضا سلیم المزاج اذہان کو ضرور اس طرف متوجہ کرے گا کہ آیا علویوں کی مختلف شاخوں میں اور ایک ہی شاخ کے مختلف اصحاب کے درمیان کوئی رابطہ تھا یا نہیں اگر تھا تو وہ ایک دوسرے کے حالات سے واقف تھے یا نہیں۔ اگر واقف تھے اور امام وقت کے لیے جو عالم الغیب ہوتا ہے واقف ہونا ضروری ہے تو محمد بن الحنفیہ کا امام معصوم کہلوانا اور اس بات کا دعویٰ کرنا کہ میں قیامت تک زندہ رہوں گا اور قیامت تک کے لیے میں امام قائم ہوں کیوں علی بن الحسین کو نظر نہ آیا پھر اس کے بعد آگے چلئے انہیں محمد بن الحنفیہ کے پوتے ابو ہاشم بن عبداللہ اپنے باپ کے دادا کی قیامت تک کی امامت کے باوجود خود مدعی امامت ہو گئے۔ پھر حضرت جعفر (الصادق) جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اپنے زندہ فرزند موسیٰ (الکاظم) کو امامت سپرد کی تو انہیں یہ معلوم نہ ہوا کہ ان کے دوسرے بیٹے اسماعیل کی امامت کی دعوت بھی جاری ہو گئی ہے اور اسماعیل کا بیٹا محمد اپنے چچا موسیٰ الکاظم کی امامت کو تسلیم نہیں کرتا اور پھر لطف یہ کہ اپنے چچا کی امامت کی دشمنی انہیں خلیفہ عباسی تک لے گئی اور اپنے چچا کی مخبری

اور جاسوسی کرتے رہے پھر اگر چچا منصوص امام تھے تو انہوں نے بھتیجے کے خلاف کیا کاروائی کی۔ پھر یہ بات بھی کسی دوسری جگہ بیان کی جا چکی ہے کہ ابوہاشم نے حق امامت سرے سے ہی سفاح کے حوالے کر دیا تھا۔

مگر اس موقع پر کسی طرف سے احتجاج ہوا اور نہ تردید کیا اس کا صاف مطلب یہ نہیں کہ اس وقت تک امامت کا یہ تصور جواب موجود ہے اس کا وجود بھی نہیں تھا سطور بالا میں جن بزرگ ہستیوں کا ذکر کیا گیا ہے یہ کوئی معمولی ہستیاں نہیں ان بزرگوں کی زندگیوں کے معمولی معمولی واقعات بھی تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں محفوظ ہیں ان میں باہم رشتہ داریاں اور تعلقات موجود تھے مگر آج امامت کے اس تصور پر شیعہ اور بعض جاہل سنی اپنی مجلسوں، مولودوں اور محرموں پر جو کچھ کرتے ہیں ان کا کہیں وجود نہیں ان نام نہاد محبان اہل بیت کی ان تعریفوں سے تو نعوذ باللہ من ذالک۔

ان بزرگوں کی تضلیل و تکذیب کا اظہار ہوتا ہے نہ کہ تعریف کا آگے چلئے حسن العسکری کے بھائی جعفر کہتے ہیں کہ میرے بھائی کے گھر کوئی بیٹا پیدا نہیں ہوا۔ اور اگر ہوا تھا تو بچپن میں مر گیا۔ اور ان کے متعلق یہ پروپیگنڈہ غلط ہے کہ وہ غار میں چلے گئے یا جزیرہ خضرا میں مقیم ہیں اور قرب قیامت میں بحیثیت مہدی ظہور کریں گے جعفر کے اس قول نے اتنا ہنگامہ پیدا کیا کہ گیارہویں امام کے اس بھائی کا نام ہی جعفر کذاب مشہور ہو گیا مگر آگے چل کر انہیں جعفر تواب کہا جانے لگا۔

پھر اس امامت کے عقیدہ نے سینکڑوں مجہول النسب لوگوں کو حصول اقتدار اور جلب زر کے لیے اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ فاطمی النسل ہونے کے مدعی ہو کر اپنی اور اپنی اولاد کے لیے عیش و عشرت کا سامان بہم پہنچانے کی کوشش کریں مصر کا فاطمی خاندان اس بات کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔

المعز کے زمانے میں ان لوگوں کو حکومت کرتے کئی پشتیں گزر چکی تھیں مگر اسکے باوجود جب المعز کے محل میں کسی نے ایک منظوم رقعہ بدیں مضمون رکھا کہ ہم تب جانیں کہ تم بنو طاہر کے ہاں اپنا کوئی رشتہ کر کے دکھاؤ رقعہ پڑھ کر المعز اتنا متاثر ہوا کہ ابو جعفر علوی کے ہاں پیغام بھیج دیا مگر انہوں نے منظور نہ کیا اور ان کے اس

انکار پر انہیں قید و بند کی تکلیفیں جھیلنی پڑیں ان کے اموال ضبط کر لیے گئے اور آخر وہ بھاگ کر حجاز چلے گئے۔ یہاں یہ بات بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ درجنوں فاطمی لڑکیاں امویوں اور عباسیوں سے بیاہی گئی تھیں اس میں ان لوگوں کو اس وجہ سے کوئی انکار نہیں تھا کہ وہ لوگ امویوں اور عباسیوں کو اپنا ہم کفو جانتے اور سمجھتے تھے مگر مصر کے فاطمی خلفاء کو کسی علوی نے کسی دور میں علوی تو در کنار قریشی بھی نہیں مانا ورنہ ابو جعفر علوی المعز کو ضرور لڑکی کا رشتہ دے دیتے پھر امامت کے معاملہ میں عبداللہ مہدی متولد ۲۶۰ھ کے لیے کس نے امامت کی نص کی۔

پھر المستنصر کے دو بیٹوں نزار اور مستعلی میں سے منصوص امام کون تھا؟ اگر نزار امام منصوص تھا تو مستعلی باغی امامت ہونے کے باوجود لاکھوں اپنے متبعین کا امام کیسے بن گیا۔ اور اگر مستعلی امام تھا تو نزار کے باغی امامت ہونے کے باوجود آغا خانی امامت آج تک کے لیے کیسے چلی آ رہی ہے۔ آگے چل کر طیب الگ امام بن کر یمن میں جا کر روپوش ہو گیا اور ذافر مصر میں امام رہا اور ذافر کے بعد العاضد امام بنا تو اس نے اپنے بعد کسے امام بنایا؟

اسماعیلی مصنف کی مندرجہ ذیل سطور پڑھنے کے بعد امامت کا خود ساختہ تصور آسانی سے سمجھ میں آ سکتا ہے۔ عبداللہ بن میمون کے متعلق لکھتا ہے کہ:۔

"سیدنا عبداللہ نے اسماعیلی دعوت قائم کی جس سے آپ کا مقصد ایک مذہبی تحریک پیدا کرنا تھا جو خلافت عباسیہ کا مقابلہ کر سکے جو اس زمانہ میں برسر اقتدار حکومت تھی اس غرض کی تکمیل کے لیے ایک انجمن بنائی جس میں ایسے افراد شریک کیے جو بالطبع معتزلیوں کے خیالات اور فلسفیوں کی رائیوں کی طرف مائل تھے۔ اس تحریک کی کامیابی کے لیے اہل بیت کی مدد لینا پڑی تاکہ وہ شیعہ جن کو اہل بیت سے محبت تھی اسے جلد قبول کریں تاریخ میں اس قسم کی تحریکوں کی متعدد نظیریں ملیں گی۔ شیعہ جو اس زمانہ میں موجود حکومتوں یعنی حکومت عباسیہ اور حکومت اندلسیہ امویہ سے ناراض تھے اہل بیت کے کسی نہ کسی فرد کو اپنا حق لینے کے لیے ابھارتے اور اسے حکومت کی ترغیب دلا کر اپنا امام بناتے اور اس کی قیادت

ہیں عباسیوں اور امویوں کا مقابلہ کرتے بعض وقت تو اس کے نام سے فائدے بھی اٹھاتے تھے حالانکہ وہ ایسی تحریک پسند نہ کرتا تھا چنانچہ سیدنا عبد اللہ بن میمون القداح نے ایک ایسی دعوت قائم کی جو مولانا جعفر صادق کے حکم کے خلاف تھی۔[1] صفحہ ۶۱۲

حق بات تو وہی ہے جو عمر بن علی بن الحسین نے کہی جب ان سے کسی نے پوچھا کہ کیا آپ کے خاندان میں ایسے فرد ہوتے ہیں جن کی اطاعت فرض ہو تو آپ نے فرمایا کہ ہمارے یہاں ایسا کوئی فرد نہیں اور جو ایسا کہتا ہے وہ کذاب ہے اور میرے والد نے مرتے وقت ایسی کوئی وصیت نہیں کی۔

(طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۲۳۹ کتاب نسب قریشی صفحہ ۶۲)

پہلی صدی ہجری میں علم و فضل، زہد و اتقا، تبلیغ و ارشاد میں صدیقی۔ فاروقی ہاشمی، اسدی، زبیری اور انصار کے خاندانوں کے ہزاروں اصحاب ایک دوسرے سے بڑھ کر نظر آتے ہیں۔ تاریخ و سیرت کی کتابیں ان کے حالات و واقعات سے بھری پڑی ہیں۔ مگر مجوسیوں اور یہودیوں نے اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے حضرت حسین رضہ کے تقریبًا سوا خلاف میں سے صرف آٹھ اشخاص کو امام معصوم قرار دے کر ان کی امامت کا ڈھنڈورہ پیٹ کر امویوں کے خلاف اس شدت سے پروپیگنڈہ شروع کیا کہ اہل التشیع کے علاوہ ہزاروں بلکہ لاکھوں اہل سنت بھی غیر شعوری اور غیر ارادی طور پر امام اور "علیہ السلام" کی لپیٹ میں آگئے اور وہ قطعًا اس بات کو بھول گئے کہ یہ پروپیگنڈہ امویوں کے خلاف نہیں بلکہ اسلامی ریاست کے خلاف ہے۔ مجوسیوں اور یہودیوں کا اصل مقصد علویوں کو آلہ کار بنا کر اسلامی سٹیٹ کو تباہ و برباد کرنا تھا اور چونکہ وقتی طور پر سربراہ مملکت اموی تھے اس لیے وہ نشانہ بن گئے۔

پھر جب اسلامی سٹیٹ کی سربراہی عباسیوں کے ہاتھ آئی تو یہ رُخ ان کی طرف پلٹ گیا۔ حالانکہ عباسیوں کو علویوں کی بڑی پاس خاطر مطلوب تھی۔ عباسی خلیفہ نے علویوں کی شکایتوں پر ہی موسٰی کاظم کو نظر بند کیا مگر ان کی خاندانی وجاہت اور وقار کو پورے طور پر محفوظ رکھا۔ پھر موسٰی رضا کو شرف دامادی بخشا یہاں تک

کہ شیعہ عباسی خلیفہ کو بھی شیعہ کہنے لگے۔ مگر جب موسٰی رضا مر گئے تو چنڈو خانہ سے ایک گپ اڑا دی کہ خلیفہ نے انہیں زہر دے دیا ہے۔ ان لوگوں سے کوئی پوچھے کہ آخر اتنے بڑے شہنشاہ کو چوروں کی طرح ایک معمولی سی حیثیت کے آدمی کو زہر دینے کی کیا ضرورت تھی حالانکہ موسٰی رضا سے بڑی بڑی جلیل القدر ہستیوں کو جن کے پیچھے ہزارہا آدمی تھے معمولی معمولی سے اختلافات کی بنا پر کوڑے لگائے گئے جیلوں میں بند کیا گیا۔ آخر عباسی خلیفہ کو کیا مجبوری تھی کہ وہ اپنے دشمن کو پہلے بیٹی کا رشتہ دے اور پھر زہر دے کر مار ڈالے۔

دراصل یہ سب کچھ عقیدۂ امامت کے بچاؤ کے لیے قلابازیاں کھائی جاتی رہیں۔ اثنا عشریوں کے بارہ امام نزاریوں کے انچاس (۴۹) اسمٰعیلیوں اور طیبیوں کی تعداد معلوم نہیں اور ان کے علاوہ وقتاً فوقتاً خروج کرنے والے بھی سو سے متجاوز رہیں اب خود ہی غور کر کے فیصلہ کیجئے کہ یہ عقیدہ امامت ہے کیا چیز؟ اور اس کا مالہٗ وما علیہ کیا ہے؟ ان ہزاروں میں سے سچا امام کون ہے۔ اور کذاب کون؟

حضرت سید عبد القادر جیلانی رح حسنی الحسینی نے اپنی مشہور تصنیف غنیۃ الطالبین میں اور علامہ عبد الکریم شہرستانی نے اپنی کتاب الملل والنحل میں شیعوں کے فرقے بیان کیے ہیں اور متعدد دیگر تاریخی کتابوں میں بھی ان کا ذکر کیا ہے اور بعض اس وقت ہم میں موجود ہیں چند ایک فرقے جو مشہور ہیں درج ذیل ہیں۔

۱- البنانیہ: اس فرقے کا بانی بنان بن شمعان تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ شکل و صورت میں انسان کی مانند ہے۔

۲- الطیاریہ: اس فرقے کا بانی عبد اللہ بن معاویہ[2] بن عبد اللہ بن جعفر طیار تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ آدم کی روح درحقیقت خدا کی روح ہے جس نے تناسخ کیا۔

۳- المنصوریہ: اس فرقہ کا بانی ابو منصور العجلی تھا اس کا عقیدہ تھا کہ حضرت علی رضہ ایک ٹکڑا ہے جو آسمان سے نازل ہوا۔ اور وہ خدا ہے۔ امام ابی منصور نے

---

[2] معاویہ کو گالیاں دینے والے ذرا غور کر کے دیکھیں کہ جعفر طیار کے بیٹے عبد اللہ نے اپنے بیٹے کا نام معاویہ رکھا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان لوگوں میں آپس میں کوئی اختلاف نہیں تھا اور وہ لوگ تبرا کے نام سے بھی آشنا نہ تھے۔

آسمان پر جا کر خدا سے کلام کیا۔ خدا نے ان کو بیٹا کہا اور سر پہ ہاتھ پھیرا وہ بھی آسمان سے نازل ہوا ہے۔ جنت دوزخ کچھ نہیں ہیں۔

۴۔ المغیریہ:۔ اس فرقہ کا بانی مغیرہ بن سعید العجلی تھا اس نے پہلے محمد بن عبداللہ بن حسن کے زمانہ میں اپنی خلافت کا دعوای کیا اس کے بعد حضرت علی رضؓ کے بارے میں بہت غلو کیا اس کا عقیدہ تھا کہ خدا نور ہے اور مع جمیع اعضاء کے انسان کی صورت کی مانند ہے جس کے سر پہ نورانی تاج ہے۔ امام برحق محمد بن عبداللہ بن حسن ہیں جنہوں نے مدینہ میں خلافت کا دعوای کیا تھا وہ زندہ ہیں اور ان کے لوٹ کر آنے کا انتظار ہے ان سے جبرئیلؑ اور میکائیل بیعت کریں گے۔

۵۔ الخطابیہ: اس فرقہ کا بانی ابوالخطاب محمد بن ابی زینب الاسدی تھا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ امام برحق یعنی خلیفہ وقت پیغمبر ہوتا ہے۔ اور ہر زمانہ میں ایک پیغمبر ناطق موجود رہتا ہے اور ایک خاموش۔ اس فرقہ کا ایک گروہ امام وقت کی الوہیت کا قائل ہے۔ ایک گروہ کا عقیدہ ہے کہ دنیا کو فنا نہیں۔ یہی دنیا دوزخ اور جنت ہے۔

(منکرین حدیث کا بھی یہی عقیدہ ہے تفصیل کے لیے اس کتاب کی پہلی جلد دیکھیے)

۶۔ العجلیہ اور المعموریہ: فرقہ خطابیہ کی ایک شاخ عجلیہ اور دوسری شاخ معمریہ کے نام سے مشہور ہے۔ ان کا عقیدہ ہے ترک نماز سے کوئی گناہ لازم نہیں آتا (یہ عقیدہ تقریبًا تقریبًا شیعہ مذہب کے تمام فرقوں کا ہے۔ چونکہ سب کے نزدیک نماز فروعات دین سے ہے اور ایک فرع کے ترک کرنے سے کوئی گناہ لازم نہیں آتا) شراب اور زنا تمام محرمات حلال ہیں (شیعوں کے تمام فرقے متعہ کے قائل ہیں متعہ اور زنا میں کوئی فرق نہیں۔

۷۔ البزیعیہ: اس فرقہ کا بانی بزیع ہوا ہے۔ وہ کہتا تھا کہ امام جعفر صادق دراصل خدا تھے ہر مومن کی طرف وحی نازل ہوتی ہے وہ مرتا نہیں بلکہ ملکوت کی طرف اٹھایا جاتا ہے۔

۸۔ المفضلیہ:۔ اس فرقہ کا بانی مفضل صیرفی ہوا ہے یہ فرقہ تمام آئمہ کی

الوہیت کا قائل ہے۔

۹۔ الشریعتہ: اس فرقہ کا بانی شریع تھا یہ لوگ نبی علیہ السلام عباس رضؓ۔ علیؓ جعفر اور عقیل کی امامت کے قائل ہیں۔

۱۰۔ السبائیہ:۔ اس فرقہ کا بانی وہی مکار یہودی نومسلم ہوا ہے جس نے سب سے پہلے اسلام میں تشتت و افتراق کا بیج بویا اس نے عوام کو گمراہ کرنے کے لیے یہ مشہور کیا کہ علی جزو خدا ہیں وہ زندہ ہیں مقام ان کا بادل ہے کڑک گرج ان کی آواز ہے بجلی ان کا کوڑا ہے پھر زمین پر نزول کریں گے۔ علی کا جزو الوہیت ان کے بعد اماموں میں تناسخ کرتا ہے حضرت علی نے اسے اس کے عقائد باطلہ اور خیالاتِ فاسدہ کی وجہ سے مدائن کی طرف بدر کر دیا تھا۔ اس کے مکمل حالات دوسرے مقام پر لکھے گئے ہیں۔

۱۱۔ المفوضیہ یا تفویضیہ: اس کا فرقہ کا بانی کوئی مجہول النسب شخص ہوا ہے۔ اس نے ان خیالات فاسدہ کی اشاعت کی کہ اللہ تعالیٰ نے تدبیر خلقت کے تمام اختیارات آئمہ کے سپرد کر رکھے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قدرت کاملہ عطا فرمادی تفویضیہ کے اس عقیدہ میں بعض جاہل سنی بھی ان کے ہمنوا ہیں۔ اذان میں اشہد ان علیا ولی اللہ کی بدعت انہیں لوگوں نے جاری کی اور من لا یحضرہ الفقیہ کی روایت کے مطابق ملعون قرار دیئے گئے۔ تفویضیہ نے تو یہ حقوق صرف اماموں کو تفویض کیے ہیں مگر بعض جاہل سنیوں نے اس معاملہ میں زیادہ فراخ حوصلگی اور سخاوت کا مظاہرہ کیا ہے۔

مولوی رومی جیسے لوگ بھی اس قسم کی باتوں کے قائل تھے جیسا کہ ان کے کلام سے ظاہر ہے ؎

اولیا راہست قدرت از اللہ
تیر جستہ بازگردانند ز راہ

گفتہ راو گفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

میاں محمد صاحب مصنف سیف الملوک جس سے "وہابیوں" کے خلاف انگریزوں نے پنجابی اشعار میں ایک کتاب لکھوائی تھی اپنے پنجابی ناول میں لکھتا ہے ؎

قلم خدا دی ہتھ ولی دے جو چاہے سو کردا

۱۲- شیعوں کا ایک فرقہ یہ بھی عقیدہ رکھتا ہے کہ امامت مفضول کی فاضل کی موجودگی میں مصلحتاً جائز ہے پس خلافت خلفائے ثلاثہ رضہ کی مصلحتاً جائز ہے۔

۱۳ جارودیہ: اس فرقے کا بانی ابوالجارود ہوا ہے اس کا عقیدہ تھا کہ حضرت علیؓ خلیفہ برحق ہیں ان کے بعد حسن رضہ، ان کے بعد حسین رضہ پھر زین العابدین ع پھر زید بن علی ع پھر محمد بن عبداللہ بن حسن ع جو نفس ذکیہ کے نام سے مشہور ہوئے امام ابوحنیفہ نے بھی ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اس وجہ سے خلیفہ منصور عباسی کے مغلوب ہو کر قید ہوئے اور آپ کو کوڑے لگائے گئے اور آپ جیل میں ہی مر گئے۔ (تاریخ الخلفاء سیوطی کتاب الملل والنحل ص۲۷۲)

مگر تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ حضرت ابوحنیفہ رح نے محمد کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی۔ امام ابوحنیفہ رح کی ذات پر بہت بڑا بہتان ہے۔

۱۴- سلیمانیہ: اس فرقہ کا بانی سلیمان بن کثیر ہوا ہے یہ شخص شیخین کی خلافت کو صرف اجتہادی غلطی سمجھتا تھا۔ مگر حضرت عثمانؓ ام المومنین عائشہ رضہ طلحہ رضہ اور زبیر رضہ کو کافر کہتا تھا۔ (معاذ اللہ)

سلیمانیہ کی ایک شاخ تبریہ کہلائی۔ انہوں نے حضرت عثمان رضہ کے بارے میں توقف کیا۔ ان میں سے بعض اصولی ہیں اعتزال کی طرف رغبت رکھتے تھے اور بعض نے فروع میں ابوحنیفہ کی تقلید کی۔ چونکہ بقول ان کے امام ابوحنیفہؒ محمد نفس زکیہ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے۔ اسی فرقہ کی ایک شاخ نعیم بن الیمان کے نام پر نعیمیہ کہلائی۔ باقی عقائد میں یہ سلیمانیہ اور تبریہ کے ہمنوا ہیں۔ مگر حضرت عثمان رضہ کے کفر کے قائل ہیں۔

۱۵- یعقوبیہ: یعقوب نامی ایک شخص کے پیرو تھے ان میں سے بعض شیخین کی خلافت کے قائل ہیں۔ بعض مسئلہ رجعت کے منکر ہیں اور بعض قائل۔ اور بعض شیخین کے بھی منکر ہیں۔

۱۶- اس فرقہ کا عقیدہ ہے کہ موسیٰ بن جعفر امام برحق ہیں۔ ان کے بعد محمد بن حنفیہ امام حق ہوئے[1] (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۱۷- عمریہ کسی عمیر نامی شخص کی امامت کے تا خروج امام مہدی قائل ہیں۔

۱۸- محمدیہ یہ بھی محمد بن عبداللہ بن حسن کی امامت کے قائل ہیں اور کہتے ہیں آپ نے منصور عباسی کی طرف امامت لوٹا دی۔

۱۹- حسینیہ: ابی منصور کی وصیت کے مطابق حسین بن ابی منصور کی امامت کے قائل ہیں۔

۲۰- ناؤسیہ: ناؤس بصری اس عقیدہ کا بانی ہوا ہے اس کا عقیدہ تھا کہ امام جعفر صادق اب تک زندہ ہیں وہ اس وقت غائب ہیں اور دوبارہ امام مہدی کے نام سے ظہور کریں گے۔

۲۱- قرامطیہ: ان کا پیشوا مبارک نامی کوئی شخص ہوا ہے۔ جعفر صادق تک سب خلیفہ برحق تھے۔ جعفر نے تمام حقوق محمد بن اسماعیل کے حوالے کیے وہ اس وقت غائب ہیں اور آخری زمانہ میں وہی امام مہدی کے نام سے ظاہر ہوں گے۔

۲۲- مبارکیہ محمد بن اسماعیل کی امامت اور ان کے بعد ان کی اولاد کی امامت کے قائل ہیں۔

۲۳- شمطیہ: یحییٰ بن ابوشمیط اس فرقہ کا بانی ہوا ہے یہ کہتے ہیں امام جعفر صادق کے بعد امام محمد امام ہوئے اور امامت آج تک ان کی اولاد میں موجود ہے۔

۲۴- عماریہ: یہ لوگ کسی بڑے لمبے چوڑے پاؤں والے عبداللہ بن جعفر کے پیرو ہیں ان کا عقیدہ ہے امام جعفر صادق کے بعد امامت ان کے بیٹے عبداللہ کو ملی۔

۲۵- مخطوریہ امام جعفر صادق کے بعد ان کے فرزند موسیٰ کی امامت کے قائل ہیں اور ان کی موت پر توقف کرتے ہیں۔

---

[1] (حاشیہ صفحہ گذشتہ) نہ معلوم یہ محمد بن الحنفیہ کون تھے اگر ان سے مراد علی رضہ کے بیٹے سے ہے تو وہ بہت فاضل اور متقی قسم کے آدمی تھے جن کے امیر یزید رح سے گہرے مراسم تھے اور متعدد روایات میں امیر یزید رح کی پرہیزگاری کے متعلق ان کے چشم دید واقعات درج ہیں۔

۲۶- امامیہ کسی محمد بن حسین کو امام برحق مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ انتظار کیا گیا ہے۔ بعد میں ظہور کرے گا۔ اور زمین کو عدل سے بھر دے گا۔

۲۷- امامیہ اثنا عشریہ: یہ بارہ اماموں کے قائل ہیں۔

۲۸- کسانیہ: اس فرقہ کا بانی حضرت علی رض کا غلام نومسلم مجوسی کیسان تھا اس کے پیرو محمد بن حنفیہ کی شان میں بہت مبالغہ کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ آپ تمام علوم ظاہری و باطنی نیز تمام اسرار اور علوم آفاق کے رازدان تھے ان میں سے بعض تناسخ، حلول اور رجعت کے قائل ہیں۔

اقول: ان لوگوں نے آگے چل کر تاریخ اسلام میں قرامطیوں۔ باطنیوں۔ نزاریوں اور مستعلیوں کی طرح بڑے بڑے فتنے پیدا کیے چنانچہ پروفیسر رائن ہارٹ ڈوزی کسان کے متعلق لکھتا ہے کہ:-

اس کا عقیدہ تھا کہ بلا عذر اطاعت اور لاکلام حکمبرداری ایک ایسے آدمی کی کی جائے جو خدا بھی۔ یہ عقیدہ، اُمت زردشت کا تھا۔ اور کیسان چونکہ ایک زبردست نومسلم مجوسیوں کے گروہ کا سرغنہ تھا اس لیے عرب کے ان پڑھ نومسلموں میں اس خیال کو پختہ کرتے میں ان لوگوں کو دیر نہ لگی پھر علی رض اور معاویہ رض کی چپقلش نے بڑے بڑے جلیل القدر مسلمانوں کے اذہان کو پریشان کر کے رکھ دیا تھا۔ چونکہ ان لوگوں کا حقیقی مقصد صرف اسلام دشمنی تھا اس لیے انہوں نے شیعیت کو ہی اپنی مقصد براری کا ذریعہ بنایا اور من حیث المجموع شیعہ گروہ میں ہی شمار ہونے لگے۔ ان لوگوں نے شام اور اُردن کی سرحد پر جبل اللاذر کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا اس وقت بھی ان لوگوں کی آبادی ایک لاکھ سے کچھ زیادہ ہے یہ لوگ اپنے عقائد کی بنا پر ہمیشہ دمشق کے جو اہل سنت کی قوت کا مرکز ہے، مخالف رہے ہیں شام میں ہونے والی تخریبی کاروائیوں میں ہمیشہ ان کا ہاتھ رہا فرانسیسی استعمار نے انہیں استعمال کیا۔ اُردن کے برطانوی انقلاب نے ان سے کام لیا شام کی پہلی آزاد قومی حکومت کا تختہ الٹنے میں بھی لوگ حسنی الزعیم کا دست و بازو تھے۔ بعث پارٹی کی ریڑھ کی ہڈی بھی یہی ہیں فرانسیسی استعمار نے جو شامی فوج بنائی اس میں انہیں کی اکثریت تھی۔ بعد ازاں

اس فوج میں جب بھی اضافہ ہوا۔ انہوں نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا آج تمام عالم اسلام میں شام کے آئے دن کے انقلابات پر مسلمان حیران ہیں مگر یہ کسی کو معلوم نہیں کہ ان انقلابات کے پیچھے کون سے جذبات کارفرما ہیں شام میں کیسانی شیعوں کے علاوہ باطنیوں کی بھی اکثریت ہے یہ باطنی آجکل حموی نصیری اور علوی کہلاتے ہیں۔ دروزیوں کے بعد یہی نصیری بعث پارٹی کا مضبوط عنصر ہیں اور آجکل تو یہی لوگ برسراقتدار ہیں۔ اکرام حورانی مصطفےٰ ممدون کرنل ابو عساف۔ میجر عبد الجواد سبھی کیسانی اور نصیری ہیں۔ ان لوگوں نے محض اسلام دشمنی کی بنا پر بعث پارٹی کا ساتھ دیا۔ شام میں چونکہ علوی اکثریت اہلسنت ہے۔ اس لیے یہ لوگ باربار پٹتے تھے مگر پھر سر نکال کر میدان میں آجاتے ہیں ان لوگوں نے ایک عیسائی مشعل عفلق کے جھنڈے تلے جمع ہو کر اس کی بعث پارٹی کو تقویت پہنچا کر اخوانوں کی طاقت کو ملیامیٹ کر کے رکھ دیا ہے یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ شام میں کوئی پائیدار حکومت قائم نہیں ہو سکی عقائد کے لحاظ سے چونکہ کُردھی اہل سنت نہیں بلکہ انہی کے ہم خیال ہیں اس لیے کفر ملت واحدہ کے مصداق وہ بھی ضرورت کے وقت ان کا ساتھ دے کر مرکز کو کمزور رکھنے میں ہی اپنی بہتری سمجھتے ہیں۔ لبنان کی خانہ جنگی اور شام کی فلسطینی مجاہدین کے خلاف جنگ، سب انہیں لوگوں کا فعل ہے۔

آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا؟

۲۹- تجسیمہ: انہیں تشبیہ بھی کہتے ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ دوازدہ ائمہ اور حضرت فاطمہ رض معصوم عن الخطا ہیں اور یہ مافوق البشر ہیں اور متصف و مظہر بصفات الٰہیہ ہیں۔ ان کے مافوق البشر عقیدہ میں کسی حد تک بعض سنی بھی ان کے ہمنوا ہیں اور اثنا عشری بھی یہ بعینہ وہی اصطلاح ہے جسے انگریزی میں (ANTHESPoMOSPNiSM) کہتے ہیں۔ (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد ۴ ص ۳۵۸)

سید عبد القادر جیلانی کے بعد امام حافظ جمال الدین ابو الفرج عبد الرحمٰن ابن الجوزی البغدادی حنبلی متولد ۵۰۸ھ متوفی ۵۹۷ھ نے اپنی مشہور تالیف

تلبیس ابلیس میں جہاں احناف کے "تصور پیری" میں گرفتار عالموں عابدوں زاہدوں اور صوفیوں کی من گھڑت اور مفروضہ کرامات کا پول فاش کیا ہے وہاں مذہب شیعہ کے مختلف فرقوں کے عقائد و اعمال پر بھی بحث کی ہے۔ فرقہ رافضیہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس کی بارہ شاخیں ہیں۔

۳۰۔ علویہ: جن کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبرئیلؑ کو علیؓ کی طرف بھیجا تھا مگر وہ غلطی سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلا گیا۔ جس طرح یہودی کہتے ہیں کہ جبرئیل نے ہماری دشمنی سے نبوت بنی اسرائیل کی بجائے بنو اسماعیل کی اولاد میں محمدؐ کو دے دی یہ لوگ کافر ہیں۔

۳۱۔ امریہ: ان کا عقیدہ ہے کہ محمدؐ کے ساتھ نبوت میں علیؓ بھی شریک ہیں۔ یہ لوگ بھی کافر ہیں۔

۳۲۔ شیعیہ:۔ اسی فرقہ کے نام پر بعد میں تمام گروہ پکارے جانے لگے یہ لوگ کہتے ہیں کہ علیؓ عثمانؓ سے افضل ہیں ان کو خلافت سب سے بعد میں اس لیے ملی کہ خلافت کا خاتمہ علیؓ پر ہو اور بعد میں قیامت تک علیؓ کی اولاد میں رہے۔

۳۳۔ اسحاقیہ: کہتے ہیں کہ نبوت تا قیامت جاری رہے گی اور جو کوئی اہل بیت کا علم جانے وہ نبی ہوتا رہے گا۔

۳۴۔ ناؤسیہ:۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ علیؓ سب سے افضل ہیں کسی دوسرے صحابی کو فضیلت دینے والا کافر ہے۔

۳۵۔ امامیہ: یہ کہتے ہیں کہ دنیا کبھی امامت سے خالی نہیں رہتی اور وہ امام حسینؓ کی اولاد سے ہوگا اور جبرئیل اسے تعلیم کرتے رہیں گے۔ اس زمانہ میں جو لوگ امامیہ کہلاتے ہیں ناؤسیہ اور رافضیہ کا مرکب ہیں۔

۳۶۔ زیدیہ: ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ غیر حسینی کے پیچھے نماز جائز نہیں حسینی خواہ کسی فعل کا مرتکب ہو نماز صرف اسی کے پیچھے جائز ہے۔

۳۷۔ عباسیہ: یہ لوگ عباسؓ بن عبدالمطلب اور ان کی اولاد کو خلافت کا حقدار سمجھتے ہیں۔

۳۸۔ متناسخہ: یہ ہندوؤں کی طرح تناسخ کے قائل ہیں۔

۳۹۔ رجعیہ: یہ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت علیؓ اور ان کے اصحاب دوبارہ دنیا میں آئیں گے اور اپنے دشمنوں سے بدلہ لیں گے۔

۴۰۔ لاعنیہ: یہ لوگ عثمانؓ۔ طلحہؓ۔ زبیرؓ۔ معاویہؓ۔ ابوموسیٰ اشعریؓ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ پر لعنت بھیجتے ہیں۔ (نعوذ باللہ)

۴۱۔ متربصہ: ہر وقت ایک شخص کو صاحب الامر مانتے ہیں وہ مرے تو دوسرے کو مقرر کر لیتے ہیں۔

اس کے بعد امام موصوف فرقہ باطنیہ کی شاخیں گنواتے ہیں۔ ان کے عقیدے کی بنیاد اس بات کو قرار دیتے ہیں کہ قرآن و حدیث کے ظاہر کی طرح باطن معنی بھی ہیں جس نے ظاہری معنوں پر عمل کیا وہ ظاہری شرح کی تکلفات ساقط ہو جاتی ہیں اس کے ثبوت میں وَیَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ اور رسول ان سے بوجھ اور قیدیں اتارتا ہے۔ پیش کرتے ہیں۔

۴۲۔ اسماعیلیہ: یہ امامت کو محمد بن اسماعیل بن جعفر پر ختم کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ شخص ساتواں ہے آسمان بھی سات زمینیں بھی سات دن بھی سات اور امامت کا دورہ بھی سات پر ختم۔ ابو جعفر طبری نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے کہ علی بن محمد نے اپنے باپ سے روایت کی کہ راوندیہ میں ان کے پاس ایک شخص آیا اور زعم کیا کہ تو ہی وہ روح ہے جو عیسیٰ سے متعلق ہوئی۔ وہ شخص مبروص تھا۔ اس کے بعد یہ شخص اپنے علاقہ میں لوٹ گیا اور کہنے لگا کہ جو روح عیسیٰ بن مریم میں تھی وہ اس کے بعد علی بن ابی طالبؓ میں آئی اور پھر یکے بعد دیگرے اماموں میں۔ یہاں تک کہ ابراہیم بن محمد میں پہنچی انہوں نے محرمات کو بھی حلال قرار دیا۔ یہ خبر اسد بن عبداللہ کو پہنچی اور اس نے سب کو سولی پر لٹکا دیا۔

۴۳۔ سبعیہ: یہ بھی امامت کو سات پر ختم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عالم ارضی کی تدبیر زحل۔ مشتری۔ مریخ۔ آفتاب۔ زہرہ۔ عطارد اور قمر کے حوالے سے ہے۔

اقول:۔ آج پیروں کا جو گروہ کتابوں سے قابیں نکالتا اور لوگوں کو ان کے

ستارے بناکر ان کی قیمتیں بتاتا اور غیب بکتا ہے اس نے یہ تصور سبعیہ سے ہی اخذ کیا ہے۔

۴۴۔ بابکیہ: ان لوگوں کا روحانی باپ وہی بابک خرمی ہے جو ۲۰۱ ھ میں آذربائیجان میں نمودار ہوا۔ اس نے محرمات کو حلال کیا۔ جبرًا لوگوں کی خوبصورت لڑکیوں اور عورتوں کو چھین لیتا تھا اس نے اڑھائی لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کو قتل کیا معتصم عباسی کے حکم سے افشین نے ۲۲۳ھ میں اسے گرفتار کر کے دربار میں پیش کیا اس کے بالترتیب ہاتھ پاؤں کاٹے گئے اور آخر میں قتل کیا گیا مگر اس نے اُف تک نہ کی۔

۴۵۔ محمرہ: یہ سُرخ رنگ کے کپڑے پہنتے تھے اور بابک کے پیروکار تھے۔

۴۶۔ قرامطہ: ابتداء میں باطنیہ کا داعی تھا۔ ظاہر میں بڑا زاہد اور عابد تھا۔ کسی دوسرے مقام پر اس کے حالات تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں ان میں سے ہی ابوسعید قرمطی ۲۸۶ھ میں ظاہر ہوا اس نے بے شمار مسلمانوں کو قتل کیا بے شمار مسجدیں منہدم کیں۔ ہزاروں قرآن مجید جلائے اس کا بیٹا ابوطاہر حجر اسود اکھیڑ اپنے دارالحکومت میں لے گیا تھا۔

۴۷۔ خرمیہ: یہ لوگ حقیقتاً مجوسی مزدکیہ فرقہ سے تعلق رکھتے تھے اور تقیہ کر کے مسلمانوں میں شامل ہو گئے تھے۔ انہوں نے ہر قسم کے فواحش کو جائز قرار دیا۔ اور دنیا کی سب عورتیں ہر شخص کے لیے مباح قرار دیں۔

۴۸۔ تعلیمیہ: یہ کہتے کہ عقل کو بالائے طاق رکھ دیجئے جو کچھ امام معصوم کہے اس پر عمل کرو۔ اور علم بغیر امام کی تعلیم کے حاصل نہیں۔

۴۹۔ باطنیہ: ان کی تفصیل آگے چل کر بیان ہوگی۔

یہ لوگ بھی منہ سے اسلام کا دعوٰی کرتے ہیں مگر دوسرے شیعوں کی طرح ان کے عقائد و اعمال بھی اسلام کے مخالف ہیں ان کے عقائد ایک عجیب چیستیاں اور بھول بھلیاں کی دنیا اپنے اندر رکھتے ہیں۔ کہتے ہیں جو سابق ہے اس کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ وجود ہے یا عدم ہے موجود ہے یا معدوم ہے، مجہول ہے یا معلوم ہے موصوف ہے یا غیر موصوف اور اسی سابق سے دوسرا

کلیہ پیدا ہوا۔ کہ اوّل موجود ہے پھر نفس کلیہ کا وجود ہوا۔ اس سے نبوت پیدا ہوا جس پر خدائے اوّل سے قوت قدسیہ فائض ہوئی اس قوت قدسیہ کا نام جبرئیل ہے علی محمد باب اور بہاء اللہ اسی عقیدہ کی پیداوار ہیں۔ (تفصیل اپنے مقام پر آئے گی) اور کہتے ہیں کہ نبی کی طرح ہر زمانے میں ایک امام معصوم ہوتا ہے۔ ابن عقیل نے کہا کہ اسلام میں باطنیہ اور ظاہر یہ دو فرقوں نے خرابی پیدا کی چنانچہ فرقہ باطنیہ نے اسلام کا نام رکھ کر شرع کو متروک کیا اور بزعم خویش اپنی باطنی مگر باطل اور بے ربط تقریروں سے جہلا کو ورغلایا یہاں تک کہ ان اسلام دشمنوں نے شریعت کی کوئی چیز باقی نہ رہنے دی۔

مشتے نمونہ از خروارے ان کے عقائد ملاحظہ ہوں۔

کعبہ نبی ہیں اور باب علی رض ہیں۔ جنابت جس سے غسل لازم آتا ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ قبول کرنے والا بھید ظاہر کرے۔ غسل سے مراد از سر نو توبہ کرنے کے ہیں۔ زنا کے معنی یہ ہیں کہ علم باطن کا نطفہ ایسے شخص کے پیٹ میں ڈالے جس سے سابق میں عہد لیا گیا ہو۔

روزہ کے معنی بھید کھولنے سے جی کو روک رکھنے کے ہیں۔ طوفان سے مراد طوفان علم ہے، نارِ ابراہیم سے مراد نمرود کے غصہ کی آگ تھی۔ اسحاق کو ذبح کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس سے جدید عہد لیا گیا (حضرت اسحاق ذبیح اللہ نہیں بلکہ اسماعیل ذبیح اللہ ہیں یہودیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی سے حضرت اسحاق کو ذبیح اللہ قرار دیا اور یہود مجوس کے گٹھ جوڑ نے باطنیوں میں یہ عقیدہ راسخ کیا۔ (للمؤلف)

عصائے موسٰی سے مراد موسٰی کی دلیل اور حجت کے ہیں۔

(منکرین حدیث کا وہ گروہ جو معجزات کا منکر ہے اس نے معجزات کے انکار کا سبق باطنیوں سے ہی حاصل کیا ہے۔

۵۰۔ ظاہریہ: فرقہ ظاہریہ نے ہر امر میں ظاہر کو ہی ملحوظ رکھا اسلئے صفات میں بھی انہوں نے وہ معنی لیے جو حواس سے ان کی سمجھ میں آئے۔

امام موصوف آگے چل کر لکھتے ہیں کہ باطنیہ کے فساد کی چنگاری ۴۹۴ھ میں بھڑکی تو سلطان برکیارق نے ان میں سے بہت سے لوگوں کو قتل کیا اور ان کے اموال لوٹ لیے۔

پھر سلطان جلال الدولہ ملک شاہ کے زمانے میں ان لوگوں کا حال کھلا۔ انہوں نے ساوہ میں عید کی نماز پڑھی اور ایک مؤذن کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی اس نے انکار کیا تو یہ لوگ ڈرے کہ کہیں ہمارا راز فاش نہ ہو جائے اس خوف سے اسے قتل کر دیا یہ خبر نظام الملک وزیر کو پہنچی چنانچہ اس نے تلاش جستجو سے ان لوگوں کو پکڑ پکڑ قتل کرنا شروع کیا آخر وہ خود ایک باطنی کے ہاتھ سے شہید ہو گیا۔ آگے چل کر قرامطہ اور باطنیہ فرقے کے لوگ حسن بن صباح کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے الغرض بہت سے زندیق جن کے دل میں اسلام دشمنی تھی وہ اس قسم میں داخل ہو گئے۔ انہیں لوگوں میں ابن الراوندی مصنف دامغ اور ابوالعلا معری مشہور عربی شاعر ہوا ہے جو معز والدولہ رافضی کا مداح تھا۔ اس کے اشعار میں کھلا ہوا الحاد ہے۔ یہ شخص نابینا تھا تمام عمر شادی نہ کی نہ گوشت کھایا نہایت بدشکل تھا۔ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ دشمنی میں مبالغہ کرتا تھا ہر وقت خائف رہتا تھا کہ قتل نہ کیا جاؤں آخر ۴۴۹ھ میں مر گیا۔

اس کی تصانیف الزوم مالایلزم وسقط الزند۔ ضوء السقط الایک (رع عزیزی) ذکری حبیب جو ابو تمام کے دیوان کی شرح ہے و انتخاب متنبی کے انتخاب میں اس کا الحاد ہر مقام پر جھلکتا بلکہ ٹپکتا نظر آتا ہے۔

۵۱۔ راوندیہ: یہ فرقہ بھی شیعوں میں شمار ہوتا ہے۔ یہ دراصل ایران اور خراسان کے جاہل لوگوں کا گروہ تھا۔ جو علاقہ راوند میں رہتا تھا اور اسے

لہ نزاریوں، دروزیوں، اسماعیلیوں، طیبیوں اور بوہروں کا چونکہ فاطمین مصر سے تعلق ہے اس لیے ان کے تفصیلی حالات خلافت فاطمین مصر کے ضمن میں دیکھیے۔

ابومسلم خراسانی نے اپنے ساتھ شامل کر لیا تھا۔ ابومسلم کو یا اس کی جماعت کو اسلام سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ابومسلم نے مامون کا ساتھ محض اس لیے دیا تھا کہ وہ اس آڑ میں مسلمانوں کا قتل عام آسانی سے کر سکے۔ راوندیہ تناسخ اور حلول کے قائل تھے اور کہتے تھے کہ خدائے تعالیٰ نے منصور میں حلول کیا ہے منصور کو خدا سمجھ کر اس کی زیارت کرتے تھے اور اس کے درشن کو عبادت جانتے تھے۔ ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ آدم کی روح نے عثمان بن نہیک اور جبرئیل نے ہیثم بن معاویہ میں حلول کیا ہے۔ منصور نے ان کے چند لوگوں کو قید کر دیا مگر باقیوں نے حملہ کر کے سب کو آزاد کرا لیا اور محل شاہی پر حملہ کر دیا۔ منصور ان کا خدا اور وہ خدا کے پجاری مگر اسی کے خلاف لڑ رہے ہیں قریب تھا کہ یہ لوگ عباسی حکومت کو ختم کر دیتے مگر عین وقت پر محمد بن زیدہ نے حالات کو سنبھال کر عباسی سلطنت کو بچا لیا۔

شیعوں کے فرقوں پر تبصرہ

مجھے اس باب میں اپنی علمی بے بضاعتی کا بھرپور اعتراف ہے کہ میں شیعہ مذہب کے فرقوں کا احتساب نہیں کر سکا، یزیدی۔ دروزی۔ نصیری۔ نزاری۔ طیبی اور ان کے علاوہ اور کئی فرقوں کے نام کتابوں میں مذکور ہیں ان سے ضمناً بعض کا ذکر اس کتاب میں آیا ہے اور بعض بالکل آنکھوں سے اوجھل رہے ہیں۔

ان لوگوں کے عقائد میں بظاہر بعد المشرقین ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کو انسانی شکل میں ماننے والے۔
۲۔ ہنود کی طرح تناسخ کے قائل۔
۳۔ عیسائیوں کی طرح منصور کو خدا کا بیٹا کہنے والے۔
۴۔ محمد بن عبداللہ بن حسن کو زندہ جاوید ماننے والے۔
۵۔ امام برحق کا کلیہ قائم کر کے اسے پیغمبر کہنے والے۔
۶۔ ترکِ نماز سے کوئی گناہ نہیں کے قائل۔
۷۔ حضرت جعفر (الصادق) کو خدا ماننے والے۔

۸- تمام مفروضہ ائمہ کو الٰہ ماننے والے۔

۹- حضرت علی رضؓ کو جزو خدا کہنے والے۔

۱۰- امام جعفر کو زندہ جاوید سمجھنے والے۔ حلول اور رجعت کے قائل۔

۱۱- چہاردہ معصوم کی اصطلاح کے قائل۔

۱۲- نبوت علی رضؓ کا حق تھا مگر جبرئیل بھول کر نبوت محمدؐ کے حوالے کر گیا۔ پر ایمان رکھنے والے۔

۱۳- علی رضؓ کو نبوت میں شریک جاننے والے۔

۱۴- "اہل بیت کا علم جاننے والا نبی ہو سکتا ہے" کے قائل۔

۱۵- قرآن کو ستر گز لمبا کہنے والے۔ قرآن کے چالیس پاروں کے قائل قرآن کی سات ہزار سے زائد آیتیں ماننے والے "اصل قرآن علی رضؓ نے پوشیدہ کر دیا تھا" کے قائل۔

۱۶- حضرت ابوبکر رضؓ عمر رضؓ عثمان رضؓ عائشہ رضؓ، طلحہ رضؓ۔ زبیر رضؓ۔ معاویہ رضؓ اور ابوموسیٰ رضؓ پر لعنت کرنے والے۔

۱۷- انہیں صرف خطاکار کہنے والے۔

۱۸- محرمات کو حلال کہنے والے۔

۱۹- سب عورتوں کو ہر شخص کے لیے مباح قرار دینے والے۔

۲۰- اسی دنیا کو دوزخ اور جنت سمجھنے والے۔

۲۱- شراب اور زنا کو حلال جاننے والے۔

۲۲- نبی۔ عباس رضؓ۔ علی رضؓ۔ جعفر رضؓ اور عقیل رضؓ کی امامت کے علاوہ کسی اور کی امامت کے قائل کو کافر کہنے والے۔

۲۳- فاضل کی موجودگی میں مفضول کی امامت کے قائل۔

۲۴- تو محمد بن عبداللہ بن حسن المعروف نفس ذکیہ کا حق سمجھ کر امامت کو آپ پر ختم جاننے والے۔

۲۵- ابوبکر رضؓ اور عمر رضؓ کو اجتہادی غلطی کا مرتکب جاننے اور باقی سب کو کافر کہنے والے۔

۲۶- منصور عباسی کی طرف امامت لوٹائے جانے کے قائل۔

۲۷- جعفر (الصادق) کے بعد امام محمد کی امامت کے قائل۔

۲۸- جعفر صادق کے بعد عبداللہ کی امامت کے قائل۔

۲۹- اسماعیل کو امام برحق ماننے والے۔ دوازدہ آئمہ کے قائل۔

۳۰- امام مہدی کی پوشیدگی پر ایمان رکھنے والے۔

۳۱- اصحاب ثلاثہ کو علی منہاج الخلافۃ صحابی سمجھنے والے اور ان پر تبرا کرنے والے۔

۳۲- ابن زیاد شمر اور ابن سعد کو شیعہ ماننے والے

۳۳- مختار کو امیر مختار کو رضی اللہ تعالیٰ کہنے والے اور اسے زمانہ کا مکارترین فریب کا خطاب دینے والے۔

۳۴- اذان میں حَیَّ عَلٰی خَیْرِ العَمَل اور علیٌّ ولی اللہ وصی رسول اللہ کے قائل۔ اور ان کلمات کے منکر۔

۳۵- منصور، ہارون۔ مامون عباسی کو شیعہ سمجھنے والے اور انہیں کافر، فاسق اور فاجر کہنے والے۔

۳۶- یزید کو فاطمیوں اور علویوں کا محسن سمجھنے والے اور اس کا نام گالی کے طور پر لینے والے۔

۳۷- ماتم اور تعزیہ کو شعائر اللہ ماننے والے اور۔ ان مراسم کو بُت پرستانہ اور مشرکانہ فعل کہنے والے سب کے سب شیعہ ہیں۔ عقائد میں کیا اور اعمال میں کیا، شیعیت دراصل ایک چیستان ہے ایک بھول بھلیاں ہے ایک گورکھ دھندا ہے۔ ایک پہیلی ہے ایک اغلوطہ ہے ایک معمّہ ہے۔ سمجھنے کا اور نہ سمجھانے کا۔

پانچواں باب

مزعومہ آئمہ کی موجودگی میں خروج کرنے والے علوی

شیعیت میں دوازدہ آئمہ کو معصوم اور ماموربن اللہ قرار دیا گیا ہے۔ امام نصوص کے بغیر جہاد قلمی اور سیفی دونوں حرام ہیں۔ چنانچہ مجلسی نے بحار الانوار میں احادیث رسول و آئمہ اس کے متعلق نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مباحثہ کرنا انبیاء و آئمہ کے سوا اس لیے دوسروں کا کام نہیں بلکہ ناجائز و حرام ہے کہ وہ حجت منصوب من اللہ کو پہنچانتے نہیں نہ یہ ضعیف شیعوں یا اہل باطل کے حق میں فتنہ ہونے سے بچ سکتے ہیں اور اس لیے بھی ناجائز ہے کہ جہاد بالقلم سے اظہار دین ہوتا ہے۔ حالانکہ شیعوں کے ہاں اظہار دین کی ممانعت اور اخفائے دین کا حکم ہے جیسا کہ اصول کافی میں امام جعفر صادق کی یہ حدیث ہے۔

انکم علی دین من کتمہ اعزہ اللہ ومن اذاعہ اذلہ اللہ (ص۴۸۵)

"بے شک تم ایک ایسے دین پر جس نے اسے پوشیدہ رکھا اللہ نے اسے عزت دی اور جس نے اسے ظاہر کیا اللہ نے اسے ذلیل کیا۔"[1]

---

[1] اس کا فیصلہ شیعہ مولوی خود کرلیں کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں صحیح کر رہے ہیں یا غلط کر رہے ہیں ہو سکتا ہے یہ کہتے وقت امام نے اس بات کے اہتر پہلو پوشیدہ رکھ لیے ہوں جونکہ امام جعفر علیہ السلام فرماتے ہیں لا تکلم علی سبعین وجہا فی کلھا المخرج وعن ابی بصیر قال سمعت ابا عبد اللہ علیہ السلام یقول انی لا تکلم بالکلمۃ الواحدۃ لھا سبعون وجہا ان اخذت کذا وان شئت اخذت کذا (بحوالہ اساس الاصول مؤلفہ مولوی دیدار علی مجتہد ص۶۵)

امام جعفر علیہ السلام فرماتے ہیں بیشک میں ستر پہلو رکھ کر بات کرتا ہے ہر پہلو سے نکل جانے کا موقع رہتا ہے ابو بصیر سے بھی روایت ہے کہ میں نے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

زیرنظر سطور میں ان علوی خروج کرنے والوں کی فہرست ہے جنہوں نے آئمہ وقت کی موجودگی میں ان کی اجازت کے بغیر خروج کیے اور صرف خروج ہی نہیں بلکہ وہ بدکرداریاں کیں کہ شیطان بھی ان کی بد افعالیوں سے پناہ مانگتا ہوا بھاگ نکلا ہوگا۔

امام ششم جعفر صادق) پیدائش ۸۲/۸۶ وفات ۱۴۸ھ	زید بن علی نے ۱۳۲ھ میں کوفہ میں خروج کیا	بزمانہ ہشام بن عبدالملک اموی
	محمد الارقط ۱۴۵ھ مدینہ میں ابراہیم بن عبداللہ ۔ بصرہ میں	بزمانہ ابوجعفر منصور عباسی ″
امام ہشتم موسیٰ رضا پیدائش ۱۸۲ وفات ۲۰۳ھ	محمد بن علی ۱۶۴ھ خراسان میں	محمد مہدی عباسی کے زمانے میں
	حسین بن علی، فاضل بن علی ۱۶۹ھ مدینہ میں	موسیٰ الہادی کے زمانہ میں
	ادریس الاصغر ۱۷۶ افریقہ میں یحییٰ بن عبداللہ ۱۷۶ھ دیلم میں	ہارون الرشید کے زمانہ میں
	محمد سلیمان ۱۹۰ھ مدینہ ۔ محمد بن ابراہیم طباطبا ۱۹۹ کوفہ محمد الاکبر بن جعفر ۱۹۹ کوفہ حسین الافطس ۱۹۹ مکہ میں ۔ علی ابن حسین الافطس محمد بن جعفر صادق علی بن جعفر صادق ۱۹۹ مکہ میں بن موسیٰ کاظم ۱۹۹ بصرہ میں عبیداللہ بن جعفر ۲۰۰ھ فارس میں صغر بن ابراہیم ۲۰۲ یمن میں	مامون الرشید کے زمانہ میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) امام جعفر سے سنا کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں جب کوئی کلام کرتا ہوں تو اس میں ستر پہلو رکھ لیتا ہوں۔ چاہوں تو اس پہلو کو اختیار کروں اور جب چاہوں اس پہلو کو لے لوں یہ کلام ہے ممنوع التقیہ امام کا۔

امام نہم محمد تقی پیدائش ۱۹۵ وفات ۲۲۰ھ	عبدالرحمان بن احمد ۲۰۷ھ یمن	مامون الرشید
	محمد بن قاسم ۲۱۹ طالقان میں	المعتصم باللہ
امام دہم علی نقی پیدائش ۲۱۲ وفات ۲۵۴ھ	محمد بن صالح ۲۳۲ حجاز۔ یحییٰ بن عمر ۲۳۵ بصرہ میں	المتوکل
	ابی الحسین یحییٰ کوفہ حسین بن زید ۲۵۰ دیلم محمد بن زید ۲۵۰ھ طبرستان محمد بن جعفر ۲۵۰ فارس احمد بن عیسیٰ ۲۵۰ رے ادریس بن موسیٰ ۲۵ رے عبداللہ بن اسماعیل ۲۵۰ زنجان۔ حسین کوکبی ۲۵۱ قزوین ابراہیم بن محمد ۲۵۱ قزوین۔ حسین الحزون ۲۵۱ کوفہ ابو احمد ۲۵۱ کوفہ اسماعیل بن یوسف ۲۵۱ مکہ الاصغر محمد ۲۵۲ یمامہ عبداللہ بن احمد ۲۵۲ مکہ	المستعین باللہ
امام یازدہم حسن عسکری	محمد الاکبر بن موسیٰ ۲۵۴ مدینہ	المہتدی باللہ
پیدائش ۲۳۱ وفات ۲۶۰	عیسیٰ بن جعفر ۲۵۵ کوفہ۔ محمد بن حسن ۲۵۶ مدینہ ابراہیم بن محمد ۲۵۶ مصر	المعتمد علی اللہ

نقشہ مندرجہ صدر کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ مزعومہ آئمہ کے زمانہ میں تقریباً چالیس علویوں نے خروج کیا اور بارہ خلفائے اسلام کی خلافت میں یہ خروج ہوئے۔ اگر ان لوگوں نے اپنی مرضی سے خروج کیے تو یہ لوگ آئمہ کے نافرمان اور باغی تھے اور اگر ائمہ کی مرضی سے خروج کیے تو آئمہ نے خود ان کا

ساتھ کیوں نہ دیا۔ اگر وہ خود پس منظر میں رہ کر مسلمانوں کو مسلمانوں کے خلاف لڑاتے تھے تو یہ کون سی نص تھی۔ کیا یہ منافقت نہ تھی؟ اور پھر اس بات کو بھی پیش نظر رکھیئے کہ ان آئمہ کے ساتھ خلفائے وقت نے کون سا بُرا سلوک کیا۔ اگر کہا جائے کہ خلفائے وقت ان آئمہ کو درپردہ تکلیفیں پہنچاتے رہے تو اس سے بڑا جھوٹ دنیا میں آج تک نہیں بولا گیا۔ یہ خلفائے اسلام وہ جلیل القدر فرمان روا تھے اور ایسی سطوت وشوکت کے مالک تھے جو قیصر رومی تک کو کُتے کے نام سے مخاطب کرنے میں باک نہیں سمجھتے تھے پھر اپنے ملک کے چند سرپھرے باغیوں سے انہیں کیا خوف ہو سکتا تھا۔ کہ انہیں درپردہ تو تکلیفیں پہنچاتے رہے اور ظاہراً ان کی خدمت کرتے رہے۔

صرف علوی ہی کیوں باربار خروج کرتے رہے:

اس سوال کا جواب صرف ارباب بصیرت کی سمجھ میں ہی آسکنے والا ہے اور اسے دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ یہود و مجوس کے گٹھ جوڑ نے جن نظریات وعقائد کا ہیولہ تیار کیا تھا وہ سب مفروضہ اہل بیت کے گرد گھومتا تھا اور وہ ہی لوگ باربار ان سادہ لوح علویوں کو گھیر کر خلافت موقتہ کے خلاف خروج کراتے رہے اور خلفائے وقت کی باربار چشم پوشی، اغماض بلکہ رحم وکرم کے جذبات اور معافیاں انہیں باربار خروج کرنے کی ہمت دلاتی رہیں۔

۲۔ قانون قدرت کی طرف سے ان لوگوں کے باطل نظریات پر ایک تازیانہ ہے جو انہیں صرف اولادِ علی رضؓ ہونے کی وجہ سے واجب التعظیم سمجھتے ہیں کہ تم جن لوگوں کو اہل بیت کے نام سے پکار پکار کر ان کے سامنے بچھے جاتے ہو وہ دین سے کس قدر بیگانہ اور کردار کے لحاظ سے کس قدر گھٹیا تھے اور آج تک ہیں۔

شیعوں کے دوازدہ مزعومہ آئمہ کے متعلق اہل سنت کا عقیدہ! سیدنا علی رضؓ

اور حسین رضؓ کے بعد اہل تشیع کے آٹھ مزعومہ آئمہ ہماری نظروں میں اپنے اپنے وقت کے اہم ترین شخصیتوں کے حامل، عابد و زاہد اور صاحب علم و فضل بزرگ تھے وہ لوگ خلفائے وقت کے وفادار اور جمہور مسلمانوں کے ہمدرد اور تمام مسلمانوں کے قابل تعظیم بزرگ تھے۔ خلفائے وقت انہیں نہایت عزت کی نظر سے دیکھتے تھے یہاں تک کہ حضرت موسیٰ رضا کو امیر المومنین المامون عباسی رحؒ نے تمام عباسیوں کو ناراض کر کے اپنا ولی عہد مقرر کیا۔ سیدنا امام مہدی کے متعلق ہے کہ آخری زمانہ میں پیدا ہوں گے اور اہل سنت والجماعت کے امام ہوں گے۔ اور تمام مسلمان آپ کے مطیع و فرمان ہوں گے۔

خلافت موقتہ

ہمارے سامنے اس وقت ۶۰ھ سے ۳۵۰ھ تک یعنی ۲۹۰ قمری سالوں کی تاریخ ہے یہ عرصہ خلفائے سادات بنو امیہ اور خلفائے سادات بنو عباس کا وہ سنہری زمانہ ہے جس میں ہمیں ملکی فتوحات کے انمٹ کارنامے بھی نظر آتے ہیں اور علوم و فنون کے تخلیقی ذخائر بھی۔ بلکہ یہ کہا جائے کہ تاریخ عالم سے اگر یہ ۲۹۰ سال نکال دیئے جائیں تو اس ربع ارضی کی تاریخ میں تہذیب و تمدن، معاشرت اور انسانی اقدار کا وجود تو درکنار ان کا کہیں سُراغ بھی نہیں ملے گا تو بجا ہے نبی علیہ السلام نے جو دین پیش کیا۔ صحابہ کرام رضؓ نے جس دین کی تبلیغ فرمائی خلفائے راشدین نے جس دین کی خدمت کی، اس دین کی آبیاری اسی دور میں ہوئی محمد رسول اللہ کے لائے ہوئے دین کے چمنستان کے پیڑ اُسی زمانے میں بار آور ہوئے بلا تفریق مذہب و ملت معلوم دنیا کے لیے یہی دور حقیقی طور پر راحتوں، آسائیوں اور شادمانیوں کا دور تھا!

اگر اس دور میں کسی طرف سے کوئی بدمزگی، بے لطفی، بے آرامی، خرابی یا بدکرداری کی جنبش یا حرکت ہوئی تو ان سب کا سرچشمہ ہمیں اولاد علی رضؓ کے وجود میں ملتا ہے۔ ان ۲۹۰ سالوں میں کم و بیش ۶۵ علویوں نے خروج کیے یعنی اوسطاً ساڑھے چار سال کے عرصہ میں ایک علوی نے خروج کیا۔ ان میں سے

چند ایسے بھی تھے جو علم و فضل کے بلند مقامات کے حامل تھے مگر یہود و مجوس کے "آمیختہ" نے انہیں طرح طرح کے سبز باغ دکھا کر خروج پر آمادہ کیا بعض اپنی بے وقوفی سے اس اشرار گروہ کے ورغلانے سے آمادہ خروج ہوئے ان میں سے بعض عین بغاوت کے دوران مارے گئے۔ بعض نے توبہ تلا کی اور فراخ دل خلفاء نے اپنی سیر چشمیوں سے صرف معاف ہی نہ کیا بلکہ خلعتوں سے نواز کر رخصت کیا۔ بعض روپوش ہو گئے بعض کو معمولی سرزنش کے بعد چھوڑ دیا گیا۔ آج مخالفین کی طرف سے خلفائے سادات بنو امیہ یا خلفائے سادات بنو عباسؓ کے خلاف جو ژاژ خائی اور سوقیانہ انداز کے اعتراض کئے جاتے ہیں۔ ان معترضین کو اتنی عقل بھی نہیں کہ اگر وہ لوگ اولاد علی رضؓ کے اس قدر دشمن تھے تو ان علویوں کو بار بار خروج کی جرأت کیسے ہوتی رہی۔ اور پھر اگر علویوں کا اس طرح قتل عام ہوتا رہا تو آج یہ لاکھوں علوی کہاں سے نمودار ہو گئے۔ شیعیت نے اپنے روحانی اب وجد کی تیار کردہ سازش کو اپنا کر جس طرح ان پاک باز بندوں کے خلاف زہر افشانی کی ہے یہ تاریخ عالم کا ایک اندوہناک باب ہے۔ اور لطف یہ کہ تمام مروجہ تاریخوں میں وہ تمام واقعات موجود ہیں جو آئندہ صفحات میں پیش کئے جا رہے ہیں مگر کسی اللہ کے بندے نے اس طرف توجہ کی ہی نہیں لے دے کر ان لوگوں کے پاس جمل و صفین اور کربلا۔ علی رضؓ و معاویہ رضؓ اور حسین رضؓ و یزیدؒ کی ان کی خود تیار کردہ جھوٹی روایتیں رہ گئی ہیں۔

اس سعادت کا تاج کارکنان قضاء و قدر علامہ سید محمود احمد عباسیؒ کے لیے تیار کر چکے تھے۔ مرحوم نے جب تاریخ کے ان گوشوں کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا تو کچھ اس قسم کا نقشہ سامنے نظر آیا جیسے چلتے چلتے عین چوراہے میں کوئی آدمی الٹا کھڑا نظر آئے اور راہ چلتے لوگ اس کی اس حرکت کو بڑے اچنبھے کی نظر سے دیکھنے کے لیے رک جائیں اور جب اپنی آنکھیں مل مل کر اس منظر کو خوب غور سے دیکھیں تو معلوم ہو ــــ حقیقت میں وہ شخص الٹا کھڑا نہیں ہوا بلکہ ہم سب الٹے کھڑے ہیں۔

بعض ایسی باتیں جو ایک ہی تاریخ کی کتاب میں دو صورتوں میں موجود ہیں اور پہلی صورت کو دلائل و براہین کی بھرپور تائید حاصل ہے اور اسی مسئلے کی

دوسری صورت کسی دوسرے مقام پر کسی ثبوت کے بغیر اسی کتاب میں مرقوم ہے جس کا مطلب صاف طور پر یہ ہے کہ دوسری صورت مورخ کی اپنی طبعزاد ہے یا تسامع ہے یا ڈھول ہے یا اس کی عصبیت ہے مگر عوام میں وہی دوسری غلط صورت اس طرح رواج پذیر ہو چکی ہے کہ اصل صورت کو بالکل بھلا دیا گیا ہے۔ الحرب کا واقعہ طبری اور ابن خلدون کے حوالجات سے گذشتہ باب میں بیان کیا جا چکا ہے۔

اسی طرح فاروق اعظم کی شہادت کا واقعہ ہے تاریخیں پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ آپ کی شہادت ایک منظم گروہ کی سازش کا نتیجہ تھی۔ مگر آج اس طرف صرف فیروز کو گھسیٹا جا رہا ہے۔

اسی طرح خروج کرنے والے وہ فاطمی جنہوں نے خانہ کعبہ میں بیٹھ کر رقص و سرود کی مجلسیں جمائیں مسجد نبوی کے پردے اور غلاف کعبہ کو لوٹا۔ کھلے بندوں لواطت اور زنا کاری کے مرتکب ہوئے۔ نشہ شراب میں مدہوش ہو کر مسجد نبوی میں لوگوں کو نمازیں پڑھنے سے روکا ان سب کے حالات تاریخوں میں موجود ہیں۔ مگر شیعیت نے آل نبی اور عزت رسولؐ کی اصطلاحات کے پردوں میں ان لوگوں کی بدکرداریوں کو پوشیدہ کر کے واقعہ حرّہ جیسے معمولی قسم کے پولیس ایکشن کو وہ شہرت دی کہ دورِ حاضرہ کے مدعیان قرآن فہمی تک بھی انہیں کی سی ہانکنے لگ گئے گویا شیعیت نے نہایت چابکدستی سے عوام کے اذہان کو بری طرح مسموم کر کے تاریخ کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔

تاریخوں میں اس قسم کے موجود تضادات ہر پڑھے لکھے آدمی کی نظر سے ضرور گزرتے رہے ہوں گے مگر کسی اللہ کے بندے کو یہ ہمت نہیں ہوئی کہ لوگوں کو اس طرف متوجہ کرتا ہے اس طرف متوجہ کرنا تو درکنار بلکہ جھوٹ کی ذکالت کو دینی خدمت سمجھا جاتا رہا اور سمجھا جا رہا ہے۔

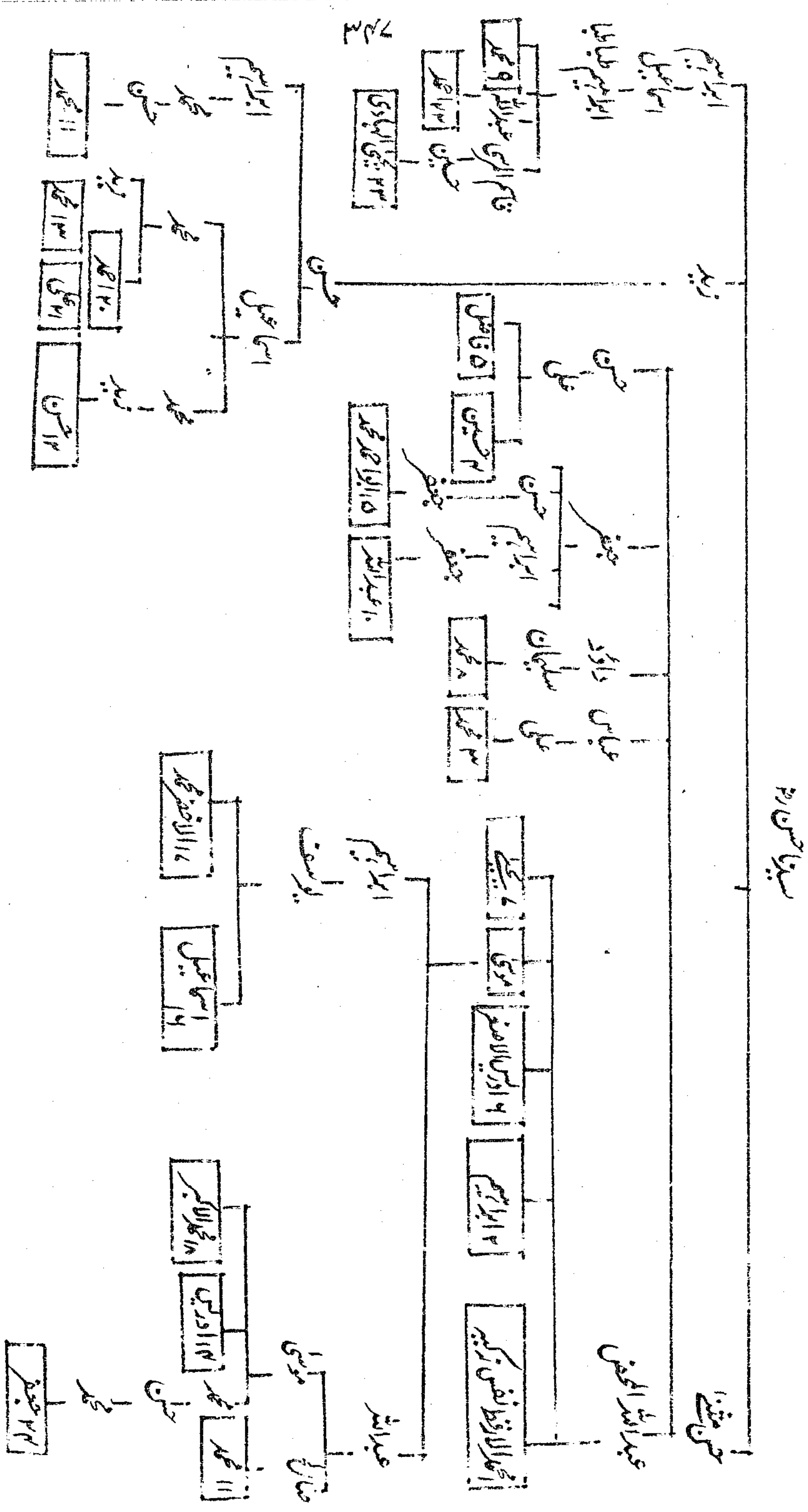

مہدی نمبر ا۔ محمد الارقط کا دعویٰ مہدویت

محمد الارقط (نفس زکیہ) بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن الحسن بن علی رض۔ سیدنا حسن رض کی اولاد سے سب سے پہلے انہوں نے خروج کیا اور اولادِ علی رض میں سے سب سے پہلے انہوں نے مہدی ہونے کا بلکہ بقول روافض نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔ زبان سے ہکلے تھے۔ مگر نہایت شجاع۔ نڈر اور بہادر تھے۔ سیاسی چالیں خوب جانتے تھے۔ ان کے دادا حسن مثنیٰ سیدنا حسین رض کے داماد تھے ان کی زوجہ کا نام فاطمہ تھا۔ کربلا میں اپنے سُسر حسین رض کے ساتھ موجود تھے۔ جنگ میں مجروح ہوئے اسماء بن خارجہ ابو حسان ان کا ماموں بچا کر لے گیا کوفہ میں لے جاکر علاج کیا۔ جب تندرست ہوئے تو مدینہ چلے گئے۔ (مقام کشف کشف الغمہ، ارشاد اور ریاض الشہادۃ، مقاتل الطالبین ص۱۱۹ ناسخ التواریخ جلد۶ اور عمدۃ الطالب ص۹۷ پران کے حالات ہیں۔ حسن مثنیٰ کے بیٹے نجیب الطرفین ہونے کی بناء پر عبداللہ المحض کہلائے سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے بڑے حریص تھے جب عباسی تحریک کے ایک داعی کا قاصد امام ابراہیم عباسی کی خدمت میں حاضر ہوا اور اطلاع دی کہ خراسان میں آپ کی بیعت لے لی گئی ہے اور آپ کے لیے لشکر فراہم ہو گئے ہیں۔ (عمدۃ الطالب) تو عبداللہ المحض نے حسد کی وجہ سے اموی خلیفہ کو اطلاع دے دی اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ میں اس کاروائی سے بری الذمہ ہوں چنانچہ عبداللہ المحض کو اس چغلی کے صلہ میں اموی خلیفہ نے دس ہزار دینار عطا کیے۔ (مقاتل الطالبین صفحہ ۲۵۶، ۲۵۹) عباسی امام گرفتار کر لیے گئے اور ان کے تمام بھائی بھتیجے جو تعداد میں چوبیس تھے گرفتار کر کے حمیمہ کے مقام پر نظر بند کر دیے گئے اس کے چند دن بعد ابو العباس عبداللہ سفاح کے ہاتھ پر بیعت ہو گئی۔

ابو سلمہ خلال وزیر آل محمد

یہ شخص عباسیوں کا داعی تھا۔ مگر چاہتا تھا کہ خلافت علویوں کو ملے مگر اس کے ساتھی مانع تھے (البدایہ منہ)

اس نے عباسیوں اور علویوں کو ایک جگہ جمع کرنے کا ارادہ کیا تھا تاکہ وہ خود ہی کسی ایک کو اپنے میں سے خلیفہ منتخب کر لیں۔ عباسی تو پہلے ہی اس کے پاس موجود تھے اس نے علویوں میں سے تین اہم اشخاص کو بلانے کے لیے اپنا معتمد بھیجا۔

جناب جعفر (الصادق) کے پاس جب یہ قافلہ پہنچا تو انہوں نے یہ کہہ کر خط لینے سے انکار کر دیا کہ ابو سلمہ سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں (عمدۃ المطالب فی انصاب آل ابو طالب)

عمر بن علی رح بن حسین رض نے یہ کہہ کر خط لینے سے انکار کر دیا کہ میں اسے جانتا ہی نہیں عبداللہ المحض نے خط لے لیا اور جعفر (الصادق) کے پاس پہنچ کر خط کا مضمون گوشگوار کیا جناب جعفر نے فرمایا وہ تمہارا داعی نہیں تم نے کب اسے خراسان بھیجا۔ کب اپنے داعیوں کا لباس سیاہ مقرر کیا۔ نہ تم ان لوگوں کو پہچانتے ہو نہ وہ تم کو جانتے ہیں۔ عبداللہ جناب جعفر کی اس صاف گوئی پر چکرا گئے پھر نہ کوفہ گئے اور نہ ہی جواب لکھا۔

سبائیوں کی وضع کردہ ایسی ہی ایک اور روایت ہے کہ انتخاب خلیفہ کے لیے ہاشمی خاندان والوں کا ایک جلسہ ہوا جس میں علویوں کی طرف سے جعفر (الصادق) عبداللہ المحض اور ان کے بیٹے محمد الارقط (نفس الزکیہ) اور عباسیوں کی طرف سے ابو جعفر المنصور تھے۔ جب محمد الارقط کا نام لیا گیا تو جعفر (الصادق) نے کہا۔ آپ لوگ غلطی کر رہے ہیں خلافت تو زرد قبا والے کی ہے۔ (ابو جعفر المنصور عباسی اس وقت زرد قبا پہنے ہوئے تھے) یہ روایات صحیح ہیں یا غلط مگر اس بات سے کسی کو انکار نہیں کہ عباسی، دعوت محمد الارقط کی پیدائش سے بہت پہلے شروع ہو چکی تھی البتہ جب ابو جعفر المنصور عباسی[1] خلیفہ منتخب ہو گئے تو عبداللہ المحض اپنی چغلی کی وجہ سے سخت شرمندہ تھے۔ مگر خلافت عباسیہ کے قیام کے بعد جب وہ ابو العباس السفاح کی خدمت میں حاضر ہوئے تو فیاض طبع اور دریا دل خلیفہ نے انہیں گرانبہا عطیات دیئے ایک اور مرتبہ خلیفہ کی خدمت میں پہنچے تو خلیفہ نے

---

[1] ابو جعفر المنصور کو شیعہ لوگ دوانقی کے نام سے موسوم کرتے ہیں (دوانق دمڑی کی مقدار کا ایک سکہ تھا۔ ابو جعفر حساب کے معاملہ میں بڑے سخت تھے شیعہ ان کو تحقیر کے طور پر دوانقی کہتے ہیں مگر "دوانقی" کے زمانہ میں زید کے بیٹے حسن مدینہ کے گورنر تھے حسن کی بیٹی ام کلثوم ابو العباس عبداللہ کے نکاح میں تھیں۔

اپنے پاس ٹھہرایا۔ ایک دفعہ جب خلیفہ انبار کے مقام پر مقیم تھے تو عبداللہ پہنچے خلیفہ بڑی عزت و تکریم سے پیش آئے بے حساب مال دیا۔ طبری لکھتا ہے کہ ایک شب خلیفہ نے ایک صندوقچہ منگوایا جو جواہرات سے بھرا ہوا تھا۔ کھول کر آدھے جواہرات عبداللہ کو دیئے۔

اس تفصیل کے اظہار سے جہاں علویوں کے خروج کی وضاحت ہوتی ہے وہاں یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ یہ وہی عبداللہ ہیں جنہوں نے امویوں کے ہاں عباسیوں کے خلاف چغلی کھائی تھی۔ مگر عباسیوں کا اس بات کے باوجود عبداللہ سے اس قدر فیاضانہ سلوک ہو تو ان حالات میں جناب جعفر (الصادق) جو ایک گوشہ نشین زاہد منش انسان تھے۔ انہیں زہر آلود[1] انگور کھلا کر ہلاک کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اور اولاد علی رض کو زندہ، دیواروں[2] میں چنوا دینے کی کیا تک تھی۔

عبداللہ المحض کے چھ لڑکے تھے سب کے سب عالی حوصلہ اور شجاع تھے اور سب نے مختلف اوقات میں خلافت موقتہ کے خلاف خروج کیے محمد الارقط ان سب میں زیادہ ہوشیار تھے کئی سال خروج کی تیاریاں کرتے رہے۔ لوگوں پر اثر ڈالنے کے لیے مہدی ہونے کا دعوای کیا۔ ان ایام میں مدینہ پہ گورنری پر محمد الارقط کے چچازاد حسن بن زید بن الحسین فائز تھے۔ حسن نے محمد الارقط کے خلاف مخبری کی اور یہ اپنے بھائی ابراہیم کو لے کر سندھ کی طرف بھاگ گئے کچھ عرصہ کے بعد واپس آکر پھر خروج کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے اس زمانہ میں عباسی خلیفہ ابو جعفر المنصور نے انہیں ایک طویل خط لکھا جو سورۃ المائدہ کی اس آیت سے شروع ہوتا ہے إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ الخ اس کے جواب میں محمد الارقط نے ایک طویل خط لکھا جس میں ان لفظوں کی تکرار پر زور دیا گیا کہ میری ماں ایسی تھی۔ میری دادی ایسی تھیں۔ اور سب سے اہم بات یہ کہ انہوں نے اس خط میں تسلیم کیا کہ ابو طالب بحالت کفر مرا تھا۔ (آج جو شیعہ ابو طالب کو مسلمان کہہ رہے ہیں وہ غور کریں) عباسی خلیفہ اور محمد الارقط کے

---

[1] جلاء العیون ص۳۴۳ ج ۲ [2] جلاء العیون ص۳۴۵ ج ۲۔

درمیان یہ خط و کتابت نسلی تعلیوں اور طعنہ زنی کی نوک جھونک کے سوا کچھ نہیں اس خط و کتابت کو متعدد مورخین نے نقل کیا ہے۔

اس کے بعد ۱۴۵ھ میں محمد الارقط نے یکایک خروج کر دیا عباسی خلیفہ نے عیسیٰ بن موسیٰ عباسی کی سرکردگی میں ایک لشکر بھیجا۔ سالار لشکر نے خلیفہ کی ہدایت کے مطابق اعلان کیا۔

"اے اہل مدینہ تمہارا خون بہانا ہمارے لیے حرام ہے۔ جو لوگ تم میں سے ہمارے پاس چلے آئیں۔ جو مدینہ سے باہر چلے جائیں، جو اپنے گھروں میں بیٹھ رہیں اور جو ہتھیار رکھ دیں انہیں امان ہے ہم صرف محمد الارقط کو گرفتار کر کے امیر المومنین کے حضور میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔

چنانچہ اس اعلان پر ان کے بہت سے ساتھی ان سے الگ ہو گئے حتیٰ کہ ان کے بھائی عبیداللہ اور دوسرے ان کے کئی عزیز الگ تھلگ رہے۔ عبید الحسینی شروع سے ان کے خروج کے خلاف تھے اور محمد الارقط نے قسم کھا رکھی تھی جہاں اسے پاؤں گا قتل کر دوں گا (عمدۃ الطالب ص۳۰۸) انہیں عباسی خلیفہ نے مدائن میں اسی ہزار کی جاگیر عنایت کی تھی (عمدۃ الطالب ص۳۰۸) حجازیت کے مقام پر جنگ ہوئی محمد الارقط کے ایک ساتھی نے بھاگ جانے کا مشورہ دیا مگر آپ میدان میں ڈٹے رہے اور مقتول ہوئے۔

کسی آدمی نے خلیفہ منصور کے سامنے کہا کہ محمد الارقط میدان قتال سے ہٹ گئے تھے خلیفہ نے کہا ہرگز نہیں ہم اہل بیت میدان چھوڑ کر بھاگا نہیں کرتے۔

(البدایہ والنہایہ ص۹۰ ج ۱۰)

محمد الارقط کے چھ بیٹے اور دو بیٹیاں فاطمہ اور زینب تھیں زینب پہلے محمد بن عبداللہ السفاح کے نکاح میں تھیں ان کے مرنے کے بعد عیسیٰ بن علی بن عبداللہ بن العباس کے نکاح میں آئیں۔ (کتاب نسب قریش ص۵۵) اس تمام آویزش کے درمیان جناب جعفر (الصادق) نے کسی بات میں کوئی حصہ نہ لیا۔ بلکہ وہ پہلے ہی ابو سلمہ کے قاصد کے پہنچنے پر اظہار ناراضگی فرما چکے تھے وہ علمی ذوق کے انسان تھے اور ایسی سیاسی چپقلشوں سے بالکل غیر متعلق رہتے تھے۔ عباسی

خلفاء نے محمد الارقط کے گھر والوں کو ان کے مقتول ہونے کے بعد بیش بہا وظائف سے سرفراز کیا۔ ان حالات میں جناب جعفر (الصادق) کو زہر دے کر مارنے کی شیعی روایت ایک ایسا جھوٹ ہے جو انہیں کو سزاوار ہو سکتا ہے۔

کیا محمد الارقط مہدی تھے؟

محمد الارقط کا دعویٰ مہدویت، شیعیت کے منہ پر ایک اور چپت ہے۔ آج یہ سو بار انکار کریں کہ محمد الارقط مہدی نہیں تھے۔ مگر ان کے اسلاف نے ان کی مہدویت کے لیے درجنوں احادیث وضع کیں۔ اور انہیں نشر کیا اور آج تک ان کی کتابوں میں ان احادیث کی صدائے بازگشت کانوں سے ٹکراتی ہے۔ خدانخواستہ اگر محمد الارقط کامیاب ہو جاتے تو شیعان علی رض یقیناً انہیں مہدی موعود مانتے مگر ان کا پتہ کٹ گیا اور ان کے ساتھ ہی ان کی مہدویت بھی ملک عدم کو سدھار گئی۔ مگر جو کچھ شیعی کتب میں لکھا جا چکا ہے اس سے چھٹکارا محال ہے۔ ایسے ہی لغویات اور ہفوات میں پھنس کر انہیں کہنا پڑا کہ اللہ کو بداء ہو جاتا ہے۔

نفس زکیہ کا کابوس:

شیعیت کی کوئی بھی کل سیدھی نہیں پہلے جناب جعفر (الصادق) کی زبان سے کہلوایا گیا کہ دولت و خلافت آل ابی طالب میں سے کسی کے لیے نہیں۔ زرد قبا والے کے لیے ہے اس سے پہلے عبداللہ المحض کو ابوسلمہ خلال کے تاصد کے سلسلہ میں دھتکار دیا اب انہیں محمد الارقط کے گھوڑے کی رکاب تھا کر محمد الارقط کو سوار کر رہے ہیں اور اعتراض کرنے والے کو ان کی زبان سے کہلوا رہے ہیں ھٰذا مہدینا اھل البیت (عمدۃ الطالب ص۸۳) یہ ہم اہلبیت کے مہدی ہیں۔ اگر شیعوں کی اس مشہور کتاب کو سچ سمجھا جائے اور ہمارے پاس بقول شیعوں کے اسے جھوٹ کہنے کا کوئی ثبوت بھی نہیں تو پھر امام ششم جناب جعفر نہیں بلکہ جناب محمد الارقط ہیں۔

ع اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

چند وضعی احادیث کی ایک جھلک

محمد الارقط کے دونوں کندھوں کے درمیان بیضہ مرغ کے برابر ایک سیاہ خال تھا (مقاتل الطالبین) معاذ اللہ گویا مہر نبوت تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ احجار زیت کے مقام پر میری اولاد سے ایک نفس زکیہ قتل ہو گا۔ (عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب صفحہ ۸۳)

نہج البلاغہ میں بھی حضرت علی رض کی طرف ایسا ہی ایک قول منسوب ہے۔ نفس زکیہ سے مراد ہی محمد الارقط مراد ہیں۔ (مقاتل الطالبین)

جماعت محمدیہ یعنی محمد بن عبداللہ کی جماعت جنہیں مدینہ میں المنصور کے لشکر نے قتل کیا تھا۔ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ شیطان تھا جو بصورت محمد بن عبداللہ کا دوبارہ ظہور ہو گا۔ (الفرق بین الفرق ص۲)

سیدنا علی رض کے متعلق بھی شیعوں کا یہی عقیدہ ہے کہ وہ شہید نہیں ہوئے بلکہ ان کی جگہ شیطان قتل ہوا تھا (تذکرۃ الائمہ کتاب شیعہ ص۹۱ بحوالہ قاطع الالف ص۷)

بعض کذابین نے امام مالک کے متعلق یہ لکھا ہے کہ وہ محمد الارقط کے خروج کے ہنوا تھے اور اسے جہاد سمجھتے تھے۔ امام مالک کی طرف اس کذاب وافترا کی داستان کو منسوب کرنے والوں کی نظر سے یہ کیوں نہیں گذرا کہ عباسی خلفاء امام مالک کی تالیف پر کس قدر خوش تھے اور اسے ملک کا دستور العمل بنانا چاہتے تھے آپ نے محمد الارقط کے متعلق شیعوں کی وضعی روایات سن لیں اور ان کی قدر و قیمت کا اندازہ بھی لگا لیا۔ مگر اہل سنت مورخین نے اکبر شاہ خان تک نفس زکیہ کی گردان سے پوری امت کے اذہان کو مسموم کرنے کی کوشش کی ہے جس کی ایک محقق کے سامنے

پرکاہ جتنی بھی   نہیں۔ حیرانی اس بات پر ہے کہ شیعہ ایک طرف اپنے امام کی زبان سے محمد الارقط کو منحوس اور مشئوم نطفہ قرار دیتے ہیں اور اس کا حلیہ اپنے امام کی زبانی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں وہ بھینگا اور کشیف اخضر ہے۔ مترجم یعنی سید ظفر حسن الکشف کی تشریح کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ الکشف سے مراد یہ ہے کہ سر کے اگلے حصے پر بال نہ ہوں ایسے کو عرب والے منحوس جانتے تھے اور اخضر سے مراد سبز چشم ہے جس محمد الارقط کی تعریف شیعوں کی زبان سے سطور بالا میں بیان ہو چکی ہے۔ اس کے متعلق دورِ حاضرہ کے "محقق اعظم" نے اپنی رسوائے زمانہ تالیف "خلافت و ملوکیت" میں اپنی نسلی عصبیت کا اظہار ان لفظوں میں کیا ہے کہ المنصور ان کی تحریک سے بڑا خوف زدہ تھا[1]

۱۔ حسن بن محمد الارقط :

اسی مہدی موعود یعنی محمد بن الارقط کا بیٹا حسن نہایت بدکردار تھا۔ سیاہ فام ہونے کی وجہ سے ابوالزفت کے لقب سے ملقب تھا یلقب بابی الزفت لشدۃ سمرتہ وحد فی الخمر بالمدینہ (جمہرۃ ابن حزم ص۴۲)

ترجمہ: ایک دن اپنے ہم جلیسوں کے ساتھ بیٹھا شراب پی رہا تھا والئ مدینہ نے گرفتار کرکے سر بازار تشہیر کرائی۔ اپنے چچا یحییٰ کی ضمانت پر اس شرط پر رہا ہوا کہ روزانہ حاضری دے گا مگر بھاگ گیا اور چچا کی ضمانت ضبط ہو گئی۔

۲۔ ابراہیم بن عبداللہ المحض بن حسن بن الحسن :

ابراہیم کو بعد میں شیعوں نے ابراہیم الغمر کہا دونوں بھائیوں نے بیک وقت

---

[1] محمد الارقط کی صحیح تصویر دیکھنے کے لیے الشافی ترجمہ اصول کافی شائع کردہ شمیم بکڈپو کراچی دیکھیے صفحات ۴۳۴ تا ۴۳۶، کیا ابوعبداللہ علیہ السلام نے اپنے بھائی   میں تمہارے بیٹے کو بچہ   سے زیادہ منحوس و شوم سمجھتا ہوں

خروج کا پروگرام بنایا تھا۔ مگر ابراہیم بیمار ہو گئے۔ محمد الارقط کے مقتول ہونے کے بعد بصرہ میں انہوں نے خروج کیا۔ ۲۵۔ ذی قعد ۱۴۵ھ کو باخمریٰ کے مقام پر مقتول ہوئے۔ عباسی خلیفہ نے سن کر کہا واللہ میں اس امر سے متنفر تھا۔ تم نے مجھ کو بھی مبتلا کیا اور خود بھی مبتلا ہوئے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ ص۹۴)

محمد الارقط کے خروج میں جس طرح امام مالک کو ملوث کرنے کا جھوٹ اختراع کیا اسی طرح ابراہیم کے خروج کے متعلق کہا کہ امام ابوحنیفہ نے ان کو ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ حالانکہ ان ابوحنیفہ کی مدونہ فقہ کا اصول ہے کہ حاکمان وقت کے خلاف خروج ناجائز ہے اگرچہ وہ ظلم بھی کریں[1]

۳۔ **محمد بن علی بن عباس بن حسن بن الحسن** نے ۱۶۴ھ میں خراسان میں محمد المہدی کے خلاف خروج کیا اور مقتول ہوئے۔

۴۔ **حسین بن علی بن حسن بن حسن بن الحسن** نے ۱۶۹ھ میں مدینہ میں موسیٰ الہادی کے خلاف خروج کیا جو بڑے سیر چشم اور فیاض تھے محمد المہدی عباسی جب مدینہ میں وارد ہوئے آپ کو چار ہزار دینار کا گراں بہا عطیہ دیا۔ ابوالزفت نے ان کو گھیر کر دارالامارۃ پر حملہ کرا دیا اور مدینہ کا وقتی خزانہ لوٹ لیا۔ ان کے بھائی بھتیجے شریک بغاوت تھے مگر ان کے چچیرے بھائی حسن بن جعفر بن حسن بن حسن بن الحسن رض ان کے مخالف اور خلیفہ عباسی کے طرفدار تھے۔ وادی فخ میں سرکاری فوجوں سے مڈبھیڑ ہوئی اور سر کے قریب باغی قتل ہو گئے۔

یہاں بھی مقاتل الطالبین کے شیعہ مصنف کو دو الہام ہوئے ہیں۔

۱۔ جعفر بن محمد بن علی زین العابدین سے روایت ہے انہوں نے کہا ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر وادی   سے ہوا۔ آپ نے وہاں سواری سے اتر کر ایک رکعت نماز پڑھی جب دوسری رکعت پڑھنے لگے تو رونے لگے

---

[1] اس موضوع پر حکیم سید علی احمد عباسی کی تالیف امام ابوحنیفہ نہایت محققانہ تالیف ہے

لوگوں نے جب آپ کو روتے دیکھا تو وہ بھی رونے لگے آپ نے نماز سے فارغ ہو کر پوچھا۔ یوں روئے لوگوں نے کہا یا رسول اللہ آپ کو دیکھ کر ہم بھی رونے لگے۔ آپ نے فرمایا جب میں پہلی رکعت پڑھ رہا تھا تو جبرئیلؑ نازل ہوئے اور کہا اے محمدؐ یہاں تمہاری اولاد میں سے ایک شخص قتل ہو گا اس شہید کو کئی شہیدوں کا ثواب ملے گا۔ (مقاتل الطالبین صفحہ ۴۴۶)

چونکہ وہ ایک شرابی کے بہکانے سے آمادہ خروج ہوا)

۲۔ زید بن زین العابدین سے روایت ہے کہ رسول اللہ جب مقام فخ پر پہنچے تو آپ نے صحابہ رضہ کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی، پھر فرمایا اس جگہ میرے اہل بیت سے ایک شخص جو جماعت مومنین سے ہو گا۔ ان کے لیے کفن اور خوشبوئیں جنت سے نازل ہوں گی اور ان کے جسم ان کی روحوں سے پہلے ہی جنت میں پہنچ جائیں گے۔ (مقاتل الطالبین صفحہ ۴۳۶ کا ترجمہ)

قطع نظر اس بات کے ان کے پیدا ہونے سے ڈیڑھ سو سال پہلے ہی ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔ قابل غور امر یہ ہے کہ امام وقت کے بغیر یہ کیسا جہاد ہوا۔ یہ تو حرام محض کا ارتکاب ہے اور اگر یہ خود امام وقت تھے تو دوازدہ آئمہ کا نظریہ کہاں گیا؟

ایسی لغو اور لچر روایات کے خالقین۔ عباسیوں اور امویوں کی مخالفت کے ہلکاوے میں جو منہ سے آیا بکتے چلے گئے مگر یہ نہ سوچا کہ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پر کس حد تک یقین کیا جائے گا۔

کاش کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو سن لیتے فرمایا نبیؑ نے میرے اوپر جھوٹ بولنا ایسا نہیں جیسا کسی اور پر بولنا۔

فمن کذب علی متعمدًا فلیتبوا مقعدہٗ من النار (بخاری مسلم ترمذی)

"جس نے مجھ پر عمدًا جھوٹ بولا اس نے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لیا"

یہاں وہی پرانی بات ایک بار پھر دہرا لیجیے "یعنی ام الحسن بنت حسن، جعفر بن سلیمان بن علی بن عبداللہ بن العباس رضہ کے نکاح میں تھیں (عمدۃ الطالب کا شیعہ مصنف اس نکاح کا معترف ہے مگر ان کو ہبر الفاظ میں یعنی ام الحسن

نکل کر جعفر بن سلیمان کے پاس چلی گئی (صفحہ ۱۷۱) اسے چاہیئے تھا ام الحسن کے خود چلے جانے کی بجائے جعفر کے متعلق سیدہ ام کلثوم بنت علی کی طرح لکھنا فرج غصب منا۔

۵۔ فاضل بن علی بن حسن بن حسن بن الحسن رضہ :

۱۶۹ھ میں مدینہ میں موسیٰ الہادی کے زمانہ میں خروج کیا۔

۶۔ الادریس الاصغر بن عبداللہ المحض :

۱۷۰ھ میں افریقہ میں ہارون الرشید کے زمانہ میں خروج کیا۔

اپنے دونوں بھائیوں محمد الارقط اور ابراہیم کی بغاوتوں کی ناکامیوں کے بعد خفیہ تیاریوں میں مشغول ہو گئے۔ چالاک نکلے اور ملک چھوڑ کر افریقہ کو اپنی جولانگاہ بنایا۔

حسن اتفاق سے اسے وہاں عباسی خلافت کی طرف سے محکمہ ڈاک کا افسر ابن وضع مل گیا۔ جو مشہور شیعہ مورخ یعقوبی کا دادا تھا اور پردہ علویوں کا طرفدار تھا اس کی مدد سے مغرب اقصیٰ میں بڑا اثر و رسوخ پیدا کیا۔ ان کے ایک بیٹے کا نام بھی ادریس تھا۔ جس نے فاس کی بنیاد رکھی۔ الادریس کا بھتیجا محمد بن سلیمان بن عبداللہ المحض فخ کی بغاوت کی ناکامی کے بعد ان کے پاس پہنچ گیا۔

وہاں انہوں نے کافی اثر رسوخ حاصل کیا مگر اب محمد اور الادریس کے درمیان ٹھن گئی۔ ادریس الاصغر کے چھٹی پشت سے ایک پوتے جنون احمد نے اپنے بھائی محمد کو قتل کر دیا۔ اسے شبہ تھا کہ محمد کے تعلقات عبدالرحمٰن اموی اندلسی کے ساتھ ہیں۔ (جمہرۃ الانساب ابن حزم صفحہ ۴۴)

حسن بن جنون حسنی کا دعوٰی نبوت :

اسی طرح یحییٰ بن حمود کو ان کے چچا حسن ادریسی نے مروا دیا۔ ان میں سے ایک شخص حسن بن جنون نے نبوت کا دعوٰی کیا۔ ادریسی حکومت ڈیڑھ سو برس تک

رہی آخر اسماعیلی فرقہ کے بانی عبید اللہ بن میمون القداح کے اخلاف نے ۳۰۸ھ میں جب قتل عام کیا جو بچ گئے انہوں نے اندلس میں امویوں کی پناہ لی۔

بظاہر ان لوگوں کے حالات بیان کرنے کا کوئی فائدہ نہ سہی مگر ان کے حالات پڑھ کر ہی اس بات کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہی "عترت رسول" ہے جس کے تمسک کے لیے سینکڑوں کتابیں لکھی گئی ہیں اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے عباسیوں یا امویوں نے جو کچھ کیا وہ اظہر من الشمس ہے مگر الادریس الاصغر اور محمد بن سلیمان کے درمیان اور ان کی اولاد کے درمیان جو کچھ ہوا یہ کس نے کیا انہوں نے بلاوجہ ایک دوسرے کو کیوں قتل کیا اور آخر جب اپنے ہی شیعہ داعیوں یا علویوں یعنی اسماعیلیوں سے پٹے تو انہیں امویوں کے سایۂ دولت ہی پناہ لی جن کے بزرگوں کو یہ آج تک نہیں بخشتے اور عباسیوں سے سلطنت چھینی تو ان کے اپنوں نے چھینی عباسیوں نے تو ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ اگر عباسی چاہتے تو انہیں اٹھا کر افریقہ کے مغربی کنارے سے سمندر میں پھینک دیتے مگر وہ ان کے اپنے تھے ان کا مقصد صرف اس قدر تھا کہ علوی ملک کے اندر بدامنی، دہشت گردی اور غنڈہ گردی نہ پھیلائیں۔ جب علویوں نے مملکت عباسیہ سے باہر اپنے قدم مضبوط کر لیے تو عباسیوں نے اسے بھی اپنی کامیابی سمجھا۔ اس زمانہ میں بھی کسی مزعومہ امام کا نام کسی تاریخ میں نظر نہیں آتا۔

۷۔ یحییٰ بن عبد اللہ المحض

نے ۱۷۶ھ میں ہارون الرشید کے خلاف دیلم میں خروج کیا۔ مگر ہارون الرشید کے وزیر فضل یحییٰ برمکی نے یحییٰ کو سمجھایا۔ چنانچہ فضل کی بات یحییٰ کی سمجھ میں آ گئی۔ یحییٰ نے ہارون الرشید کے پاس پہنچ کر اظہار ندامت کیا۔ فیاض دل خلیفہ نے صرف معاف ہی نہ کیا بلکہ دو لاکھ دینار کا بیش بہا عطیہ دے کر مدینہ بھیج دیا۔ مقاتل الطالبین کا شیعہ مؤلف لکھتا ہے کہ اس رقم سے یحییٰ نے صاحب فخ کے قرضہ کی ادائیگی بھی کی اور بڑی فارغ البالی سے زندگی گزارتے رہے (ص۴۸۳) ان کی نسل کے چند لوگ اپنے بنو اعمام کے پاس مغرب اقصیٰ چلے گئے جب وہاں سے نکالے گئے تو اموی حکمرانوں نے انہیں بڑے

بڑے عہدے دیئے بعد میں غرناطہ کے مقام پر کچھ افراد نے حکمرانی بھی کی۔

عباسیوں نے ایک باغی کو دو لاکھ دینار دے کر گھر بھیج دیا مگر مزعومہ آئمہ کو جن کے نام سے بھی کوئی واقف نہ تھا زہر دے کر قتل کرتا رہا۔

لعنت اللہ علی الکاذبین۔

۸۔ محمد بن سلیمان بن داؤد بن حسن بن الحسن

نے ۱۹۰ھ میں مامون الرشید کے زمانہ میں مدینہ میں خروج کیا اور قتل ہوئے (جمہرۃ ابن حزم ص۴۲)

۹۔ محمد بن ابراہیم طباطبا بن اسماعیل بن ابراہیم بن الحسن

نے ۱۹۹ھ میں کوفہ میں مامون الرشید کے زمانہ میں خروج کیا۔ ابو السرایا ایک مفسد لیڈر نے مامون اور امین کی چپقلش کے زمانہ میں اچھی خاصی جمعیت فراہم کر لی تھی۔ اس نے محمد بن ابراہیم کو خروج کے لیے آمادہ کیا اور ان کے ساتھ محمد الاکبر بن جعفر بن محمد بن زید بن زین العابدین پر بھی ڈورے ڈالے یہ دونوں حسنی اور حسینی اس کے چکمے میں آ کر خروج کر بیٹھے مگر جلدی ہی محمد بن ابراہیم کو ابو السرایا کی حرکات کی وجہ سے اس سے نفرت ہو گئی ابو السرایا نے زہر دے کر ابن طباطبا کو شہید کر دیا۔ (عمدۃ المطالب ص۱۵۹) اور ان کی بجائے محمد الاکبر کو جو بعد میں ابو السرایا کہلائے حصول خلافت کے لیے آمادہ کر کے کوفہ اور بصرہ میں بغاوت کرا دی۔ چند روز محمد الاکبر کی حکومت اس علاقہ میں رہی اس نے ہم نسب افراد کو بڑے بڑے منصب عطا کیے۔ مگر ان لوگوں کے ظلم و جور سے مخلوق خدا چلا اٹھی۔ زید بن موسیٰ کاظم نے مکہ کا دفتی خزانہ لوٹ لیا۔ ابراہیم بن موسیٰ کاظم ظلم کی وجہ سے قصاب کہلایا۔ مامون الرشید نے ہر چند کوشش کی کہ یہ سدھر جائیں۔ مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوا لڑائی ہوئی۔ بعض گرفتار ہو کر مامون کے سامنے پیش ہوئے مگر اس نے اپنی عالی ظرفی کی وجہ سے ہم نسب سمجھ کر چھوڑ دیا۔

آج نام نہاد مؤرخ شیعیت کے زیر اثر تاریخی حقیقتوں کو نظر انداز کر کے وضعی اور فرضی روایات کے بل بوتے پر مکھی پر مکھی مارتے جا رہے ہیں اور کوئی اللہ کا بندہ حقیقت حال کی دریافت کی زحمت گوارہ نہیں کرتا۔ بلکہ ان باغیوں سرکشوں اور

ظلم و جور کی تپلون کی وکالت کرتے ہوئے امام مالک اور امام ابو حنیفہ جیسے جلیل القدر آئمہ کو بھی گھسیٹ کر درمیان میں لا رہے ہیں۔ امام موسیٰ (الکاظم) کے ان دو بیٹوں یعنی زید اور ابراہیم کی سفاکانہ داستانوں کی نقاب کشائی کیوں نہیں کی جاتی "حب علی" کے ان متوالوں نے تاریخ کی ہیئت ہی بدل کر رکھ دی ہے ان کی ان باغیانہ سرگرمیوں کے باوجود جب وہ گرفتار ہو کر آئے تو مامون نے انہیں نہ صرف معاف کر دیا بلکہ انہیں معقول وظائف بھی دیئے اور ان کے حقیقی بھائی علی (الرضا) کے نکاح میں نہ صرف اپنی لڑکی دی بلکہ ولی عہد بھی بنایا۔ مگر ان وانشگاف حقائق کے علی الرغم جب چند عقل کے اندھوں، ایمان کی بصیرت سے عاری رافضیوں نے یہ رٹ لگانی شروع کی کہ مامون نے علی الرضا بن موسیٰ بن جعفر کو اس لیے لڑکی دی تھی کہ اسے زہر دے کر ہلاک کرے تو ان کی دیکھا دیکھی مؤرخ کہلانے کے شوق میں بیسیوں اجہل جو فن تاریخ کی تعریف سے بھی واقف نہیں بڑی دلسوزی اور رقت قلبی سے یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ کاش مامون ایسا نہ کرتا۔ ان عقل کے کودنوں سے کوئی پوچھے اس نے کیا کیا۔ جو تمہیں پسند نہیں آیا اور تم اس کے درد میں یوں ہلکان ہوئے جا رہے ہو اس نے اور اس کے آباء نے بیسیوں علویوں کی جان بخشیاں کیں۔ انہیں عطیات سے نوازا ان کے وظیفے مقرر کیے ان سے مصاہرانہ تعلقات قائم کیے تاکہ یہ لوگ کچھ شرم کر کے عقل سے کام لیں مگر آپ انہیں زمرۂ اسلام سے بھی خارج کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ پرانی تاریخوں کو جلانے بیٹھیے دورِ حاضرہ کے بزعم خویش مجدد کو کیا سوجھی کہ اس نے رفض کے لگائے ہوئے مندمل شدہ زخموں کو کرید کر پھر تازہ کرنے پر اپنا پورا زور صرف کر دیا۔

۱۰- عبداللہ بن جعفر بن ابراہیم بن جعفر بن حسن بن الحسن نے ۲۰۰ھ میں فارس میں مامون کے زمانہ

میں خروج کیا (مقاتل الطالبین ص۵۶۱)

بغاوت کی ناکامی کے بعد عباسی خلیفہ کے حضور میں پیش کیے گئے سیر چشم اور رحم دل خلیفہ نے صرف معاف ہی نہ کیا بلکہ دربار سے وظیفہ بھی مقرر کیا۔ اُم حسن ہمشیر ابراہیم بنت جعفر بن حسن مثنیٰ سلیمان بن علی بن عبداللہ بن العباس کے نکاح

میں تھیں۔ ام حسن کے بطن سے اس عباسی شہزادہ کی آٹھ اولادیں ہوئیں دو بیٹے جعفر اور محمد اور چھ بیٹیاں (کتاب المعارف ابن قتیبہ ص۱۲۴) مگر عباسی خلیفہ کی ان عنایات کو بھی ظلم و جور سے تعبیر کرنا رافضیوں کا ہی کام ہے۔

۱۱- محمد بن صالح بن عبداللہ بن موسیٰ بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ:

المتوکل کے زمانہ میں ۲۳۲ھ میں مدینہ کے قریب سوقیہ میں خروج کیا ایک جماعت کثیر کو ساتھ کر لیا (مقاتل الطالبین ص۶۰۱) مگر حقیقی چچا نے گرفتار کرا دیا۔ اور قید کر دیئے گئے قید میں ہی مدح خلیفہ میں متعدد قصائد لکھے وہ قصائد متعدد کتب کے علاوہ آغانی نے بھی نقل کیے ہیں۔ خلیفہ نے آزاد کر کے مدینہ بھیج دیا۔ بقیہ عمر عباسی خلفاء کی وفاداری میں گزاری۔

۱۲- حسن بن زید بن محمد بن اسماعیل بن حسن بن زید بن الحسن نے ۲۵۰ھ میں دیلم میں

المستعین باللہ کے خلاف خروج کیا۔ سیدنا حسن رضؓ کے بیٹے زید بھی کربلا میں اپنے چچا کے ہمراہ تھے جو صحیح و سلامت واپس آ گئے تھے (مقاتل الطالبین ص۱۱۹) زید کے بیٹے حسن ابو جعفر المنصور عباسی کے زمانہ میں پانچ سال تک مدینہ کے گورنر رہے۔ مدینہ کے علاوہ اور مقامات پر بھی عامل رہے وہ اپنے چچازاد حسن مثنیٰ کی مخبریاں عباسی خلیفہ کے پاس کرتے رہتے تھے۔ علویوں میں سب سے پہلے سیاہ لباس انہوں نے پہنا۔ فاطمیوں میں یہ پہلا شخص تھا جو عربی تہذیب کا دشمن اور سب صحابہ پر اصرار کرنے والا تھا۔ (عمدۃ الطالب ص۴۹ مطبوعہ لکھنؤ)

حسن کی بیٹی ام کلثوم ابو العباس عبداللہ پہلے عباسی خلیفہ کی زوجہ تھیں۔ (طبری جلد ۱۲ ص۱۰۶)

حسن کے بڑے بیٹے ابو محمد قاسم بڑے عابد و زاہد تھے مصنف عمدۃ الطالب لکھتا ہے کہ خلفائے عباسیہ کے ہاں حسن مثنیٰ کی اولاد کی جاسوسی کیا کرتے تھے (ص۵۵) ان کے دوسرے بیٹے ابو اسحاق کو کبھی بھی آل ابو طالب کی باغیانہ سرگرمیوں سے عباسی خلفاء کو اطلاعیں بہم پہنچاتے رہتے تھے اور ان کے مشوروں سے

طالبی شورش پسندوں کو سزائیں بھی ملتی رہتی تھیں۔ شیعی مؤلف صاحب عمدۃ الطالب لکھتا ہے وہ ہارون الرشید کے دربار میں رہتے تھے۔ اور ہارون الرشید کی طرف سے طالبیوں پر مخبر تھے۔ ان کی جاسوسی سے طالبیوں کی ایک جماعت قتل ہوئی وہ دن رات سیاہ لباس میں ملبوس رہتے (ص۵۱) حسن بن زید بن الحسن کی اولاد سے متعدد اشخاص نقل مکانی کر کے رے سجستان، طبرستان مرو جرجان دیلم اور بلخ میں جا بسے تھے حسن بن زید رے میں مسکن پذیر تھے۔ ان ایام میں حاکم طبرستان کے خلاف چند لوگوں کو شکایات پیدا ہوئیں۔ انہوں نے محمد بن ابراہیم کو خروج کے لیے گھیرا انہوں نے انکار کر دیا اور کہا حسن بن زید کے پاس لے جاؤ حسن بن زید نے ۲۵۰ھ میں طبرستان والوں کی مدد سے خروج کیا۔ شیعوں نے انہیں الداعی الکبیر کا لقب دیا۔ انیس برس آٹھ ماہ حکمران رہا۔ ان کے بعد ان کا بھائی قد التالی نام پر سترہ سال اس ملک پر حکمران رہا ۲۸۷ھ میں عباسی خلیفہ کی فوج کے ہاتھوں مقتول ہوا۔

یہ دونوں بھائی شیعیت کے بہت بڑے مبلغ تھے۔ ابن زید کو یہاں کے شیعوں نے اللہ فرد دابن نا یدفرد کہنا شروع کر دیا۔ مگر زید نے روک دیا۔

شخصیت پرستی، سب سلف، اور فروغ رفض میں انہوں نے اسلامی تعلیمات کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔ ابن جریر طبری کا خاندان اسی علاقہ کا غالی رافضی خاندان تھا یہی لوگ دیلمیوں کے اقتدار کا سبب بنے (جمہرۃ الانساب ص۳۵)

یہ حالات ۲۵۰ھ سے ۲۸۵ھ کے درمیان کے ہیں۔ تقریباً ۳۶ سال تک یہ دونوں بھائی مخلوق خدا کے لیے عذاب بنے رہے انہوں نے عربی تہذیب، عربی اقدار عربی معاشرت کو بھی ترک کر دیا اور مجوسیت کی اسلام دشمنی کی ہمنوائی میں بالکل عجمی رنگ میں رنگے گئے، اپنے ناموں تک میں ابو بکا، کار، کیا روغیرہ استعمال کرنے لگے۔ اب یہاں پھر وہی بار بار کا گھسا پٹا جملہ لکھے بغیر آگے نہیں بڑھا جاتا کہ ایسے باغی فاسقوں اور فاجروں کے ساتھ حکومت نے کیا سلوک کیا، کتنے سولی پر لٹکائے کتنے قید کیے کتنے قتل ہوئے۔ ہمیں تو یہی نظر آتا ہے کہ ان میں سے جو بھی دربارِ خلافت میں پہنچا قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا گیا۔ اور انعامات

سے سرفراز کیا گیا۔

۱۴۔ ادریس بن موسیٰ بن عبداللہ بن موسیٰ بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ نے

۲۵۰ھ میں المستعین باللہ کے زمانے میں خروج کیا۔ یہ صاحب احمد بن عیسیٰ بن حسین الصغیر بن زین العابدین کے ساتھ خروج میں شامل تھے آل حسین میں سے نمبر ۱۸ پر تفصیل آئے گی۔

۱۵۔ ابو احمد محمد بن جعفر بن حسن بن جعفر بن حسن بن الحسن

انہوں نے حسین الاطروش جن کے حالات آل حسین کے تحت نمبر ۱۹ کے تحت آئیں گے کے ساتھ مل کر ۲۵۱ھ میں کوفہ میں المستعین باللہ کے خلاف خروج کیا ابو احمد کے حقیقی چچا مامون الرشید کے زمانہ میں کافی عرصہ کوفہ اور مکہ میں گورنر رہے۔ مگر یہ صاحب ایسے بدطینت بدفطرت، بدخصلت اور احسان فراموش ثابت ہوئے کہ اسی اپنے محسن خاندان کے خلاف بغاوت کر بیٹھے مگر وہی انجام ہوا۔ جو ایسے احسان فراموشوں کا ہوا کرتا ہے ان کے دادا حسن کی بیوہ نے سلیمان بن علی بن عبداللہ بن عباس سے نکاح ثانی کیا تھا جن کے بطن سے سلیمان کے ہاں اولاد بھی ہوئی تھی۔ ایسی رشتہ داریوں کے باوجود ابو نے بغاوت کی اور مارا گیا۔ (البدایہ جلد ۱۱ ص۹ طبری جلد ۱۱ ص۱۲۵)

۱۶۔ اسماعیل بن یوسف بن ابراہیم بن موسیٰ بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ!

ان ذات شریف نے ۲۵۱ھ میں مکہ معظمہ میں المستعین باللہ کے زمانے میں بغاوت کی یہ حضرت اپنے پیشرؤں میں سب کے بچا نکلے۔ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور جدہ میں نہ صرف گورنروں اور حکومت کے تمام کارندوں کے مکانات لوٹنے پر اکتفا کی بلکہ کعبہ کے وقفی خزانے میں جو سونا چاندی تھا وہ بھی لوٹ لیا کعبہ کا غلاف تک اتار لیا۔ (البدایہ ج ۱۱ ص۹ طبری ج ۱۱ ص۱۳۱)

اہالیان مکہ سے دو ہزار اشرفیاں جبراً وصول کیں پھر مدینہ میں تشریف لے گئے وہاں کے لوگوں کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا۔ جدہ میں تاجروں کا مال لوٹ لیا حج

کا موسم تھا ایک ہزار حاجیوں کو قتل کیا۔ اللہ کی مخلوق الامان، الامان پکار اٹھی پانی کی صراحی کی قیمت ۳ درہم تک پہنچ گئی ضروریات زندگی کا ملنا محال ہوگیا چنانچہ عمدۃ المطالب کا شیعی مؤلف لکھتا ہے واعترض الحجاج فقتل منہم کثیرًا ونہبہم صے)

ان مفسدین کے خوف وہراس سے لوگوں نے مسجد نبوی میں نماز پڑھنی چھوڑ دی علامہ ابن حزم لکھتے ہیں اس نے مدینہ کا محاصرہ کیا لوگ بھوک پیاس سے مرنے لگے مسجد نبوی میں کوئی ایک شخص بھی نماز نہ پڑھ سکا پچاس دن تک اسماعیل مکہ، مدینہ اور جدہ میں بلائے ناگہانی بنا رہا۔ لشکر خلافت پہنچنے پر لوگوں کو امن کا سانس لینا نصیب ہوا اور اسماعیل چیچک کی وبا سے ہلاک ہوا اس کی بغاوت سے تین سال بعد یعنی ۲۵۴ ہجری میں شیعوں کے مزعومہ امام جناب علی نقی رح فوت ہوئے۔ علی نقی کے خاندان کے افراد کی ایسی گھناؤنی حرکات کے باوجود ہمیں کسی مستند تاریخ میں یہ نظر نہیں آتا کہ اسماعیل اور اس کے باغی ساتھیوں کے علاوہ جو تلوار کی زد میں آئے کسی کو نقصان پہنچا ہو۔ مگر مؤلف جلاء العیون کی ہرزہ سرائی ملاحظہ ہو کہ جناب علی نقی کو زہر دے کر شہید کیا گیا اس شخص کی دروغ بیانی کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ المتوکل نے (حالانکہ ۲۵۴ھ میں المتوکل نہیں بلکہ المہتدی باللہ خلیفہ تھے) جناب علی نقی کی استدعا پر یحیٰی بن ہرثمہ کو آپ کی خدمت میں بھیجا۔ وہ آپ کو ہمراہ لایا اور آپ کی حسب مرضی آپ کو سر من رائے میں قیام کی اجازت دی۔ یہ لکھنے کے فوراً بعد مجلسی لکھتا ہے مگر وہ لعین (یعنی خلیفہ) ان کے پاس نہ پہنچا (جلاء العیون ص۔ ج ۲) خلیفہ وقت آپ کی استدعا پر انہیں بلاتا نیز ان کی حسب مرضی قیام کی اجازت دیتا ہے۔ ضروریات زندگی بہم پہنچاتا ہے مگر پھر بھی وہ لعین ہے، اور وہ اسماعیل جو حاجیوں کو قتل کرتا ہے کعبہ کا خزانہ لوٹ لیتا ہے مسجد نبوی میں اس کے خوف سے پچاس دن تک نماز بند ہو جاتی ہے وہ "عترت رسول" ہے اور اس سے تمسک کی دوہائی دی جاتی ہے امیر یزید رح کے زمانہ میں حرہ کی بغاوت کے وقت گنتی کے چند آدمی قتل ہوئے ہیں اور سوائے چند مفسدہ پردازوں کے کوئی بھی امیر یزید رح کی

مخالفت میں گھر سے باہر نہ نکلا مگر آج تک یہ بکواس جاری ہے کہ ایک ہزار عورتیں ناجائز طور پر حاملہ ہوئیں ایسے اندھے بدباطن مفسد اور شریر قسم کے تاریخ نویسوں کی خرافات پر یقین کرکے مدینہ کے ہزاروں صحابہ کرام رض کے عزت و ناموس پر محض اس لیے حملہ کیا جارہا ہے کہ امیر یزید رح کے گناہوں کا پلڑا بھاری کیا جائے۔ اور یہ بھی نہیں سوچا جاتا کہ مدینہ کے وہ اشراف جنہوں نے قیصر و کسریٰ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا تھا چند سالوں میں اس قدر بے غیرت ہوگئے کہ ان کے سامنے ان کی بہو بیٹیوں کے ناموس لٹتے رہے اور وہ خاموش تماشائی بنے بیٹھے رہے۔

اسماعیل کا ظلم وستم، جبر واستبداد، غدر وبغاوت کا یہ جرم کیوں تاریخ کے صفحات سے مٹایا جارہا ہے صرف اس لیے کہ وہ سیدنا حسن رض کی اولاد سے تھا۔ ایسی اولاد کو جو اپنے عظیم المرتبت اسلاف کے لیے باعث ننگ ہو۔ کیا کہنا چاہیے۔

۱۷۔ الاخضر محمد بن یوسف

اسماعیل کے بھائی تھے ۲۵۲ میں یمامہ میں خروج کیا۔ یہ ذات شریف اسماعیل سے بیس برس بڑے تھے یمامہ میں خروج کیا اور کچھ علاقہ پر قابض ہوگئے عباسی خلفاء نے ان کی حرکات کو نظر انداز کیے رکھا "الخضرمۃ" ان کا مستقر تھا شیعی مؤلف عمدۃ الطالب لکھتا ہے اس نے بھی خونریزی کی اور فساد ترک نہ کیا۔ المعتز باللہ نے تنگ آکر سفاح اردشی کو سرکوبی کے لیے بھیجا۔ الخضرمۃ سے بھاگ کر یمامہ چلا گیا وہاں حکومت قائم کر لی جو عرصہ تک اس کی اولاد میں قائم رہی۔

۱۸۔ محمد الاکبر بن موسیٰ بن عبداللہ بن موسیٰ بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ!

۲۵۴ھ میں المہتدی باللہ کے زمانہ میں مدینہ میں خروج کیا اور قتل ہوا صاحب عمدۃ المطالب نے اس کا نام الثائر لکھا ہے۔

۱۹۔ محمد بن حسن بن محمد ابراہیم بن حسن بن زید بن الحسن نے ۲۵۶ھ میں المعتمد علی اللہ کے زمانے میں

مدینہ میں خروج کیا جمہرۃ ابن حزم میں علامہ ابن حزم لکھتے ہیں ۔ رر نہایت درجہ فاسق تھا دن کے وقت مسجد نبوی میں بیٹھ کر شراب پیتا تھا۔ بعض اہل مدینہ کی چھوکریوں سے فسق و فجور کا ارتکاب کرتا شاید یہ سب کچھ اس لیے کیا ہو کہ مذہب امامیہ میں ان لوگوں کو مساجد میں بھی جماع کرنے کی اجازت ہے چنانچہ ملاحظہ ہو ترجمہ قرآن مولوی مقبول کا حاشیہ ص۴۲۴ سطر ۱۹-۲۰) اہل مدینہ کو بھوک پیاس سے مار ڈالا۔ وہ المعتمد کے زمانہ میں بغاوت پر کھڑا ہوا اہل مدینہ کو قتل کیا اور اس تمام مدت میں جمعہ اور نماز جماعت مسجد نبوی میں ادا نہ کی جا سکی (ص۳۴ سطر ۱۳) لشکر خلافت نے جلد ہی اسے کیفر کردار کو پہنچا دیا۔

واقعہ حرہ کی صحیح صورت بدل کر بہتان و افترا کے طور پر باندھنے والوں کی نظروں سے محمد الاکبر اور اسماعیل بن یوسف کے کردار آج تک کیوں پوشیدہ ہیں۔ خلافت و ملوکیت کے مصنف نے یوں تو گڑے مُردے اکھیڑ اکھیڑ کر اپنی محصفیت کی تشہیر پر زمین و آسمان کے قلابے ملانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ مگر ان فاسق و فاجر علویوں کی بداعمالیوں کو اپنی نسلی عصبیت کے لبادہ میں حقیقت چھپا کر لفاظی کے زاویے بناتے ہوئے دامن بچا کر نکل گئے اور افسوس کہ جن کے لیے یہ گناہ کیے تھے وہ بھی ” حقیقت امامت و ملوکیت “ کا لٹھ لے کر گر دہر گئے ؎

لو وہ بھی کہہ رہے ہیں یہ بے ننگ و نام ہے
یہ جانتا تو کاش لٹاتا نہ گھر کو میں

۲۰/۲۱ احمد بن محمد بن اسماعیل بن حسن بن زید بن الحسن نے ۲۶۰ھ میں مدینہ میں المعتمد باللہ کے زمانہ میں

خروج کیا۔ ان کے ساتھ ان کا بیٹا علی بھی ان کا شریک کار تھا۔ مدینہ میں لوٹ مار کا بازار گرم کیا۔ نواح مدینہ میں جعفریوں اور علویوں کے درمیان خون ریز جھڑپیں ہوئی تھیں۔

اور دوسری طرف جعفر اور علی دو سگے بھائی تھے۔ جو جعفر طیار کی اولاد تھے احمد اور علی نے جعفریوں کا قتل عام کیا۔ اور مدینہ پہ قابض ہو گئے آخر خلافت

کی فوجوں نے ان کے کس بل نکال کر رکھ دیئے عباسیوں اور امویوں کو بدنام کرنے والوں کی نظر اس طرف کیوں نہیں کی جاتی۔ کیا تاریخ کے صفحات ان کے کردار کے ذکر سے خالی ہیں اور اگر ان کے یہ واقعات تاریخ میں موجود ہیں تو ان کی بدکرداریوں سے غضن بصر کر کے صرف عباسیوں کے حلم و بردباری فیاضی اور عطا، درگذار اور عفو کے دامن تار تار کرنے کی کوشش میں دیوانہ نہ ہونا کون سی انسانیت ہے ہاں اگر سبق یاد ہے تو صرف اس قدر کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ قرآن اور میری عترت کا تمسک نہ چھوڑنا۔ کیا یہی ہے نبی علیہ السلام کی عترت ؟ اور یہی ہے اس کا کردار ؟

۲۲۔ احمد بن عبداللہ بن ابراہیم طباطبا بن اسماعیل بن ابراہیم بن حسن مثنیٰ

نے ۲۷ ہجری میں المعتمد کے خلاف مصر میں خروج کیا۔ یہ اپنے چچا محمد بن ابراہیم ابوالسرایا کے ساتھ تھے مگر ناکام رہے۔

۲۳۔ یحییٰ الہادی بن حسین بن القاسم الرسی بن ابراہیم بن اسماعیل بن ابراہیم بن حسن مثنیٰ :

نے ۲۸۸ھ میں یمن میں المعتضد باللہ کے زمانے میں خروج کیا مؤلف عمدۃ الطالب لکھتا ہے کہ فاضل اور فقیہ تھے ابو حنیفہؒ کے مسلک سے مماثل ان کا مسلک تھا۔ چند کتب بھی انہوں نے لکھیں صعدہ کو صدر مقام بنایا عباسیوں نے بے ضرر سمجھ کر نظر انداز کر دیا ان کے بعد ان کی اولاد اس کے علاقہ پر حکومت کرتی رہی آل حسن میں سے یہ واحد شخص ہیں جن کے کردار کی تعریف کی گئی ہے ورنہ اس لنکا سے جو نکلا باون گز کا ہی نکلا۔

۲۴۔ جعفر بن محمد بن حسن بن محمد بن موسیٰ بن عبداللہ بن موسیٰ بن عبداللہ المحض

نے ۳۵۴ھ میں بلاد دیلم میں المطیع باللہ عباسی کے زمانے میں خروج کیا۔ دیلم میں عروج حاصل کر کے مکہ پر حملہ آور ہوا عباسی گورنر الاخشید محمد بن طغج کو شکست دے کر مکہ پر قبضہ کر لیا ابن حزم کے زمانہ تک، اس کی اولاد مکہ پر قابض

رہی۔
صفحاتِ بالا میں خلافتِ مؤقتہ کے خلاف خروج کرنے والے جو بیس افراد کا ذکر کیا گیا ہے جو صرف اولادِ حسن رضؓ سے تھے ان میں سے صرف یحییٰ الہادی واحد شخص ہوا ہے جس کا کردار ایک مسلمان کے کردار جیسا تھا اور باقی تئیس کو عترتِ رسول میں شمار کرنا تو درکنار انسانیت کی صف میں کھڑا کرنا ہی انسانیت کی توہین ہے۔

سیدنا حسین رضؓ:

ان سب خروج کرنے والوں میں سے ہمیں سیدنا حسین رضؓ کی ذات اس لحاظ سے منفرد نظر آتی ہے کہ آپ کو مکہ اور کوفہ کے درمیان ثعلبیہ کے مقام پر ہی اپنی غلطی کا احساس اور اپنے شیعوں کی بے وفائی کا علم ہو گیا تھا[سے]

سے ملا باقر مجلسی سیدنا معاویہ رضؓ کے وفات کے وقت کے حالات میں لکھا ہے۔
" چوں ایں خبر باہلِ کوفہ رسید شیعیان کوفہ در خانہ سلیمان بن صرد خزاعی جمع شدند وحمد وثنائے حق تعالیٰ میکردند در باب موت معاویہ رضؓ در بیعت یزید سخن میگفتند سلیمان گفت چو معاویہ رضؓ بہاویہ رفت وحضرت حسین رضؓ از بیعت یزید امتناع نمود وبجانب مکہ رفتہ است وشما شیعیان او پدر بزرگوار اوید اگر میدانید کہ اورا یاری خواہید کرد و با دشمنان او جہاد خواہید کرد نامہ با و نبویسید اورا طلبیہ چنانچہ سب نے مل کر خط لکھا:
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ایں نامہ ایست بسوئے حسین بن علی بن ابی طالب صلوٰت اللہ علیہ از جانب سلیمان بن صرد خزاعی ومسیب ابن نجبہ ورفاعہ بن شداد وحبیب بن مظاہر وسائر شیعیان واز مومناں ومسلمانانِ اہل کوفہ الخ
دو روز کے بعد ہانی بن ہانی سبیعی وسعید بن عبد اللہ کو خط دے کر آنحضرت کی خدمت میں بھیجا
اب یہ بھی سن لیجئے کہ سیدنا حسین کو ان کے پکا شیعہ ہونے کا پختہ یقین تھا چونکہ آپ کے پاس ایک ایسا صحیفہ تھا کہ جس میں قیامت تک کے شیعوں کے نام اور اعداد کے نام درج تھے چنانچہ عیون میں صدوق لکھتا ہے۔
ویکون عندہ صحیفۃ فیہا اسماء شیعۃ الی یوم القیامۃ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اور آپ نے وہاں سے ہی واپسی کا ارادہ کر چکے تھے۔ واپسی کے ارادہ کا صاف اور واضح مقصد خلیفۃ المسلمین کے ہاتھ پر بیعت کرنا تھا۔ مگر آپ کے اس ارادہ کو عملی جامہ پہنانے میں سدِ راہ ہو کر آپ کو کشاں کشاں مضافات کوفہ تک لے گئے۔ آپ نے بجائے داخل کوفہ ہونے کے اپنا رُخ دمشق کی طرف کر لیا۔ کربلا کے مقام پر پہنچ کر اس خطہ کی سرسبزی اور شادابی سے متاثر ہو کر وہیں قیام کا ارادہ کر لیا اور ساٹھ ہزار درہم میں چار مربع میل کا قطع الاضی خرید لیا۔ مگر شیعان کوفہ کو یہ کسی صورت میں برداشت نہ تھا وہ خوب جانتے تھے کہ اگر آپ یہاں مقیم ہو گئے تو خلیفۃ المسلمین سے جب بھی آپ کا رابطہ قائم ہوا لازماً آپ کو آمادہ خروج کرنے کا ہمارا تمام جرم خلیفۃ المسلمین کے سامنے ظاہر ہو گا اس صورت میں معلوم نہیں ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ اور اگر بفرضِ محال ہمیں معاف بھی کر دیا گیا جس کے سو فیصدی امکانات تھے تو اس صورت میں بھی ان کو اپنی یہ سکیم ہوتی نظر آئی کہ حسینؓ کا یزید رہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا حسن رضؓ کا معاویہ رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) وصحیفۃ فیہا اسماء اعدائہ الی یوم القیمۃ بلفظہ
یعنی حسین کے پاس ایک کتاب تھی جس میں قیامت تک کے دشمنوں کے نام تھے اسی لیے آپ نے جواب میں لکھا نامہ ایست از حسین بن علی سوئے مومناں ومسلمانان وشیعان الخ
تحفۃ الزائر میں ہے کہ فرمایا حسین نے بقدر جائے پا در کوفہ نزد من بہتر است و دوست تر میدارم از خانہ کہ در مدینہ داشتہ باشیم۔ یعنی کوفہ میں پاؤں بھر جگہ مجھے مدینہ میں واقع اپنے مکان سے محبوب ہے۔ یہاں پھر شیعی تضاد جلوہ گر ہوتا ہے چنانچہ یہی صاحب تذکرۃ الائمہ میں ان جرلیوں پر اُتر آئے ہیں۔
اہل کوفہ جملہ منافقین بودند ودعوای تشیع میکردند وبا حضرت امیر المومنین وامام حسن رضؓ وامام حسین رضؓ آں ماجرا ہا کردند کہ شندہ اید وآں ملاعین دشمن بنو امیہ بنیز بودند ہر چند خواستند فروح کنند نتوانستند
کوفہ کے سب لوگ منافق تھے انہوں نے شیعیت کا دعویٰ کیا اور علی رضؓ حسن رضؓ حسین رضؓ سے جو کچھ تم نے سن لیا۔ جن لوگوں کو امام مومن مسلمان اور شیعہ کہتے ہیں انہیں یہ لوگ ملاعین اور منافق کہتے ہیں۔

اعادہ ہو گا - اور ہم اپنی تخریبی سرگرمیوں کو جاری نہیں رکھ سکیں گے ان دونوں صورتوں کا توڑ ان کی نظر میں یہ آیا کہ حسین رضؓ کو ختم کر کے آپ کی شہادت کی آڑ میں ایک عالم کو گمراہ بھی کر سکیں گے اور ایسی خانہ جنگی کی طرح ڈالنے پر قادر ہو جائیں گے جس کا توڑ قیامت تک ناممکن ہو جائے گا۔

سیدنا حسین رضؓ کے سامنے جب ایسی صورت آئی تو آپ اس زرخیز تطعہ اراضی کو چھوڑ کر چاہتے تھے کہ عازم دمشق ہو جائیں مگر ان لوگوں نے آگے بڑھ کر حملہ کر دیا اور جس نے خیموں سے باہر نکل کر مداخلت کی وہ تلوار کی دھار پر رکھ لیا گیا سیدنا علی رضؓ کی اولاد سے آٹھ نو اور آپ کے ساتھیوں سے چار پانچ افراد بچ گئے ، شیعانِ علیؓ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔

سیدنا حسین رضؓ کی یہ شہادت نہایت مظلومانہ انداز میں ہوئی - آپ فرماتے رہے کہ مجھے واپس جانے دو - مجھے اپنے چچازاد بھائی (یزیدؒ) کے پاس جانے دو مجھے سرحدات کی طرف نکل جانے دو تاکہ وہاں جا کر جہاد کرنے والوں میں شامل ہو جاؤں مگر آپ کی ایک نہ سنی گئی۔

آج ابن زیاد اور ابن سعد کو حسین رضؓ کا قاتل کہنے والوں کو شرم نہیں آتی کہ وہ کیسی بے تکی خلاف عقل اور خلاف واقعہ غلط بیانیوں سے کام لے رہے ہیں کوفہ میں بسنے والے تمام کے تمام شیعانِ علی رضؓ میں سے ایک ابن زیاد اور ایک ابن سعد صرف دو آدمی باہر کے ہیں - اگر ہزاروں آدمی ان پر تھوکنا ہی شروع کر دیتے تو وہ ان کے تھوک میں ہی ڈوب کر مر جاتے - مگر جب انسان عقل و خرد سے عاری ہو جائے اور بغض و حسد تعصب و عناد کی وجہ سے اندھا ہو جائے تو اس کی کوئی ایسی بات نہیں سوجھتی جس میں حقیقت کا شمہ بھر بھی ہو - ہزاروں صلوٰۃ و سلام ہوں تجھ پر اے حسین رضؓ تیری مظلومانہ شہادت پر ہم آج تک اشکبار ہیں۔

اولادِ حسین رضؓ سے خروج کرنے والے

امام کے بغیر جہاد حرام ہے۔

سیدنا حسین رضؓ تو شیعوں کے مزعومہ امام تھے ان کے خروج کو ان کی زبان میں جہاد کہہ لیجئے - مگر اس بات کا ان شیعوں کے پاس کیا جواب ہے کہ امام معصوم کی قیادت کے بغیر جہاد کرنا حرام ہے - آج بھی ان کی دینیات کی کتب میں فریضہ جہاد کی یہی تعبیر مرقوم ہے کہ مامور من اللہ بارہ اماموں کی قیادت کے بغیر جہاد حرام محض ہے اور اس لحاظ سے ان کے یہ ساڑھے پانچ درجن علوی خروج کر کے حرام موت مرے تو اسی حرام موت مرنے والی "عترت" کے تمسک کی ڈھنڈیا پیٹی جا رہی ہے۔

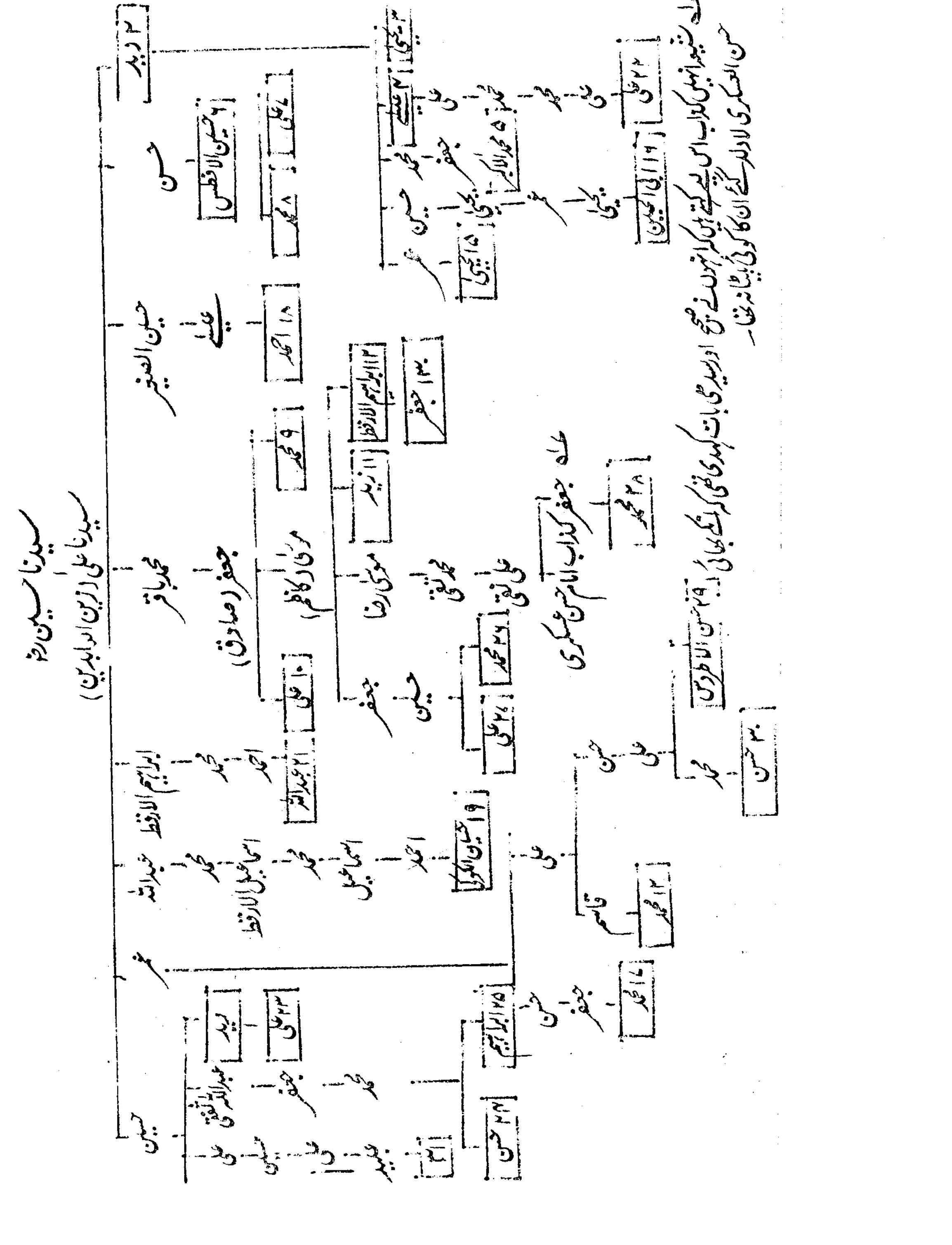

سیدنا حسین رضؓ کی اولاد کی اولاد سے خروج کرنے والے

چاہیئے تو یہ تھا کہ سیدنا حسین رضؓ کے رجوع کے بعد آپ کی مظلومانہ شہادت سے آپ کی اولاد عبرت حاصل کر کے پرامن زندگی گزارتی۔ مگر نامعلوم ان لوگوں کے ذہن میں یہ سودا کیوں سمایا ہوا تھا کہ نبی کی بیٹی کی اولاد ہونے کی وجہ سے اس دنیا میں حکومت کرنے کے حقدار صرف ہم ہی ہیں سیدنا علی ذرین العابدینؒ نے تو تمام زندگی امیر یزیدؒ اور مروان رضؓ کی اطاعت گزاردی اور جہاں تک آپ سے بن پڑا اطاعت امیر میں سرمو فرق نہ آنے دیا۔ آپ کو کئی بار شیعوں نے خروج کے لیے آمادہ کرنے کی کوششیں کیں مگر ہر بار آپ نے انہیں دھتا بتا دیا بلکہ واقعہ حرّہ کے متعلق سب سے پہلے آپ نے ہی امیر یزیدؒ کو اطلاع دی اور یہی وجہ تھی کہ بغاوت کے فرو ہونے کے بعد مسلم بن عقبہ سالار عساکر خلافت نے آپ کی بڑی عزت و تکریم کی مگر آپ کی زندگی سے آپ کی اولاد نے کوئی سبق حاصل نہ کیا۔ کثیر اولاد تھے۔ آپ کے آٹھ بیٹوں کے نام اس وجہ سے تاریخ کے اوراق کی زینت ہیں کہ ان آٹھ کی اولاد میں سے کسی نہ کسی نے خروج کیا اور ان آٹھ میں سے زید نے خروج کیا اور باقی پُرامن زندگی گزار کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔ آئندہ صفحات میں سیدنا حسین رضؓ کی اولاد سے ان لوگوں کے حالات کا ایک سرسری سا خاکہ پیش کیا جاتا ہے جسے ایک نظر دیکھنے سے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ لوگ کس قماش کے تھے۔

(۲) **زید بن علی بن الحسین** رضؓ نے ۱۲۲ھ میں کوفہ میں سانحہ کربلا سے باسٹھ سال ہشام ___ کے متعلق الامامۃ والسیاسۃ کے غالی رافضی جیسے مصنف نے بھی لکھا ہے کہ خلیفہ ہشام بڑا نیک مزاج تھا اور لوگ بڑے امن و آرام سے زندگی گزار رہے تھے۔ ہشام نے گیارہ حج کیے تھے۔

زید سانولے رنگ کے بھاری بھرکم آدمی تھے۔ والدہ لونڈی تھی (المعارف ص۹۴ طبری ص۱۶۲ ج ۸) خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سیڑھیاں چڑھتے ہوئے دم پھول گیا خلیفہ نے بڑی عزت و تکریم سے اپنے پہلو میں جگہ دی اور وظیفہ کے طور پر

معقول رقم دی۔ زید نے اور تقاضا کیا تو خلیفہ نے انکار کر دیا بس دل میں بغض پیدا ہو گیا۔ اس کے علاوہ سیدنا علی رضؓ کے اوقات کے متعلق عبداللہ المحض بن حسن مثنٰی سے بھی جھگڑا تھا۔ حسنی پارٹی کے قائد جعفر بن حسن مثنٰی تھے اور حسینی پارٹی کے قائد زید تھے جھگڑے نے طول کھینچا اور مقدمہ دربار خلافت تک پہنچا خلیفہ کے فیصلہ پر بھی مطمئن نہ ہوئے ان ایام میں کوفیوں نے آپ کو اسی طرح خطوط لکھنے شروع کیے جس طرح سیدنا حسین رضؓ کو لکھا کرتے تھے۔

یہ سن کر آپ کے ابن عم اور دلی دوست داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباس نے روکا اور منع کیا کہ یہ لوگ بے ایمان ہیں ان کا کام شروع ہی سے آگ لگانا ہے ان کے بھکانے میں نہ آؤ۔ چنانچہ مشہور رافضی مورخ طبری لکھتا ہے داؤد نے کہا اے بھائی یہ آپ کو دھوکا دے کر آپ کی جان خطرے میں ڈال رہے ہیں کیا تم نہیں جانتے کہ یہ وہی فتنہ پرور لوگ ہیں جنہوں نے تمہارے جدِ امجد علی بن ابی طالب کا جو تم سے بدرجہا بہتر تھے ساتھ چھوڑ دیا۔ اور آخر کار ان کو قتل کرا دیا کیا یہ وہی لوگ نہیں جنہوں نے حسنؓ بن علی رضؓ سے بیعت کی اور پھر ان پر حملہ آور ہوئے ان کی گردن سے چادر گھسیٹ لی۔ اور ان کا خیمہ لوٹ لیا اور ان کو زخمی کر دیا۔ کیا وہی لوگ نہیں جنہوں نے خود تمہارے دادا حسین بن علی رضؓ کو تحریریں بھیج کر قسمیں کھا کھا کر اپنی وفاداری کے حلف اٹھا اٹھا کر خروج پر آمادہ کیا پھر ان ہی سے غداری کی یہاں تک کہ ان کو مع ان کے ساتھیوں کے قتل کر دیا بس تم ایسا مت کرو (طبری جلدی ۲ صـ ۲۸۲ طبع دکن) مگر زید نے اپنے دادا سے بڑھ کر غلطیوں پہ غلطیاں کیں۔ مخلص عزیزوں اور دوستوں نے ہر چند سمجھایا مگر حصول سلطنت کے نشہ کو عزیزوں کے نصائح کی ترشی دور نہ کر سکی۔ یزید نے کوفہ پہنچ کر خروج کر دیا خلیفہ ہشام خونریزی سے متنفر تھے (البدایہ جلد ۹ صـ ۳۵۳) آخر مجبور ہو کر عامل عراق کو بغاوت کے فرو کرنے کے لیے لکھا۔ مگر ہدایت کی کہ ان پہ اتنا بوجھ ڈالنا کہ وہاں سے کسی اور طرف نکل جائیں خون نہ بہے۔ عوام کے امن میں خلل نہ پڑے سپاہیوں کو منع کر دینا کہ باغیوں کے گھروں میں داخل نہ ہوں۔ زید کی فوج نے حملہ کر دیا مگر عسکر خلافت کی طرف سے ایک تیر آیا اور زید کی پیشانی میں پیوست ہو گیا جس کے

زخم سے جانبر نہ ہو سکے ان صاحب کے لیے بھی ایک حدیث گھڑ لی گئی۔

حافظ نے خلیفہ بن الیمان سے روایت کی ہے کہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ زید بن حارثہ پر پڑی تو فرمایا میرے اہل بیت میں سے ایک مظلوم کا نام یہی ہو گا۔ اللہ کی راہ میں قتل ہونے والے اور میری اُمت (معلوم نہیں یہاں داستان گو نے زید کے لیے امتی کا لفظ کیوں استعمال کیا) میں سے سولی پر چلنے والے کا یہی نام ہو گا۔ پھر زید بن حارثہ کو کہا مجھ سے قریب ہو جاؤ۔ تمہاری محبت اللہ اور زیادہ کرے کیونکہ تمہارا نام میری اولاد میں سے میرے ایک پیارے بیٹے زید کا نام ہے۔

زید بن حارثہ کچھ عرصہ زید بن محمد کہلائے۔ سیدہ فاطمہ رضؓ کی پیدائش سے پہلے ہی اس باغی زید کے متعلق نبی کی طرف منسوب حدیث کس قدر بعید از قیاس ہے پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ زید کا خروج کسی دینی غرض کے لیے نہ تھا۔ بلکہ ذاتی رنجش اور حصولِ اقتدار کے لیے تھا۔

زید کے بیٹے حسین کی ایک بیٹی خدیجہ امام محمد بن ابراہیم عباسی کے نکاح میں تھی (کتاب نسب قریش صـ ۶۶) زید حضرات شیخین کی بزرگی اور فضیلت کے قائل تھے ان کی ایک جماعت نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا جنہیں انہوں نے خود رافضی کہا۔

۳۔ یحییٰ بن زید نے ۱۲۶ھ میں خراسان میں ولید اموی کے زمانے میں خروج کیا باپ کے خروج کے وقت بیس سال عمر تھی باپ کے مقتول ہونے پر الحکم بن بشیر بن مروان نے پناہ دی (جمہرۃ الانساب ابن حزم صـ ۹۸) سبائیوں نے انہیں بھی بھکایا خراسان میں پہنچ کر فتنہ انگیزیاں شروع کیں۔ نصر بن یسار کو گورنر خراسان نے گرفتار کر لیا مگر خلیفہ ولید نے حکم دیا کہ رہا کر دو بعد میں خروج کر کے قتل ہوا۔

ذرا غور کیجیے باپ کی بغاوت کے خاتمہ پر پناہ ملتی ہے تو خاندانِ خلافت کے ایک فرد کے ہاں شورش پھیلانے پر گورنر متعلقہ گرفتار کرتا ہے تو خلیفہ حکم دیتا ہے چھوڑ دو۔ آخر اسی خاندان کے خلاف بغاوت کر دیتا ہے یہ ہے کردار ان بدنام کنندہ اسلاف کا جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ "تمسک بالعترت" نہیں کیا جاتا۔ یحییٰ لاولد تھا۔

۴۔ عیسیٰ بن زید بن زین العابدین نے ۱۴۸ھ میں کوفہ میں ابو جعفر المنصور کے زمانہ میں خروج کیا۔ ابو مسلم خراسانی جب اپنی سرکشی اور تمرد کی وجہ سے قتل ہوا۔ تو اس کے ساتھیوں نے عیسیٰ کو بغاوت پر آمادہ کیا ابو مسلم خراسانی جو بباطن علویوں کا خیر خواہ تھا اور چاہتا تھا کہ عباسی خلافت کامیاب نہ ہو سکے اس کے ساتھیوں کی تعداد کئی ہزار تھی عیسیٰ کو شکست ہوئی۔ چونکہ محمد الارقط اور ابراہیم کی بغاوتوں میں ان کے شریک رہ چکے تھے اس لیے روپوش ہو گئے۔ موسیٰ الہادی کے زمانہ میں فوت ہوئے اور دو خوردسال بیٹوں کے لیے وصیت کر گئے کہ انہیں عباسی خلیفہ کے پاس پہنچا دینا چنانچہ عیسیٰ کا خادم خاص حاضر ہو کر ان کے بچوں کو لے کر خلیفہ کے دربار میں پہنچا اور کہا کہ یہ عیسیٰ کے بیٹے ہیں۔ باپ نے ان کے لیے کوئی چیز نہیں چھوڑی۔ انہوں نے مرتے وقت مجھے وصیت کی تھی کہ انہیں آپ کے پاس پہنچا دوں خلیفہ نے بچوں کو بلا کر اپنے زانو پر بٹھا لیا اور یحییٰ کی موت پر گریہ و بکا کیا۔ اور بچوں کا وظیفہ مقرر کر کے ان کے خاندان والوں کے پاس بھیج دیا۔

اگر دل میں خدا کا خوف اور ایمان کی ایک رمق بھی ہو تو ایسے نیک دل خلفاء کو دشنام دینے اور ناحق بدنام کرنے کی حرکت کا خیال تک بھی دل میں پیدا نہ ہوتا اپنے سالہاسال کے دشمن کے بیٹوں کو زانو پر بٹھا کر ان کے وظائف مقرر کرنے والوں کے متعلق یہ بکواس کرنا کہ وہ علویوں کو زندہ دیواروں میں چنوا دیا کرتے تھے۔ کتنا بڑا بہتان اور افتراء ہے۔ اور ایسے کام صرف شیعوں کو ہی زیب دیتے ہیں

۵۔ محمد الاکبر بن جعفر بن محمد بن زید بن زین العابدین نے ۱۹۹ھ میں کوفہ میں مامون الرشید کے خلاف خروج کیا۔ ان کا ذکر اس سے پہلے ابو السرایا کے ضمن میں ہو چکا ہے۔

۶-۷-۸-۹ علی و محمد ابنان حسین الافطس بن حسن بن زین العابدین اور محمد بن جعفر بن محمد باقر بن زین العابدین نے مل کر ۱۹۹ھ میں مکہ میں مامون الرشید کے زمانہ میں خروج کیا۔ حسین کو افطس اس لیے کہتے تھے کہ وہ چپٹی ناک والا تھا یہ تینوں باپ بیٹے

نہایت قبیح سیرت اور بد اعمال تھے حسین الافطس کو اکثر مورخین نے احد المفسدین فی الارض کہا ہے (جمہرۃ الانساب ص۴۷) مکہ معظمہ کی تاریخ میں انہیں بدترین سیرتوں والا بیان کیا گیا ہے۔ حسین الافطس نے کعبہ سے غلاف اتار لیا اور اس کی بجائے ابو السرایا کا بھیجا ہوا غلاف چڑھایا۔ لوگوں کے مال پر دست تعدی چھیننے لگا۔ اکثر لوگ بخوف جان و مال مکہ چھوڑ کر بھاگ گئے اس کے ہمراہیوں نے حرم شریف کی جالیوں کو توڑ دیا۔ خود الافطس نے کعبہ شریف کے ستونوں پر چڑھا ہوا سونا اتار لیا کعبہ کا تمام خزانہ لوٹ کر ہمراہیوں میں تقسیم کر دیا مشہور شیعہ مؤلف عمدۃ الطالب میں لکھا ہے کہ اس نے کعبہ کا مال لوٹ لیا۔ جب اسے ابو السرایا کے مرنے کی اطلاع ملی تو بہت گھبرایا۔ جناب جعفر (الصادق) کے بیٹے محمد کے پاس آیا جو ایک نیک سیرت عالم فاضل تھے کہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں پہلے تو انہوں نے انکار کیا آخر اپنے بیٹے علی کے کہنے پر آمادہ ہو گیا اب لوگ انہیں امیر المومنین کہنے لگے علی بن محمد اور حسین الافطس نے محمد کی آڑ میں ہاتھ پاؤں نکالنے شروع کیے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ جہاں کسی خوبصورت عورت پر نظر پڑی اٹھا کر لے گئے۔ مکہ کے قاضی کے لڑکے کو منہ کالا کرنے کے لیے پکڑ کر لے گئے۔ آخر تنگ آ کر مکہ کے لوگوں نے ایک جلسہ کیا اور متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ محمد بن جعفر کے مکان سے مکہ کے قاضی کا لڑکا رہا کرایا جائے۔ تاریخ کامل ابن کثیر کے حوالے سے ابن خلدون لکھتا ہے کہ قاضی کا نام محمد اور اس کے لڑکے کا نام اسحاق تھا۔ جو بڑا خوبصورت تھا۔ اسے دیکھتے ہی ان شیطانوں کی رال ٹپک پڑی (ص۱۰۲)

اہل مکہ نے محمد کے مکان کو گھیر لیا۔ محمد لوگوں کو ہمراہ لے کر اپنے بیٹے علی کے مکان پر پہنچے اور اس سے لڑکا لے کر لوگوں کے حوالے کیا۔

مکہ میں یہ شیطانی کھیل کھیلا جا رہا تھا کہ دار الخلافہ سے سرکاری فوجیں آ گئیں۔ "امیر المومنین" کو ہوش آیا اور امان کی درخواست پیش کی جو قبول کر لی گئی مگر بعد میں جحفہ کی جانب بھاگ نکلے۔ دوبارہ چند روز کے بعد مدینہ پر حملہ آور ہوئے مگر پھر شکست کھائی اور ایک آنکھ جاتی رہی۔ مجبور ہو کر حج کے موقعہ پر مکہ پہنچے اور دوبارہ امان طلب کی ساتھ ہی یہ معذرت کی کہ مجھے معلوم ہوا تھا کہ مامون الرشید کی وفات

ہوگئی ہے انہیں حج کے بعد مامون کے پاس بھیج دیا گیا رحم دل خلیفہ نے ان کا قصور معاف کر دیا۔

حسین الافطس کے بیٹے گرفتار ہو کر قتل ہوئے۔ اس قماش کے بدفطرت بدکردار اور شر و فساد کے حامل بھی مامون جیسے فیاض اور رحم دل خلیفہ کے دربار سے معاف کر دیئے گئے مگر شیعہ اپنی کتب میں لکھتے ہیں کہ مامون نے علی کو قتل کیا۔ دیوانگی۔ پاگل پن، بددیانتی اور بہتان کی انتہا ہے اور شیعیت اس میدان میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتی۔

۱۰۔ **علی بن صادق** نے ۱۹۹ھ میں بصرہ میں مامون کے خلاف خروج کیا یہ حضرت کنیز زادے تھے گرفتار ہو کر رحم دل خلیفہ کے پیش ہوئے اور خلیفہ نے معاف کر دیا۔ اس کے سگے بھائی عبداللہ بن جعفر کی بیٹی فاطمہ عباس بن عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد الامام بن علی بن عبداللہ بن عباس کے نکاح میں تھی (جمہرۃ الانساب ص۵۳ ونسب قریش ص۶۴) عباسی شوہر کے مرنے کے بعد علی بن اسماعیل بن جعفر کے نکاح میں آئی۔

۱۱۔ **زید النار بن موسیٰ کاظم** نے ۱۹۹ھ میں بصرہ میں مامون کے خلاف خروج کیا۔ اس زید کو ابوالسرایا نے اپنی حکومت کے دوران اہواز کا عامل مقرر کیا تھا۔ بعد میں اس نے بصرہ پر قبضہ کر کے لوٹ مار اور قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ مشہور شیعہ مورخ عمدۃ الطالبین میں لکھتا ہے کہ اس نے عباسیوں کے مکان جلا ڈالے اور باغ بھی جلا دیئے اسی لیے اسے زید النار کہتے ہیں (ص۲۰۹) بالآخر گرفتار ہو کر خلیفہ کے سامنے پیش ہوا۔ ایسے بد قماش اور بدفطرت باغی کو بھی خلیفہ نے معاف کر دیا حالانکہ اس نے چند روزہ بغاوت کے ایام میں عباسیوں کی لاکھوں کی جائیداد تباہ و برباد کر دی تھی خود شیعہ مؤلف لکھتا ہے۔ زید النار گرفتار ہوا اور مرو کے مقام پر خلیفۃ المسلمین کے حضور میں پیش کیا گیا خلیفہ نے آزاد کر کے اسے علی (رضا) یعنی اس کے بھائی کے پاس بھیج دیا مگر بھائی نے تمام زندگی اس سے بات نہ کی (عمدۃ الطالب ص۲۱۱) اس قسم کی خلافت دشمن سرگرمیوں کے باوجود ان لوگوں کو عباسی خلفاء

معاف کر دیتے رہے مگر مجوسی اور یہودی ذہنیت کے مُلّا باقر مجلسی جیسے دروغ گو ایسے روشن اور عیاں واقعات کے باوجود یہ کہتے ہوئے نہیں تھکتے کہ عباسیوں نے علویوں پر بڑے ظلم کیے۔ ایسے احمقوں سے کوئی پوچھے تمہاری اس ہرزہ سرائی کا ثبوت "معتبر روایات" سے معلوم ہوا ہے کہ بغیر کچھ اور بھی ہے؟

۱۲۔ **ابراہیم الجزار بن موسیٰ کاظم** نے ۱۹۹ھ میں یمن میں مامون کے خلاف خروج کیا۔ یہ ابراہیم بھی ابوالسرایا کی جانب سے یمن کا عامل مقرر کیا گیا تھا اہل یمن کو کثرت سے قتل کرنے اور ان کے اموال لوٹ لینے کی وجہ سے قصاب کے نام سے مشہور ہوا (البدایہ جلد ۱۰ ص۲۹۶) اس کے آٹھ بیٹے تھے جن میں سے جعفر نے یمن میں بغاوت کی تھی۔ دوسرے بیٹے کا نام موسیٰ تھا جس کی اولاد سے محمد الرضی اور علی الرضی مؤلفین نہج البلاغہ ہوئے۔ ابراہیم الجزار بن موسیٰ کاظم کے بیٹے کا نام مروان تھا۔ اس نام سے معلوم ہوتا ہے کہ علویوں کے خروج محض سیاسی اور حب جاہ کے نتیجے کے طور پر تھے اگر مذہبی طور پر وہ ایسی حرکات کا ارتکاب کرتے تو اپنی اولاد کے نام مروان وغیرہ کے ناموں پر نہ رکھتے۔ گویا ۱۹۹ ہجری تک مروان علویوں کے ہاں قابل تعظیم ہستی تھی۔

۱۳۔ **جعفر بن ابراہیم الجزار** نے ۲۰۲ھ میں یمن میں مامون الرشید کے خلاف خروج کیا مگر ناکام ہو کر طالب معافی ہوا اور کریم الطبع خلیفہ نے معاف کر دیا۔

۱۴۔ **محمد بن قاسم بن علی بن عمر بن زین العابدین** نے ۲۱۹ھ میں طالقان میں المعتصم باللہ عباسی کے خلاف خروج کیا۔

سیدنا علی رضہ کے بیٹے کا نام عمر، سیدنا زین العابدین کے بیٹے کا نام عمر اور ان رافضیوں کے نزدیک عمر "جبت اور طاغوت" ان عقل کے اندھوں سے کوئی پوچھے کہ تمہاری طرح تمہارے آئمہ کے نزدیک اگر "عمر" ایک گالی ہے اور تھی تو وہ اپنی اولاد کا نام ان کے نام پر کیوں رکھتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ شیعہ مذہب کی کوئی کل سیدھی نہیں ان کے آئمہ جو کچھ کہتے رہے یہ لوگ سراسر ان کے خلاف

عمل کرنے کو ہی اپنا مذہب سمجھتے رہے اور سمجھتے ہیں۔ محمد بن قاسم ایک عالی فاضل شخص تھے ان کے پردادا عمر کی بیٹی خدیجہ محمد بن ابراہیم بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کے نکاح میں تھی ایک مجہول الاسم رافضی نے انہیں ورغلانا شروع کر دیا اور حج کے موقعہ پر آنے والے خراسانیوں سے ان کے لیے پوشیدہ طور پر بیعت لینا شروع کر دی محمد بن قاسم ان لوگوں کے چکمے میں آکر خراسان چلے گئے اور طالقان میں خروج کر بیٹھے گرفتار ہو کر پیش ہوئے اور عید کے موقعہ پر فرار ہو کر روپوش ہو گئے اور اسی حالت میں مر گئے۔ علامہ ابن حزم نے ان کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں (جمہرۃ الانساب ص۴۸)

شیعی مولف عمدۃ الطالب نے لکھا ہے کہ صوفی بھی تھے اور صوف کا لباس پہنتے تھے۔ یہی مؤلف لکھتا ہے کہ فرار کے بعد گرفتار ہو کر قتل ہوئے مگر ان کا قتل ہونا محل نظر ہے۔

"صوفیوں کو مبارک ہو کہ ان کے مورث اعلیٰ یعنی روحانی گرو کا اتا پتا معلوم ہو گیا ہے"

۱۵۔ یحییٰ بن عمر بن زید بن علی زین العابدین یہاں زین العابدین کا پوتا

"عمر" شیعوں کے سینوں پر مونگ دلنے کے لیے آگیا۔ ان احمقوں سے یہ پوچھے بغیر نہیں رہا جا سکتا کہ عمر رض علی رض کا جانی دشمن تھا اور علی زین العابدین کا ایک بیٹا عمر ایک پڑوتا عمر ایک پڑوتے کا بیٹا عمر رض۔ گویا سارا خاندان ہی عمر آج بعض متعصب اور غالی قسم کے شیعہ عمر نام جب اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں تو اس طرح سے الٹا کر کے لکھتے ہیں اور کوئی خیرات نامی شیطان اعظم وکیل اپنی تالیف نور ایمان میں بڑی دور کی کوڑی لایا ہے چنانچہ لکھتا ہے کہ:

قاعدہ ہے کہ پانچ حرفی الفاظ کا وسطی حرف اس کا دل ہوتا ہے اب دیکھو کہ فرعون، ہامان اور قارون کے وسطی حروف کیا ہیں ظاہر ہے کہ ع ۔م اور ر ہیں اور ان کے ملانے سے عمر بنتا ہے ۔گویا عمر رض فرعون، ہامان اور قارون کا دل ہے (ص۳۲۲) زندہ باد خیرات وکیل صاحب! عمر رض کو برا کہنے کہنے تمام

علویوں پر بھی ہاتھ صاف کر دیا۔ ع
زبان بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجیے دہن بگڑا

یہ ایک جملہ معترضہ سا درمیان میں آگیا تھا۔ ان یحییٰ بن عمر صاحب نے ۲۳۵ھ میں المتوکل کے خلاف بصرہ میں خروج کیا۔ یہ بھی عقل کے کودن تھے چند مفسدہ پردازوں کے پھندے میں پھنس کر خروج کر بیٹھے پکڑے گئے اور اٹھارہ کوڑے کھا کر قید ہوئے۔

۱۶۔ ابی الحنین یحییٰ بن عمر بن یحییٰ بن حسین بن زید بن زین العابدین نے ۲۵۰ھ

میں کوفہ میں المستعین باللہ کے خلاف خروج کیا۔

"اے لاہاتھ ۔۔۔ میرے یار ۔۔۔ خیرات وکیل! ۔۔۔ یہاں ایک اور عمر رض آگیا گویا زین العابدین کے پوتے کا پوتا عمر ۔۔۔؟

سچ فرمایا تھا نبی علیہ السلام نے کہ عمر ایک بار جس راستے سے گزر گیا قیامت تک اس راستے سے شیطان نہیں گزرے گا میں نے کئی روز اس بات پر غور کیا اور ساتھ ہی اس بات پر بھی غور کرتا رہا کہ علویوں میں تقریباً دو صد ہجری سے بھی کچھ بعد تک عمر نام کے لوگ پیدا ہوتے رہے اس کی کیا وجہ کیا ہو سکتی ہے آخر ایک دن میرے وجدان نے میری رہنمائی کی کہ علویوں کی برائیاں اور بے حیائیاں جب حد سے بڑھ جاتی رہیں تو ان میں کوئی نہ کوئی عمر نام کا علوی اللہ تعالےٰ اس لیے پیدا کرتا رہا کہ یہ لوگ کسی حد تک شیطان کے پنجے سے بچ جائیں اگر ان میں عمر نام کے چند علوی پیدا نہ ہوتے تو اپنی بدکرداریوں کی وجہ سے یہ لوگ ذلیل ترین قبیلوں کی شکل میں ہمارے سامنے دربدر دھکے کھاتے نظر آتے ان کی حد سے بڑھی ہوئی خباثتوں کو کم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ ان کے گھروں میں کوئی نہ کوئی عمر رض نام کا آدمی پیدا کر دیتا رہا۔ بات کیا تھا اور مجھے خیرات وکیل کہاں گھسیٹے پھرا۔ ابی الحنین کے آبا امویوں کے خلاف خروج کر کے قتل ہو کر خطہ ارضی کو اپنے وجودوں سے پاک کر دیتے رہے مگر ان ذات شریف کو اپنے ہی ہاشمیوں کے خلاف ہانکنی آگئی۔ یحییٰ کی آٹھویں پشت تک بڑے بڑے سنی عالم پیدا ہوتے رہے۔ چنانچہ ابوالبرکات متوفی ۵۴۸ھ

انہیں کی اولاد سے تھے یحییٰ خود بھی مالکی مسلک پر کاربند تھے۔ (اور یہ سب عمرؓ کے نام کی برکات ہیں) پھر ان کے عباسیوں کے ساتھ مصاہرانہ تعلقات بھی تھے۔ یحییٰ بن حسین کی بہن میمونہ یعنی زین العابدین کی حقیقی پوتی مہدی باللہ عباسی کی زوجہ تھی۔ (جمہرۃ الانساب ص۵۱) مگر ان کے دماغ میں بھی حصول خلافت کا کیڑا کلبلایا اور بادیہ نشینان عرب کی ایک جماعت فراہم کر کے کوفہ کی جیل کا دروازہ توڑ کر قیدی نکال کر اپنے ساتھ ملا لیے۔ سرکاری دفتر جلا دیئے بیت المال کے دروازے توڑ کر دو ہزار سرخ دینار اور ستر ہزار درہم لوٹ لیے آخر شکست کھائی اکثر باغی قتل ہوئے ان باغیوں کی سرکوبی کو بھی عباسیوں کی سفاکی اور ظلم کی فرضی فہرست میں شامل کر لیا گیا۔

۱۷۔ **محمد بن جعفر بن حسن بن عمر بن زین العابدین** ۲۵۰ھ میں المستعین کے خلاف خروج کیا اور اسیر ہو کر سزایاب ہوئے (طبری جلد ۱۱ ص۱۱۳)

۱۸۔ **احمد بن عیسیٰ بن حسین الصغیر بن زین العابدین** نے ۲۵۰ھ میں رے میں المستعین باللہ کے خلاف ادریس بن موسیٰ بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ کے ساتھ مل کر الرضا من آل محمد کا نعرہ لگا کر خروج کیا ایک ترکی سردار موسیٰ بن الکبیر نے شکست دی احمد بن موسیٰ بھاگ کر قزوین چلا گیا اور حسن بن احمد کوکبی کے ساتھ مل کر ۲۵۲ھ میں دوبارہ خروج کیا بلادرے پر یورش کر کے قتل و غارت کا بازار گرم کی آخر شکست کھائی خلیفہ نے رحم کر کے نیشاپور کی طرف بھیج دیا (طبری جلد ۱۱ ص۱۵۲)

۱۹۔ **حسن کوکبی بن احمد بن اسماعیل بن محمد بن اسماعیل الارقط بن محمد بن عبداللہ بن احمد بن عیسیٰ** کا شریک کار تھا۔

۲۰۔ **حسین الحرون** محمد بن حمزہ بن عبداللہ بن حسین بن زین العابدین نے ۲۵۱ھ میں کوفہ میں المستعین باللہ کے خلاف خروج کیا اس کے جدِّ امجد میں عبداللہ کا جھگڑا اپنے چچا جعفر کے ساتھ تھا کہتے ہیں جعفر کی بد دعا سے اس

کا چہرہ بگڑ گیا تھا۔ (عمدہ الطالب ص۲۱۱) ان کی عباسیوں سے بہت رشتہ داریاں تھیں۔

۱۔ ام الحسن بنت زین العابدین داؤد بن عبداللہ بن العباس کے نکاح میں تھی۔

۲۔ زین العابدین کی دوسری بیٹی فاطمہ اپنی بہن ام الحسن کے مرنے کے بعد داؤد کے نکاح میں آئی۔

۳۔ اُم الحسین بنت زین العابدین ابراہیم بن محمد بن عبداللہ بن العباس کے نکاح میں تھی۔

۴۔ کلثوم بنت عبداللہ الارفط اسماعیل بن علی بن عبداللہ بن العباس کے نکاح میں تھی۔

اس قدر تعلقات کے باوجود حسین بن احمد مذکور نے بغاوت کی اور قتل ہوا اسی بغاوت میں ابراہیم بن محمد بھی تھے جو عباس بن علی کی اولاد سے تھے ان کے دادا عبیداللہ مامون الرشید کے زمانہ میں مکہ مدینہ کے گورنر اور قاضی تھے حسین الحرون اور ابو احمد محمد نے کوفہ میں خروج کیا اور معہ اپنے ساتھیوں کے مارے گئے۔

۲۱۔ **عبداللہ بن احمد** بن محمد بن ابراہیم الارفط بن محمد بن زین العابدین نے ۲۵۳ھ میں کوفہ میں المستعین باللہ کے خلاف خروج کیا اور مارے گئے منقطوع النسل تھے۔

۲۲۔ **علی بن محمد** بن احمد بن علی بن عیسیٰ بن زین العابدین نے ۲۵۶ھ میں کوفہ میں المعتمد علی اللہ کے زمانے میں خروج کیا یہ شخص علوی نہیں تھا مگر یارانِ طریقت نے اسے علوی بنا کر اس سے خروج کرا دیا اور عسکر خلافت کے ہاتھ سے کیفر کردار کو پہنچا۔

۲۳۔ **علی بن زید** بن حسین بن زید بن زین العابدین نے ۲۵۶ میں کوفہ میں المعتمد علی اللہ کے خلاف خروج کیا۔ جب اس کی فوج ماری گئی تو خود بھاگ کر حبشیوں کے سردار صاحب الزنج کے پاس پہنچ گیا مگر اس حبشی سردار نے مدد کرنے کی بجائے اسے قتل کر کے اس کی محبوبہ رائب کو اپنے گھر ڈال لیا۔ (جمہرۃ ابن حزم ص۵۲)

ع۔ پہنچی وہاں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

۲۴۔ حسن بن محمد بن جعفر بن عبداللہ العقیقی بن حسین بن زین العابدین ۲۵۶ھ میں بصرہ میں المعتمد علی اللہ کے خلاف خروج کیا۔ مگر عساکر خلافت کے پہنچنے سے پہلے ہی حسین بن زید نے اسے قتل کر دیا۔ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔

زینب بنت حسین بن زین العابدین جو اس کے دادا کی پھوپھی اس کے یعنی ہارون کے نکاح میں تھی۔ عباسی مفت میں بدنام کیے جا رہے ہیں مگر علویوں کی ان خانہ جنگیوں کی طرف ان نام نہاد "محبانِ علی" کی نظر کیوں نہیں جاتی شاید اس لیے کہ ان کی نظر میں یہ لوگ عترت رسول ہیں اور عترت رسولؐ کو زنا، ڈاکہ زنی شراب خوری، لواطت اور فساد فی الارض کی کھلی چھٹی ہے۔

۲۵۔ ابراہیم بن محمد بن جعفر بن عبداللہ العقیقی نے حسن بن محمد بن جعفر بن عبداللہ العقیقی نے اکٹھے خروج کیا اور جلد ہی اپنے کیفر کردار کو پہنچ گئے۔

۲۶-۲۷۔ محمد بن حسین بن جعفر بن موسیٰ کاظم اور علی بن حسین بن جعفر بن موسیٰ کاظم دونوں بھائیوں نے مل کر ۲۷۱ھ میں المعتمد عباسی کے زمانہ میں خروج کیا۔

یہ دونوں بھائی شیطنت، خباثت، بے حیائی اور ظلم و جور کے مجسمے تھے چند روز ان کا مدینہ منورہ پر قبضہ رہا علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں۔ مدینہ کے باشندوں کی بڑی تعداد کو قتل کر ڈالا ان کا مال و اسباب چھین لیا۔ پورے چار ہفتے مسجد نبوی میں نماز نہ ہو سکی۔ مدینہ کے علاوہ مکہ میں بھی یہی فتنہ برپا کیا۔ مسجد حرام کے دروازے پر لوگوں کو قتل کیا۔ (جلد ۱۱ ص ۴۹)

علامہ ابن حزم لکھتے ہیں یہی وہ شخص ہے جو ۲۷۱ھ میں مدینہ میں طلب خلافت کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ لوگوں کو قتل کیا ان سے مال چھین لیے۔ کامل ایک ماہ تک مسجد نبوی میں کوئی شخص نماز نہ پڑھ سکا۔ محمد بن حسین نے جعفر بن ابی طالب کی اولاد سے تیرہ افراد کو قتل کیا اس کا لقب الملیط یعنی ڈاکیا تھا (جمہرۃ الانساب ص ۵۸)

مشہور شیعہ مورخ طبری نے بھی اسی قسم کے الفاظ لکھے ہیں اور اس نے ان ہی

کے خاندان کے ایک علوی شاعر کا قطعہ بھی درج کیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

"پاک مصطفیٰ کا دار الہجرت برباد ہو گیا۔ اس کی بربادی پر مسلمان گریہ و بکا کرتے ہیں۔ اے آنکھ مقام جبرئیلؑ اور محمد مصطفیٰؐ پر رو اور پاک منبر پر بھی بکا کرتا ہے اور وہ مسجد جس کی بنیاد پاکی پر رکھی گئی تھی وہ عبادت کرنے والوں سے خالی ہو گئی اور اس پاک ہستی پر بکا کر جس کو مبارک کہا اللہ نے رسولوں کے خاتمہ کرنے والے کے ذریعہ سے ان لوگوں کا برا ہو جنہوں نے اس کو برباد کیا۔ اور ایک ملعون ظلم ڈھانے والے کی واقعہ حرّہ اور کعبہ کی بے حرمتی کی فرضی داستانیں اس کے سامنے گر دیں!"

(طبری ج ۱۱ ص ۳۲۹)

محمد اور علی کی بغاوت کے زمانہ کی شخصیتوں کے ساختہ شیعی شاعر کا واقعہ حرّہ کے متعلق بیان اس بات کا پکا شاہد ہے کہ امیر المومنین یزید رحمہ اللہ کو محض بدنام کرنے کے لیے سبائیوں نے دروغ و افترا کی جو داستان تیار کی اسے بڑھا چڑھا کر بیان کرنے والوں کے دماغ صرف سوجھ بوجھ سے ہی خالی نہیں بلکہ وہ لوگ پرلے درجے کے جاہل ہونے کے علاوہ نسلی عصبیت کے کابوس کے ہاتھوں میں اس بری طرح گرفتار ہو چکے ہیں کہ اب ان کا اس ذلت اور لعنت سے چھٹکارا حاصل کرنا ناممکن ہو کر رہ گیا ہے شیعوں کے مزعومہ امام ہفتم کے ان پڑوتوں کو اگر "عترت رسول" ہونے کی "سعادت" کی بنا پر کسی "محقق" کو ان کے بارے میں سچ کہنے کی اخلاقی جرأت نہیں تو پھر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ واقعہ حرّہ کا ایک معمولی سا پولیس ایکشن کیوں اسے اس حد تک ناگوار گزر رہا ہے کہ وہ ایسے لفظ لکھتے پر ذرہ بھر شرم محسوس نہیں کرتا کہ تین دن تک مدینہ شاہی افواج کے لیے مباح رہا۔

کاش کہ موجودہ صدی کے یہ محقق اعظم جواب کہولت کے دور میں داخل ہو چکے ہیں اپنی موت کو قریب دیکھ سکتے اور خلافت و ملوکیت میں جس طرح انہوں نے تاریخ کے حقائق کا حلیہ بگاڑا ہے مرنے سے پہلے اس سے رجوع کر لیتے اور افسوس بلکہ رحم آتا ہے ان لوگوں پر جو ہر بات کو اپنے مرشد کی آنکھ سے دیکھنے، مرشد کے کان سے سننے کے اس قدر عادی ہو کر اپنے قوائے عقلیہ سے دست بردار

ہو چکے ہیں کہ ان کے سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں مفقود ہو چکی ہیں۔

میں جب "عترت رسول" کی ان بداعمالیوں پر ایک نظر ڈالتا ہوں تو حیرانی ہوتی ہے کہ یہ لوگ غدر و سرکشی، ظلم و تعدی، فتنہ و فساد، نافرمانی و بے حیائی قساوت و سنگدلی اور فواحشات و منکر کے جس مقام پر پہنچے ہوئے دیکھتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے آگے ذلت و پستی کا کوئی مقام نہیں۔

حرمین الشریفین کی بے حرمتی اور بے ادبی کے جس قدر مظاہر آنکھوں کے سامنے آتے ہیں ان کے کرتا دھرتا صرف یہی لوگ ہیں جو "مدعی عترت رسول" ہیں اور آج بھی جس قدر بداعمالیاں ان لوگوں میں ہیں دوسرے لوگوں میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں کیا اللہ تعالیٰ کو عملاً یہ دکھانا مطلوب تھا۔

کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

ایک چشم دید واقعہ: میں نے اپنی سیاحت کے دوران جالندھر اور کپورتھلہ کی سرحد پر ایک گاؤں میں دیکھا کہ مسجد اور دارا یعنی اہل دیہہ کی نشست گاہ قریب قریب تھے۔ مسجد میں ایک مسکین طبع درویش صفت بزرگ نامعلوم کب سے مقیم تھے اکثر قرب و جوار تک کے دیہات کے لوگ ان کے پاس جھاڑ پھونک اور تعویز وغیرہ کے لیے آتے اس وقت میں ان کے متعلق جو اندازہ کر سکا وہ کچھ اس قسم کا تھا کہ وہ اللہ کے نیک بندے ہیں۔ دوسری طرف دارا کے مکان کی ایک ملحقہ کوٹھڑی میں ایک سیاہ فام ہٹا کٹا موٹا تگڑا بڑی بڑی مونچھوں والا ملنگ قیام پذیر تھا دن رات بھنگ کا رگڑا لگ رہا ہے چرس کے شعلے بلند ہو رہے ہیں علی ولی کے نعرے لگ رہے ہیں میری نظروں میں وہ شخص مجسم ابلیس تھا۔

برسات کا موسم تھا اور دارا کے سایہ دار درختوں کے نیچے چند چارپائیاں بچھی تھیں میں ایک چارپائی پر دراز تھا مسجد سے وہ درویش صفت کسی ضرورت کے تحت باہر تشریف لائے اور دارا کے سایہ دار درختوں کے نیچے سے گزرتے ہوئے ایک طرف نکل گئے اس وقت تقریباً پندرہ بیس آدمی وہاں موجود تھے کسی نے ان کے گزرنے کا نوٹس نہ لیا کچھ وقت گزرا کہ وہ ملنگ کسی طرف سے

آ نکلا اپنے حجرہ میں پہنچنے کے لیے اسے بھی اسی راستہ سے گزرنا تھا جونہی وہ سامنے ہوا سب لوگ بصد تعظیم کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے اور جھک جھک کر اسے سلام کرنے لگے۔ چند ایک نے "یا علی مدد" کے الفاظ سے اس کی پیشوائی کی اور وہ پیر "مولا علی مدد" کہتا ہوا نہایت مغرورانہ انداز میں اپنے حجرہ میں گھس گیا۔

میں یہ منظر دیکھ کر رہ نہ سکا اور وہاں جتنے افراد موجود تھے انہیں مخاطب کر کے درویش اور ملنگ کے ساتھ ان کے رویہ کے متعلق شکایت کی تو انہوں نے جو جواب دیا اس کا مفہوم ہی نہیں بلکہ اصل لفظ یہ تھے کہ سائیں بابا تو "آل نبی اولاد علی" سے ہیں اور یہ صوفی صاحب نامعلوم جولاہے ہیں یا کنجڑے یہاں یہ بھی بتا دوں کہ تمام گاؤں میں سوائے اس ملنگ کے کوئی رافضی نہیں تھا تمام گاؤں بریلویوں کا تھا اور وہ درویش بھی غالباً بریلوی ہوں گے مگر اکثر انہیں مشرکانہ قسم کے اعمال سے متنفر پایا۔

ایسے لوگوں کو یہ سبق کس نے پڑھائے ہیں کہ "آل نبی اولاد علی" سے ہونے کا دعوای کرنے والے اگر مجسم ابلیس صفت بھی ہوں تب بھی "عترت رسول" ہیں۔

یہاں ایک اور بات کو بھی ذہن میں رکھیئے آج دنیا بھر میں صدیقی۔ فاروقی عثمانی۔ زبیری، عباسی، اموی لاکھوں تعداد میں موجود ہیں ان خاندانوں کے اکثر افراد کئی صدیوں تک کئی مقامات پر حکمران بھی رہے ہیں مگر تاریخ اس قسم کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے کہ ان خاندانوں کے کسی آدمی سے اس قسم کی کوئی حرکت سرزد ہوئی ہو۔ ان خاندانوں میں بڑے بڑے فقیہہ، محدث اور ولی اللہ گزرے ہیں۔ مگر "مدعیانِ آل رسول" میں ہمیں اس قسم کا ایک فرد بھی نظر نہیں آتا ولی اللہی خاندان، احمد فاروق سرہندی فاروقی تھے، شیخ جیلانی، خواجہ اجمیری، سید علی ہجویری جیسے بزرگانِ دین جو صراطِ مستقیم سے متمسک رہ کر ایک عالم کے لیے باعثِ ہدایت اور رحمت رہے ان کو یہ "نام نہاد آلِ رسول" گالیوں سے نوازتے ہیں۔ دورِ حاضر کے بزعم خویش محققِ اعظم اور ان کی قماش کے ان کے روحانی اسلاف کے منہ پر قدرت کی طرف سے یہ ایک زناٹے دار تھپڑ ہے۔ اور اب وہ زمانہ

گذر گیا کہ دنیا امویوں اور عباسیوں کے ظلم وستم کی فرضی داستانوں کو دہراتی اور سنتی رہے گی اب ماشاءاللہ کئی اللہ کے بندوں نے تطہیر تاریخ کے فریضہ کی ادائیگی کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا ہے اور وہ دن قریب سے قریب تر آرہے ہیں جب دنیا حقیقت سے واقف ہو کر رہے گی اس روز کیا حشر ہوگا ان محققین کا؟

۲۸۔ **محسن بن جعفر بن علی نقی:** شیعوں کے مزعومہ امام دہم کے اس پوتے نے ۳۰۰ھ میں دمشق میں المعتضد کے خلاف خروج کیا۔ محمد کے والد جعفر کو شیعہ جعفر کذاب کہتے ہیں۔ یہ وہی جعفر ہے جس کے متعلق (جعفر صادق) کے ضمن میں ایک مکذوبہ روایت بھی صفحات گذشتہ میں بیان کی جا چکی ہے۔ اس جعفر کو شیعوں نے اس لیے کذاب کہا ہے کہ وہ اپنے بھائی حسن عسکری کے لاولد فوت ہونے کا بھانڈا پھوڑ کر ان کے بارہویں امام کی پیدائش کے جھوٹ کا راز طشت از بام کرنے کا موجب بنا۔ حسن عسکری کی کئی کنیزیں تھیں شیعہ کہتے ہیں کہ صیقل نامی کنیز کے بطن سے مہدی موعود پیدا ہو کر غائب ہو گئے ملا باقر مجلسی کنیز کا نام نرجس لکھتا ہے ابھی تک یہ لوگ اپنے بارہویں امام کی ماں کے نام کا فیصلہ ہی نہیں کر سکے جعفر (کذاب) نے حسن عسکری کے لاولد مرنے پر اس کے ترکہ کا دعویٰ کیا تھا ترکہ تو مل گیا۔ مگر "عترت رسول" کے محبین نے اسے کذاب بنا کر رکھ دیا ع

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

۲۹۔ **حسن الاطروش** بن علی بن حسن بن علی بن عمر بن زین العابدین نے ۳۰۱ھ میں دیلم میں المقتدر باللہ کے خلاف خروج کیا۔

حسن الاطروش بڑے نیک خصال اور عالم فاضل شخص تھے۔ آئمہ زیدیہ میں ان کا شمار ہوتا ہے برسوں تک بلاد دیلم میں الناصر الکبیر کے نام سے تبلیغ وارشاد میں منہمک رہے۔ محمد بن زید حسنی کی وفات کے بعد ۳۰۱ھ میں دیلم پر قابض ہو گئے ان کے اور محمد بن حسن داعی الصغیر کے درمیان بڑی جھڑپیں ہوئیں ۳۰۴ میں مقتول ہوئے۔

۳۰۔ **حسن بن محمد بن علی** بن حسن بن علی بن عمر بن زین العابدین نے ۳۱۶ھ میں

طبرستان میں المقتدر باللہ کے زمانے میں خروج کیا۔ خروج کرتے ہی وہاں کے والی نصر بن احمد کی فوجوں نے قتل کر دیا۔

۳۱۔ **عبداللہ بن عبیداللہ** بن علی بن حسین بن زین العابدین نے ۳۵۸ھ میں شام میں خروج کیا۔ اس عبداللہ نے بھی مہدی ہونے کا دعوای کر کے تلاثون کذابوں کی صف میں شامل ہونے کی لعنت کا طوق اپنے گلے میں ڈالا اس نے قرمطیوں سے مدد لے کر خروج کیا۔ مگر واصل بجہنم ہوا۔

اس قماش کے لوگوں کو بھی یارانِ طریقت "عترت رسول" میں شمار کرتے ہیں یہ تھا ہلکہ سا خاکہ آل حسین میں سے خروج کرنے والوں کا ان میں سے سوائے ایک حسن الاطروش کے، جو باوجود حکومت موقتہ کے باغی ہونے کے صاحب علم وفضل تھے باقی تمام کے تمام ننگِ اسلاف بلکہ ننگ انسانیت تھے اور بعض اپنی بدکرداریوں میں اپنی مثال آپ تھے کیا فرماتے ہیں ما ان تمسکتم بہ لن تضلوا کتاب اللہ وعترتی کے شارحین کیا وہ ایسے بدکردار لوگوں کو "عترت رسول" میں شامل سمجھتے ہوئے لوگوں کو اس بات کی ہدایت کرتے ہیں کہ تمہاری نجات کی یہی صورت ہے کہ کعبہ میں قتل عام کرو مسجد نبوی میں نمازیں ادا کرنے سے روک دو کعبہ کے پردے اتار لو۔ اور اس کے وقفی خزانے لوٹ لو۔ اس کے ستونوں سے سونا اتار لو قتل عام شروع کر دو۔ لوگوں کی عورتیں جبراً چھین کر اپنے گھروں میں ڈال لو خوبصورت چھوکروں کو اٹھا کر گھروں میں لے جاؤ اور اپنے منہ کالے کرو بیگانے تو در کنار اپنے خاندان کے لوگوں کو قتل کرو۔ کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی میں بیٹھ کر شراب کے دور چلاؤ پھر یقیناً "لن تضلوا" مصداق کے گروہ کو ہی یہ افعال مبارک کرنے اور لطف یہ کہ واقعی وہ لوگ آج بھی یہ افعال شنیعہ کے ارتکاب میں اپنی مثال آپ ہیں۔

دو غیر فاطمی من چلے

یہ باب ختم کرنے سے پہلے دو غیر فاطمی منچلوں کے حالات بھی سن لیجیے

جنہوں نے خروج بھی کیا اور فاطمین مصر اور نوابان اودھ کی طرح فاطمی ہونے کے مدعی بھی ہوئے[1]

ایسے لوگوں میں ایک اہم شخصیت علی بن محمد بن عبدالرحیم کی ہے جو قبیلہ عبدالقیس سے تعلق رکھتا تھا۔ ۲۵۵ھ میں وزنین علاقہ رے میں پیدا ہوا اس نے حسینی نسب کا جھوٹا دعویٰ کرکے اپنے آپ کو یحییٰ بن زید بن علی رض بن حسین رض کی اولاد سے بتایا زید اور یحییٰ اپنے ناکام خروجوں کی وجہ سے عوام میں اچھی طرح متعارف ہو چکے تھے مگر جب اسے معلوم ہوا کہ زید مقطوع النسل تھے تو اس نے علی بن محمد بن احمد بن عیسیٰ بن زید بن علی بن حسین ہونے کا دعویٰ

---

[1] آج یہ وبا بُری طرح معاشرہ پر مسلط ہو چکی ہے کہ ہر شخص اپنا شجرہ نسب کسی بڑے آدمی کی طرف منسوب کرنے کی کوشش میں بُری طرح ہلکان ہو رہا ہے حالانکہ یہ کفر ہے۔

۲۔ حضرت ابوذر رض سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جو شخص اپنے آپ کو اپنے باپ کے سوا اور کسی طرف منسوب کرے اور وہ اس کو جانتا ہو تو وہ خدا کے ساتھ کفر کرتا ہے اور جو شخص کسی ایسی قوم میں ہونے کا دعویٰ کرے جس میں اس کا رشتہ دار نہ ہو تو وہ اپنا ٹھکانا دوزخ بنالے (بخاری کتاب المناقب کتاب پیدائش انبیاء)

۳۔ ابو عثمان رض کہتے ہیں کہ میں نے سعد رض سے جنہوں نے اوّل خدا کی راہ میں تیر مارا ہے اور ابابکرہ سے سنا جو کہ قلعہ طائف کی دیوار پر چند آدمیوں کے ہمراہ امان کے واسطے چڑھ گئے تھے اور پھر نبی علیہ السلام کے پاس ابابکرہ آگئے تھے وہ دونوں کہتے ہیں ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے جو اپنے آپ کو غیر باپ کی طرف منسوب کرے۔ حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ اس کا باپ یا اس قوم سے نہیں) اس پر جنت حرام ہے۔

ہشام کہتے ہیں ہمیں معمر نے جزری وہ عاصم سے روایت کرتے ہیں میں نے سعد اور ابابکرہ سے سنا وہ دونوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں عاصم کہتے ہیں میں نے ابوالعالیہ سے کہا تم سے یہ روایت ایسے دو آدمیوں نے بیان کی کہ تم کو ان دونوں کی شہادت کافی ہے ایک ان میں کا سعد ہے جنہوں نے راہِ خدا میں اوّل تیر چلایا اور دوسرا وہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس معہ بائیس آدمیوں کے طائف سے بطور (امان) آگئے تھے (بخاری پارہ ۲۷ کتاب المغازی)

کیا مگر یہاں بھی یہ مصیبت پیش آئی کہ اصلی زید کوفہ میں زندہ موجود تھے اور بہت سے لوگ ان کو جانتے تھے۔ اب یہ شخص بحرین پہنچا اور محمد بن فضل بن عبداللہ بن عباس بن علی بن ابوطالب کی اولاد سے ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور ایک جمعیت فراہم کرکے بصرہ پہنچا اور جیل کا دروازہ توڑ کر قیدیوں کو آزاد کیا۔ وہ سب اس کے ساتھ ہو گئے۔ بصرہ اور اس کے مضافات سے حبشی مزدوروں کو سبز باغ دکھلائے اور اپنے ساتھ ملا لیا۔ حبشیوں کی اس سرداری کی وجہ سے "صاحب الزنج" مشہور ہوا۔

مؤلف عمدۃ المطالب لکھتا ہے کہ یہ شخص نہایت بدسرشت اور ذمیم الاخلاق تھا مگر نہایت فصیح البیان خطیب اور بے مثل شاعر بھی تھا اس نے ایک مست سانڈ کی طرح ملک میں تباہی پھیلا دی۔ چند صحیح النسب فاطمی بھی ساتھ مل گئے مگر اس نے مختلف حیلوں سے سب کو مروا دیا۔ اس نے المختارہ نام کا ایک قلعہ بھی بنوالیا تھا۔ مگر سنہ ۲۷۰ھ میں المعتضد باللہ عباسی نے تنگ آکر اس کا خاتمہ کر دیا۔ (ملخص البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۲۹ جمہرۃ الانساب ص ۵)

اسی طرح ۳۵۷ھ میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ مصر میں مہدی پیدا ہو گیا ہے جس کا اصل نام محمد بن عبداللہ ہے۔

خلیفہ عباسی کے حاجب نے جو ایک غالی شیعہ تھا اسے حسینی نسب جان کر بغداد بلوایا کہ موقع پاکر مستقر خلافت پر اس کا قبضہ کرا دے مگر صورت دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ تو محمد بن عبداللہ المستکفی باللہ عباسی ہے۔ معزالدولہ امیرالامراء کی وساطت سے اسے دربار خلافت میں پیش کرایا۔

المطیع اللہ عباسی نے ادعائے کاذبہ اور دعوائے مہدیت کی پاداش میں اس کی ناک کٹوا دی۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۲۹۵)

عبداللہ میمون القداح

شجرہ خاندان حضرت علیؓ

- فاطمہ (زوجہ)
  - حسن متوفی ۵۰ھ
    - حسن مثنیٰ
      - عبداللہ
        - ادریس
          - بنی ادریس جن کی حکومت مغرب اقصیٰ میں ۱۶۴ھ سے ۲۱۹ھ تک رہی
  - حسین متوفی ۶۱ھ
    - علی (زین العابدین) متوفی ۹۴ھ
      - زید متوفی ۱۲۲ھ — بانی فرقہ زیدیہ (آئمہ یمن)
      - محمد باقر متوفی ۱۱۴ھ
        - جعفر صادق متوفی ۱۴۸ھ
          - اسماعیل بانی فرقہ اسماعیلیہ متوفی ۱۳۳ھ
            - محمد م ۱۸۳ھ
              - عبداللہ م ۲۱۰ھ
                - احمد م ۲۴۰ھ
                  - حسین م ۲۶۸ھ
                    - عبداللہ مہدی باللہ م ۳۲۲ھ
          - موسیٰ کاظم متوفی ۱۲۸ھ (بانی فرقہ موسویہ اثنا عشریہ)
            - علی رضا م ۲۰۲ھ
              - محمد تقی م ۲۲۰ھ
                - محمد نقی م ۲۵۴ھ
                  - حسن العسکری م ۲۶۰ھ
                    - مہدی م ۲۶۰ھ
                      میں مستور ہوگئے ولادت ۲۵۴ھ

اسی مہدی نے ۲۹۷ھ میں رقادہ میں مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔ حقیقت میں عبداللہ اسماعیل کی اولاد سے نہیں تھا بلکہ مجوسی النسل عبداللہ بن میمون القداح کی اولاد سے تھا۔ تفصیل آگے آئے گی۔

گذشتہ صفحات میں خروج کرنے والے متعدد افراد کے نام آپ پڑھ چکے ہیں۔ یہ ایک سرسری سا خاکہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ امویوں اور عباسیوں کے خلاف خروج کرنے والوں کی تعداد پینسٹھ سے زیادہ ہے ان میں فاطمی بھی تھے اور غیر فاطمی بھی اس میدانِ دغا میں اُترا وہ سب سے پہلے اس بات کا مدعی ہوا کہ میں فاطمی ہوں۔

فاطمی خلفاء مصر جن کی حکومت کے دو دور ہیں۔

پہلا دور۔ افصائے مغرب میں اور دوسرا دور۔ مصر میں۔

یہ لوگ بھی اس بات کے مدعی تھے کہ ہم فاطمی ہیں مگر یہ بات تاریخ کے ایک معمولی سے طالب علم کی نظر سے بھی پوشیدہ نہیں کہ یہ مجہول النسب تھے اور امام جعفر کے بیٹے اسماعیل کو اپنا امام مانتے ہیں۔ بقول علامہ مجلسی اسماعیل نے شراب پی اور باپ نے برافروختہ ہو کر امامت کا عہدہ موسیٰ کاظم کی طرف منتقل کر دیا۔[1]

(بحر الانوار $\frac{11}{169}$)

آج تک بعض اسماعیلیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اسماعیل فوت نہیں ہوئے بلکہ قتل کے خوف سے تقیہ کر کے اپنی موت کی خبر مشہور کرائی تھی چنانچہ اپنی موت کی خبر مشہور ہونے کے بعد بصرہ میں دکھائی دیئے (شہرستانی ص۹)

مصر کے فاطمی خلفا (جو آگے چل کر عبیدیین کے نام سے بھی مشہور ہوئے) ان کے شجرۂ نسب مختلف طریقوں سے مروی ہیں چنانچہ ابن خلکان نے ان کے دو شجرے لکھے ہیں۔

---

[1] اسماعیلی کہتے ہیں کہ ان کا شراب پینا اعلیٰ روحانیت کا ایک ثبوت ہے کیوں کہ وہ کہتے تھے کہ ہم ظاہر شریعت کے پابند نہیں بلکہ باطن کے قائل ہیں یہ شیعوں کے اس رجحان کی مثال ہے جو تاویل یعنی باطنی شریعت کی طرف ہے۔

D.B. MCDONALD, DEVEL OF MUSLIM THEOLOGY ETC. P. 42

ابن خلکان کے بیان کردہ شجرہ ہائے نسب جلد ۱ صفحہ ۲۷۲

پہلا

(۱) میمون القداح
(۲) عبداللہ
(۳) محمد
(۴) احمد
(۵) الحسین
(۶) عبداللہ مہدی

تعزیری (الخطط جلد ۳ صفحہ ۱۵۸ و ۲۲۴)
تعزیزی (اتحاظ الحنفا) ۱۲
ابن الندیم (فہرست) ۲۶۵

(۱) میمون القداح
(۲) عبداللہ
(۳) احمد — محمد ابوشلعلع محمد الحبیب
(۴) الحسین
(۵) عبیداللہ مہدی متولد ۲۶۰ھ

دوسرا

(۱) جعفر الصادق
(۲) اسماعیل
(۳) محمد المکتوم
(۴) عبداللہ الرضی
(۵) احمد
(۶) الحسین — محمد حبیب ابوشلعلع
(۷) عبیداللہ مہدی

(رسائل دروزیہ OLEARY P.37)

(۱) اسماعیل
(۲) محمد المکتوم
(۳) اسماعیل
(۴) محمد
(۵) احمد
(۶) عبداللہ
(۷) محمد
(۸) حسین
(۹) احمد
(۱۰) عبیداللہ

میمون القداح
عبداللہ
احمد

الحسین

حسین لاولد مرگیا۔ اس کی یہودن عورت کا پہلے خاوند سے لڑکا تھا۔ ابوشلعلع اس کا سرپرست بنا اور اسے عبیداللہ مہدی کے نام سے امامت کے منصب پر فائز کیا۔ اس یہودی زادے کا نام سعید الخیر تھا (اتحاظ الحنفا ص ۲۱)

محمد ابوشلعلع محمد الحبیب

بقول شیخ محمد اکرم ۲۷۰ھ میں پہلا اسماعیل داعی ہندوستان میں آیا۔

۱۔ عبیداللہ مہدی متولد ۲۶۰ھ ۲۹۷ سے ۳۲۲ھ تک
(۲) محمد قائم بامر اللہ ۳۲۲ھ سے ۳۳۴ھ تک
(۳) المنصور باللہ ۳۳۴ سے ۳۴۱ھ تک
(۴) المعز الدین اللہ ۳۴۱ھ سے ۳۶۵ھ تک

۳۵۸ھ میں جوہر نے مصر فتح کیا اور ۳۶۲ھ میں المعز نے قیروان سے اپنا مرکز تبدیل کر کے مصر کو دار الحکومت بنایا۔ اس نے قاہرہ کو جائے حرمت قرار دیا اور حکم دیا کہ سوائے اہل بیت اور لشکر کے کوئی قاہرہ میں سکونت اختیار نہیں کر سکتا۔ اس کے مرنے کے بعد لوگ اسے بادلوں میں پوشیدہ سمجھتے تھے۔

(۵) عزیز باللہ ۳۶۵ھ سے ۳۸۶ھ تک
(۶) الحاکم بامر اللہ ۳۸۶ھ سے $\frac{۱۰۲۱}{۴۱۱}$ھ تک

مصر کی عورتوں کو کھلی آزادی دی گئی۔ جو مسافروں اور بھولے بھالے

مسلمانوں کو اپنے دامِ محبت میں پھنسا کر اسماعیلیت کی طرف راغب کرتی تھیں (تبلیغ شیعیت کا حربہ) ۳۷ برس کی عمر میں شکار کو گیا اور کسی جانور نے پھاڑ کھایا یعنی کہتے ہیں اس کی بہن ست الملک نے مروا ڈالا۔ فرقہ دروزیہ کا عقیدہ ہے کہ وہ مسیح کی طرح زندہ ہے اور ایک بار پھر زمین پر اتر کر اسے عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ اس نے بھی دعوی کیا تھا کہ خدا اس کے اندر حلول کر گیا ہے۔ فرقہ دروزیہ کا بانی محمد بن اسماعیل اور اس کا جانشین حمزہ بن الہادی ہوا ہے۔ جس نے شام میں اس فرقہ کی اشاعت کی آج کل شام اور لبنان میں اس فرقہ کے لوگ ہیں۔

(۷) الظاہر

(۸) المستنصر ۱۰۳۶ھ سے ۱۰۹۴ھ تک

نزار — عبداللہ (اسکندریہ میں نزار اور مستعلی کے درمیان جنگ ہوئی) — اسماعیل — (۹) مستعلی

نزار: مارا گیا اور اس کے پیروؤں میں ایرانی مجوسیوں نے شامل ہو کر اس فرقے کو بڑی تقویت پہنچائی حسن بن صباح اور اس کے جانشین مدت دراز تک مسلمانوں کے لیے بلائے ناگہانی بنے رہے اسی فرقے کے لوگ آج کل آغا خانی کہلاتے ہیں

(۱۰) آمر قتل ہوا

طیب

پانچ سالہ تھا عبدالمجید اس کا سرپرست بنا۔ مگر اس نے خلافت پر قبضہ کر لیا طیب یمن میں موجود تھا وہیں اس نے امامت کا دعوی کر دیا۔ اُسے اور اس کے جانشینوں کو ان کے مقلدین حجۃ اللہ فی الارض کہتے ہیں یہی لوگ آج کل بوہرے کہلاتے ہیں

(۱۱) ظافر ۱۱۵۴ھ سے ۱۱۶۰ھ تک

(۱۲) العاضد ۱۱۶۰ھ سے

عبداللہ بن میمون القداح

ان میں سے کوئی شجرہ بھی ایک دوسرے سے مطابقت نہیں رکھتا۔ بقول ابن خلکان اور رسائل دروزیہ عبید اللہ اسماعیل کی اولاد سے تھا۔ مگر یہی ابن خلکان اس کا دوسرا شجرہ بھی بیان کرتا ہے اور ابن خلکان نے اس کا نسب نامہ جو اسماعیل تک پہنچایا ہے وہ بھی رسائل دروزیہ سے مطابقت نہیں رکھتا اکثر مورخین نے مہدی کو عبداللہ بن میمون القداح کی طرف منسوب کیا ہے عبداللہ بن میمون القداح کے متعلق مختلف تاریخوں کی روایات کو یکجا جمع کیا جائے تو کچھ اس قسم کا نقشہ نظروں کے سامنے آتا ہے کہ میمون القداح ایران کا باشندہ تھا اس کے باپ کا نام ولیصان تھا یہ شخص مختلف ادیان و مذاہب کے اصولوں سے خوب واقف تھا اس نے زنادقہ کی تائید میں کتاب المیزان لکھی الملل والنحل کے بیان کے مطابق اہواز کے مضافات میں قوس العباس نامی ایک قریہ میں پیدا ہوا۔ نسلاً ایرانی اور مسلکاً ثنوی عقیدے کا پیرو تھا یعنی دو خداؤں کا قائل تھا یعنی ایک نور کا خدا اور ایک ظلمت کا ایک روایت میں اسے یہودی بیان کیا گیا ہے منافقانہ طور پر مسلمان ہوا۔ اور شیعوں کے غالی فرقہ خطابیہ میں شامل ہو گیا جو جعفر بن محمد بن علی بن حسین کو خدا کہتے تھے۔ (الملل والنحل صفحہ ۱۸۴)

اس کے دل میں مسلمانوں کے خلاف تعصب کی آگ کے شعلے بھڑکتے تھے مسلمانوں کے ہاتھوں مجوسی سلطنت کی تباہی کا اسے سخت صدمہ تھا۔ فیروز لولو نے اسی قلبی دکھ کی وجہ سے حضرت عمرؓ کو شہید کیا تھا عبداللہ نے اسے باپ میمون سے تربیت حاصل کی اور آنکھوں کے علاج کا پیشہ اختیار کیا عبداللہ اور میمون دونوں باپ بیٹا کربلا پہنچ کر معتکف ہو گئے اور اپنے مصنوعی تقشف زہد اور ریاکارانہ عبادت گزاری سے اپنے متبعین کی ایک جمعیت فراہم کر لی۔ (ملخص اخبار القرامطہ صفحہ ۱۴۱ مطبوعہ لندن)

عبداللہ چاہتا تھا کہ اسلامی اقتدار کا استیصال کر کے اسلامی معتقدات کو

صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر دیا جائے اس نے اپنی ذہانت سے کام لے کر اپنے متبعین کے لیے نو مدارج قائم کیے جو یہودیوں کی فری میسنری تحریک کی طرح تھے یہ چاہتا تھا کہ میں خود حکمرانی حاصل کروں اور میرے بعد میری اولاد حکمران ہو (ME MOi SURLESBY DE ODE JE) اسماعیلی عقائد کے مطابق یہ تمام مدارج طے کرنے کے بعد آدمی معطل اور اباحی بن جاتا ہے یعنی اعمال شریعت چھوڑ دیتا تھا۔ اور محرمات کو مباح سمجھتا ہے کربلا سے مکہ پہنچا مگر وہاں لوگوں کو علم ہوا تو بھاگ نکلا اور سلمیہ پہنچا۔ مہدی کے ظہور تک اس کے جانشین یہاں ہی رہے۔ آگے چل کر اس کے بیٹے احمد نے عقیل بن ابی طالب کی اولاد سے ہونے کا دعوٰی کیا اور بعد میں فاطمی ہونے کا مدعی ہوا اور ہمہ تن دعوت اسماعیلیہ میں منہمک ہو گیا مختلف شہروں میں اپنے داعی بھیجے ان لوگوں کی طاقت بڑھنے لگی اور آخر اعلانیہ اپنے عقائد کا اظہار کرنے لگے اس نے قصر حکومت کو منہدم کرنے کی سازش بڑی چابکدستی سے تیار کی وہ ایک ایسی وفاکیش اور جانباز جماعت بنانے پر قادر ہو گیا جو اس کو تخت حکومت پر متمکن کرا سکے اگر خود نہیں تو اس کی اولاد حکمران بن سکے اس نے حیرت انگیز چالاکی، حسن تدبیر اور بے مثل ہشیاری اور انسانی قلوب کی گہری معرفت کی بدولت اپنی تدبیر کو عملی جامہ پہنا دیا۔ (ملخص از عبرت نامہ اندلس مصنف ڈوزی ہسٹری آف پرشین لٹریچر پروفیسر براؤن ص ۳۹۴)

ڈی خوئے اپنی تالیف میں لکھتا ہے کہ اس مقصد کے حصول کے لیے اس نے ذرائع کا ایسا مربوط سلسلہ قائم کیا جس کو بجا طور پر شیطانی کہا جا سکتا ہے انسانی کمزوریوں سے ہر نہج پر فائدہ اٹھایا گیا بے دینوں اور آزاد منشوں کے لیے عیاشی پختہ دماغ لوگوں کے لیے فلسفہ مذہبی متشدد دین کو باطنی اسرار و غوامض اور عوام کے سامنے عجوبات پیش کیے ایرانی اور سامی زندیقیت کے پرستاروں کے لیے مذہب کا ایک فلسفیانہ گورکھ دھندا پیش کیا اور یہ سب کچھ ایسی چابکدستی اور مستقل مزاجی سے پیش کیا۔ جو لوگوں کے جذبات حیرت و استعجاب کو برانگیختہ کرنے والا تھا۔ (تاریخ ادبیات ایران براؤن ص ۲۹۵)

جعفر المتوکل علی اللہ عباسی کا دور تھا۔ یہ لوگ بغداد کی ایک مسجد میں

اپنے اجتماع کرتے تھے اور محمد بن اسماعیل کی امامت کی دعوت دیتے تھے اسے مہدی کہتے اور عباسی خلیفہ المقتدر سے تبرا کرتے۔ جب خلیفہ کو معلوم ہوا تو اس نے علماء سے فتوٰی لے کر وہ مسجد ہی منہدم کرا دی اور ان کے مرکزی مقام کربلا کی عمارات بھی منہدم کرا دیں۔ یہاں سے باپ بیٹا اصفہان پہنچے۔ باپ مر گیا اور بیٹا حمص پہنچ کر اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ بصرہ میں ایک داعی چھوڑا جس کا نام قرمط تھا۔ پھر سلمیہ کو اپنا مستقر بنایا ۲۶۱ھ کے لگ بھگ یہ تحریک اس کے داعیوں کے ذریعہ تمام اسلامی ممالک میں پھیل گئی۔ حمدان قرمط نامی ایک چالاک شخص نے ۲۷۷ھ میں کوفہ کے قریب دار الہجرت کے نام سے اپنا مستقر بنایا اب یہ تحریک نہایت منظم ہو چکی تھی مگر بنیادی طور پر ابھی تک زیر زمین ایک انجمن تھی عوام کو اپنے چنگل میں پھنسانے کے لیے اکثر اشتراکی اصول بھی اس تحریک میں شامل کر لیے گئے تھے (تاریخ عرب ہتی ص ۱۴۴)

عبد اللہ کے مرنے کے بعد احمد نے اس تحریک کی باگ ڈور سنبھالی احمد کے انتقال کے بعد اس کے دو بیٹوں حسین اور ابو شلعلع محمد الحبیب میں سے حسین اس کا جانشین ہوا جس نے ایک یہودن کو گھر میں ڈال لیا مگر لاولد ہی مر گیا یہودن کا پہلے خاوند سے ایک لڑکا سعید الخیر تھا۔ چونکہ وہ نابالغ تھا اس لیے ابو الشلعلع اس کا ولی مقرر ہوا یہی سعید الخیر عبد اللہ یا عبید اللہ کے نام سے مشہور ہوا جو آگے چل کر مہدی کہلایا اس کے ظہور کے زمانے میں اس کے داعیوں نے متعدد بار نسب کا سوال اٹھایا اور اس کے بعد بھی ہر امام کے زمانہ میں یہ سوال اٹھایا جاتا رہا۔ مگر کسی امام نے اطمینان بخش جواب نہ دیا کہ اپنا نسب کسی پیر یا کسی مجمع میں بیان کرے۔ مصر میں داخل ہونے کے وقت کسی امیر نے پوچھا کہ آپ کا نسب کیا ہے تو اس کے جواب میں المعز نے ایک جلسہ منعقد کیا اور اپنی تلوار میان سے نکال کر کہا کہ میرا نسب یہ ہے اور پھر اس نے سونا حاضرین پر نثار کر کے کہا میرا حسب یہ ہے۔

(سعد القرطبی ص ۱۳ ترجمہ ابن طباطبا ابن خلکان جلد اول ص ۲۵۹)

اسی طرح عزیز سے بھی پوچھا گیا لیکن اس نے خاموشی اختیار کی۔

(ابن خلکان - عزیز کی سیرت اور اس کا انتقال)

اس زمانہ میں دمشق میں جو خطبات پڑھے جاتے تھے اس میں آئمہ مستورین کے اسماء کی جگہ منتخبین یا مستضعفین جیسے الفاظ پڑھے جاتے تھے۔ حاکم کے عہد میں ابطال نسب کے لیے بنو عباس نے جو محضر تیار کرایا تھا اس کی تردید میں فاطمئین نے کبھی کوئی تردید نہیں کی (اتحاظ الحنفا ص۱۵)

POLMICS ON THE ORIGIN ON FATIMID)

۱۹۳۴ء میں پرنس پی۔ ایچ یامور نے (POLMICS ON THE ORIGIN ON FATIMID) کے نام سے ایک مبسوط مضمون شائع کیا اور اس نے عباسیوں سے بچنے کے لیے یہ نام اختیار کیا تھا۔ مگر معز کے پاس کوئی داعی ایک کتاب لایا جس میں لکھا تھا کہ کسی امام کے بعد امامت میمون القداح کی طرف منتقل ہوگی اس کے جواب میں معز نے صرف اس قدر کہا سبب امامت ہم سے منقطع نہیں ہوسکتا میمون القداح مستودع تھا۔ امامت کا حقیقی مالک مستقر امام تھا۔

(المجالس والمسائرات جلد ۲ ص۲۵۶)

المختصر یہ کہ محمد بن اسماعیل اور عبداللہ بن میمون القداح الگ الگ شخصیتیں تھیں اور مصر کے فاطمی خلفاء حقیقت میں میمون القداح مجوسی کی اولاد سے تھے[۱]۔ اسی زمانہ میں ابوعبداللہ شیعی کو یمن سے بلاد مغرب کی طرف بھیجا گیا۔ اس نے اپنے مشن میں بڑی کامیابی حاصل کی وہ ظاہر طور پر اہل بیت کی طرف دعوت دیتا رہا۔ مگر بباطن اسماعیلی عقائد کا پرچار کرتا رہا نہایت سادہ لباس میں رہتا تھا اور سادی غذا کھاتا اور نہایت متواضع انداز میں اپنی زندگی گذارتا تھا اس نے بہت نشیب و فراز کے بعد قاہرت پر قبضہ کرلیا یہ گویا دولت فاطمیہ کی خشت اوّل تھی پھر قیروان پر قبضہ کیا اور ظہور مہدی کی قربت کا اعلان کیا عبیداللہ مہدی جو یا نچویں یا چھٹی پشت میں میمون القداح کی اولاد سے تھا جس کی پیدائش

---

[۱] آج ہم بھی دیکھتے ہیں کہ سینکڑوں مجہول النسب اشخاص دیکھتے دیکھتے فاطمی بن گئے ہیں دنیا کے لالچ نے ہزاروں لوگوں کو چند روزہ معمولی وقار کے لیے دوزخ کا ایندھن بنا کر رکھ دیا حالانکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کتنے واضح اور صاف ہیں۔

۲۶۰ھ کو ہوئی تھی۔ چھپتا چھپاتا سلجماسہ پہنچا تو مکتفی باللہ عباسی کے گورنر نے گرفتار کرکے قید کر دیا۔ مگر ابوعبداللہ نے سلجماسہ پر قبضہ کرکے اپنے امام مستور کو قید سے آزاد کرا کے عنانِ حکومت اس کے حوالے کر دی یہ ۸ ذوالحجہ ۲۹۶ھ کا واقعہ ہے اب یہاں پھر ایک اور الجھاؤ پیدا ہو جاتا ہے کہ جب قید خانہ میں یہ خبر پہنچی کہ ابوعبداللہ نے سلجماسہ فتح کر لیا ہے تو عبیداللہ مہدی یعنی امام مستور کو قید خانہ میں قتل کر دیا گیا ابوعبداللہ شیعی کو جب معلوم ہوا تو وہ سخت مضطرب ہوا کہ اگر لوگوں کو اس بات کا علم ہوگیا تو یہ تمام بنی بنائی حکومت ہاتھ سے نکل جائے گی جب لوگ اپنے امام موعود کو نہیں پائیں گے تو اس کا دعوی باطل ہوجائے گا۔ اور اس کی جان خطرے میں پڑ جائے گی اس نے ایک یہودی غلام کو قید خانے سے نکال کر کہا یہی مہدی موعود ہے۔

عیون الاخبار جلد ۵ ص۱۳۲ ابن خلکان جلد ۱ ص۲۷۲

مشہور مورخ مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی نے یہ باب اس طرح شروع کیا ہے کہ اس پوشیدہ اور سازشی کام کی ابتداء عبداللہ بن سبا یہودی نے کی تھی اسی کو اس سازشی کام کا استاد اور موجد کہنا چاہیئے اس کام میں مجوسیوں یہودیوں اور بربریوں نے بھی نومسلموں کے لباس میں علویوں کی امداد کی جب عباسیوں کی وسیع سلطنت کا شیرازہ ڈھیلا ہونے لگا تو بعض یہودی الاصل اور مجوسی النسب لوگوں نے اپنے آپ کو علوی بتا کر فائدہ اٹھانا چاہا بربر کا علاقہ مرکز عباسیہ یعنی بغداد سے دور تھا۔ لہٰذا وہاں بآسانی فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا چنانچہ تیسری صدی ہجری کے آخری حصے میں محمد حبیب (ابوشلطع بن احمد بن عبداللہ بن میمون القداح مولف) نامی ایک شخص نے جو سلمیہ علاقہ حمص میں سکونت پذیر تھا۔ اپنے آپ کو امام جعفر کے بیٹے اسماعیل کی اولاد ظاہر کرکے حکومت و سلطنت حاصل کرنے کی کوشش کی اس کے داعی یمن امریکہ اور مراکش میں مصروف کار تھے۔ اور لوگوں کو اس خیال کی طرف متوجہ کر رہے تھے کہ عنقریب امام مہدی کا ظہور ہونے والا ہے ابوعبداللہ شیعی نے ایک مشہور اور کارکن داعی کو یہ بھی بتا دیا تھا کہ ہمارا بیٹا عبیداللہ امام مہدی ہے

عبیداللہ مہدی جب سلجماسہ جبل ایکجان پہنچا تو ابو عبداللہ نے بہت بڑا خزانہ اس کی خدمت میں پیش کیا۔ پھر بلدہ مقام سے ہوتا ہوا رقادہ میں داخل ہوا رقادہ میں داخل ہوتے ہی اعلان کیا کہ جو لوگ اسماعیلیت قبول نہ کریں انہیں قتل کر دیا جائے۔

ابن کثیر کے الفاظ ہیں۔ فلم یدخل فی مذھبہم بعض الناس وھم قلیل وقتل وقتل کثیر ممن لم یرافقہم (جلد ۸ صـ۱۸)

مؤرخین کا بیان ہے کہ ملک پر اس حد تک ٹیکس لگائے گئے کہ چھ ماہ میں ایک لاکھ دینار جمع ہو گئے مہدی نے اپنی حکومت کو مضبوط کرنے کے لیے عیسائیوں سے سازباز کر کے مسلمانوں پر ظلم و تشدد کا بازار گرم کر دیا چنانچہ ۲۹۷ھ میں صقلیہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ خلیفہ مہدی کا اقتدار بڑھتا گیا اور ابو عبداللہ اور اس کے بھائی ابو العباس یعنی جن کی کوششوں سے اسے حکومت ملی تھی کو درمیان سے ہٹانا چاہا۔ ابو العباس مہدی کا مخالف ہو گیا۔ ابو عبداللہ نے مہدی کو مشورہ دیا کہ آپ آرام کریں آپ کے لیے خود کام کرنا آپ کے وقار کا کے منافی ہے چنانچہ مہدی کو یقین ہو گیا کہ یہ دونوں بھائی میرے مخالف ہیں۔ اسی دوران میں یہ شوشہ بھی چھوڑا گیا کہ وہ مہدی موعود نہیں چونکہ اس کے افعال اس مہدی کے مانند نہیں۔ میں غلطی سے تمہیں اس کی دعوت دیتا رہا۔ اس لیے مجھ پر اور تم پر فرض ہے کہ اس سے ایسے اوصاف کا ثبوت طلب کریں جسے نسب دان امام ہونا ضروری سمجھتے ہیں (غریب بن سعد القرطبی)

اس پر متعدد لوگ مہدی سے منحرف ہو گئے۔ ایک کتامی سردار شیخ المشائخ ہارون نے کھلم کھلا مہدی کے سامنے ان خدشات کا اظہار کیا تو مہدی نے اسے قتل کرا دیا (افتتاح الدعوۃ صـ۲۵۲)

اور اس کے بعد ابو عبداللہ اور ابو العباس بھی قتل کر دیئے گئے دولتِ فاطمیہ میں ابو عبداللہ کا وہی مرتبہ تھا جو دولت عباسیہ میں ابو مسلم خراسانی کا تھا۔ ان لوگوں کے قتل سے دولت فاطمیہ کو استحکام نصیب ہوا یہیں سے دولت فاطمیہ کا مذہبی دور سیاسی دور میں داخل ہوا۔

فاطمیینِ مصر

۱۔ ابو محمد عبیداللہ المہدی باللہ ۲۹۷ھ سے ۳۲۲ھ تک

اسی زمانے میں قرامطہ جنہوں نے دولت فاطمیہ سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ بیت اللہ کی بے حرمتی کی ۳۰۹ھ میں مہدی نے علی الاعلان اسماعیلی عقائد کی اشاعت شروع کر دی، قاہران، قیروان، باغایا اور تونس کے لوگوں نے ظاہری اعمال چھوڑ دیئے اور محرمات شرعیہ کے مرتکب ہونے لگے۔

احمد البلادی کی قسم کے لوگوں نے مہدیہ کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھنے کا اعلان کیا اور کہا کہ نماز اس کی طرف منہ کر کے پڑھی جاتی ہے جو سامنے نظر آئے غائب خدا کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا کیا مطلب ہے۔ وہ مہدی کو عالم الغیب جانتا تھا۔ ابراہیم بن غازی کھلم کھلا رمضان میں کھاتا تھا۔ قاضی نعمان بن محمد نے ایسے سینکڑوں واقعات نقل کیے ہیں کہ ہر امام کے عہد میں اکثر جلیل القدر داعی اور مومنین نے معرفت باطن کو کافی سمجھ کر اباحت محرمات کا مذہب اختیار کیا (منازل الائمہ وقائم الاسلام المجاو المسائرات)

۲۔ ابو القاسم محمد القائم بامر اللہ ۳۲۲ھ ۳۳۴ھ

قائم کے زمانہ میں ابن طالوت عراقی نے مہدی کا لڑکا ہونے کا دعویٰ کیا مگر قتل ہو گیا۔ قائم اپنے باپ مہدی کے زمانہ میں دربار مصر پر حملہ کر کے ناکام ہو چکا تھا اس کے زمانہ میں اس کے غلام ایران نے اسکندریہ پر قبضہ کیا مگر اخشید حاکم مصر نے پھر وہاں سے نکال دیا اس کے زمانے میں ابو یزید خارجی نے خروج کیا وہ سادہ زندگی گزارتا تھا اور گدھے پر سوار ہو کر باہر نکلتا تھا اس لیے اسے صاحب الحمار کہتے تھے اس نے قائم سے تمام علاقے چھین لیے اور اسے مہدیہ میں پناہ لینا پڑی ابو یزید نے مہدیہ کا محاصرہ کر لیا دوران محاصرہ میں ہی قائم

مر گیا۔ مگر ابو یزید بھی محاصرہ کی طوالت سے گھبرا کر واپس چلا گیا۔
قائم شیعی عقائد کی پابندی میں سخت تھا ابو طاہر قرمطی سے بھی اس کے تعلقات تھے اور اسی کے حکم سے بحرین کی مسجدیں مسمار کی گئیں اور قرآن مجید جلائے گئے (اتعاظ الحنفاء ص۵۵ افتتاح الدعوۃ ص۲۶۹)

۳۔ ابو طاہر اسماعیل المنصور باللہ ۳۳۴ھ سے ۳۴۱ھ تک

اس نے ابو یزید کی بغاوت کا خاتمہ کیا سات سال زندہ رہ کر مر گیا المنصور نے نئی نئی بدعات کا آغاز کیا اس کا دعویٰ تھا کہ خدا میرے اندر حلول کر گیا ہے۔

۴۔ ابو تمیم معد المعز لدین اللہ ۳۴۱ھ تا ۳۶۵ھ

اس کے فوجی جرنیل جوہر نے تمام مغرب اقصیٰ میں فاطمی حکومت کو مضبوط کیا اور ہر مقام پر فاطمی عمال مقرر کیے فاس اور سلجماسہ کے والیوں کو گرفتار کر کے ہمراہ لایا۔ جو قتل کیے گئے۔
اس نے اعلان کیا کہ جہاں المعز کے نام کا خطبہ نہ پڑھا گیا اس بستی یا شہر کو جلا دیا جائے گا۔
الغرض اس کے زمانہ میں مغرب اقصیٰ کے تمام رؤسا، شرفاء اور ذی عزت لوگ اور ہر وہ آدمی جس نے فاطمی دعوت کو قبول نہ کیا موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ (ابن خلکان جلد۲ ص۱۰۲)
صقلیہ کے چند قلعے عیسائیوں کے قبضے میں تھے مگر المعز نے ان سے صلح کر کے اپنی تمام تر توجہات مصر کی فتح کی طرف مبذول کر دیں ۱۴ ربیع الاول ۳۵۸ھ میں معز نے جوہر کو قیروان سے روانہ کیا۔ ۵ فروری ۹۶۹ء جوہر سکندریہ پر قابض ہو گیا۔ اس کے اسکندریہ پر قبضہ کی داستان حسین طباطبائی اور ابن علقمی سے ملتی جلتی ہے یعنی جب جوہر سکندریہ پہنچا تو سکندریہ کے شیعوں نے شہر اس کے حوالے کرا دیا ۳۵۹ھ مطابق ۹۶۹ عیسوی جوہر مصر پر قابض ہو گیا المعز کے حکم سے اس نے ایک نئے شہر کی بنیاد رکھ کر فاطمی خلافت کا اعلان

کر دیا اس کے چار سال بعد یعنی ۳۶۲ھ میں المعز نے قیروان چھوڑ کر خود مصر کو دارالحکومت بنایا المعز مصر میں صرف تین سال زندہ رہ کر مر گیا اس کے مرنے کے بعد اکثر لوگ اسے بادلوں میں پوشیدہ سمجھتے تھے اور جب کبھی آسمان پر بادل دیکھتے تو گھوڑے سے اُتر جاتے تھے اور بادلوں کی طرف اشارہ کرتے تھے۔
(مقریزی جلد۲ ص۱۶۷)

۵۔ ابو منصور نزار العزیز باللہ ۳۶۵ھ تا ۳۸۶ھ

اس نے سلطنت کو بڑی وسعت دی اسے کپڑوں، گھوڑوں اور شکاری پرندوں کا بڑا شوق تھا۔ شرطیں لگا کر جانور لڑانا اس کے زمانے میں بھی لوگوں نے نسب کا جھگڑا اٹھایا ایک روز منبر پر خطبہ دینے کے لیے چڑھا تو وہاں پر ایک پرچہ پڑا ملا جس پر لکھا تھا۔

باالظلم والجور قد رضینا — ولیس باالکفر والحماقۃ
ان کنت اعطیت علم غیب — فقل لنا کاتب البطاقۃ

"ہم ظلم اور جور پر تو رضامند ہو سکتے ہیں مگر کفر اور بے وقوفی پر رضامند نہیں ہو سکتے۔ اگر تو غیب کا علم رکھتا ہے تو ہمیں کہہ دے یعنی خط لکھنے والا پُرزہ لکھنے والا چٹ لکھنے والا کون ہے؟"
اہل سنت وجماعت کے لوگوں سے عہدے چھین کر اہل کتاب کو دے سلطان عضد والدولہ بویہی شیعی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی مگر اس نے ٹھکرا دیا بلکہ بغداد کے شرفاء کو جمع کر کے اس کے نسب کے متعلق ایک محضر نامہ تیار کرایا کہ یہ لوگ بنو فاطمہ سے نہیں ۳۸۶ھ میں مر گیا۔

۶۔ الحاکم بامر اللہ ۳۸۶ھ سے ۴۱۱ھ تک

نسب کی وجہ سے حسن بن عمار نے الحاکم کے بہت سے داعیوں کو ساتھ ملا کر الحاکم کے خلاف بغاوت کر دی۔ الحاکم کے فوجی سالار جوان نے بڑی مدافعت کی۔ مگر آخر خلیفہ کے قصر تک ہی اس کی کوششیں محدود ہو کر رہ گئیں (ادیسری ص۱۲۵)

آخر چند باہر کے سرداروں کی مدد سے حسن بن عمار کو بھگا دیا گیا اور الحاکم کے لیے ہر جوان نے نئے سرے سے بیعت لی۔ ہر جوان الحاکم کے لیے اسی طرح تھا جس طرح جوہر المعز کے لیے تھا۔ مگر آخر میں لہو و لعب اور عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا۔ سارا دن محفل طرب جاری رہتی (مقریزی جلد ۳ صـ۴۳)

آخر میں الحاکم سے بھی گستاخیاں کرنے لگا تو حاکم نے دھوکے سے اسے قتل کرا دیا اور حسین بن جوہر کو اپنا قائد القواد بنایا حسین نے عیسائیوں کو بڑے بڑے عہدے دیئے اور مسلمانوں کے لیے عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔ حاکم نے عجیب عجیب حکم جاری کیے لوگوں کو رات کے وقت کاروبار کرنے کا حکم دیا بدکاری، فحاشی بے حیائی بڑھ گئی۔

سب السلف اور اہل سُنت کے ساتھ الحاکم کا سلوک

یہ نہایت متعصب، کم ظرف اور بدباطن شخص تھا۔ اس نے کسی سے سُنا کہ جرجیر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور خلیفہ متوکل عباسی کو مرغوب تھا اس نے حکم دیا کہ اسے کوئی آدمی استعمال نہیں کر سکتا اسی طرح متوکلیہ الوان طعام میں سے کسی لون کو کہتے ہیں اور یہ بھی خلیفہ متوکل کی پسندیدہ چیز تھی اس کا کھانا بھی جرم قرار دے دیا۔ ملوضیہ ایک سبزی تھی جو امیر معاویہ رض کی پسندیدہ خوراک تھی اس کا کھانا بھی ممنوع قرار دیا گیا۔ غیر فلس دار مچھلی پکڑنے اور کھانے والے کے لیے قتل کا حکم صادر کیا آج تک شیعہ غیر فلس دار مچھلی استعمال نہیں کرتے یہ الحاکم کی ہی بدعت ہے۔

(مقریزی صـ ۴/۱۵۱)

۳۹۱ھ میں ایک شخص کو محض اس جرم میں پھانسی پر لٹکا دیا گیا کہ وہ یہ کہتا تھا کہ میں حضرت علی رض کو نہیں جانتا۔

۳۹۵ھ میں صلوٰۃ الضحیٰ پڑھنے کے جرم میں تیرہ آدمیوں کو شہر میں تشہیر کرنے کے بعد قید کر دیا۔ اور نماز تراویح موقوف کر دی۔

۳۹۵ھ میں دکانوں، مکانوں، قبرستانوں اور دیواروں پہ سب السلف لکھوایا

گیا۔ اہل سُنت اپنے مکانوں پر رنگین اور منقش تحریروں میں اپنے بزرگوں پر لعنت ملامت لکھنے پر مجبور کیے گئے اور انکار کرنے والوں کو شدید ترین عذاب دیئے گئے لوگ جبراً دعوت اسماعیلیہ میں داخل کیے گئے مردوں کو ہفتہ کے روز اور عورتوں کو منگل وار اور بدھوار کے دن حکماً جمع کر کے ان سے اسماعیلی طریقے پر عہد و پیمان لیے جاتے بعض دفعہ اتنا اژدہام ہو جاتا کہ اکثر لوگ پامال ہو جاتے۔ صبح کی اذان سے الصلوٰۃ خیر من النوم کہنا بند کر دیا گیا اور حیّ علیٰ خیر العمل کی بدعت جاری کی۔ رمضان کے روزے رکھنے کے لیے رؤیت ہلال کا حکم الٰہی منسوخ کر کے کہہ دیا کہ حساب سے روزے رکھیں اور روزے جمعہ کے دن سے شروع کریں اور اتوار کو عید منائیں (مقریزی ۶۸-۴۴/۱۵۷-۱۴۰)

بنو قرہ کے لوگوں کو زندہ جلا دیا۔ جبل مقطم کے قریب ذی الحجہ ۳۹۴ھ سے ربیع الاول ۳۹۵ھ تک جلانے کی لکڑیاں جمع کراتا رہا۔ الحاکم نے جب اپنی طاقت کو پورے عروج پر دیکھا تو اب کئی پشتوں سے اس کے آباؤ اجداد جس مجوسیت کی تحریک کو پوشیدہ رکھ کر اسلام کے لباس میں لوگوں کو دھوکا دے کر آبائی دین کی اشاعت کے لیے کام کر رہے تھے مکمل کرنا چاہا۔ الحاکم اب کھل کر سامنے آنا چاہتا تھا اور آتش پرستی کے مذہب کو زندہ کرنا چاہتا تھا۔ (للمؤلف)

یہ دیکھ کر تمام بچے کھچے اہل کتاب اور اہل سُنت زمین بوسی کرتے ہوئے اس کے محل کی طرف روانہ ہوئے۔ ان لوگوں نے یہ سمجھا کہ آگ کے اس سمندر میں ہمیں جلایا جائے گا مگر اچانک ابو رکوۃ نامی ایک طالع آزما نے اس کے تمام منصوبوں پہ پانی پھیر دیا۔ اس شخص کا اصلی نام ولید بن ہشام بن عبد الملک بن مروان تھا۔ مگر تاریخوں میں ابن رکوۃ کے نام سے مشہور ہے خلیفہ اندلس مؤید ہشام بن الحاکم سے اس کے قریبی تعلقات تھے اندلس میں منصور ابن ابی عامر نے جب مؤید کو گرفتار کر کے قید کر دیا تو ابو رکوۃ وہاں سے بچ نکلا۔ پہلے مصر پہنچا وہاں علم حدیث حاصل کیا وہاں سے نکل کر بربر کے قنامی قبائل میں پہنچا۔ ان کی ایک شاخ کے لوگوں کو اس سے پہلے الحاکم زندہ جلا چکا تھا۔ اس بات نے ابو رکوۃ کو بڑی تقویت پہنچائی اس عرصہ میں الحاکم کے ہاتھوں مصر کے اکثر اُمرا و شرفا قتل ہو چکے تھے۔ مصر کے

لوگوں کی نظریں بھی ابورکوۃ کی طرف اٹھنے لگیں ابورکوۃ نے برقہ پر قبضہ کر لیا اور اس کی طاقت بڑھنے لگی برقہ کو اپنا مستقر بنا کر صعید کی طرف بڑھنے لگا۔ الحاکم سخت چکرایا اور قائد القواد حسین بن جوہر جیسے لوگ بھی الحاکم سے نالاں ہو کر ابورکوۃ سے رابطہ قائم کرنے پر مجبور ہو گئے الحاکم نے جب حالات بدلتے دیکھے تو جبل قطم کی آگ کا الاؤ اور دیگر تمام خرافات و بدعات کے بلبلے پھس ہو کر رہ گئے اور یہ اعلان کرنے پر مجبور ہو گیا کہ ہر آدمی اپنے مذہب کے مطابق اس پر عمل کرے تمام احکام واپس لے لئے۔

طویل کش مکش کے بعد ۴ ذی الحجہ ۳۹۶ھ کو ابورکوۃ کو شکست ہوئی اور بھاگتا ہوا گرفتار ہو کر جب شہر میں تشہیر کیا جا رہا تھا مر گیا۔ ابورکوۃ تو مر گیا مگر الحاکم کے عذاب سے لوگوں کو امن مل گیا۔ اسی زمانہ میں مصر میں سخت قحط پڑا۔ ۴۰۲ھ قادر باللہ عباسی نے ایک محضر تیار کرایا کہ فاطمیین مصر حضرت علیؓ کی اولاد سے نہیں اور ان کا نسب صحیح نہیں اس محضر پر علوی خاندان کے بڑے بڑے سرداروں کی مہریں تھیں جن میں سے الشریف الرضی۔ اس کا بھائی المرتضیٰ ابن ابی طحاوی۔ ابوحامد الاسفرائینی۔ الصمیری۔ ابن الکعنانی۔ الابیوردی ابوعبداللہ بن نعمان فقیہ الشیعہ اور القدوری۔ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

ابورکوۃ کے خاتمہ کے بعد الحاکم نے پھر اپنے آپ کو اصلی رنگ میں ظاہر کرنا شروع کیا۔ اپنے سب سے بڑے محسن برجوان کے قتل سے یہ سلسلہ شروع کیا۔ پھر حسین بن جوہر کو نظر بند کیا علی بن صالح کو پہلے وزیر بنایا جب غرض پوری ہو گئی تو اسے بھی قتل کرا دیا اور وزارت منصور نصرانی کے سپرد کی اور اس سے کنیسہ تمام منہدم کرا کے اسے بھی قتل کرا دیا پھر وزارت احمد بن محمد قشوری کے سپرد کی اور دس دن کے بعد اسے بھی قتل کرا دیا۔

اس کے بعد زرعہ بن عیسیٰ نسطورس نصرانی کو وزیر بنایا جو دو سال بعد مر گیا۔ الحاکم کے وزیروں میں یہ واحد شخص تھا جو اپنی موت مرا۔

زرعہ کے بعد ابن الاننا حسین کو وزیر بنایا دو سال کے بعد اس کی بھی گردن ماردی پھر اس کا بھائی پھر عبدالرحیم ابن ابی السید کی باری آئی دو مہینے کے بعد وہ

بھی ختم کر دیا پھر اس کا بھائی ابوعبداللہ حسین اس منصب پر فائز کیا اور دو ماہ بعد اسے بھی قتل کرا دیا۔ پھر فضل بن جعفر بن الفرات کو پانچ روز وزارت کی گدی پر بٹھا کر اسے بھی قتل کرا دیا۔ آخری وزیر ذوالریاستین قطب الدولہ ابوالحسن علی بن جعفر بن فلاح ہوا جو الحاکم کے مفقود ہونے تک وزیر رہا الحاکم کا یہ عتاب صرف وزیروں تک ہی محدود نہ تھا بلکہ ان کی تفصیل سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جو شخص اپنے وزراء سے یہ سلوک کرتا رہا اور اس قدر احسان فراموش تھا کہ اپنے محسنوں کو بھی بخشنے کے لیے تیار نہ تھا۔ اس کے ہاتھ سے دوسرے لوگ کہاں تک بچ سکتے تھے۔ ہزاروں قاضی عہدیدار، خدمتگار داعی الدعاۃ آئے روز قتل ہوتے رہتے تاریخوں میں ان لوگوں کی طویل فہرستیں موجود ہیں۔

فرقہ دروزیہ کی ابتداء

الحاکم کے جنون یا خودسری نے اب ایک اور رنگ اختیار کیا اس نے دعوای کیا کہ اللہ اس کے جسم میں حلول کر گیا ہے اس نے لوگوں پر جبر کرنا شروع کیا کہ وہ اسے پوجیں اس کا حکم تھا کہ جب بھی اس کا نام لیا جائے اس وقت جو بھی اس کا نام سنے جس حالت میں بھی ہو سجدہ میں گر جائے۔

مورخین نے الحاکم کے اس حکم کی مختلف توجیہیں کی ہیں مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ پہلے اس نے جبل مقطم کے دامن میں آتش پرستی کی طرح ڈالنے کا کام شروع کیا مگر ابورکوۃ کے جہاد کی وجہ سے وہ اپنے اس ارادہ میں کامیاب نہ ہو سکا اس کے بعد اس نے یکے بعد دیگرے کئی وزیر قتل کیے اور ہزاروں فقیہہ حافظ، شرفا اور امراء کو موت کے گھاٹ اتار کر اپنی طاقت کا اندازہ لگا کر دیکھ لیا کہ اب کوئی سر اٹھانے والا نہیں تو لوگوں کو بجائے آتش پرستی کی طرف راغب کرنے کے خود خدا بن بیٹھا۔

۴۰۹ھ میں فرغانہ کا ایک اسماعیلی داعی مصر آیا یا اسے خود تیار کر کے ایک خاص منصوبے کے تحت مصر بلوایا گیا۔ اس نے آتے ہی اس عقیدے کی تبلیغ شروع کی کہ انبیاء کی نبوتیں باطل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے حاکم میں حلول کیا ہے۔ حاکم نے اسے قیمتی خلعتوں سے سرفراز کیا اور بڑی عزت افزائی کی ایک روز سر بازار

کسی جانباز نے اسے گھوڑے سے گھسیٹ کر نیچے اتارا تو وہ مر گیا۔ حاکم نے خاص طور پر اس کی تجہیز و تکفین کا انتظام کیا اور اس جانباز کو قتل کرا دیا۔

سنہ ۴۱۰ھ میں حمزہ لباد نامی ایک داعی کے ذریعہ اسی عقیدہ کی تبلیغ کا کام شروع کرایا۔ اسے ہادی المستجیبین کا خطاب ملا۔ حمزہ نے الحاکم سے شکایت کی کہ کہیں فرغانی کی طرح ہی میرا بھی حشر نہ ہو۔ الحاکم نے اس کی حفاظت کے لیے بہت سا اسلحہ دے کر ایک دستہ فوج تعینات کر دیا۔

سنہ ۴۱۱ھ میں الوشتکین بخاری درازی سند الهادی اور حیاۃ المستجیبین کے القاب سے سرفراز ہو کر اسی عقیدہ کی اشاعت کے لیے نمودار ہوا چند روز اس کا بڑا زور رہا یہ اپنی تحریروں میں بسم اللہ الحاکم الرحمٰن الرحیم لکھتا اور دوسرے لوگوں سے لکھوایا کرتا تھا۔ اس شخص کے چند حواری یعنی حامی لوگوں کے ہاتھوں قتل ہو گئے تو الحاکم نے قاتلوں اور پولیس کے نائبوں کو بڑی بے دردی سے قتل کرایا۔ درازی الحاکم کے محل میں پہنچ گیا جب لوگوں نے اس کا مطالبہ کیا تو الحاکم نے کہا کہ وہ قتل ہو گیا ہے اور اسے پوشیدہ طور پر جبل لبنان شام میں پہنچا دیا۔ یہاں سے فرقہ دروزیہ کی ابتدا ہوئی۔

الحاکم کے داعیوں کے ساتھ جس نے کسی قسم کی ذرہ بھر گستاخی یا نافرمانی کی حاکم نے اپنی حبشی فوج کے ذریعہ ان لوگوں کا مال و اسباب ضبط کر کے ان کو قتل کرا دیا۔ اہل فسطاط پر بہت ظلم کیے گئے جس وقت اس کے حبشی فوجی اہل فسطاط کے گھروں میں گھس کر ان کی عورتوں کو ذلیل و رسوا کر رہے تھے۔ بچوں اور بوڑھوں کو قتل کر رہے تھے اور قیمتی سامان لوٹ کر مکانوں کو آگ لگا رہے تھے تو حاکم خود گدھے پر سوار ہو کر وہاں پہنچا۔ لوگوں نے حبشی فوج سے نجات دلانے کی التجا کی مگر اس نے کوئی پرواہ نہ کی علی الاعلان مجوسیت کی تبلیغ کی جرأت تو نہ کر سکا مگر اس نے جو کچھ کر دکھایا وہ مجوسیت سے کم نہ تھا بلکہ زیادہ ہی تھا۔ اس کے ایسے عقائد اور ظلم و ستم سے اس کے داعی اور جان نثار بھی اکثر ہراساں اور پریشان رہتے تھے۔

اس کا ایک داعی احمد حمید الدین کرمانی اپنے ایک رسالے میں لکھتا ہے کہ حاکم کے

افعال تاریک ہیں اس کے افعال دعوت کے لیے عذاب اور امتحان عظیم ہیں اسی کے عہد میں اس امتحان کے بعد اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ اسی داعی نے یہ بھی لکھا ہے کہ کئی بار حاکم کو قتل کرنے کے متعلق بیعت لی گئی (رسالہ باسم البشارات فی اثبات امامۃ الحاکم کتاب المصابیح فی اثبات الامامت بحوالہ تاریخ فاطمیین مصر)

آخر صرف ۳۷ سال کی عمر میں جبکہ یہ اپنے خفیہ معبد کی طرف جا رہا تھا جو جبل مقطم کے دامن میں تھا تو کسی جنگلی جانور نے پھاڑ کھایا بعض کہتے ہیں کہ کسی منچلے نے اسے قتل کر دیا اور اس کے مشہور داعی احمد بن محمد نیشاپوری کی یہ پیشین گوئی دھری کی دھری رہ گئی کہ امام حاکم اپنی تلوار کے زور سے تمام عالم فتح کرے گا۔ (اثبات الامامۃ)

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ایک بہت بڑے عذاب اور امتحان سے نجات بخشی۔

بعض کہتے ہیں کہ اس کی بہن ست الملک نے اسے قتل کرا دیا۔ چونکہ ست الملک کا بعض مردوں سے ناجائز تعلق تھا۔ حاکم نے اسے ڈانٹا تو اس نے کتامی سرداروں سے ساز باز کر کے کہ حاکم لامذہب اور بد عقیدہ ہو گیا ہے یا اپنے آشناؤں سے اسے قتل کرا دیا۔

روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گستاخی: قزوینی کی روایت ہے کہ حاکم نے مدینہ کے ایک علوی کو بہکایا کہ رات کے وقت اس کے گھر سے روضہ رسول اللہ ﷺ تک نقب لگائیں تاکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو روضہ سے نکال لائیں اور ان کی لاشوں سے جو چاہیں سلوک کریں۔ (قزوینی ص۱۳)

مصنف موصوف نے قاضی احمد دامغانی مؤلف کتاب استظہار الاخبار اور قاضی رکن الدین جوینی مؤلف مجمع ارباب الملک کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس روز مدینہ میں گرد و غبار صاعقہ کے ساتھ تاریکی عظیم پیدا ہو گئی۔ تفتیش میں اس علوی نے تمام واقعہ حاکم مدینہ کو بتا دیا اور نقب لگانے والوں کو سزائیں دی گئیں یہ فاطمی مدعی اپنے سلسلہ نسب اسماعیل بن جعفر سے ملاتا تھا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے اپنے سلسلۂ مادری کا اظہار فخریہ کرتا تھا عمدۃ المطالب کا شیعہ مصنف کہتا ہے کہ جعفر کی والدہ ام فروہ قاسم بن ابوبکر کی بیٹی تھیں اس لیے جعفر صادق کہا کرتے

تھے کہ میں ابوبکر رضؓ سے دوبارہ جنا گیا ہوں (ص۱۸۳)

اسی حاکم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد مبارک نکالنے کا حکم دیا تھا تاکہ مصر میں لے آئے جب روضہ مبارک کو منہدم کرنے لگے تو ایک قاری نے یہ آیتیں پڑھیں "کیا تم اس گروہ سے جنگ نہیں کرتے جنہوں نے وہ سب عہد و پیمان توڑ دیئے اور رسول اللہ کو نکالنے کا ارادہ کیا اور شرارت کی ابتداء انہیں کی طرف سے ہے کیا تم اس سے ڈرتے ہو۔ حالانکہ یہ حق اللہ کا ہے کہ تم اس سے ڈرو"

حجر اسود سے گستاخی : الحاکم کے حکم سے حج کے موقع پر ایک اسماعیلی نے حجر اسود پر پھاوڑا سے کئی وار کئے۔

ابو معد علی الظاہر لاعزاز دین اللہ ۴۱۱ تا ۴۲۷ھ

۲۷ر شوال ۴۱۱ھ کو حاکم غائب ہوا۔ ۱۰ر ذی الحجہ ۴۱۱ھ تک اس بات کو صیغہ راز میں رکھا گیا اور آخر حاکم کی بہن ست الملک کے مشورے سے ظاہر کے ہاتھ پر بیعت لی گئی۔ حالانکہ حاکم نے عبدالرحیم کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا۔

ست الملک نے عبدالرحیم کو دمشق سے بلا کر قید کر دیا اور وہ قید میں ہی مر گیا وزیر سیف الدولہ یوسف بن دوورس کو دھوکے سے قتل کر دیا۔ ست الملک چار سال زندہ رہی اس عرصہ میں اس نے تین وزراء یعنی الحسن التمار۔ بدر الدولہ ابوالفتوح اور شمس الملک مسعود کو قتل کرا دیا۔ ست الملک کے مرنے کے بعد الشریف الکبیر الشیخ ابوالقاسم علی بن احمد نجیب الدولہ۔ شیخ العمید محسن نے ایک مجلس شوریٰ بنا کر معضاد غلام کے ہمراہ ظاہر کے پاس جانے کا معمول بنایا ظاہر محلات سے باہر نہیں نکلتا تھا اور سب کام یہی کرتے تھے اسی عرصہ میں سخت قحط پڑا۔ تقریباً ایک ہزار غلام شہر کو لوٹنے اور امراء کو قتل کرنے پر تیار ہو گئے۔ ظاہر کے وزراء چند روز پوشیدہ ہو گئے لیکن معضاد نے یہ فتنہ ختم کر دیا۔

ظاہر نے مصر سے تمام مالکی فقہا کو نکال دیا اور داعیوں کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو دعائم الاسلام اور مختصر المصنف زبانی یاد کرائیں۔

بازنطینی عیسائیوں سے اتحاد کی طرح ڈالی اور یہ معاہدہ ہوا کہ بازنطینیوں کے مقبوضات میں مسلمانوں کی جو مساجد ہیں وہاں فاطمیوں کے نام کا خطبہ پڑھا جائے بیت المقدس کے کنیسہ قمامہ کو بنانے کی اجازت دے دی جو عیسائی مسلمان ہو گئے تھے انہیں اجازت دی گئی کہ وہ جو مذہب چاہیں اختیار کریں۔ ۴۲۵ھ میں ظاہر نے چند داعی اسماعیلی دعوت کے لیے عراق کی طرف بھیجے ترکوں کے باہمی اختلاف کی وجہ سے انہیں بڑی کامیابی حاصل ہوئی ۳۲ سال کی عمر میں ظاہر کا انتقال ہوا۔ بقول مقریزی ظاہر اپنا تمام وقت لہو و لعب میں گزارتا تھا غنا کا شوقین تھا شراب خود بھی پیتا تھا اور لوگوں کو بھی عام اجازت تھی اس کے زمانہ میں بھی ایک مصری اسماعیل نے حجر اسود پر پھاوڑے کے وار کیے۔

المستنصر

۴۲۷ھ تا ۴۸۷ھ
۱۰۳۶ء تا ۱۰۹۴ء

سات سال دو ماہ کی عمر میں خلیفہ بنا مستنصر نے ساٹھ سال چار مہینے حکومت کی ایک سال تک اس کے نام کا خطبہ بغداد اور عراق کے دوسرے شہروں میں پڑھا گیا اس کے ایک داعی علی بن محمد الصلیحی نے تمام یمن فتح کر لیا۔ علی بن احمد جرجرائی کی دوراندیشی سے لوگوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور ۴۳۶ھ میں جرجرائی کے مرنے پر وزارت حسن بن علی المعروف بہ ابن الانباری کو ملی مگر ایک یہودی تاجر نے مستنصر کی ماں سے ساز باز کر کے کسی پرانی دشمنی کی بنا پر ابن الانباری کو پہلے معزول کرایا پھر قتل کرا دیا۔

۴۳۴ھ میں ایک آدمی نے دعویٰ کیا کہ وہ حاکم بامر اللہ ہے لوگ چونکہ حاکم کی رجعت کے قائل تھے اور اس کی شکل بھی حاکم سے ملتی تھی اس لیے اس نے ایک جمعیت فراہم کر کے محل پر حملہ بول دیا مگر ناکام ہو کر قتل ہوا۔ بغداد میں تقریباً سوا تین سو سال تک آل بویہ کی وزارت رہی۔ ان کے حالات آگے چل کر بیان ہوں گے۔ ان کے بعد سلجوقیوں کی وزارت کا زمانہ شروع ہوا تو آل بویہ کی بدعات و خرافات حکماً بند کی گئیں طغرل بک کے زمانہ میں سلجوقی گویا بغداد کے کرتا دھرتا تھے بنی بویہ کے دیلمی قائد بساسیری شیعی کے لیے یہ سب کچھ ناقابل

برداشت تھا۔ اس نے طغرل بک کے خلاف خلیفہ کے کان بھرنے شروع کیے مگر اسے خود ہی وہاں سے بھاگنا پڑا اور مصر میں جاکر پناہ گزین ہو گیا۔ طغرل بک کو اپنے بھائی ابراہیم کی بغاوت کی وجہ سے بغداد چھوڑنا پڑا۔ تو بساسیری فاطمی خلیفہ کی مدد سے جامع منصور تک پہنچ گیا وہاں مستنصر کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔[1]

خلیفہ قائم باللہ عباسی نے جب یہ دیکھا تو ایک منظرہ پر چڑھ کر امن کی درخواست کی۔ عراق کے شہروں میں ۶ ر ذی قعدہ ۴۵۰ھ سے ۶ ر ذی قعدہ ۴۵۱ھ تک یعنی پورا ایک سال بنو فاطمہ کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا رہا۔ آخر طغرل بک بیگ کے پہنچنے پر بساسیری بغداد سے بھاگتا ہوا قتل ہوا۔

فرقہ نزاریہ کی بنیاد

مستنصر کی خلافت کا اہم ترین واقعہ نزاریہ کی بنیاد ہے۔ تفصیلی حالات کسی دوسرے موقع پر گزر چکے ہیں یہاں مختصر طور پر اس قدر ہی کافی ہے کہ حسن بن صباح ایک معمولی ایرانی نژاد شخص تھا وہ شروع میں موسوی شیعہ تھا پھر اسماعیلیوں کے ایک بڑے داعی ناصر خسرو[2] کی تبلیغ سے اسماعیلی ہو گیا۔ ۴۶۴ھ میں مصر پہنچا اور مستنصر کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے مستنصر سے پوچھا کہ آپ کے بعد میرا کون امام ہوگا۔ مستنصر نے اپنے بیٹے نزار کا نام لیا۔

بدر الجمالی چاہتا تھا کہ مستعلی امام ہو۔ اس سے اس کی غرض تھی کہ مستعلی کم عمر ہے اس کی امامت میں اسے کھل کھیلنے کی چھٹی ہوگی حسن بن صباح کی اسی وجہ سے بدر الجمالی نے مستنصر کے حضور میں آمد و رفت بند کرا دی۔ آخر دونوں فرقوں میں جھڑپیں شروع ہو گئیں حسن بن صباح بھاگ کر اصفہان پہنچ گیا اور قلعہ الموت پر قبضہ کر لیا اسی فرقے کے افراد نے مستعلی کے بیٹے آمر کو

---

[1] جامع رصافہ میں بھی جو عباسی خلیفہ کی تعمیر کردہ مسجد تھی مستنصر کے نام خطبہ پڑھا گیا۔
[2] ناصر خسرو بعض جاہل سنیوں کے خیال کے مطابق ایک بہت بڑا صوفی اور ولی اللہ تھا۔

کو قتل کیا۔ مستنصر نے حج کا حکم منسوخ کر دیا وہ ہر سال اپنے دوستوں کو ہمراہ لے کر حاجیوں کی ہیئت اختیار کر کے اپنے عمیرہ والے قصر کی طرف جاتا اور مناسک حج ادا کرتا تھا۔ اور عید کے دن فراخدلی سے شراب نوشی کرتا۔

(المقریزی جلد ۲ ص ۲۳۸)

اس موقع پر المقریزی نے شریف ابوالحسن علی بن حسین سیدرۃ العقیلی کے چند شعر بھی نقل کیے ہیں۔

ابوالقاسم احمد المستعلی باللہ ۴۸۷ تا ۴۹۵ھ تک

ان تینوں بھائیوں کی خانہ جنگی کی تفصیل سے قطع نظر یہاں سے عالم اسلام کے ایک بہت بڑے المیہ کا آغاز شروع ہوا۔ یعنی عیسائیوں کو اپنے چھینے ہوئے ملک واپس لینے کا حوصلہ

عیسائیوں نے مسلمانوں پر پہلا حملہ ۴۸۹ھ میں کیا۔ ۴۹۲ھ میں لاکھوں مسلمانوں کو بیت المقدس میں ذبح کیا گیا۔ مسلمان بھاگ بھاگ کر بغداد پہنچنے لگے خلیفہ نے برکیارق۔ محمد۔ سنجر وغیرہ سلاطین سلجوقیہ کو لکھا مگر وہ اپنی خانہ جنگیوں میں مصروف تھے اور ملک شام کو عیسائیوں نے خاک سیاہ بنا دیا۔

یہ تمام سازشیں مستعلی کے وزیر محمد ملک کی تیار کردہ تھیں اور فاطمیوں کی فوجیں مسلمانوں کے خلاف عیسائیوں کے دوش بدوش ہر معرکہ میں جانبازی سے لڑتی رہیں۔

یہ تمام کھیل کرانے کے بعد ۴۹۵ھ میں مستعلی مر گیا اور اس کا بیٹا ابو علی آمر تخت نشین ہوا ۵۲۵ھ میں قرامطہ یعنی نزاریوں نے آمر کو قتل کر دیا آمر بھی اسلام دشمنی میں اپنے آباؤ اجداد سے کم نہ تھا مگر یہود و نصاریٰ پر بڑا مہربان تھا۔ ابوصلح نصرانی کہتا ہے کہ فاطمیین کے عہد میں کنیسوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی کنیسوں کے محصول کی رقم ۲۹۲۲۳ دینار تھی جو فاطمیین کے عطیات سے وصول ہوتی تھی چار ہزار آٹھ سو چھبیس تھیلے غلے کے کنیسوں کو دیئے جاتے تھے ۹۱۵ ایکڑ زمین ان کے لیے وقف کر دی گئی اس کا خاص مشیر ابونجاح نصرانی تھا اور

بہرام نصرانی وزیراعظم تھا۔ آمر جب بھی شکار کے لیے نکلتا تو دیر ضیا کے راہبوں کو دس ہزار درہم انعام دیتا (S. LANE POOLE. P ۔ ۔ ھ)

FALESTINE UNDER THE FATMI CALTPHS

پانچ سال کی عمر میں آمر کا بیٹا طیب حکمران بنا اور عبدالمجید اس کا چچا سرپرست بنایا گیا جس نے خود امامت کا منصب سنبھال لیا اور طیب بھاگ کر یمن چلا گیا عبدالمجید نے اپنا لقب حافظ الدین اللہ رکھا اس نے بے حساب وزیروں اور امیروں کو قتل کیا۔

۵۵۴ھ میں حافظ عبیدی کے مرنے پر اس کا بیٹا ابومنصور ظاہر باللہ کے خطاب سے تخت نشین ہوا اور عادل کو اپنا وزیر بنایا مگر ساتھ ہی عباس سے مل کر عادل کو قتل کرنے کی سازش کی۔ عباس کے نوعمر بیٹے نصیر نے عادل کو سوتے ہوئے قتل کر دیا۔

نصیر الدین عباس ظافر عبیدی کا ندیم خاص اور روز و شب کا مصاحب و جلیس تھا اس کے اور ظافر کے متعلق لوگ برے برے خیالات کا اظہار کرتے تھے آخر ظافر محرم ۵۴۹ھ میں نصیر کے ہاتھوں قتل ہوا مگر ناحق ظافر کے دو بھائی یوسف اور جبرئیل قتل کر دیئے گئے نصیر بن عباس ظافر کے بیٹے عیسٰی کو گود میں اٹھا کر لایا اور فائز بنصر اللہ کے لقب سے تخت پر بٹھایا۔ شاہی خاندان کی عورتوں نے اس طرح اپنے خاندان کا قتل عام دیکھا تو صالح بن زریک کو جو اشمونین کا عامل تھا خفیہ طور پر بلایا نصیر یہ دیکھ کر بھاگ نکلا۔ صالح نے مصر میں پہنچ کر نصیر کے مکان سے ظاہر کی نعش نکلوا کر شاہی قبرستان میں دفن کی اور فائز نے اسے ملک الصالح کا خطاب دیا۔

نصیر بن عباس عیسائیوں کے پاس پناہ گزین ہو چکا تھا۔ عیسائیوں کو خطوط لکھ کر نصیر کو منگوایا اور سولی پر لٹکا دیا۔ اب صالح نے پر پرزے نکالنے شروع کیے تو فائز کی پھوپھی کو خطرہ پیدا ہوا۔ صالح کو معلوم ہوا تو صالح نے اسے قتل کرا دیا۔

جس سال فائز تخت نشین ہوا اس سال ملک العادل سلطان نورالدین محمود

زنگی عیسائیوں کی سزادہی کی کوششوں میں مصروف تھا۔ فائز ۵۵۵ھ میں مر گیا وزیر السلطنت صالح نے حکم دیا کہ شاہی خاندان کے لڑکوں کو پیش کیا جائے چنانچہ ابومحمد عبداللہ بن یوسف بن حافظ عبیدی کو منتخب کر کے عاضد الدین اللہ کے لقب سے تخت نشین کیا اور اپنی لڑکی اس کے نکاح میں دی۔

عاضد برائے نام خلیفہ تھا۔ اصل حکمران صالح تھا۔ عاضد کی چھوٹی پھوپھی اپنی بہن کا انتقام لینا چاہتی تھی اس نے امرائے سوڈانیہ کے ذریعہ اسے قتل کرا دیا اور اس کے بیٹے کو عادل کا خطاب دے کر وزیر بنایا۔ اس نے وزیر بنتے ہی عاضد کی پھوپھی اور سوڈانی سردار کو قتل کرا دیا اب اس نے صدر کے والی کی برطرفی کے احکام جاری کیے۔ شاور خود مصر کی طرف بڑھا اور ۵۵۸ھ زریک عادل کو قتل کر کے وزیر بن گیا مگر ۹ مہینے کے بعد ضرغام نامی ایک شخص نے شاور کو قاہرہ سے نکال دیا اور شاور کے بیٹے علی کو قتل کر دیا اس کے علاوہ اور بھی جن لوگوں سے اسے خطرہ تھا قتل کرا دیا۔

اسد بن شیرکوہ اور صلاح الدین ایوبی

شاور نے شام میں پہنچ کر سلطان نورالدین زنگی کے سامنے حالات رکھے اور مدد کا طالب ہوا سلطان مرحوم نے بڑے سوچ بچار کے بعد اسد بن شیرکوہ کو ۵۵۹ھ میں مصر کی طرف روانہ کیا اور خود عیسائیوں کی سرکوبی کے لیے روانہ ہو گیا شیرکوہ نے ضرغام اور اس کے بھائی ناصر الدین معز الدین کو شکست دے کر گرفتار کر لیا۔ ضرغام آخر میں قتل ہو گیا۔ اب شاور نے شیر بدعہدی کی اور کوئی وعدہ پورا نہ کیا شیرکوہ واپس آگیا شاور نے بجائے ایفائے عہد کے عیسائیوں سے ساز باز شروع کر دی شیرکوہ نے سلطان مرحوم سے اجازت لے کر پھر مصر کا رخ کیا مگر شاور نے عیسائیوں سے مدد طلب کی عیسائی ایسے موقع کے منتظر تھے وہ خود فوراً شاور کی مدد کو پہنچ گئے۔ مگر شیرکوہ نے ان کی متحدہ طاقت کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا۔ شیرکوہ نے سکندریہ میں اپنے بھتیجے صلاح الدین بن نجم الدین ایوب کو حاکم مقرر کیا۔ خود صعید کی طرف بڑھا مگر فاطمیوں اور عیسائیوں

نے پھر سکندریہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ شیرکوہ پھر واپس پلٹا اب شاور نے شیرکوہ کے ساتھیوں کو توڑنے کے لیے سازشوں کے جال پھیلانے شروع کر دیئے۔

شاور کی اس اسلام دشمنی کے نتائج بہت خطرناک نکلے جو اس نے عیسائیوں کے ساتھ سازباز کر کے مسلمانوں کے خلاف محاذ بنانے کے سلسلے میں کیے۔ عیسائیوں نے مستقل طور پر مصر میں اپنا اڈہ جما لیا۔ شاور نے انہیں تحریری طور پر لکھ دیا کہ:

۱۔ عیسائی فوجیں قاہرہ میں مقیم رہیں گی۔
۲۔ عیسائیوں کی طرف سے ایک ناظم قاہرہ میں موجود رہے گا۔
۳۔ شہر پناہ کے دروازوں پر عیسائیوں کا قبضہ رہے گا۔
۴۔ حکومت مصر ایک لاکھ دینار سالانہ بیت المقدس کے عیسائی بادشاہ کو ادا کرے گی۔

بجائے اس کے کہ شاور شیرکوہ کا شکرگزار ہوتا جس نے اسے مصر کی وزارتِ عظمیٰ دلائی تھی اس نے الٹا عیسائیوں سے سازباز کر کے گویا مصر ہی عیسائیوں کے حوالے کر دیا۔ عیسائیوں نے اب پر پرزے نکالنے شروع کیے۔ عیسائی فوجیں دھڑا دھڑ مصر میں داخل ہونے لگیں خراج ایک لاکھ دینار سے بڑھ کر دو لاکھ بن گیا اپنے محسن شاور کو خطاط میں نظر بند کر دیا عاضد عبیدی عیسائیوں کے یہ رنگ دیکھ کر گھبرا گیا اور اس نے سلطان مرحوم سے مدد کی درخواست کی شاور نے خلیفہ کو پیغام بھیجا کہ ہمیں مسلمانوں کی نسبت عیسائی زیادہ بہتر ہیں مگر عاضد نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔

نورالدین نے شیرکوہ کو پھر مصر روانہ کیا۔ عیسائی گھبرا گئے اور خطاط کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا کر خود فسطین کی طرف بھاگ گئے۔ شاور کی اس غداری کی وجہ سے العاضد نے اسے ۱۱۶۹ء میں سولی پر لٹکا دیا اور شیرکوہ کو اپنا وزیر اعظم بنایا شیرکوہ نے سلطان نورالدین کی اجازت سے یہ منصب قبول کر لیا شیرکوہ کی وفات کے بعد اس کے بھتیجے سلطان صلاح الدین کو یہ منصب ملا۔ سلطان صلاح الدین

نے بھی سلطان نورالدین سے باقاعدہ تعلقات قائم رکھے اور خلیفہ عاضد بھی اس پر نہایت خوش تھا۔

سلطان صلاح الدین نے اس شیعہ حکومت کی بڑی خدمت کی۔ مگر شیعہ درپردہ اس کے خلاف سازشوں میں مصروف رہے عمارہ یمنی، زبیدی عویرش قاضی القضاۃ معزول، عبدالصمد کاتب، موتمن الخلافۃ اور متعدد دیگر امرا نے مل کر ایک سازش تیار کی کہ ملک عیسائیوں کے حوالے کر دیا جائے چنانچہ ان لوگوں نے ایک طرف عاضد کو ہموار کرنے کی کوششیں شروع کیں اور دوسری طرف عیسائیوں سے خط و کتابت شروع کر دی ایک خط پکڑا گیا اور سلطان صلاح الدین کے سامنے پیش کیا گیا اس نے سب کو بلا کر اظہار کیا اور جب واقعات صحیح ثابت ہوئے تو انہیں قتل کرا دیا اس پر پچاس ہزار سوڈانیوں نے بغاوت کر کے قصرِ وزارت کو گھیر لیا مگر سلطان نے ان کا بھرکس نکال کر رکھ دیا۔ خلیفہ عاضد ان ایام میں سخت بیمار ہو گیا۔ سلطان نورالدین زنگی کئی بار سلطان صلاح الدین کو لکھ چکے تھے کہ خطبہ میں عباسی خلفاء کا نام پڑھا جائے۔ مگر صلاح الدین ٹالتے رہے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ سوائے اس کے چارہ نہیں تو محرم ۵۶۷ھ کے پہلے جمعہ میں عباسی خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی تمام مساجد میں احکام بھیج دیئے اس سے تیسرے روز بعد ۱۰ محرم کو خلیفہ عاضد فوت ہو گیا۔

اسماعیلی فرقے کی اہم شاخیں

(۱) قرامطہ (۲) دروزیہ (۳) نزاریہ یا باطنیہ یا فدائی یا حشاشین یا مشرقی اسماعیلی یا خوجہ (۴) طیبی یا بوہرے۔

(۱) **قرامطہ**: قرامطہ کے دو گروہ ہوئے ہیں ایک گروہ کا بانی حمدان بن اشعث تھا اور دوسرے گروہ کا بانی یحییٰ بن فرج تھا بعض مورخوں کو دھوکا ہوا ہے کہ اسماعیلی قرامطہ سے نکلے ہیں مگر قرامطہ حسین بن احمد بن عبداللہ بن محمد بن اسماعیل کے زمانہ میں الگ ہوئے اس فرقہ کی بنیاد نہ کسی علوی نے رکھی اور نہ کسی طالبی نے بلکہ اس کے محرک چند اسماعیلی داعی ہوئے۔ حمدان نے فطرہ۔ ہجرہ۔ بلغہ

خمس اور الفہ کی اصطلاحیں جاری کیں۔ اس کی تمام تعلیم فرقہ ثنویہ کی تعلیم کا چربہ تھی۔ یہ اپنے متبعین کو کہتا تھا کہ ایک حد پہ پہنچنے کے بعد شریعت کے ظاہری اعمال ساقط ہوجاتے ہیں۔ انہیں یہ بھی کہا گیا ہے کہ تمہارے دشمنوں کا خون تم پر مباح ہے۔ ان کی طاقت اس قدر بڑھتی گئی کہ انہوں نے قریہ مہاباذ میں ایک دار ہجرت بنا کر اسے مضبوط قلعہ کی شکل دے کر مضافات میں لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا حمدان کے نائبین میں سے عبدان اور ذکرویہ نے بڑی ترقی حاصل کی ذکرویہ نے فاطمی النسل ہونے کا دعوٰی کیا بعد میں یہ لوگ بھی دو گروہوں میں بٹ گئے۔ فاطمیین کے ظہور کے پہلے امام کے وقت قرامطہ کا سردار ابوطاہر تھا اس نے ۳۱۷ھ میں مکہ معظمہ میں ترویہ کے روز اچانک حملہ کرکے ہزاروں حاجیوں کو بیت اللہ میں قتل کر دیا بیت اللہ کا دروازہ اکھیڑ دیا مقتولین کے لاشے زمزم میں پھینک دیئے غلاف کعبہ کو اتار کر اپنے لشکر میں تقسیم کر دیا اور جاتی دفعہ حجر اسود اکھیڑ کر ساتھ لے گیا اور اعلان کرتا گیا کہ آئندہ حج ہمارے ہاں ہوا کرے گا۔ اس واقعہ کی خبر مہدی کو قیروان میں پہنچی اس نے لکھا مگر طاہر نے کوئی پرواہ نہ کی ۳۲۹ھ میں یہ کہہ کر حجر اسود واپس کیا کہ ہم حکم سے اسے لے گئے تھے اور حکم سے ہی واپس کرتے ہیں ان لوگوں کے داعی ملتان تک پہنچ گئے تھے یہ لوگ علی الاعلان اپنے عقائد کا اظہار کرنے لگے کہ نماز روزہ کی ضرورت نہیں امام حق یعنی محمد بن اسماعیل کی دعوت کافی ہے ان کے جنگجو دستوں نے تمام ملک میں خوف و ہراس پھیلا دیا انہیں چند بڑے بڑے لوگ مل گئے تھا ان عجم کی اولاد میں سے الزکری اور ایرانی سردار ذکرویہ بن مہرویہ جس نے بعد میں محمد بن عبداللہ بن اسماعیل بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین ہونے کا دعوٰی کیا انہوں نے لوٹ مار ڈاکہ زنی فتنہ فساد اور خونریزی میں تمام پچھلے ریکارڈ مات کر دیئے۔

(ملخص الملل والاشراف ص۳۰۱ مطبوعہ ۱۸۹۴ء)

آخر ۳۹۸ھ میں اصغر بن ابی الحسین الثعلبی نے احسا اور بحر پر قبضہ کرکے ان کے عذاب سے دنیا کو نجات دی۔

۴۔ نزاریہ: مستنصر کے کئی بیٹے تھے جن میں سے تین کو تاریخی حیثیت حاصل ہے مستعلی کی ولادت سے پہلے نزار اور عبداللہ میں امامت کا

جھگڑا شروع ہو گیا تھا مستعلی کی پیدائش پر مستنصر نے تمام اہل دعوت کو اس کے آئندہ امام ہونے کی خوشخبری سنائی۔ مستعلی محرم ۴۶۷ھ میں پیدا ہوا مستنصر کی وفات کے دوسرے دن مستعلی کی بیعت عمل میں آئی سب سے پہلے اس کے دو بھائیوں نزار اور عبداللہ نے بیعت کی مگر ان دونوں نے دفا نہ کی۔ نزار خفیہ طور پر سکندریہ چلا گیا۔

ابن خلدون اور ابن الاثیر کے بیان کے مطابق مستنصر نے نزار کے لیے نص کی تھی مگر وزیر افضل کے خوف سے اسے بھاگنا پڑا اور مستنصر کے مرنے کے بعد افضل نے مستعلی کے لیے بیعت لی (اگر امامت کا حق آسمانی ہے تو اس خانہ ساز جھگڑے کا کیا سبب مؤلف)

اسکندریہ میں نزار نے المصطفٰی الدین باللہ کے لقب سے حکومت قائم کر لی مگر افضل نے اسے لڑائی میں گرفتار کرکے مستعلی کے سامنے پیش کیا جس نے اسے دیوار میں زندہ چنوا دیا۔

نزار تو مارا گیا مگر اس کی تحریک جاری رہی نزاری تحریک کے چند لوگوں نے آمر کو قتل کر دیا۔

حسن بن صباح

حسن بن صباح رے کا باشندہ تھا اس کا پورا نام حسن بن علی بن محمد بن جعفر بن حسین بن الصباح الحمیری تھا۔ زمانے کے رواج کے مطابق اس نے اپنے نام کے ساتھ حمیری کا لفظ لگا کر اپنے آپ کو ایک عرب خاندان کی طرف منسوب کیا حقیقت میں وہ مجوسی النسل تھا۔ قم میں پیدا ہوا اٹھارہ سال کی عمر میں ریاضی ہندسہ حساب، نجوم اور سحر وغیرہ مختلف علوم حاصل کئے کہتے ہیں نظام الملک طوسی اور عمر خیام کا ہم سبق تھا اس وقت وہ اپنے باپ کے مذہب پہ اثنا عشری تھا ناصر خسرو اسماعیلی داعی کی دعوت پر وہ اسماعیلی ہو گیا چونکہ بڑا ذہین تھا اس لیے حلقہ اصفہان کے رہبر شیخ احمد تک پہنچ گیا اس نے اسے مصر پہنچا دیا مستنصر خود تو اس کے سامنے نہ آیا مگر بہت کچھ انعام واکرام دیا واپسی پر اس نے مستنصر سے پوچھا کہ آپ

کے بعد کون امام ہو گا۔ تو مستنصر نے بتایا کہ نزار ہو گا۔ اسکندریہ سے روانہ ہوکر بلاد یزد کرمان طبرستان اور دامغان وغیرہ میں نزار کی امامت کی دعوت دیتا رہا۔

ملک شاہ سلجوقی کی طرف سے اصفہان اور قہستان کا حاکم مہدی ایک سادہ لوح علوی تھا۔ حسن بن صباح نے عبادت گزاری کا چکمہ دے کر اس سے قلعہ الموت لے لیا اس قلعہ میں بیٹھ کر اس نے نہایت چابکدستی ہشیاری مکاری اور عیاری سے اپنا جال پھیلانا شروع کیا اور علوی کو قلعہ بدر کر دیا دعوت کا وہی نظام جو مصر سے سیکھ کر آیا اس پر رفیق، لاحق اور فدائی کے درجات بڑھا دیئے گئے فدائیوں میں نرے ان پڑھ اور جاہل مگر جانباز قسم کے نوجوان شریک کیے جاتے اور انہیں تمام فنونِ سپہ گری کی تعلیم دی جاتی اس نے ان خونخوار اعمال کی ترغیب کے لیے ایک جنت بنائی جس میں مختلف علاقوں سے خوبصورت دوشیزائیں اغوا کر کے لائی گئیں جنت میں ہر قسم کے پھلدار درخت پھولوں والے پودے لگوائے اور چشمے بنوائے پہلے ایک آدمی کو بھنگ پلا کر مدہوش کیا جاتا پھر اسے جنت میں پہنچا دیا جاتا۔ چند روز وہاں آزاد چھوڑنے کے بعد پھر واپس منگوایا جاتا اس تمام عرصہ میں اسے مدہوش رکھا جاتا۔ اس مدہوشی کے عالم میں دلستان حوروں کی آغوشیں اور مسرتوں کے ہنگامے، پرندوں کا چہچہانا ٹھنڈے اور خوشگوار چشموں کا پانی پھلوں اور پھولوں کی بہتات میں چند روز گزارنے کے بعد جب اسے واپس منگوایا جاتا اس تمام عرصہ میں اسے مدہوش رکھا جاتا۔ اس مدہوشی کے عالم میں دلستان حوروں کی آغوشیں اور مسرتوں کے ہنگامے، پرندوں کا چہچہانا ٹھنڈے اور خوشگوار چشموں کا پانی پھلوں اور پھولوں کی بہتات میں چند روز گزارنے کے بعد جب اسے واپس منگوایا جاتا اور وہ ہوش میں آتا تو اس جنت گم گشتہ کے حصول کے لیے بے قرار ہو جاتا۔ اب اسے کہا جاتا کہ جب تم فلاں آدمی کو قتل کر دو گے تو تمہیں اس سے بہترین جنت میں جگہ دی جائے گی۔ حسن بن صباح نے اپنے ایسے فدائیوں سے اس دور کی بڑی بڑی عظیم الشان ہستیوں کو قتل کرایا۔

ان میں سے خواجہ نظام الملک طوسی وزیر اعظم سلطان الپ ارسلان ملک شاہ

سلجوقی، فخر الملک بن خواجہ نظام الملک شمس تبریزی پیر طریقت مولوی رومی نظام الملک محمود بن علی وزیر خوارزم شاہ سلطان شہاب الدین محمد غوری قابل ذکر ہیں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی[له] اور امام فخر الدین رازی کے قتل کی کوشش بھی کی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو بچا لیا۔

شروع میں تو حسن بن صباح ایک اسماعیلی داعی تھا مگر آگے چل کر جب اس کی حکومت پائیدار ہو گئی تو وہ ایک اور مذہب کا بانی بن گیا اس کے تمام مرید اسے سیدنا کہتے تھے عام طور پر وہ شیخ الجبل کے نام سے یاد کیا جاتا تھا ۳۵ سال قلعہ الموت پر قابض رہنے کے بعد ۵۱۸ ھ میں مر گیا۔

حسن بن صباح کے پیروکار حقیقت میں گویا ملحدوں کا ایک گروہ تھا۔ جنہیں اسلام کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہ تھا یہ ملحد بے دین بدچلن اوباش مادر پدر آزاد لوگوں کی ایک جماعت تھی ان کی کامیابیوں کا راز صرف اس بات میں تھا کہ وہ چھپ کر بڑے آدمیوں کو قتل کر دیتے تھے آج کل کے انارکسٹ اور نہلسٹ گویا انہیں کی روحانی ذریت ہیں اپنی انہیں خفیہ کارروائیوں کی وجہ سے ان کا نام باطنیہ پڑا۔

حسن بن صباح کے مرنے کے بعد اس کا ایک شاگرد "کیا بزرگ" قلعہ الموت کا حاکم مقرر ہوا۔

[له] عمارہ یمنی۔ زبیدی اعویرش معزول قاضی القضاۃ۔ عبد الصمد کاتب، موتمن الخلافتہ سردار خدام قصر سلطانی نے مل کر سازش کی کہ صلاح الدین کو قتل کر دیا جائے اور ملک کو عیسائیوں کے سپرد کر دیا جائے اور عیسائی سفیر کو بلا کر بادشاہ عاضد سے اسکی ملاقات کرائی جائے قریب تھا کہ وہ اس کوشش میں کامیاب ہو جاتے کہ ان کا ایک خط پکڑا گیا صلاح الدین نے تحقیقات کی تو وہ مجرم ثابت ہوئے تو ان کو قتل کرا دیا (تلخیص تاریخ اسلام اکبر شاہ خان جلد سوم ۲۳۴۲۳۲)

کیا بزرگ
|
محمد بن کیا بزرگ
|
حسن ابن محمد
|
محمد ثانی بن حسن
|
جلال الدین محمد ثانی ملقب بہ حسن ثالث
|
علاؤ الدین محمد
|
رکن الدین خور شاہ

رکن الدین خور شاہ آخری بادشاہ تھا جسے ہلاکو خان نے بغداد کی تباہی سے ایک سال پہلے ۶۵۵ھ میں گرفتار کر کے فدائیوں کے عذاب سے لوگوں کو نجات دی۔

باطنیوں یعنی نزاریوں کی جماعت عالم اسلام کے لیے ایک بلائے عظیم تھی چھٹی صدی ہجری کے وسط میں ایک باطنی ابو الفتح نے ملتان میں اپنی حکومت قائم کر کے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تھا اور محمود غزنوی کے خلاف جے پال کی مدد کی تھی محمود غزنوی نے ان کے عذاب سے لوگوں کو نجات دلائی۔

ابو الفتح ملتان سے بھاگ نکلا اور منصورہ سندھ میں پہنچ کر وہاں حکومت قائم کر لی مگر اٹھارہ سال بعد محمود غزنوی نے وہاں سے بھی اس کو مار بھگایا اس کے بعد محمد غوری کے زمانہ میں باطنیوں نے فسادات بپا کیے ۱۱۷۵ھ میں اس نے انہیں کچل کر رکھ دیا مگر آخر انہیں کے ہاتھ سے شہید ہوا۔ (آب کوثر شیخ محمد اکرم ص ۲۹۰)

سلطان رضیہ کے زمانہ میں ۶۳۶-۳۷ھ میں ان لوگوں نے دہلی میں خفیہ طور پر بڑی طاقت بہم پہنچائی۔ آخر ایک دن عین نماز جمعہ کے وقت مسجد میں داخل ہو کر مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ چند مسلمان جان بچا کر مسجد کی چھت پر چڑھ گئے اور اینٹ پتھر برسانے شروع کیے باہر سے بھی مدد پہنچ گئی اور ان لوگوں کو ختم کیا گیا۔

(تاریخ مبارک شاہی)

نزاریوں نے اپنی سلطنت کی وسعت کے لیے گویا دہلی تک اپنے ہاتھ بڑھائے مگر کامیاب نہ ہو سکے ان کی کامیابی اسی حد تک محدود رہی کہ چوروں کی طرح کسی کے گھر میں گھسے اور اُسے قتل کر دیا۔ محمد تغلق کے زمانہ میں بھی باطنیوں نے فساد بپا کیا اور مارے گئے آج کل جو نزاری موجود ہیں اور خوجوں کے نام سے موجود ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ نزار سکندریہ میں شکست کھا کر ایران پہنچ گیا تھا موجودہ آغا خان اسی کی اولاد سے ہیں خوجوں کے اسلاف میں سے بعض ایسے ہوں گے جو مصر، عراق، شام اور ایران سے منتقل ہو کر ہندوستان میں آکر بسے ہوں گے ان کے ساتھ ہی ۴۶۲ھ میں نورالدین شاہ متوفی ۴۸۷ھ قلعہ الموت سے ہندوستان بھیجا گیا اس نے اپنا نام یہاں نورست گر رکھا اس کی تبلیغ سے ملتان میں باطنیوں کا زور ہوا اور دہلی کا فساد بھی اسی کی تیار کردہ جماعت نے پیدا کیا تھا۔

اس کے بعد برصغیر میں بلند پایہ داعیوں میں سے صدرالدین متوفی ۸۱۹ نے ہندوؤں کے اصول کے موافق اسلام کی تبلیغ کی۔ ان کو سمجھایا کہ محمد برہما اور علی کرشنا ہیں۔ اس نے دس اوتار نامی ایک کتاب بھی تصنیف کی تھی جس میں ہندوؤں کے عقیدوں کے موافق اوتار بیان کیے ہیں۔ یہ کتاب بڑی متبرک سمجھی جاتی ہے اور اس کے چند حصے ہر خوجے کے مرنے کے وقت اس کے سرہانے پڑھے جاتے ہیں اس نے تین اسماعیلی جماعتیں منظم کیں پنجاب میں مکھی سیٹھ شام داس لاہوری۔ کشمیر میں مکھی سیٹھ تلسی داس اور سندھ میں مکھی تریکم۔

قلعہ الموت چھن جانے کے بعد ایران میں یہ لوگ زیر زمین دعوت میں مصروف ہو گئے اکثر درویشوں کی وضع میں رہتے تھے ایک دفعہ اسماعیل صفوی نے ان کے قتل کا حکم دے دیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایران کے بعض بادشاہوں نے ان سے سلسلہ قرابت بھی قائم کیا۔ تقریباً چھ سو سال تک ایران نزاریوں کی امامت کا مرکز رہا۔ ایران کے آخری امام خلیل اللہ علی یزد میں سکونت پذیر تھے۔ ۱۲۳۳ء میں انہیں امامیہ شیعوں نے قتل کر دیا۔ اس پر اسماعیلی بھڑک اٹھے تو فتح علی شاہ قاچار نے قاتلوں کو پھانسی کی سزا دی اور ان کے بیٹے حسن علی کو آغا خان کا خطاب دے کر خوش کر دیا حسن علی ہندوستان آگئے اور نزاری امامت یہاں منتقل ہو گئی۔ یہاں پہلے بھی

اسماعیلی آباد تھے۔

حسن علی

|

علی قائم آغا خان ثانی متوفی ۱۸۸۵ء

|

ہز ہائینس سلطان محمد شاہ آغا خان ثالث متوفی ۱۱ر جولائی ۱۹۵۷ء

|

شہزاد علی

|

آغا کریم آغا خان چہارم انچاسویں حاضر امام

اب ان لوگوں میں مختلف جماعتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ پنجابی خوجے آغا خان کے ماننے والے نہیں لیکن عقیدۃً بمبئی کے خوجوں کے ہمنوا ہیں پنجابی خوجوں کی ابتدا صدر الدین کے زمانہ سے ہوئی۔ خوجوں کے نکاح۔ طلاق۔ وراثت کے احکام اثنا عشری فقہ سے مختلف ہیں برصغیر میں ان کی تعداد دو لاکھ کے قریب ہوگی۔ حسن نظامی دہلوی نے اپنی تصنیف فاطمی دعوت اسلام میں نورست گر اور صدر الدین وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔

آغا خان ثالث دنیا کے امیر ترین افراد میں شمار کیے جاتے تھے۔ دنیا کے تمام حکمرانوں کے ساتھ ان کے بے تکلفانہ مراسم تھے۔ ان کا ایک واقعہ بڑا مشہور ہے کہ جب آپ کی ملاقات ہٹلر سے ہوئی تو اس نے کہا کہ ایک گھوڑا قیمتاً مجھے دے دیجئے آپ نے اس کی قیمت تیس ہزار پونڈ بتائی اس نے چالیس کاریں دینا چاہیں تو آپ نے کہا میں لندن کی پکاڈلی میں شوروم نہیں کھولنا چاہتا

آغا خان ثالث بظاہر مسلمانوں کے دوست اور ہمدرد تھے مگر بباطن وہ اپنے آبائی انداز سے سر مو ادھر ادھر نہیں ہوتے تھے۔ ان کے عروج کے زمانے میں پاک و ہند کے مسلمان دو محاذوں پر نبرد آزما تھے ایک ہندوؤں کے خلاف اور دوسرا انگریزوں کے خلاف مسلمانوں کی جنگ جہاں ہندوؤں کے خلاف ہوتی تھی وہاں وہ اپنے مریدوں کی حفاظت کے لیے مسلمانوں کی معاونت کا دم بھرنا شروع کر دیتے تھے اور جہاں مسلمانوں کی جنگ انگریزوں کے خلاف ہوتی وہاں اوّل سے آخر تک آغا خان انگریزوں کا ساتھ دیتے اور ان کی ہمنوائی کرتے۔ اس میں سیاسی ضروریات کے علاوہ ان کا مذہبی تعصب اور نسلی عصبیت بھی کارفرما تھی

سیاسی مصلحت کے تحت دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اپنے متبعین کی حفاظت کے لئے فوراً انگریزوں کے ہمدرد بن جاتے آغا خان کی تمام مذہبی سیاست صرف اپنے عقائد کے گرد گھومتی تھی اور اپنی شخصیت اور اپنے مریدوں کے بچاؤ کے لئے اگر انہیں دنیا بھر کے مسلمان بھی داؤ پر لگانے پڑتے تو کبھی گریز نہ کرتے جب ترکوں اور بلقانیوں کی جنگ آخری مراحل میں داخل ہو گئی اور آغا خان کو بلقانی عیسائی پٹتے نظر آئے تو فوراً اپنے مخصوص انداز میں ترکوں کے ہمدرد بن کر ان کے سامنے نمودار ہو کر کہنے لگے کہ ترکوں کو بلقان چھوڑ کر ایشیا میں چلے جانا چاہیے گویا خود ہی ترک بلقان سے دستبردار ہو جائیں۔ اس موقع پر مولانا شبلی نعمانی نے فارسی اور اردو میں ایک طنز نظم لکھی تھی۔

ترک سے حضرت آغا نے یہ ارشاد کیا — کیوں ہوے فائدہ یورپ میں گرفتار الم

ایشیا میں اگر جاؤ تو پھر تا ابد — پاؤں پھیلا کے پڑے چین سے رہو گے جم جم

نظر آجائے گی بیکار ہیں آلاتِ جدید — جبکہ تم داد ہیں تاتار میں رکھو گے قدم

خود ہی کہدو گے کہ بیکار ہیں سب تیر و تفنگ — نظر آئے گا جو تیرا فگنوں کا عالم

فائدہ کیا ہے کہ تم ریل کا احسان اٹھاؤ — آپ کا اسپ سبک سیر ہے کس بات میں کم

لمپ کی شعلہ فشانی میں کہاں وہ انداز — شمع کی بزم طرازی کا جو کچھ ہے عالم

اور مانا کہ فردوس بریں ہے یورپ — حضرت خواجۂ شیراز یہ کرتے ہیں رقم

پدرم روضۂ رضوان را بگند بفروخت

ناخلف باشیم اگر من جو ئے بفروشم

آغا خان ثالث نے اپنی سوانح حیات خود قلمبند کی ہے مگر لطف یہ ہے کہ اس واقعہ کی طرف آپ نے اشارہ تک نہیں کیا۔

۳۔ دروزیہ حاکم کے زمانہ میں یہ لوگ الگ ہوئے اس فرقہ کے ابتدائی داعی حسن بن حیدرہ حمزہ بن زوزنی اور محمد بن اسماعیل درازی ہیں۔ گویا یہ فرقہ درازی کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے دروزی کہلاتا ہے۔ ان لوگوں نے اپنا سن بھی جاری کیا جو ۴۰۸ھ سے جاری ہوتا ہے۔ ان لوگوں کا عقیدہ ہے۔ کہ خدا کروڑوں برس کے بعد حاکم کی شکل میں ظاہر ہوا۔ رعیت سے ناراض ہو کر غائب ہو گیا قیامت کے روز پھر انسانی شکل میں ظاہر ہو گا۔

ان کے مذاہب کے چار بڑے اصول ہیں :-

۱۔ خدا کا علم خاص کر انسانی شکل کے مظاہر ہیں ۔

۲۔ عقل کا علم جو سب سے اعلیٰ ہے اس کے باوجود وہ خدا کا بندہ اور غلام ہے ۔ عیسیٰ کے زمانہ میں فرار س ۔ رسول خداؐ کے زمانہ میں سلمان فارسی اور حاکم کے زمانہ میں حمزہ ہے ۔

۳۔ دروزیوں کی مقدس کتابیں چھ ہیں جو کلام اللہ کی طرح مقدس سمجھی جاتی ہیں یہ لوگ خفیہ طور پر گائے کے بچھڑے کے سر کی پوجا کرتے ہیں حاکم کو خدا ماننے کے بعد کسی عمل کی ضرورت نہیں سمجھتے ۔

۴۔ دروزی مختلف اقوام کرد ۔ مارڈی ۔ عرب اور دوسری کم تہذیب یافتہ قبیلوں پر مشتمل ہیں ان کی تعداد پچاس ساٹھ ہزار کے درمیان ہوگی جبل لبنان کے اطراف میں ان کی آبادی زیادہ ہے ۔

ان کی مسجدیں نہیں ہوتیں ۔ معمولی سا مکان ہوتا ہے جس میں پنجشنبہ کے روز مجلس کرتے ہیں چونکہ ان کے بھی اکثر داعی ایرانی تھے اس لئے یہ بھی اسلام دشمنی میں باقی فرقوں سے پیچھے نہیں ۔

کہتے ہیں جب دروزی جبل لبنان کی اطراف میں پہنچا تو وہاں اسماعیلیوں کی کافی تعداد موجود تھی اور اُسے بڑی کامیابی حاصل ہوئی ان کی دو جماعتیں ہیں ۔ جہال اور عقال ۔ جہال غلو پسند ہیں اور عقال اعتدال پسند ۔

عقال کی جماعت میں شریک ہونے کی شرائط فری میسنری کی طرح ہیں ان میں سب سے بلند درجہ خطیب کا ہے ۔

جہاں پر مذہب کی پابندیاں عائد نہیں یہ لوگ ہر قسم کے فسق و فجور میں مبتلا پائے جاتے ہیں اب کوئی آدمی دروزی مذہب میں داخل نہیں ہو سکتا ۔

(تلخیص از SPRINGETE)

موجودہ صدی میں شام میں جتنے انقلاب آئے ان سب کے پیچھے انہیں کا ہاتھ رہا شام میں دروزی ، کیسانی اور باطنی جو آج کل حموی نصیری یا علوی کہلاتے ہیں اسلام دشمنی میں تمام ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہیں ۔ انہوں نے اپنی مقصد برآری کے لئے

ایک عیسائی مشعل عفلق کو اپنی اسلام دشمن جماعت بعث پارٹی کا صدر بنا کر اس کے جھنڈے تلے آئے روز فسادات کرنے کا گویا تہیہ کر رکھا ہے ۔

ناصر نے جب مصر اور شام کا الحاق کر کے "متحدہ عرب حکومت" کی داغ بیل ڈالی اس میں انہیں لوگوں کا ہاتھ تھا ان کا خیال تھا کہ ناصر چونکہ مصر میں فرعونی نظریات کا نمائندہ ہے اس لئے اسلام دشمنی میں وہ ہمارا ساتھ دے گا ۔ مگر جب ناصر فرعونی نظریات کا نمائندہ ہونے کے باوجود ان کے ساتھ نہ چل سکا تو یہ الگ ہو گئے ۔ آج شام کی فوج میں یہ لوگ بڑے بڑے عہدوں پر فائض ہیں ۔ اصولی طور پر دروزی کیسانی و باطنی نظریات میں بڑا فرق ہے مگر اسلام دشمنی میں ان کا نظریہ ایک ہے ۔ اس لئے انہوں نے اپنے فروعی اختلافات کو چھوڑ کر زیرِ زمین بھی اور علی الاعلان بھی ایک متحدہ محاذ بنا رکھا ہے شام میں اخوان کی تباہی انہیں کے ہاتھوں ہوئی اکرام حورانی مصطفیٰ احمد دنلا کرنل ابو عساف ۔ میجر عبدالجواد انہیں نظریات کے نمائندے ہیں ان لوگوں کی تخریبی سرگرمیوں کی وجہ سے شام میں کوئی مستقل حکومت نہیں بن سکی چونکہ انہیں خطرہ ہے کہ جب بھی کوئی مستقل حکومت بن گئی تو ہماری ریشہ دوانیاں قتل و غارت اور اسلام دشمنی کی کارروائیاں ختم ہو جائیں گی ۔

(تلخیص اردو ڈائجسٹ ستمبر ۷۶ء شام انقلابات کے آئینے میں ۱؎ صفحہ ۱۱۱-۱۲۲)

۴۔ طیبی یا بوہرے

ان کا عقیدہ ہے کہ روئے زمین پر خدا کا پہلا خلیفہ "صاحب جشن ایدانیہ" ہے اس نے اپنی وفات سے پہلے اپنے فرزند کو خدا کے حکم سے اپنا خلیفہ بنایا اس خلافت کا سلسلہ اس کی نسل میں جاری رہا ہزاروں بلکہ لاکھوں سال گذر گئے ۔ اس اثنا میں کئی ادوار مثلاً "دورِ کشف ۔ دورِ ستر اور

۱؎ ۔ جس طرح پاکستان میں قادیانی جماعت مسلمانوں میں شامل ہو کر اپنی انفرادیت رکھتی ہے اسی طرح لبنان ، شام اور اسرائیل کے دروزی اور ان کی قسم کے اسلام دشمن فرقے مثلاً ایران کے بہائی ترکی کے داعیہ شام کے نصیری ، مصر کے قبطی ہر فہرست ہیں ۔ ور ماز شام ، لبنان اور اسرائیل کے درمیان پہاڑوں کے سلسلے کا نام ہے اسلئے انہیں دروزی کہتے ہیں یہ لوگ حسن بن صباح کے باقیات اور قرامطہ وغیرہ کی ذریات سے ہیں انہیں دروزیوں میں سے ۵۵ فیصدی اسرائیل کے تھے ۔

دورِ ستر قائم ہونے موجودہ زمانہ دورِ ستر کہلاتا ہے جسے شروع ہوئے تقریباً سات ہزار سال گزر چکے ہیں اس دور میں استقراری امامت کا سلسلہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا۔ آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے اس رتبہ کے علاوہ زمانے کی ضرورت کے لحاظ سے نبوت و رسالت کے شرف سے بھی بہرور کیا۔ آپؐ نے اپنی خلافت کی امانت علیؓ کو انہوں نے حسنؓ کو، انہوں نے حسینؓ کو منتقل کی۔ حسینؓ کی نسل سے یکے بعد دیگرے آئمہ ہوتے رہے اور یہ سلسلہ عبداللہ مہدی تک پہنچا جس کا ظہور قیروان میں ۲۹۷ھ میں ہوا۔ مہدی زمانہ ظہور کا پہلا امام ہے اور آمرؔ آخری امام۔

اس امام کے قتل کے بعد خلافت اس کے بیٹے طیب کو ملی جسے اس کے داعیوں نے دشمنوں کے خوف سے چھپا دیا۔ اس امام کی نسل میں قیامت تک امامت رہے گی۔ ان کی نیابت ان کے ستر کے دور میں ان کے داعی کرتے ہیں امام طیب کے زمانہ سے دَورِ ستر شروع ہوا جو قائم القیامہ کے ظہور تک رہے گا۔ جو دورِ کشف کا پہلا امام ہوگا۔

دَورِ کشف میں امام ظاہر ہوتا ہے تمام زمین پر اس کی حکومت ہوتی ہے اس دور کے اماموں کو مستقرین کہتے ہیں اس کے ختم پر دین میں آہستہ آہستہ کمزوریاں نمایاں ہونے لگتی ہے آئمہ کے اضداد کا غلبہ بڑھ جاتا ہے اسے دَورِ فترت کہتے ہیں اس کے بعد دَورِ ستر شروع ہوتا ہے جس میں امام بالکل پوشیدہ ہوتا ہے دشمن امام کا حق چھین لیتے ہیں دیندار لوگوں کی تعداد کم ہو جاتی ہے اس دور میں کبھی کبھی مستقر امام ظاہر ہوتے ہیں جیسے فاطمین مصر۔ دورِ ستر میں مستقر امام خدا کے حکم سے اپنے نائبوں کو مقرر کرتا ہے جو مستودع یعنی انبیاء کہے جاتے ہیں جن میں سے مشہور آدم۔ نوح۔ موسیٰ اور عیسیٰ ہیں۔

امام طیب

آمر نے جب یہ محسوس کیا کہ طیب کو نزاری قتل کر دیں گے تو اس نے اپنے باپ الابواب ابن مدین کو اس کا کفیل بنا کر یمن بھیج دیا یہاں سے اس فرقہ کا دورِ ستر شروع ہوا ابنِ مدین قتل ہو گیا تو لوٹلی امام طیب کا کفیل مقرر ہوا۔ آمر نے امامت کی نص طیب کے لئے کی آمر کے قتل ہونے کے بعد مصر میں ظافر مدعی امامت ہو کر خلیفہ بن گیا۔

طیبی دعوت سے پہلے یمن سے ہی ابو عبداللہ الشیعی نے بلاد مغرب میں پہنچ کر اسماعیلیوں کے لئے فضا سازگار کی تھی۔ فاطمین مصر ہمیشہ یمن میں اپنے داعی بھیجتے رہے۔

اس دورِ ستر میں ابی الطفل۔ عبداللہ بن لبشیر۔ محمد بن احمد عباس، ہارون بن محمد یوسف بن احمد حمیری سلیمان بن عبداللہ ابتدائی داعی ہوئے سلیمان بن عبداللہ کی تعلیم سے علی بن محمد صلیحی اسمٰعیلی ہو گیا اور اپنی طاقت بڑھا کر کئی شہر فتح کر لئے احمد صلیحی کے بعد اس کا بیٹا امیر سبا جانشین ہوا مگر عامر بن سلیمان بن عبداللہ اس کا مخالف ہو گیا اس نے بعد زمام حکومت سیدہ زوجہ احمد کے ہاتھ آئی اس نے پچاس سال تک بڑی کامیابی سے دعوت کے فرائض انجام دیئے اس کے بعد یمن میں طیبی دعوت کی سیاسی قوت زائل ہو گئی اور ذویب قائم مقام ہوا اس کا زمانہ ۵۲۰ھ تا ۵۴۶ھ ہے اس کے بعد ابراہیم داعی مقرر ہوا اس دوران میں زیدیوں اور اسماعیلیوں کی جھڑپیں ہوتی رہیں اس سے پہلے خلیفہ مصر نے ہندوستان میں مرحلہ بن شیبان کو دہلی روانہ کیا وہاں کے اکثر باشندے مسلمان ہو گئے۔ ۵۰۴ھ میں احمد عبداللہ اور نور محمد تین داعی مستنصر نے بھیجے نور محمد کو عبداللہ نے دکن کی طرف روانہ کر دیا۔

بوہرے

قاضی سلمان منصور پوری اپنی کتاب سفر نامہ حجاز میں لکھتے ہیں کہ ساتویں صدی ہجری میں مصر سے دو مبلغ ملّا عبداللہ صاحب اور ملّا احمد صاحب ہندوستان میں پہنچے اور کھمبائیت کے ساحل پر اترے اوّل اوّل دو کھیڈو (کاشتکار) ان کے ہاتھ پر ایمان لائے یہ زن و مرد تھے ان کی خفیہ تعلیم اور کوشش سے مندر کا پجاری (برہمن) بھی مسلمان ہو گیا اس مندر میں سفید ہاتھی کی مورت تھی اور اسی کی پرستش کی جاتی تھی۔ اسلام ترقی کرتا گیا حتیٰ کہ بھارمل یا تارمل وزیر بھی مسلمان ہو گیا اور پھر سدراج سنگھ راجا بھی مسلمان ہو گیا۔

بوہرہ کے معنی بیوپار کرنے والے کے ہیں اورنگ زیب عالمگیر نے ان کا ذکر فتوحات میں کیا ہے اور قوم بواہیر کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ان کی مردم شماری قریباً دو لاکھ ہوگی۔ (یہ ۱۳۵۵ھ کا ذکر ہے اب ۱۳۹۶ھ ہے اس لحاظ سے آج ان لوگوں کی آبادی دُگنی ہو گی)

یہ لوگ ایک ملّا کے ماتحت ہوتے ہیں جو مولٰو ملا یا ملائے اعظم کہلاتا ہے موجودہ ملائے اعظم کا نام ملّا طاہر سیف الدین ہے (ہز ہولی نس ملّا طاہر سیف الدین اپنی دسیع المشربی اور رفاہِ عامہ کے سلسلے میں بڑے مشہور گزرے ہیں اور علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر بھی رہے ہیں جلد ہی ان کا انتقال ہوا ہے) سورت ان کا مستقر ہے یہ ملّا صاحب

وزیر بہار مل کی اولاد سے ہیں۔ ملائے اعظم کو امام موعود کا نائب سمجھا جاتا ہے۔

ملاگری کی ابتداء امام حسن عسکری سے بیان کی جاتی ہے۔ یعنی اس دعوت سے جبکہ محمد بن حسن عسکری چار سالہ عمر میں سرمن رائے کے غار میں داخل ہو کر پوشیدہ ہو گئے تھے۔

محمد بن عسکری کو اثنا عشریہ تو امام موعود اور مہدی زمان سمجھتے ہیں کہ وہ اب غائب ہیں قرب قیامت میں ان کا ظہور ہوگا لیکن یہ لوگ ان کو مہدی موعود نہیں سمجھتے کہتے ہیں کہ اگر انہوں نے عمر بھی پائی ہے تب بھی ہفتاد سالہ ہو کر فوت ہو گئے اولاد دنیا پر ہو گی مگر پتہ نہیں کہاں ہے۔ مہدی موعود ان کی ہی اولاد سے ہوں گے ملائے اعظم بننے کے لئے وراثت کی ضرورت نہیں اور نہ فاطمی ہونے کی شرط ہے موجودہ ملائے اعظم کے دادا ملا نجم الدین صاحب اس خاندان کے پہلے ملاّ تھے۔ انہوں نے اپنا جانشین اپنے بھائی کو کیا اس نے اپنے برادر زادہ کو جو ملاّ طاہر کا باپ تھا اس نے چچیرے بھائی کو اس نے موجودہ ملاّ کو آئندہ ملا کا انتخاب موجودہ ملاّ اپنی زندگی کے آخری وقت میں کرتا ہے۔ تمام بوہرہ قوم ہر قسم کے صدقہ زکوٰۃ کا روپیہ ملاّئے اعظم کے پاس بھیجتے ہیں وہ بیت المال میں داخل کرتے ہیں۔ بیت المال سے تقسیم ملاّ صاحب کے حکم سے ہوتی ہے ۲۰ لاکھ سالانہ آمدنی کا اندازہ ہے (اس وقت کروڑوں روپیہ ہے) یہ لوگ اثنا عشری فرقہ سے اپنے آپ کو بہت دور سمجھتے ہیں اور ان کا ذکر حقارت سے کرتے ہیں۔

نماز بار سال یہ پڑھتے ہیں سفر میں ظہرین اور مغربین کو جمع کرتے ہیں حضر میں جمع بین الصلوٰتین جائز نہیں سمجھتے۔ دعائے قنوت میں صرف نماز صبح میں پڑھتے ہیں اور کسی نماز میں نہیں۔ عزاداری امام حسینؓ کرتے ہیں۔ تعزیہ نہیں بناتے اسے بت پرستی سمجھتے ہیں سینہ کوبی کا پہلے رواج تھا موجودہ ملاّ صاحب نے اس کی ممانعت کر دی ہے مرثیہ پڑھنے کا رواج ہے مگر بہت کم زیادہ تر روایات پڑھی جاتی ہیں اور آنسوؤں سے رویا جاتا ہے آواز گریہ حرام ہے۔

تقیہ کو ضروری سمجھتے ہیں التقیہ دینی و دین آبائی کی روایت امام جعفر صادق سے بیان کرتے ہیں۔ متعہ کو حرام جانتے ہیں۔

رویت حلال کے پابند نہیں ہمیشہ ۳۰ یوم رمضان کے روزے رکھتے ہیں حدیث "اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم" کی صحت کے قائل ہیں۔ خلفائے راشدین کے

کے نام ادب سے لیتے ہیں مذہب کی کتاب ملائے اعظم کی اجازت کے بغیر کسی کو نہیں دکھاتے آخر میں قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ چونکہ پنجاب میں اس قوم کے مذہبی عقائد کم معلوم ہوتے ہیں اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ جو کچھ شیخ داؤد بھائی، شیخ یوسف علی سورت والے کی زبان سے سنا درج سفر نامہ کر دیا جائے (صـ۲۷۱ تا صـ۲۸۱)

شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں کہ راجہ سدھ راج جے سنگھ متوفی ۴۸۵ھ کے زمانے میں دو بوہرہ داعی عبداللہ اور محمد پٹن پہنچے۔ انہوں نے راجہ کے باورچی کے طور پر ملازمت کی اور اپنی تبلیغ سے راجہ کو مسلمان کیا۔ جو بعد میں مرتد ہو گیا۔ بوہروں کی تاریخ کو کب فلک میں لکھا ہے کہ جے سنگھ کو مہدی احمد نے مسلمان بنایا اور پھر راجہ کے وزیر بہار مل اور تار مل بھی مسلمان ہو گئے ان کے بعد مشہور بوہرہ فاضل محمد علی کا نام کھمبایت کے سلسلہ میں ملتا ہے۔ ان کا مزار آج بھی بوہروں کی مشہور زیارت گاہ ہے۔

عبدالرحیم خانخاناں کے عہد میں بوہروں نے بڑی ترقی کی (رود کوثر صـ۳۲۸)

بہر حال ہندوستان میں ۲۷۰ھ میں دعوت اسماعیلیہ کا کام شروع ہوا۔ ۹۴۶ھ میں یمن کی طیبی دعوت کا مرکز احمد آباد میں منتقل ہوا اور یوسف بن سلیمان ان کا پہلا داعی مقرر ہوا اسی سال یہ لوگ دروزیوں اور نزاریوں کی طرح الگ نظریات کے حامل ہوئے ان میں دعوت کی صدارت کے اختلاف کی وجہ سے مختلف فرقے داؤدیہ، سلیمانیہ، علیہ اور مہدی باغ پیدا ہو چکے ہیں۔

برصغیر کے علاوہ کولمبو، سیام، سنگھا پور، رنگون، عراق، ممباسہ، زنجبار اور دارالسلام میں بھی ان کی کافی تعداد موجود ہے۔ یہ لوگ دروزیوں، باطنیوں، کرامطیوں وغیرہ کی طرح ملکی سیاست میں حصہ لینے سے پرہیز کرتے ہیں اکثر تمام ہی تجارت پیشہ ہیں۔

دولتِ عبیدہ پر تبصرہ

دولتِ عبیدیین ۲۷۰ سال تک قائم رہی ان کی حکومت ایک غالی شیعی حکومت کے دوران میں اور اس سے پہلے بارہا اپنے علوی ہونے کے دعوے کئے مگر وہ نہ علوی تھے۔ عبیداللہ کا دادا نسباً مجوسی اور ذات کا لوہار تھا۔ (تاریخ الخلفاء ذہبی)

عبیداللہ نے ملک مغرب میں پہنچ کر علوی ہونے کا دعویٰ کیا۔ مگر علماء نسب نے اس کے دعوے کو ہرگز تسلیم نہیں کیا تفصیل گذشتہ صفحات میں گزر چکی ہے یہاں تک کہ ایک دفعہ عزیز عبیدی نے اندلس کے اموی خلیفہ کے نام ایک خط میں ہجو و دشنام کے طور پر اُس کے نسب پر اعتراض کیا تو اُس کے جواب میں اموی خلیفہ نے لکھا کہ چونکہ تمہیں ہمارے نسب کے حالات معلوم تھے اس لئے تم نے ہجو کی ہے اگر ہم کو تیرے باپ دادا کی حقیقت کا علم ہوتا تو ہم بھی ان کے متعلق کچھ لکھتے عزیز اس جواب سے سٹ پٹا کر رہ گیا عبیدین کو لوگ عام طور پر فاطمیین کے نام سے یاد کرتے ہیں حالانکہ یہ بڑی جہالت اور غلطی ہے عبیدین اسماعیلی شیعہ تھے۔ انہیں کو باطنیہ بھی کہتے ہیں۔ انہیں کی ایک شاخ نزاری تھی جن کا اوّلین حکمران حسن بن صباح تھا انہیں فدائیوں کی حکومت بھی کہتے ہیں۔ یہ بھی غیر علوی تھے اور مدت دراز تک مسلمانوں کے لئے ایک آفت بنے رہے دروزی بھی انہیں کی ایک شاخ ہے وہ بھی غیر فاطمی تھے۔

عبیدین کی حکومت میں ہزارہا صلحا محض اس لئے تختہ دار پر چڑھا دیئے گئے کہ وہ صحابہ کرام رض کو بُرا نہ کہتے تھے۔ ان لوگوں سے اسلام کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا بلکہ یہ اوّل سے آخر تک اسلام کے لئے ایک خطرہ بنے رہے ان کا کوئی جنگی یا اخلاقی کارنامہ ایسا نہیں جس پر فخر کیا جا سکے۔ بعض علماء نے انہیں خارج از اسلام دیا ہے ان میں سے بعض نے بڑے عجیب و غریب دعوے کئے جو گذشتہ صفحات میں گزر چکے ہیں۔ ان لوگوں کے عہد میں تمام محرمات شرعیہ کا کھلے بندوں استعمال رہا شراب نوشی عام رہی جبراً ہزاروں مسلمانوں کو اسماعیلی دعوت میں شریک کیا اور جس نے انکار کیا قتل کر دیا گیا۔

عبیداللہ کے متعلق دی خوئے پھر کہتا ہے کہ اس نے یہود کے سامنے ایک مسیح، نصاریٰ کے سامنے فارقلیط، مسلمانوں کے سامنے ایک مہدی اور ایرانی اور شامی مشرکوں کے سامنے ایک فلسفیانہ مذہبی نظام پیش کر کے سب کو اپنے قابو میں لانے کی کوشش کی۔

مشہور مستشرق دی بریسو کہتا ہے کہ اسماعیلی اصول فرقہ معتزلہ سے اخذ کئے گئے جو مجملہ اور مسائل کے خدا کے اوصاف کو تسلیم نہیں کرتے اور عقیدۂ اختیار کے قائل ہیں۔

اسٹانلی لین پول کہتا ہے کہ فاطمی حکومت جو دو صدیوں تک مصر پر حکمران رہی اس کے خلفاء عیش پسند تھے ان کی پالیسی میں بلند خیالات تھے نہ حوصلہ مند تجویزیں

ان کا اثر ان کی ذاتی خوبیوں کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ ایک عام شیعی تحریک کی وجہ تھا۔ جو بغیر ان کی رہنمائی کے جاری رہی۔

حلول، تناسخ، آسمانی حق موروثی حکومت وغیرہ کے عقیدوں کو ایران میں جیسی مقبولیت حاصل تھی ویسی مصر میں نہ ہو سکی شیعی فرقوں کے اکثر بانی ایرانی ہوتے ہیں۔

اسماعیلی مذہب کی دعوت کا طریقہ کار بالکل فری میسنری سے مطابقت رکھتا تھا ان کی دعوت کی درجہ بندی کے نو درجے تھے اور پھر اندلس کے امویوں اور بغداد کے عباسیوں کا خوف ہمیشہ ان کے سروں پر مسلط رہا اس لئے انہوں نے باطنی عقائد کی دعوت مخصوص درجہ تک ہی محدود رکھی۔

المختصر یہ کہ مصر کی عبیدیہ حکومت کو اسماعیلی حکومت کہا جائے یا فاطمی دراصل یہ ایک مجوسی تحریک تھی جس کا کام محض اسلام دشمنی تھا۔ مگر اللہ تعالےٰ نے ان کے شر سے اسلام کو محفوظ رکھا۔

اب آخر میں مشہور اسماعیلی فاضل ڈاکٹر زاہد علی مصنف تاریخ فاطمیین مصر کا قول سُن لیجئے۔

نکل جاتی ہو سچی بات جس کے منہ سے مستی میں
فقیہ شہر سے وہ رندِ بادہ خوار اچھا!

فروعات میں تو اختلاف کوئی بات نہ تھی لیکن افسوس کہ ان لوگوں نے اصول کچھ ایسے ایجاد کئے ہیں جو اسلامی اصولوں کے خلاف تھے مسلمان مؤرخ جنہیں ہم اہل ظاہر کہتے ہیں ہمارے متعلق یہ رائے رکھتے ہیں کہ ہمارا دینِ اسلام سے کوئی واسطہ نہیں۔ تو ہمارے اسماعیلی بھائی سُن کر کہتے ہیں کہ یہ تو ہمارے دشمن ہیں لیکن بڑی اچنبھے کی بات ہے کہ مستشرقین جو ہم دونوں سے الگ ہیں وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ اسماعیلیت اسلام سے الگ ہیں۔ شیعوں کو خلافت فاطمیہ مصر پر بڑا ناز ہے مگر مصری فاطمی سات اماموں کے قائل ہیں اور اثنا عشریہ بارہ اماموں کے قائل ہیں اسماعیلی حج بیت اللہ سے مراد اپنے امام کی طرف متوجہ ہونا کہتے ہیں اور کعبہ کا سات بار طواف سات اماموں سے دوستی قرار دیتے ہیں، وقس علیٰ ہذا۔

اسماعیلیوں کی تمام شاخوں کے بنیادی عقائد ایک ہیں قطع نظر اس بات کے

کہ امام وقت اپنی موت کے وقت کسی ایک بیٹے کے لئے نص کرنے اور آسمانی حق اس کے حوالے کرنے اور اس عقیدہ پر سب کا ایمان لانے کے بعد یہ لوگ وقتاً فوقتاً مختلف فرقوں میں بٹتے چلے گئے اور ہر فرقے نے یہی دعویٰ کیا کہ ہمارا امام ہی سچا امام ہے مگر اس کے باوجود عبداللہ بن میمون القداح کی ذہانت کی داد دینی پڑتی ہے کہ اس نے اپنی اولاد کے لئے خواہ انہیں حکومت کے ساتھ سلطنت ملے یا نہ ان کی عیاشانہ زندگی میں فرق نہ آئے اس نے خدا کی قائم مقامی کا ایسا تصور اپنے متبعین کے دلوں میں ٹھونسا جو باوجود زمانے کی ہلاکت آفرینیوں اور سینکڑوں انقلابات کے آج تک نہیں مٹ سکا چند اہم اصول یہ ہیں :۔

۱۔ امام اپنے حکم سے نہیں بلکہ خدا کے حکم سے اپنا خلیفہ مقرر کرتا ہے جو الہام کے ذریعہ اُسے پہنچتا ہے۔

۲۔ امام کے بعد اُس کا بیٹا ہی خلیفہ ہوتا ہے خواہ شیر خوار یا نابالغ ہی کیوں نہ ہو اور اس کا متولی کفیل یا مستودع کہلاتا ہے۔

۳۔ امامت کا سلسلہ باپ کے بعد بیٹے میں دنیا کے ختم ہونے تک رہے گا۔ ہر زمانے میں ایک امام کا وجود ضروری ہے اسی کی برکت سے برقرار ہے ورنہ متزلزل ہو جائے۔

۴۔ امام معصوم ہوتا ہے اس سے کوئی خطا سرزد نہیں ہو سکتی۔

۵۔ امام مذہبی اور سیاسی دونوں حکومتوں کا مالک ہوتا ہے۔ اس کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوتا ہے۔

۶۔ امام کبھی ظاہر ہوتا ہے کبھی مستور، ستر کے زمانہ میں اس کی نیابت داعی کرتے ہیں۔

۷۔ امام اپنے پیروں کے جان و مال کا مالک ہوتا ہے ان کے متعلق جو حکم چاہے نافذ کر سکتا ہے۔

۸۔ قیامت کے دن قائم القیامہ ظاہر ہوں گے۔

اقول :۔ ظہور امام قائم القیامہ کے تمام شیعہ فرقے قائل ہیں۔

اثنا عشری کہتے ہیں وہ حسن عسکری کے گھر پیدا ہو کر سر من رائے میں پوشیدہ ہو چکے ہیں۔

طیبی بوہرے کہتے ہیں کہ وہ اکیسویں امام طیب کی نسل سے ہوگا۔

کیسانیہ کہتے ہیں وہ محمد بن حنفیہ کی اولاد سے ہوگا۔

نزاریہ کہتے ہیں وہ نزار کی نسل سے ہوگا۔ ؏

ناطقہ سر بگریباں ہے اُسے کیا کہئے

اسماعیلیوں کے عقیدے کے مطابق قیامت کے دور کی ابتداء امام محمد بن اسماعیل سے شروع ہوگی جو سابع النطقا اور سابع الرسل کہے جاتے ہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالےٰ نے اسلام کی ظاہری شریعت کو معطل کر دیا۔ اس کے بعد جو آئمہ ہوئے وہ اس تحریک کو کامیاب بنانے کی کوشش کرتے رہے اب قائم القیامہ کے ظہور پر یہ تحریک تمام دنیا میں پھیل جائے گی۔

(کتاب الادلہ والشواہد لجعفر بن منصور الیمن)

شخصیت پرستی کا جو اصول عبداللہ بن میمون القداح نے اپنی اولاد کے تعیش کے لئے وضع کیا اس کی نظیر تاریخ عالم میں محال ہے۔ اسماعیلیوں کے علاوہ غالی حنفیوں میں بھی یہ مشرکانہ رسم انہیں کی دیکھا دیکھی پیدا ہوئی ہے۔ اسماعیلیوں کا مشہور داعی ناصر خسرو لکھتا ہے کہ رسم ایشاں آں بود کہ ہر کجا سلطان بمردم رسیدے اُو را سجدہ کردندے و صلوٰۃ دادندے عام لوگوں کو حکم دیا گیا تھا کہ جب خطبے میں امام کا نام آئے یا وہ کسی راستے سے گزرتا ہو تو سب لوگ تعظیم کے لئے کھڑے ہو جائیں سجود کی رسم دولت فاطمیہ میں عام تھی معز کے داعی قاضی القضاۃ نعمان بن محمد نے اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :۔

"یعنی اولیاء اللہ میں سے کسی ولی کے سامنے سجدہ کرنا اللہ کی تعظیم ہے اور یہ منع نہیں"۔ (کتاب الہمتہ فی اتباع الائمہ ص۱۱۱ - ۱۱۲)

اسماعیلی دعوت کو بارہ صدیاں گزر چکی ہیں اس طویل مدت میں کئی سیاسی آثار اور چڑھاؤ ہوئے۔ جس کی وجہ سے ان کے عقائد میں کئی تبدیلیاں ہوئیں۔ ہر فرقے نے علیحدہ اعتقاد اختیار کیا۔

اس وقت جو اسماعیلی ہیں ان میں سے دروزی امام کو خدا مانتے ہیں نزاری صرف باطن کے قائل ہیں اور داؤدی اور سلیمانی ظاہر و باطن دونوں کے پابند ہیں مگر ایک بات ان سب میں مشترک ہے یعنی اسلام دشمنی۔

اب میں اس بات کو اسماعیلیوں کے عقائد کے خلاصہ پر ختم کرتا ہوں۔

ڈاکٹر زاہد علی لکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے دادا مولانا عبدالمطلب حضرت ابراہیمؑ کی ذریت سے ہیں۔ آپؐ بھی حضرت ابراہیمؑ کی طرح حضرت عیسیٰؑ کے دور میں مستقر امام تھے یعنی آپ میں نبوت، امامت، وصایت اور رسالت چاروں مراتب جمع تھے۔ آپ نے اپنے دو فرزندوں یعنی مولانا عبداللہ اور مولانا ابوطالب کو جدا کے اور وصیؐ کے الگ الگ رتبے دیئے پہلے کو نبوت اور رسالت کے رتبے دے کر ظاہر دعوت کا صدر بنایا اور دوسرے کو وصایت و امامت کا درجہ دیکر باطنی دعوت کا رئیس مقرر کیا۔

بحوالہ (ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام ص ۶۳، ۶۴)

آنحضرتؐ کو مولانا ابوطالب نے قائم کیا۔ یعنی آپ کو نبوت و رسالت کے رتبے سے سرفراز کرکے وصایت و امامت کے رتبے کے متعلق مولانا علیؓ کو کفیل بنایا۔ جو

دست احمدؐ نے کیا ہے اپنے بازو کو بلند
جب تو اونچا ہے نبوت سے امامت کا وقار

(ایضاً ص ۶۷)

ساتواں باب

خلافتِ عباسیہ اور شیعہ

یہ تحریک خواہ مذہبی ہو یا سیاسی اپنے ابتدائی دور میں مخالفین کے خوف سے مخفی رکھی جاتی ہے اسی طرح علویوں اور عباسیوں نے امویوں کے خوف سے اپنے مراکز مخفی رکھے اور مختلف ملکوں میں اپنے داعی بھیجتے رہے علوی بار بار خروج کرتے رہے قتل ہوتے رہے قید ہوتے رہے اور اپنی طاقت کھوتے رہے مگر عباسی اس معاملے میں دور اندیش ثابت ہوئے وہ اندر ہی اندر اپنی طاقت مضبوط کرتے رہے مگر بظاہر خاموش رہے آخر ایک دفعہ دونوں قبیلوں کے سربرآوردہ افراد جمع ہوئے اور اپنے میں سے متفقہ طور پر خلیفہ کے انتخاب کا مسئلہ زیر بحث آیا اس مجلس میں علویوں کی طرف سے ابو ہاشم علوی متوفی ۹۸ھ بانی فرقہ ہاشمیہ اور عباسیوں کی طرف سے محمد متوفی ۱۲۵ھ بطور قائد شامل تھے۔ اس سے پہلے علویوں کی خلافت کے لئے دعوت دی جاتی تھی۔ اور تمام خفیہ مراکز میں جو داعی کام کر رہے ہیں وہ علوی تھے یا عباسی بلا اختلاف علویوں کی خلافت کے لئے کام کرتے رہے مگر اس مجلس میں علوی مدعی خلافت عباسیوں کے وفد کے قائد کے حق میں دستبردار ہو گیا[1]

---

[1] یہاں پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ فاطمی مدعی خلافت غیر فاطمی کے حق میں خلافت کے دعوی سے کیوں دستبردار ہو گیا جبکہ خلافت منصوصی طور پر فاطمیوں کا حق ہے۔

عبد المطلب

(۱) ابوطالب	(۱) سیدنا حضرت عباس رضؓ
(۲) حضرت علی رضؓ	(۲) حضرت عبداللہ رضؓ
(۳) محمد بن حنفیہ متوفی ۸۱ ھ	(۳) علی رضؓ
(۴) ابو ہاشم عبداللہ متوفی ۹۸ ھ بانی فرقہ ہاشمیہ	(۴) محمد متوفی ۱۴۵ ھ

حق امامت

امیر المومنین عبداللہ السفاح	منصور خلیفہ دوم
خلیفہ اول	۱۳۶ تا
۱۳۲ تا ۱۳۶ ھ	۱۵۸ ھ

ابراہیم

امام ابو ہاشم نے اپنا حقِ امامت اپنے خاندان والوں کو چھوڑ کر محمد کے حوالے کر دیا اور دعوت کے تمام اسرار و رموز اُس کو سمجھا دیئے۔

(الفاطمیون فی مصر صفحہ ۲۸ بحوالہ VANVLOTN)

گویا سب سے پہلے حضرت علی رضؓ نے اصحاب ثلاثہ رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے خلافت بلا فصل کے نظریہ کی تکذیب کی پھر حضرت حسن رضؓ نے معاویہ رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے خلافت سے دستبرداری کا اعلان کیا پھر علی رضؓ زین العابدین رضؓ نے امیر یزید رضؓ کو مدینہ کے خروج سے مطلع کیا اور اس بات کا ثبوت دیا کہ میں تمہارے ساتھ ہو گیا ہوں۔ گویا علی رضؓ (زین العابدین رضؓ) نے یزید رضؓ کی خلافت کو تسلیم کیا اس کے بعد ابو ہاشم نامزد خلیفہ نے سب کچھ محمد بن علی عباسی کے حوالے کر دیا، کیا کبھی شیعہ اصحاب نے ان باتوں پر غور کیا ہے۔

اس وقت ابو ہاشم نے جو کچھ کیا وہ علویوں کی رضامندی سے کیا۔ مگر بعد میں ان لوگوں کو اس بات کا بڑا رنج پہنچا اور انہوں نے از سر نو اپنے طور پر مختلف ممالک میں اپنے داعی بھیجنے شروع کر دیئے۔

عباسیوں کو خراسان کی طرف سے بڑی کامیابی حاصل ہوئی اور علویوں کو مغرب اقصیٰ میں خراسان کے ابو مسلم اپنے آباؤ اجداد کی طرح نوروز اور مہرجان کی عیدیں مناتے تھے جو آج

تک شیعوں میں مروّج ہیں۔

عباسیوں اور علویوں کی تحریکیں پہلو بہ پہلو جاری تھیں مگر ان کے طریق کار میں نمایاں فرق تھا۔ عباسیوں کی تحریک ایک عوامی تحریک تھی ان کے پیچھے امویوں کی خلافت کے کمزور ہونے پر عوام کی طاقت کارفرما تھی۔ مگر ان کے مقابلہ میں علویوں نے جہاں کہیں سر اٹھایا اُن کے کسی ایک خروج کرنے والے کو کبھی بھی عوام کا اعتماد حاصل نہ ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت علی رضؓ نے چند بڑے ایرانی سرداروں کی لڑکیاں غلامی سے آزاد کرائی تھیں اس لئے ایرانی ان کی اولاد کے ہمنوا تھے۔ مگر یہ محض ایجاد بندہ ہے۔

اور اگر اس بات کو بطور حقیقت کے ہی تسلیم کر لیا جائے تو عبداللہ ابو ہاشم کا حقِ امامت محمد عباسی کے سپرد کر دینے سے جھگڑا ہی ختم ہو جاتا ہے۔

بہر حال ایران کا علاقہ ذہنی طور پر اسلامی خلافت کا دشمن تھا اور وہاں زور شور سے یہ تحریک جاری تھی کہ خلافتِ اسلامیہ پر جس طرح ہو سکے ضرب کاری لگائی جائے علویوں اور عباسیوں کی کامیابی کے وسائل زیادہ ایران سے ہی مہیا ہوئے۔

عباسی امام محمد کے مرنے کے بعد امامت کا منصب اس کے بیٹے ابراہیم کو ملا۔ امام ابراہیم نہایت دور اندیش اور دور رس آدمی تھا۔ اُس نے اس تحریک کو پہلے سے زیادہ وسیع اور باقاعدہ اصولوں پر قائم کر کے ہر ایک علاقہ کے لئے الگ الگ موزوں داعی مقرر کئے اور نہایت نظم و ترتیب کے ساتھ عراق خراسان، فارس و شام، حجاز وغیرہ ممالک اسلامیہ میں اپنی تحریک کا ایک جال پھیلا دیا امام ابراہیم کو خوش قسمتی سے ایک ایسا شخص مل گیا جس نے آئندہ چل کر بہت جلد اس سازش کو کامیابی تک پہنچانے کا کام اپنے ذمہ لے لیا وہ شخص ابو مسلم خراسانی تھا۔ ابو مسلم کا نام ابراہیم بن عثمان بن یسار تھا۔ ایرانی النسل تھا۔ سات سال کی عمر میں اس کا باپ مر گیا۔ کوفہ میں عیسیٰ بن موسیٰ سراج سے چار جامہ دوزی کا کام سیکھتا رہا۔ عیسیٰ اپنے زین اور چار جامے لے کر خراسان موصل اور جزیرہ میں فروخت کرنے کے لئے اکثر جاتا رہتا در اصل یہ شخص جو ہاشم اور علویوں کا نقیب تھا۔ اور آخر گورنر کوفہ نے اُسے قید کر دیا۔ ابو مسلم قید خانے میں اس کے پاس جاتا رہا قید خانہ میں اکثریت بنو ہاشم کے نقیبوں کی تھی ابو مسلم اکثر ان سے بنو ہاشم کی باتیں سنتا۔ عیسیٰ قید سے آزاد ہوا تو اس کی ملاقات قحطبہ بن شبیب سے ہوئی جو ابراہیم کا مشہور

داعی تھا۔ اس نے ابومسلم کو جوہر قابل پا کر عیسیٰ سے مانگ لیا اور جا کر ابراہیم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ ابراہیم نے ہی اس کا نام ابومسلم رکھا۔

ان ہی دنوں میں یعنی ۱۳۰ھ میں حج کے موقعہ پر ایک بار پھر عباسی اور علوی نقیب اور داعی ایک مقام پر اکٹھے ہوتے۔ اس مجلس میں پھر از سر نو غور شروع ہوا ابوجعفر منصور عباسی نے کہا کہ علیؓ کی اولاد سے کسی کو خلیفہ منتخب کر لینا چاہیے۔ چنانچہ اتفاق رائے سے محمد بن عبداللہؒ بن حسنؓ بن علیؓ المعروف نفس ذکیہ کو منتخب کر لیا گیا۔ اس وجہ سے شیعانِ علیؓ زیادہ زور شور سے کام کرنے لگے اور ان کی یہ تمام کوششیں آخر عباسیوں کے حق میں مفید ثابت ہوئیں۔ ادھر ابومسلم خراسانی کو اپنے امام کی طرف سے اعلانیہ دعوت کا حکم مل گیا۔ ادھر محمد نفس ذکیہ کو آگے بڑھایا گیا ادھر ابومسلم نے ۱۳۰ھ میں خروج کر دیا۔ خراسان میں جتنے شیعانِ علیؓ تھے سب اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے ان ہی ایام میں عبداللہ بن معاویہؓ[1] بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کوفہ میں لوگوں سے اپنی بیعت لینے کی طرح ڈال چکا تھا غرضیکہ عجیب انتشار کا وقت تھا کسی کو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ امام ابراہیم گرفتار ہو کر حیمہ کے مقام پر فوت ہو گئے۔ اس وقت ان کے تینوں بھائی عبداللہ سفاح، ابوجعفر منصور اور عبدالوہاب موجود تھے انہوں نے گرفتاری کے وقت عبداللہ سفاح کو اپنا جانشین منتخب کیا۔

خراسان میں ابومسلم کی حکومت قائم ہو چکی تھی اور کوفہ میں ابومسلم کی ابومسلم بظاہر عباسیوں کا نقیب تھا مگر درپردہ وہ علویوں کا حامی تھا۔ اس نے امام جعفرؓ (صادق) بن امام محمد باقرؒ بن زین العابدینؒ بن حسینؓ بن علیؓ کو خروج کے لئے بلایا انہوں نے صاف انکار کر دیا گویا شیعوں کے پانچویں امام کو بھی شیعوں کے ان مزعومہ عقائد سے اتفاق نہ تھا خلافت بلا فصل کے قائل غور کریں۔ (مؤلف) عبداللہ سفاح فوراً کوفہ پہنچا۔

کوفہ میں اب رسم کے لوگ موجود تھے عباسیوں کے طرف دار اور علویوں کے طرفدار۔ آخر ۱۲ ربیع الاوّل ۱۳۲ھ کو لوگوں نے جمع ہو کر عبداللہ سفاح کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اسے ہمراہ لے کر دارالامارۃ میں داخل ہو گئے۔

---

[1] یہ معاویہ جعفر طیار کا پوتا ہے اس نام سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ علوی اور عباسی یا اموی نزاع صرف حصول سلطنت کی نزاع تھی۔

عبداللہ سفاح کے خلیفہ بنتے ہی علویوں میں ہلچل مچ گئی بہت سے شیعانِ علیؓ اس بات کے قائل ہو گئے کہ عبداللہ سفاح ہی سچے امام ہیں۔ ابومسلمہ بھی اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا کر رہ گئے۔ سفاح نے تمام حالات لکھ کر خراسان میں ابومسلم کے پاس بھیج دیئے۔ ابومسلم نے مرار نامی ایک آدمی کے ذریعہ ابومسلمہ کو قتل کرا دیا جس نے معمولی سی مخالفت بھی کی۔ یہاں سے ملتِ اسلامیہ کے اس المیہ کا آغاز ہوتا ہے جس نے ایران کی تہذیب تمدن، معاشرت اور ثقافت کو باقی اسلامی ممالک سے بالکل الگ تھلگ کر دیا ورنہ جس طرح آج مراکش کے مغربی ساحل سے لے کر دجلہ و فرات کے کناروں تک تمام تہذیب عربی رنگ میں رنگی ہوئی ملتی ہے اسی طرح ایران کی زبان اور معاشرت بھی عربی ہوتی مگر ابومسلم اور قحطبہ بن شبیب اور دوسرے داعیانِ اہلبیت نے خراسان کے شہروں میں امام ابراہیم کے ارشاد کے مطابق کسی عربی بولنے والے کو زندہ نہ چھوڑا علویوں اور عباسیوں کے خیال کے مطابق بنو امیہ کے طرفدار خراسان میں وہی لوگ تھے جو فاتحانہ خراسان میں سکونت پذیر تھے۔ اور ان کی ہمدردیاں لازمی طور پر امویوں کے ساتھ تھیں چونکہ امویوں کی وجہ سے ہی ان ممالک میں عباسیوں اور علویوں کو بھی وقار ملا تھا۔ اس لئے شروع میں عباسی اور علوی اور ان کے داعی امویوں سے صرف نظر کرتے رہے۔ مگر جب امر خلافت ان کے ہاتھ پر منتقل ہو گیا اور انہوں نے چاہا کہ ہم ان عجمی قبائل سے کام لیں تو علویوں کی خفیہ دعوت نے ابومسلم کے ہاتھ سے صرف امویوں کا ہی نہیں بلکہ تمام عربوں کا خاتمہ کرا دیا۔ چونکہ علویوں کو یہ خطرہ بھی پیدا ہو چکا تھا کہ یہ عربی قبائل شاید اب امویوں کی طرح عباسیوں کا ساتھ نہ دیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ کثیر التعداد عربی قبائل جو اس ملک کی زبان۔ معاشرت اور تمدن کو عربی بنانے میں کامیابی حاصل کر رہے تھے سب کے سب قتل ہو گئے اور عربی عنصر جو تمام ملک کو اپنا ہم رنگ بنا رہا تھا یک لخت مغلوب، بے اثر اور ناپید ہو گیا۔ جس کی وجہ سے ایرانی زبان، ایرانی تمدن، ایرانی معاشرت اور ایرانی اخلاق مرتے مرتے پھر زندہ ہو گئے اور ایران اور خراسان جو مصر وغیرہ کی طرح آج عربی ممالک ہوتے۔ پھر فارسی ملک بن گئے بلکہ ہو سکتا ہے کہ ان کی ہمسائیگی کی وجہ سے افغانستان اور موجودہ مغربی پاکستان بھی عربی ملک ہوتے۔ ابومسلم اب اپنے آپ کو خلافتِ عباسیہ کا بانی اور خلیفہ سفاح کا سرپرست سمجھتا تھا۔

حالات کے تحت عبداللہ سفاح کے دل میں کچھ کھٹکا پیدا ہو گیا تھا۔ چونکہ اندرونِ ملک اب عباسیوں کے خلاف علویوں نے سازشیں شروع کر دی تھیں جس طرح امویوں کے خلاف کرتے رہے۔ امیر معاویہؓ اور ان کے جانشین علویوں سے خروج کرنے والوں کو دباتے رہتے اور اور قتل کرتے رہے اور مال و دولت کے ذریعہ ان میں سے بعض کے منہ بند کرتے رہے۔ اسی طرح سفاح نے بھی علویوں کو مال و دولت کے ذریعہ خاموش رکھنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔

سفاح کو جب کوفہ میں خلیفہ بنایا گیا تو عبداللہ بن حسن مثنیٰ ابن حسن بن علیؓ اور دوسرے علوی کوفہ میں آئے اور کہا کہ یہ کیا بات ہے کہ خلافت جو ہمارا حق تھا اس پر تم نے قبضہ کر لیا ہے۔

سفاح نے عبداللہ کو دس لاکھ درہم قرض لے کر پیش کر دیئے۔ عبداللہ ابھی رخصت نہ ہوئے تھے کہ مروان بن محمد کے قتل کی خبر پہنچی اور بہت سا قیمتی مال مثلاً جواہرات و زیورات بھی سفاح کے پاس پہنچا۔ وہ سب مال بھی سفاح نے عبداللہ کو پیش کر دیا۔

خلافت بلا فصل کے مدعی یہاں بھی غور کریں کہ ان کے آئمہ کس طرح بار بار "حقِ امامت" کو فروخت کرتے رہے۔ عباسیوں کا کام اب منتقل ہو گیا تھا۔ سفاح کے مرنے کے بعد المنصور خلیفہ بنا تو اس نے ابومسلم کو بلا کر قتل کرا دیا۔ ابومسلم کے قتل کے بعد ایرانیوں کے دلوں میں آتشِ انتقام بھڑک اٹھی انہوں نے سنباد نامی ایک مجوسی کو آگے بڑھا کر نیشا پور اور رے پر قبضہ کر لیا۔ سنباد نے اعلان کیا کہ میں کعبہ کو گرا دوں گا۔ ایرانی نومسلم اس تحریک سے متاثر ہو کر اس کے ساتھ ہو گئے کہ ہماری قوم کا ایک شخص سلطنت اسلامی کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا ہے مگر سنباد بگولے کی طرح اٹھے اور عباسیوں کے سامنے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا اور بھاگ کر کہیں روپوش ہو گیا۔ اس کے بعد ایران سے ایک اور گروہ اٹھا یہ بھی ابومسلم کے قتل کے قصاص میں اٹھا۔ انہیں راوندیہ کہتے تھے۔ تاریخ کی کتابوں میں وہ بھی شیعوں کے فرقوں میں شمار ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ منصور میں خدا نے حلول کیا ہے یہ بھی ختم کر دیئے گئے۔ سفاح کے مرنے کے بعد منصور نے خلیفہ بننے پر علویوں سے ہاتھ کھینچ لیا جب ان لوگوں کو محسوس ہونے لگا کہ ہمیں کسی طرح کوئی مال نہیں ملے گا تو انہوں نے محمد بن عبداللہ کو آگے بڑھایا۔ عباسی خلیفہ کے حکم سے محمد بن عبداللہ

کے تمام رشتہ دار قید کر دیئے گئے جن میں اس کا باپ بھی تھا۔

یہ لوگ ۱۴۴ھ تک مدینہ میں قید رہے ۱۴۵ھ میں محمد مہدی کی خفیہ دعوت نے خراسان میں ہل چل مچا دی۔ منصور نے محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان[1] کو قتل کر کے ان کا سر خراسان بھیج دیا اور خراسان والوں کو حلفاً یقین دلایا کہ یہ سر محمد بن عبداللہ نفس ذکیہ کا ہے اس دھوکے میں آ کر وہ لوگ خروج سے رک گئے۔

محمد مہدی المعروف نفس ذکیہ نے خروج کیا اور قتل ہوا۔

اب یہاں ایک امر قابلِ غور ہے کہ اگر تمام عالم اسلام نے منصور کو اپنا خلیفہ تسلیم کر لیا تھا تو کیا امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا ان کی خلافت کے خلاف فتویٰ دینا بغاوت پر محمول نہیں کیا جائے گا؟ اور اگر سفاح اور منصور خلفائے حق نہیں تھے تو ان کے ہاتھ پر پہلے بیعت ہی کیوں کی گئی تھی۔ کاش کہ دینی نقطۂ نگاہ سے تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا جاتا اور تاریخ اسلام کو ابتدا سے مرتب کیا جاتا تاکہ آج فرقہ بندی کا یہ تشدد آمیز کابوس ان کے سروں پر سوار نہ ہوتا جو کتاب و سنت سے بیگانہ ہو کر عبد فلاں و فلاں کے چکر میں گرفتار ہیں[2] آئے دن کی بغاوتوں، سازشوں اور درپردہ تخریبی کارروائیوں سے

---

[1] یہاں بھی عمرؓ اور عثمانؓ کے ناموں پر شیعہ غور کریں۔

[2] امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے متعلق بعض مروجہ تاریخوں میں جو اس قسم کے اشارات ملتے ہیں کہ وہ خلافتِ موقتہ کے خلاف تھے اور ان کی ہمدردیاں درپردہ طالبیوں کیا تھیں تاریخی دنیا میں اس سے بڑا جھوٹ نہیں تراشا گیا۔ ان اصحاب کے تدین للہیت اور علم و فضل پر آج تک کسی علمی گوشہ سے سوائے فروعی قسم کے چند اختلافات کے کسی قسم کی انگشت نمائی نہیں کی گئی یہ ہر دو آئمہ سیاسی ہنگامہ آرائیوں سے بالکل الگ تھلگ رہے وہ امام وقت یعنی خلیفۃ المسلمین کی اطاعت کو فرض سمجھتے تھے اور خلیفہ وقت کے خلاف کسی بھی قسم کی حرکت کو بغاوت پر محمول جانتے تھے بارہا انہوں نے اس بات کا برملا اظہار کیا کہ خلیفہ وقت کے حکم کی تعمیل ہر مسلمان پر فرض ہے پھر ان کی ذات کی طرف اس قسم کے واقعات کو منسوب کرنا کہ انہوں نے خلیفہ وقت کے خلاف فلاں جرح کرنے والے کی درپردہ مدد کی ایک عظیم افترا اور بہتان ہے۔

(اس موضوع پر پروفیسر سید علی احمد عباسی کی تالیف سیرۃ امام اعظم ابوحنیفہ کی طرف رجوع کیجئے)

متاثر ہو کر آخر عباسیوں نے اپنی سلطنت مضبوط کرنے کے لئے فتنہ خلق قرآن کی طرح ڈالی۔

عباسیوں کا تیسرا خلیفہ المہدی ۱۵۹ھ ۱۶۹ھ اور چوتھا خلیفہ الہادی ۱۶۹ھ تا ۱۷۰ھ ان ہی ریشہ دوانیوں کی سرکوبی میں الجھے رہے۔ آخر ہارون الرشید کی باری آئی اسے بلا مزدو منت معلوم دنیا کی سب سے بڑی شہنشاہی حاصل ہوئی تھی اس کے زمانہ تک حکیم مقنع، نقیب یحییٰ بن زید حسین بن علی بن حسن مثلث بن حسن مثنیٰ ، خروج کر چکے تھے۔

برامکہ:۔ ہارون الرشید نے یحییٰ بن خالد برمک کو اپنا وزیر اعظم بنایا یہ لوگ ایران کے بڑے آتش کدہ نوبہار کے مغ کی اولاد میں سے تھے۔ ان لوگوں کو ایران کے شہنشاہ کی بربادی اور بے کسی کے منتقمانہ جذبات وراثتہً ملے تھے۔ ۸۶ھ میں قتیبہ بن مسلم نے بلخ پر چڑھائی کی۔ چند لونڈیاں گرفتار ہوئیں ان میں برمک دوم کی بیوی بھی تھی۔ یہ عورت عبداللہ برادر قتیبہ کے حصے میں آئی مگر عبداللہ کو یہ عورت واپس کرنا پڑی اس وقت وہ حاملہ تھی اس سے لڑکا پیدا ہوا جس کا نام خالد رکھا گیا۔

خالد متوفی ۱۶۳ھ

یحییٰ

فضل — جعفر برمکی

خالد امام ابراہیم عباسی کے مشہور نقیب ابو مسلم خراسانی کا دستِ راست تھا۔ خالد ترقی کرتے کرتے خلیفہ مہدی کا اتالیق بن گیا اس نے اور اس کے بیٹے یحییٰ نے اپنی آنکھوں کے سامنے بڑے بڑے انقلابات دیکھے وہ اپنے باپ دادا کی بربادی اپنے خاندانی احترام اور ایرانی شہنشاہی کے افسانے نہایت عقیدت اور حسرت سے سن چکا تھا۔ وہ اپنے آپ کو ایرانی قوم کا نمائندہ اور پیشوا سمجھتا تھا۔ انقلابات زمانہ نے اسے نہایت محتاط بنا دیا تھا۔ یحییٰ کو ہارون کی اتالیقی کا مرتبہ مل گیا یحییٰ اس قدر چالاک تھا کہ اس نے ہادی کی ماں خیزران کو بیٹے کا دشمن بنا کر ہادی کو ماں کے ہاتھ سے قتل کرا دیا۔ اس نے نہایت چالاکی مگر غیر محسوس انداز سے تمام ملکی عہدے اپنے بھائیوں بھتیجوں اور ہم خیال ایرانیوں کے حوالے کر دیئے۔ فضل کو ۱۷۸ھ میں خراسان کی گورنری مل گئی۔ یحییٰ کے مرنے کے بعد جعفر نے تمام عہدوں اور تمام محکموں پر پورا تسلط

جما لیا آلِ برمک نے اپنا دستِ سخاوت اس حد تک دراز کیا کہ لوگ حاتم کو بھول گئے۔

آہستہ آہستہ ہارون کے کانوں میں یہ بھنک پڑنا شروع ہوئی کہ آلِ برمک عباسیوں سے خلافت چھین کر علویوں کے سپرد کرنا چاہتے ہیں مگر ہارون ٹھوس ثبوت چاہتا تھا۔ آخر وہ موقع بھی جلد ہی مل گیا۔

محمد مہدی کے قتل کے وقت ادریس اور یحییٰ پسران عبداللہ بن حسن برادر محمد مہدی فرار ہو گئے تھے ادریس نے بلادِ مغرب میں پہنچ کر سلطنت ادریسیہ کی بنیاد رکھی۔ یحییٰ بن عبداللہ نے دیلم میں خروج کیا۔ مگر گرفتار ہو گیا۔ ہارون نے یحییٰ بن عبداللہ کو جعفر کے حوالے کیا کہ اسے نظر بند رکھا جائے جعفر نے یحییٰ کو آزاد کر دیا اگر کبھی ہارون یحییٰ کے متعلق جعفر سے پوچھتا تو وہ جواب دیتا کہ یحییٰ نظر بند ہے اسی زمانہ میں آلِ برمک کے ہاں مجوسی النسل نو مسلموں کی ایک خفیہ میٹنگ ہوئی جس میں کسی نے کہا کہ ابو مسلم نے کیسی قابلیت سے سلطنت ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں منتقل کر دی۔ جعفر نے جواب دیا یہ کوئی قابلِ تعریف کام نہ تھا۔ کیونکہ چھ لاکھ آدمیوں کا خون بہا کر سلطنت ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں منتقل کرنا کوئی خوبی نہیں۔ خوبی یہ ہے کہ سلطنت ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں منتقل ہو جائے لیکن کانوں کان کسی کو خبر نہ ہو۔ اس مجلس کی کاروائی کسی طرح ہارون تک پہنچ گئی۔ اس نے جعفر سے ایک روز پھر یحییٰ کے متعلق پوچھا جعفر سے انکار نہ ہو سکا اور اس نے کہہ دیا کہ میں نے اُسے بے ضرر سمجھ کر چھوڑ دیا ہے۔ اس وقت ہارون خاموش ہو گیا۔ اور حج کے ارادے سے دارالخلافہ سے روانہ ہوا۔ انبار کے مقام پر پہنچ کر جعفر کو قتل کر دیا اور پھر تمام خاندان برامکہ کا خاتمہ کر دیا۔ اگر ہارون اس وقت دور اندیشی سے کام نہ لیتا تو امر خلافت یقیناً عباسیوں کے ہاتھ سے نکل کر برامکہ کے ذریعہ علویوں کی طرف منتقل ہو جاتا۔

اسی زمانہ میں نعیم بن عباد السلمی اور ابن ابی داؤد کی قسم کے لوگوں کی عباسی خلفا نے سرپرستی شروع کی جنہوں نے خلق قرآن کی بدعت جاری کی اسی زمانہ میں اسماعیلیوں نے اخوان الصفا کے نام سے رسائل لکھے۔ اسی زمانہ میں امام احمد بن حنبل چٹان بن کر اس بدعت کے سامنے سینہ سپر ہوئے۔ اسی زمانے میں عبدالعزیز الکنانی مکہ سے چل کر بغداد پہنچے اور اپنے کمسن بیٹے کو ہمراہ لے کر اس بدعت کے مدعیوں کا ناطقہ بند کرکے

رکھ دیا۔

دین میں اندھی عقلیت کی چیستانی کارروائیوں کا ظہور اسی دور میں ہوا اور اگر ذرا غور سے اس بات کا جائزہ لیا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ حق پرست گروہ کا ایک حصہ جنگ صفین سے ہی گوشہ نشین چلا آرہا تھا۔ وقت گزرتا رہا کہیں سے قیاس واجتماع نے سر نکالا کہیں سے خلافت بلافصل کے عقیدہ کے شجر ممنوعہ نے اپنے برگ وبار سے دین حق کو ڈھانپنے کی کوشش کی۔ آج ایک کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں کل پہلی بیعت کو فسخ کر کے دوسرے کے ہاتھ پر بیعت کی جا رہی ہے۔

علم وفضل کے ان ٹھیکیداروں نے عوام کو لوکالانعام کہہ کر درخور اعتنا ہی نہ سمجھا مگر ان بزرگان عظام کے راہنما ومقتدا بھی اپنے دامن کو ان آلودگیوں سے نہ بچا سکے۔ ابومسلم خراسانی ہو یا برمک جیسے دین وملت کے دشمن، امام ابوحنیفہ جیسے فقیہہ یا موطا جیسی اہم ترین حدیث کی کتاب کے مصنف خلافت وملوکیت کا اسلامی نظریہ سمجھنے سے وہ بھی قاصر ہے۔ ایک صاحب فراست آدمی اس حقیقت سے قطعاً انکار نہیں کر سکتا کہ یہ فرقہ ہی انتشار، یہ قتل وغارت، یہ تباہیاں اور بربادیاں سب کتاب وسنت سے بیگانگی اور دوری کا نتیجہ تھیں۔

شیعہ داعی ایران میں واقعات کربلا بیان کر کے لوگوں کو ہم خیال بناتے پھر آہستہ آہستہ ان کے دلوں میں امویوں اور عباسیوں کے خلاف زہر بھرتے۔

حسن نظامی دہلوی لکھتا ہے کہ:۔

ایران کے اسماعیلیوں میں بہت سے ایسے فرقے پیدا ہو گئے تھے جو حضرت علی رضؓ کو خدا یا خدا کا اوتار سمجھتے تھے۔ اور عجیب عجیب عقائد حضرت علی رضؓ اور خاندان نبوت کے متعلق ان میں پھیل گئے تھے اس کے علاوہ ایران کی قدیمی مذہب زردشتی وغیرہ سے مل کر فاطمی داعیوں نے ایران کے اندر اسلام کی بالکل نئی صورت بنالی تھی اور وہ ایسی صورت تھی جو ایران کے مذہبی عقائد سے بہت مشابہت رکھتی تھی اس واسطے ایرانیوں نے بہت جلدی شیعیت قبول کر لی۔ یہ لوگ بظاہر مسلمان تھے مگر زردشتی عقائد اور شیعہ نقیبوں کے عقائد کا مغلوبہ تھے۔

(فاطمی دعوت اسلام صـ ۱۱۹)

بریدی

عباسی خلافت عبداللہ السفاح ۱۳۲ھ سے لیکر آخری خلیفہ المتقی باللہ عباسی ۳۲۹ھ تا ۳۳۳ھ تک محیط ہے ۱۳۲ھ سے لے کر ۳۳۳ھ یعنی ۲۱۱ سال کے طویل دور میں اکیس خلفاء تخت خلافت پر متمکن ہوئے اس عرصہ میں سینکڑوں علوی اور غیر علوی خروج کرتے رہے ان میں سے بعض قتل ہوئے بعض قید ہوئے اور قید میں مر گئے ابومسلم خراسانی اور آل برمک نے اس دور میں خلافت بنو عباس سے چھین کر بنو فاطمہ کی طرف منتقل کرنے کی کوششیں کیں مگر ناکام رہے اور اکثر شیعی تحریکیں یا تو بالکل زیر زمین رہیں یا ابھرتے ہی ختم کر دی جاتی رہیں۔ اس لحاظ سے یہ ۲۱۱ سال کا زمانہ خالص عباسی خلافت کا زمانہ رہا۔ المتقی باللہ پہلا بدنصیب عباسی خلیفہ ہے جس کے زمانے میں ۳۲۹ھ میں خراسان سے ابن برید نامی ایک شیعہ ماہی گیر نے خروج کیا اور بغداد میں داخل ہوا المتقی باللہ سے پانچ لاکھ دینار وصول کئے اور واپس چلا گیا اس رقم سے اس نے واپس اپنے مستقر پر پہنچ کر اپنی طاقت مضبوط کی اور ربیع الاول ۳۳۰ھ میں دوبارہ بغداد پر حملہ آور ہوا۔ المتقی مع اپنے وزیر ابن رائق اور ولی عہد ابو منصور کے موصل کی طرف بھاگ گیا۔ بریدی کے ساتھ اس غارت گری میں قرمطیوں نے بھی بھرپور حصہ لیا۔ شرفاء شہر کو اذیت ناک سزائیں دیں شاہی خاندان کے لوگوں پر تشدد کر کے خزانے برآمد کرائے۔ علماء کرام، شرفائے شہر کو قتل کر دیا جیل خانوں میں بند کر دیا۔ عصمتیں لوٹی گئیں غرضیکہ جو ہو سکا اس نے کیا مگر ابھی وہ مکمل طور پر سنبھلنے نہ پایا تھا کہ خلیفہ موصل سے ایک فوج لے کر پہنچ گیا۔ بریدی کو شکست ہوئی اور بھاگ گیا۔ المتقی اس صدمہ سے جانبر نہ ہو سکا اور تھوڑے دنوں میں مر گیا۔

آل بویہ

اس کے بعد المستکفی باللہ سریر آرائے خلافت ہوا۔ بریدی کی غارت گری سے بغداد ابھی سنبھلنے نہ پایا تھا کہ اہواز سے ایک اور طوفان آٹھا ۳۳۴ھ میں احمد بن بویہ ایک ماہی گیر نے معز الدولہ کا لقب اختیار کر کے بغداد پر حملہ کر دیا یہ تین بھائی تھے۔ احمد، حسن اور علی۔

احمد نے معز الدولہ حسن نے رکن الدولہ اور علی نے عماد الدولہ کا لقب اختیار کیا۔ احمد بغداد پر حملہ آور ہوا حسن نے اصفہان اور طبرستان پر حملہ کیا اور اپنی سلطنت کی بنیاد رکھی علی فارس پر قابض اور متصرف ہو گیا۔ احمد معز الدولہ نے بغداد پر متصرف اور قابض ہو کر خلیفہ

کو ایک طرح سے نظر بند کر دیا اور تمام حکومت پر قبضہ کر لیا اپنے نام کے سکے مسکوک کرائے خلیفہ کو گرفتار کر کے گھسیٹتے ہوئے منگوایا اور اُسے اندھا کر کے نظر بند کر دیا یہ واقعہ جمادی الاوّل ۳۳۴ھ کا ہے۔

یہ ماہی گیر خاندان جو آگے چل کر دیلمیوں کے نام سے مشہور ہوا غالی قسم کا شیعہ خاندان تھا۔ معز الدولہ عصبیت میں سب سے بڑھا ہوا تھا۔ المستکفی کو قید کرنے کے بعد اُس نے چاہا کہ کسی علوی کو تخت خلافت پر بٹھائے مگر اس کے مشیروں نے اُسے اس ارادہ سے باز رکھا کہ اگر خلیفہ کوئی علوی ہوا تو آپ کی نسبت لوگ علوی خلیفہ کی زیادہ عزت کریں گے۔ اور دیلمیوں پر جو آپ کا اثر ہے جاتا رہے گا۔ بہتر ہے کہ کسی عباسی کو ہی تخت خلافت پر بٹھایا جائے تاکہ شیعہ اُسے غیر مستحق خلافت سمجھ کر آپ کی عزت کرتے رہیں۔ چنانچہ ابو القاسم فضل بن مقتدر کو بلا کر مطیع اللہ کے لقب سے ۳۳۴ھ میں خلافت کے تخت پر بٹھایا گیا۔[1]

۳۳۸ھ میں معز الدولہ نے خلیفہ مطیع سے ایک حکم لکھوایا کہ علی بن بویہ، عماد الدولہ اپنے بھائی معز الدولہ کے ساتھ کام کرے گا اور عہدہ سلطانی میں شریک رہے گا۔ عماد الدولہ کے مرنے کے بعد رکن الدولہ کو یہ عہدہ ملا۔

۳۳۹ھ میں حجر اسود پھر خانہ کعبہ میں لا کر نصب کیا گیا۔ یہ بھی اسی لئے ہوا کہ اب شیعہ مطمئن ہو چکے تھے کہ تمام عالم اسلام ایک طرح سے ہمارے قبضہ میں آ چکا ہے اب حجر اسود کو کعبہ میں پہنچا دیا جائے اور یہ بات ہمارے حق میں زیادہ مفید رہے گی۔ ۳۴۱ھ میں ایک اور شیعہ گروہ کا ظہور ہوا یہ لوگ تناسخ کے قائل تھے ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ علیؓ کی روح نے مجھ میں حلول کیا ہے۔ اس کی بیوی نے دعویٰ کیا کہ فاطمہ کی روح مجھ میں حلول کر گئی ہے۔

ان کے ایک مشیر نے دعویٰ کیا کہ مجھ میں جبرائیل کی روح ہے۔ ان دعوؤں کو سُن کر

---

[1] :۔ بغداد کی سلطنت، فارس، اصفہان اور طبرستان پر تین شیعہ بھائی حکمران ہیں اور حکومت اسلئے حاصل کرتے ہیں کہ حق حقدار کو پہنچایا جائے یعنی خلافت علویوں کو لوٹائی جائے مگر حکومت حاصل کرتے ہی علویوں سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ کیا فرماتے ہیں شیعہ مجتہدین اس مسئلہ خلافت بلا فصل میں۔

لوگوں نے ان کو مارنا پیٹنا شروع کیا مگر معز الدولہ نے فوراً لوگوں کو ان کی ایذا رسانی سے روک دیا اور ان کی تعظیم اور ادب کا حکم دیا اور کہا کہ یہ لوگ چونکہ اپنے آپ کو اہل بیت کہتے ہیں اس لئے ان کی تعظیم لازمی ہے۔[1]

معز الدولہ کی لعنتی کاروائیاں

۳۵۱ھ میں معز الدولہ نے جامع مسجد بغداد کے دروازے پر (نعوذ باللہ من ذٰلک نقل کفر، کفر نباشد) یہ عبارت لکھوائی۔

اسی سال ۱۸ ذی الحجہ کو بغداد میں عید منانے کا حکم دیا گیا اور اس کا نام عید غدیر رکھا۔ خوب ڈھول بجائے گئے اور خوشیاں منائی گئیں چونکہ اس روز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کئے گئے تھے۔ احمد بن بویہ معز الدولہ کی یہ ایجاد آج تک شیعوں میں مروّج ہے۔ اور شیعہ اسے عید الاضحی سے بھی بلند مقام دیتے ہیں۔

۳۵۲ھ میں ۱۰ محرم کو حضرت حسینؓ کی شہادت کے غم میں تمام دکانیں بند کرا دی گئیں تمام سلطنت میں ماتمی لباس پہننے کا حکم دیا عورتوں کو حکم دیا کہ بال کھول کر چہروں کو سیاہ کر کے کپڑے پھاڑتی ہوئی سڑکوں اور بازاروں میں مرثیے پڑھتی منہ نوچتی اور چھاتیاں پیٹتی ہوئی نکلیں۔ شیعہ ان احکام سے بڑے خوش ہوئے مگر سنی دم بخود رہ گئے۔ اگلے سال پھر یہی حکم دیا گیا اور اعلان کیا کہ تمام سُنی شریک ہوں۔ اس پر شیعہ سُنی فساد ہو گیا۔ بڑی خونریزی ہوئی اس کے بعد شیعوں نے تعزیہ داری کو شعائر اسلام کا درجہ دیا۔ عباسی خلیفہ

---

[1] :۔ آج بھی متعدد مقامات پر غالی حنفی یا سنی شاہ مرد و عورت کی مقامات پر اس قسم کے دعوے کرتے دیکھے گئے ہیں کہ ہم میں فلاں بزرگ کی روح حلول کر گئی ہے اور عوام کالانعام ان کی اسی طرح تعظیم کرتے ہیں جس تعظیم کا وہ بزرگ زندگی میں حقدار تھا۔

کا نام خطبہ سے نکال دیا اور فاطمی خلیفہ کا نام پڑھنے کا حکم دیا۔ حیرانی کی بات ہے کہ پاک بھارت میں سنی بھی تعزیہ داری میں اسی طرح شرکت کرتے ہیں جس طرح معز الدولہ نے یہ بدعت جاری کی تھی۔ معز الدولہ کے بعد اس کا بیٹا عز الدولہ اس کا جانشین ہوا وہ روپیہ وصول کرنے کے لئے اہواز گیا۔ وہاں سُنی ترکوں اور شیعہ دیلمیوں کے درمیان فساد ہوگیا۔ سبکتگین جو اس وقت بغداد میں تھا اس نے عز الدولہ کے مکان کو لوٹ کر اس کے خاندان والوں کو قید کرکے واسط بھیج دیا۔ یہ ذی قعدہ ۳۶۳ھ کا واقعہ ہے گویا اب بغداد میں سبکتگین کی حکومت تھی اُس نے خلیفہ مطیع کو معزول کرکے جو مفلوج ہوچکا تھا اس کے بیٹے عبدالکریم کو طائع للہ کے لقب سے تخت خلافت پر بٹھایا۔ اس کے بعد بغداد میں کبھی سُنی کبھی شیعہ وزیر اعظم ہوتے رہے ۳۸۱ھ میں طائع للہ نے دربارِ عام کیا۔ بہاؤ الدولہ دیلمی وزیر اعظم تھا۔ اس کے اشارے سے دو دیلمیوں نے خلیفہ کو گھسیٹ کر باندھ لیا۔ بہاوالدولہ نے خلیفہ سے خلع خلافت کا اعلان کرا کے ابوالعباس احمد بن اسحاق بن مقتدر عباسی کو قادر باللہ کے لقب سے تخت خلافت پر بٹھایا۔ بہاوالدولہ اور قادر باللہ نے ایک دوسرے کا وفادار رہنے کی قسمیں کھائیں بہاوالدین نے فارس کی حکومت حاصل کرکے ابوجعفر حجاج بن ہرمز ایک نومسلم مجوسی کو اپنا عہدہ سپرد کیا فارس چلا گیا یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا۔ ۴۲۵ھ میں بساسیری نامی ایک شیعہ کو یہ منصب ملا۔ اس نے اہل بغداد کو بڑا تنگ کیا۔ قائم بامر اللہ خلیفہ کو بالکل بے دست و پا کرکے مثل قیدی کے بنا دیا۔ اس کے زمانہ میں بھی شیعہ سُنی فسادات ہوئے اس لئے سنیوں کو بڑے بڑے نقصانات برداشت کرنے پڑے ۴۴۵ھ میں پھر شیعہ سُنی فساد ہوا اور بغداد کے کئی محلے اس فساد میں جل کر خاک سیاہ ہوگئے۔

بنی بویہ پر ایک نظر

یہ لوگ ذات کے ماہی گیر اور نہایت متعصب شیعہ تھے۔ انہوں نے عباسی خلافت کا وقار خاک میں ملا دیا۔ تقریباً سوا سو سال تک بغداد، عراق اور فارس پر قابض رہے یہ سوا سو سال کا عرصہ سنیوں کے لیے نہایت دردانگیز اور اذیت ناک تھا ان سے علویوں کو بھی کوئی خاص فائدہ نہ پہنچا۔ انہوں نے کسی علوی کو برسرِ اقتدار لانے کی کوشش نہ کی ان کے زمانے میں عربی سیادت کے تمام نقوش مٹ گئے انہوں نے تمام ملک میں شیعہ سُنی

فسادات کو ہوا دینے میں ہی مصلحت سمجھی انہوں نے جو شرکیہ رسمیں جاری کیں وہ آج تک شیعوں کے علاوہ بعض جاہل سنیوں کے لیے بھی طوقِ لعنت بنی ہوئی ہیں ان کی حکمرانی کے سوا سو سال بدنظمی، لوٹ مار، فتنہ و فساد اور قتل و غارت سے لبریز ہیں ۴۴۷ھ میں قائم بامر اللہ کے زمانہ میں طغرل بیگ نے اس عذابِ خداوندی سے لوگوں کو نجات دلائی۔

مستعصم باللہ عباسی یہ وہ بدنصیب خلیفہ ہے جس نے اپنی کم عقلی کی وجہ سے ایک غالی شیعہ ابن علقمی کو وزیر بنایا ابن علقمی نے قلمدان وزارت سنبھالتے ہی خلیفہ کو عضوِ معطل بنا کر رکھ دیا شیعوں کو آگے بڑھانا شروع کیا۔ دیلمیوں کے زمانے کی بدعات دوبارہ زندہ کی گئیں نتیجہ یہ نکلا کہ دوبارہ شیعہ سنی فسادات شروع ہوگئے ابن علقمی نے بڑی سوچ بچار کے بعد اپنے ذہن میں عباسیوں کی خلافت کر کے علویوں کی خلافت قائم کرنے کا منصوبہ بنایا بعض سمجھدار لوگوں نے اس کے اس خیال سے خبردار ہوکر خلیفہ کو علقمی کی غدارانہ کوششوں سے مطلع کیا مگر اس پست ہمت اور احمق خلیفہ نے سب کچھ ابن علقمی کو بتا دیا علقمی اب زیادہ ہوشیار ہوگیا اور اسلام کے خیر خواہوں کی زبانیں بند ہوگئیں۔ اس کے بعد علقمی نے خلیفہ کو لہو و لعب اور شراب نوشی کی طرف مائل کیا شیعوں کی خرمستیاں بھی روز بروز بڑھتی جا رہی تھیں علقمی نے چنگیز خان کے پوتے ہلاکو خان سے جو تاتاریوں کا سردارِ عظیم اور خراسان کا بادشاہ تھا خط و کتابت شروع کی، ہلاکو کے دربار میں نصیر الدین طوسی کو بڑا دخل تھا اور ہلاکو کا وزیر تھا۔ وہ بھی علقمی کی طرح غالی شیعہ تھا نصیر الدین بھی علقمی کی طرح عباسیوں کو برباد کرکے شیعہ خلافت قائم کرنا چاہتا تھا۔

ہلاکو کے پاس علقمی کے خطوط اُس وقت پہنچے جب وہ قلعہ الموت فتح کرچکا تھا۔ اس نے نصیر الدین سے مشورہ طلب کیا۔ نصیر الدین نے کہا کہ نجوم کے ذریعہ تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ بغداد پر آپ کا قبضہ ہوجائے گا۔ ہلاکو لشکر جرار کے ساتھ بغداد کی طرف بڑھا۔ راستہ میں چند جھڑپیں ہوئیں مگر وہ بغداد کی دیواروں کے نیچے پہنچ گیا۔ علقمی اُسے دم دم کی خبریں بھیجتا رہا۔ آخر علقمی شہر سے نکل کر ہلاکو سے ملا اور اپنے لئے امن طلب کرکے واپس آ گیا اور خلیفہ کو کہا کہ میں نے آپ کے لئے بھی امن حاصل کر لیا ہے۔ آپ بھی ہلاکو کے پاس

پہنچا۔ ہلاکو نے کہا اپنے شہر کے عمائدین اور علماء و فقہا کو بھی بلا لیجئے اور خلیفہ کو اپنے پاس روک لیا۔ خلیفہ کا حکم سن کر سب اراکین سلطنت ہلاکو کے پاس پہنچ گئے۔ ہلاکو نے ان سب کو قتل کرا دیا۔ پھر خلیفہ کو کہا کہ شہر میں پیغام بھیجو کہ سب لوگ غیر مسلح ہو کر باہر نکل آئیں۔ جب اہل شہر باہر نکلے تو ان کا قتل عام شروع ہو گیا۔ کئی لاکھ مقتول ہوئے شہر کی خندق ان لاشوں سے ہموار ہو گئی پھر مقتولوں کے خون نے دریائے دجلہ کو سرخ کر دیا۔ بغداد اور اس کے مضافات میں قتل عام کا حکم دیدیا صرف وہ چند آدمی بچے جو کسی کنوئیں یا پوشیدہ جگہ چھپ سکے جمعہ ۹ صفر ۶۵۶ھ کو ہلاکو خان خلیفہ کو لے کر شہر میں داخل ہوا اور قصر خلافت میں اجلاس کیا۔ خلیفہ کو سامنے بلا کر کہا کہ ہم تمہارے مہمان ہیں ہمارے لئے کچھ لاؤ۔ خلیفہ پر اس وقت دہشت طاری تھی کہ وہ کنجیوں کو نہ پہچان سکا۔ آخر قفل توڑے گئے اور لاکھوں روپے کا مال نکالا گیا پھر مدفون خزانوں کی باری آئی۔ زمین کھود کھود کر جواہرات اور اشرفیوں کے انبار نکالے گئے۔ بغداد اور اس کے مضافات میں بقول اکبر شاہ خان ایک کروڑ چھ لاکھ مسلمان قتل ہوئے اور یہ تمام زہرہ گداز مناظر خلیفہ کو دیکھنے پڑے خلیفہ کو ہلاکو نے نظر بند کر دیا تھا۔ جب اس نے بھوک کا تقاضا کیا تو اس کے سامنے جواہرات کے طشت پیش کئے گئے۔ خلیفہ نے کہا میں ان کو کیسے کھا سکتا ہوں تو ہلاکو نے جواب دیا کہ اس دولت کو اپنی اور مسلمانوں کی جان بچانے کے لئے کیوں خرچ نہ کیا اس کے بعد مستعصم کے قتل کرنے کے متعلق اراکین سے مشورہ کیا نصیر الدین اور علقمی نے اس وقت بھی ستم ظریفی کا دامن نہ چھوڑا ہلاکو خان کو کہا کہ مستعصم مسلمانوں کا خلیفہ ہے اس کے خون سے تلوار کو آلودہ نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ نمدے میں لپیٹ کر لاتوں سے کچلوانا چاہیے۔ یہ کام علقمی کے سپرد ہوا اور اس نمک حرام نے اپنے آقا اور ولی نعمت کو نمدے میں لپیٹ کر ایک ستون سے باندھ کر اس قدر لاتیں لگوائیں کہ اس کا دم نکل گیا۔ پھر اس کی لاش کو مغل سپاہیوں کے پاؤں سے کچلوا کر پارہ پارہ اور ریزہ ریزہ کرا دیا ابن علقمی یہ دیکھ کر خوش ہوتا رہا اور کہتا رہا کہ میں علویوں کے خون کا بدلہ لے رہا ہوں۔

اس کے بعد ہلاکو خان نے شاہی کتب خانہ کی طرف توجہ کی اور تمام کتابیں دریائے دجلہ میں پھینکوا دیں دجلہ کا پانی جو چند روز پہلے سرخ ہو رہا تھا اب سیاہ ہو گیا اور

کئی مہینے سیاہ رہا۔ علقمی اور نصیر الدین طوسی[1] کی وجہ سے بغداد میں جو خونریزی ہوئی اس کی مثال تاریخ عالم میں ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔ اب علقمی کی باری آئی۔ اس کا خیال تھا کہ ہلاکو خان کسی علوی کو خلیفہ بنا کر مجھے نائب السلطنت بنا دے گا۔ لیکن جب ہلاکو نے عراق کے مختلف حصوں میں اپنے نائب مقرر کر دیئے تو علقمی بڑا پریشان ہوا اور بڑی بڑی چالیں چلا۔ اپنی مقصد برآری کے لئے ہلاکو کے حضور میں گڑگڑایا۔ التجائیں اور خوشامدیں کیں مگر ہلاکو نے اُسے دھتکار دیا۔ چند روز تاتاریوں کے ساتھ ان کی جوتیاں سیدھی کرتا رہا۔ آخر اسی صدمے سے مر گیا۔

۶۵۶ سے ۶۵۹ھ تک بغداد خلافت سے خالی رہا اور ۶۵۹ھ میں مستعصم کے چچا ابوالقاسم کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔

خلافت عثمانیہ

۶۲۱ھ سے لے کر ۶۵۶ھ تک سلطنت عباسیہ شیعوں کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے اندرونی طور پر کھوکھلی ہو چکی تھی نظام سلطنت تمام کا تمام شیعوں کے ہاتھ میں تھا۔ اس زمانہ میں قونیہ میں اللہ تعالٰے نے سلجوقیوں کو عروج بخشا۔ صورت یہ ہوئی کہ سبائی اور مجوسی گٹھ جوڑ نے تاتاریوں کو قونیہ کی طرف متوجہ کیا۔ تاکہ سلجوقیوں کی یہ طاقت تباہ ہو جائے۔ قریب تھا کہ علاؤ الدین کیقباد اس سیلاب کے سامنے بند باندھنے کی بجائے خود ہی اس سیلاب کی نذر ہو جاتا کہ ایک ترک سردار سلیمان خان اپنی معمولی سی جمعیت کے ساتھ سلجوقیوں کی مدد کے لئے پہنچ گیا۔ اب میدان جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ علاؤ الدین سلجوقی نے ترک سردار کو فوج کا سالار بنا دیا ۶۳۴ھ میں علاؤ الدین اور سلیمان دونوں مر گئے اور بالترتیب غیاث الدین اور الطغرل انکے جانشین

---

[1]: یہ وہی نصیر الدین طوسی ہے جس کی علم اخلاق میں۔ اخلاق ناصری مشہور تالیف ہے اور عرصہ تک پنجاب یونیورسٹی کے امتحان منشی فاضل میں داخل نصاب رہی اسی طرح اخوان الصفا کے رسائل بھی مختلف اسماعیلی داعیوں کی تصنیفات میں سے ہیں یہ نصیر الدین شیعوں کے نزدیک علم اخلاق کا بہت بڑا محسن ہوا ہے

بنے۔ ارطغرل عین عالم جوانی میں مر گیا۔ غیاث الدین نے اس کے بیٹے عثمان خان کو اپنی افواج کا سالار بنا دیا۔ ۶۹۹ھ میں غیاث الدین کے فوت ہونے پر قوم نے عثمان خان کو اس کا جانشین منتخب کیا۔ یہی عثمان خان آگے چل کر خلافتِ عثمانیہ کا بانی ہوا۔

شیعہ اور خلافتِ عثمانیہ

عثمان خان۔ ۶۹۹ھ میں غیاث الدین کیخسرو کے قتل ہونے پر قونیہ کا بادشاہ بنا ۷۲۷ھ میں بروصہ میں دفن ہوا۔

اُرخان :۔ ۷۲۷ سے ۷۶۱ھ تک۔ ساٹھ سال کی عمر میں قیصر کی اٹھارہ سالہ لڑکی تھیوڈورا سے شادی کی۔

مراد خان اوّل :۔ ۷۶۲ اگست ۱۳۸۹ء / ۷۹۲ھ کسوا کی فتح کے بعد فوت ہوا۔

بایزید یلدرم ۷۹۲ھ

بایزید نے اٹلی، فرانس، انگلستان، آسٹریا، ہنگری، پولینڈ، جرمنی، بوسینا وغیرہ کی متحدہ طاقتوں کو ۲۴ دسمبر ۱۳۹۶ء کو شکست دے کر پچیس عیسائی شہزادوں اور فرمانرواؤں کو گرفتار کیا انہیں بروصہ لا کر آزاد کر دیا پھر خود یورپ پر حملہ کیا ۸۰۰ھ میں یونان کو فتح کیا۔ آسٹریا اور ہنگری کی طرف اپنی فوجیں بھیجیں۔ بایزید خود آگے بڑھ رہا تھا کہ قیصر قسطنطنیہ تیمور لنگ سے مدد کا طالب ہوا جو اس وقت ہندوستان کی فتح کے منصوبے بنا رہا تھا۔

اب آگے شیعوں کے قدوۃ الابرار زبدۃ الاخیار مولانا حاجی آل محمد مدظلہ الصمد کی مشہور تصنیف تصویر کربلا جس پر مورد الطاف ربّ ذوالمنن سید نفیس حسن نقوی اور متعدد دیگر شیعہ علماء کی تقریظیں لکھی ہوئی ہیں کا صفحہ ۱۷ دیکھئے۔ نویں صدی ہجری کے حالات کے تحت لکھتے ہیں کہ جناب مرزا محمد حیدر شکوہ ابن مرزا محمد کام بخش ابن مرزا محمد سلیمان شکوہ ابن شاہ عالم بادشاہ دہلی نے اپنے رسالے علم حیدری میں جو عبارت تزک صاحبقرانی تحریر فرمائی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ از جملہ تائیدات ربانی جن سے کہ میں موید ہوا یہ ہے کہ :۔

۸۰۴ھ میں شاہِ روم نے چار لاکھ فوج جمع کر کے مجھ پر حملہ کا ارادہ کیا میں صف آرائی میں مشغول ہوا۔ میں نے دیکھا کہ سادات کربلا و نجف کی فوج عراق

کی طرف سے چلی آ رہی ہے اس فوج کے سردار سید محمد ختاح تھے۔ انہوں نے کہا کہ علیؓ ابن ابی طالب کو ہم نے خواب میں دیکھا ہے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ علم بیضا التزک کے پاس پہنچا دو اصحاب نجف نے کہا کہ اخ التزک امیر تیمور ہے کہ جس سے اور شاہ روم سے لڑائی کا سامان ہے میں اس وقت شکر کا سجدہ بجا لایا جو علماء اس وقت میرے ساتھ تھے۔ انہوں نے مجھے بشارت دی کہ قرآن شریف میں ہے کہ روم ۸۰۵ھ میں مغلوب ہو گا اور اس میں ایک لطیفہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے۔

کہ روم ادنیٰ عرب میں مغلوب ہوں گے۔

وہاں کے سکان نے خاک پاک کربلا کا علم مجھے دیا۔ مجھ پر اتنی رقت طاری ہوئی کہ تین روز مجھے ہوش نہ رہی۔ میں وہاں سے جدا نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اہلِ کربلا نے ہر روز کی زیارت کے واسطے ایک ضریح خاکِ شفا کی مجھے دی۔ اس ضریح کو میں ہر وقت اپنے پاس رکھتا تھا۔ اور اب اوّل محرم میں اس ضریح کو ایک مقام پر رکھ کر تعزیہ داری کرتا ہوں بمشورہ سید مدنی اس ضریح سے حضرت فاطمہؓ کے اشعار عربیہ کی آواز آتی تھی"۔

تیمور لنگ کو قیصر قسطنطنیہ کا اشارہ کافی تھا۔ چہ جائیکہ جب اس نے ایک طویل مراسلہ لکھا۔ اگر قیصر اس وقت تیمور لنگ سے رابطہ قائم نہ کر سکتا تو سلطان بایزید یلدرم تمام یورپ کو اسلام کے جھنڈے تلے لے آتا اس کے شاہسوار برق و باد کی طرح بوسینا سے لے کر ڈینوب تک تمام ملک اپنے گھوڑوں کے ٹاپوں سے روند چکے تھے کہ اسے تیمور کی پیش قدمی کی اطلاع ملی۔ بایزید کا بیٹا طغرل سیوا اس کا گورنر تھا۔ تیمور نے اسے شکست دے کر چار ہزار سر برآوردہ آدمی اس کے ساتھ زندہ در گور کر دیئے اس نے اپنی بد طینتی، بد فطرتی اور خبث باطن کا اس موقع پر پھر اوپر مظاہرہ کیا۔ یعنی ان چار ہزار شرفا کی مشکیں کسوا کر ان کے سر گھٹنوں کے درمیان پھنسا کر گٹھڑیوں کی طرح بندھوا کر بڑے بڑے گڑھوں میں ڈال کر اوپر سے انہیں پاٹ دیا ارطغرل بھی انہیں میں تھا۔ بہیمیت، شقاوت، سنگدلی اور قساوتِ قلبی کا اس سے بڑھ کر تاریخ عالم میں کوئی نمونہ نہیں ملتا بایزید اپنے بیٹے اور چار ہزار ترک سرداروں کے اس حال سے جب آگاہ ہوا تو ہوش میں

نزرہا۔ یلغار پلغار کرتا ہوا آگے بڑھا ۱۹ ذی الحج ۸۰۴ھ بمطابق ۲۰ جولائی ۱۴۰۲ء شمسی کو انگورہ کے میدان میں تیمور اور بایزید کی مڈھ بھیڑ ہوئی تیمور کی فوج پانچ لاکھ اور بایزید کی فوج ایک لاکھ بیس ہزار تھی پہلے حملوں میں بایزید کا پلّہ بھاری رہا۔ مگر اس کی فوج کے مغل دستے تیمور سے مل گئے اور یہ شیر بیشۂ اسلام فاتح یورپ، شیدائی اسلام معہ اپنے بیٹے موسیٰ، تیمور کے ہاتھ گرفتار ہوگیا۔

تیمور میں اگر شرافت کی رمق۔ انسانیت کا ایک ذرّہ غیرت کا ایک قطرہ بھی ہوتا تو وہ بایزید کے ساتھ بادشاہوں جیسا سلوک کرتا مگر وہ ڈاکو ابن ڈاکو غدار ابن غدار اس کامیابی پر اس قدر آپے سے باہر ہوگیا کہ بایزید کو اس کے بیٹے موسیٰ سمیت ایک آہنی پنجرے میں بند کرکے ساتھ لئے پھرا۔ اس کی بے غیرتی اس قدر مسخ ہوچکی تھی کہ اس نے تمام انسانی اقدار کو پاؤں تلے مسل کر رکھدیا۔

مشہور مورخ اسلام اکبر شاہ خان نجیب آبادی اس موقع پر لکھتے ہیں کہ انگورہ کے میدان میں اگر تیمور کو شکست ہوتی تو وہ صرف ایک آدمی کی شکست تھی۔ مگر بایزید کی شکست پوری قوم اور پوری ملت کی شکست تھی۔ اگر تیمور اس وقت ایک عیسائی بادشاہ کے کہنے میں آکر بایزید کے خلاف یہ جنگ نہ کرتا تو آج تمام یورپ مسلمانوں کے قبضے میں ہوتا مگر تیمور کی شیعیت یہ گوارہ نہ کرسکی۔

انگورہ کی فتح سے واپسی پر کربلا میں پہنچ کر خاک کربلا کی بجائے ۲۴ تولے سونے کی ضریح بنوا کر ساتھ رکھی اور تعزیہ کی رسم کو ترقی دی بایزید آٹھ مہینے تیمور کے ساتھ آہنی پنجرے میں ذلت کی زندگی گزار کر قید حیات اور قید قفس سے رہا ہو کر مالک حقیقی سے جا ملا۔ موسیٰ کو اجازت مل گئی کہ اپنے آپ کی نعش کو لے جا کر اپنے ملک میں دفن کردے۔

بظاہر عثمانیہ سلطنت ختم ہوچکی تھی۔ تیمور نے سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے کرکے متعدد سلجوقی رئیسوں کو تقسیم کردیئے تھے۔ جو مختصر سا ملک باقی رہ گیا تھا اس میں بایزید کے بیٹوں کے درمیان خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ طویل کشمکش کے بعد سلطان محمد خان اوّل ابن سلطان بایزید ۸۰۶ھ میں ایڈریانوپل میں تخت نشین ہوا اس کے زمانے میں عبداللہ بن سبا کی قسم کے ایک یہودی نے قاضی بدرالدین کو ساتھ ملا کر مصطفےٰ نامی ایک ترک کو اپنا پیشوا بنا کر جمہوریت کی آواز بیدا کی سلطان نے ان کی گوشمالی کی طرف توجہ کی تو وہ قیصر کے پاس

بھاگ گیا ۸۲۵ھ میں سلطان محمد خان مر گیا۔

مُراد خان ثانی — ۸۲۵ھ تخت نشین ہوا۔

مصطفےٰ کو قیصر نے چھوڑ دیا اور اس نے طاقت بہم پہنچا کر سلطان کو سخت زچ کیا۔ آخر گرفتار کرکے پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ ۸۵۵ھ میں مُراد خان مر گیا اور فاتح قسطنطنیہ محمد خان ثانی بادشاہ بنا۔

فتح قسطنطنیہ کے بعد اس نے طرابزون کی طرف رُخ کیا، طرابزون کا عیسائی حکمران ایران کے ترکمان بادشاہ حسن طویل کا خسر تھا حسن طویل نہایت متعصب شیعہ تھا۔

سلطان کے سامنے اب تین مہمیں تھیں۔ پہلی حسن طویل کی گوشمالی کہ اس نے سلطان کے بیٹے بایزید کے ساتھ چھیڑ چھاڑ شروع کردی تھی۔ دوسری دو مہمیں یورپ سے متعلق تھیں کہ ۸۸۶ھ میں فوت ہوگیا۔ ۸۸۶ھ سے لے کر ۹۱۸ھ تک بایزید ثانی نے حکومت کی۔

۹۱۰ھ میں بایزید نے حکومت سلیم کے حوالے کردی اور ۹۱۸ھ تک بھائیوں سے اُلجھا رہا۔ تیمور کی وجہ سے شیعیت دولت عثمانیہ میں پہنچ چکی تھی۔ اب اسماعیل صفوی نے ایران پر قبضہ کرکے شیعوں کے گروہ ایشیائے کوچک میں پھیلانے شروع کئے شاہ ایران کی پشت پناہی میں ان لوگوں نے ایشیائے کوچک میں رہزنی، قزاقی اور غارت گری سے تمام ملک کو جھنجھوڑ کر رکھدیا۔ ان لوگوں سے قرہ احمد عثمانی عامل کی متعدد جھڑپیں ہوئیں مگر وہ انہیں دبا نہ سکا۔ اب اسماعیل صفوی نے شاہ قلی کو باقاعدہ فوج دے کر بھیجا۔ ۹۱۷ھ میں سلطانی وزیر سے اس کی جھڑپ ہوئی اور دونوں مارے گئے۔

بایزید ثانی کے بعد سلیم عثمانی ۱۵۱۲ء میں حکمران ہوا پہلے تو یہ اپنے بھائیوں سے اُلجھا رہا۔ آخر ان سے فارغ ہوکر اسماعیل صفوی کی فوجوں سے نبرد آزما ہوا۔ اگر اس وقت سلیم ایران کی سلطنت کے خلاف مستعدی کا اظہار نہ کرتا تو سلطنت عثمانیہ کے درہم برہم ہو جانے میں کوئی کسر باقی نہ رہ گئی تھی۔ اسماعیل صفوی اپنے آپ کو حضرت امام جعفر (صادق) کی اولاد سے بتاتا تھا۔ اسماعیلی دعوت کی وجہ سے شام اور ایشیائے کوچک میں بہت لوگ شیعہ ہوچکے تھے اس لئے اسماعیل کے جاسوسوں اور لوٹ مار کرنے والی ٹولیوں کو مقامی لوگوں سے بڑی مدد مل جاتی تھی۔ پھر اسماعیل کی نانی طرابزن کے عیسائی بادشاہ کی بیٹی تھی

یہ طرابزن عثمانیہ سلطنت کا ایک صوبہ بن چکا تھا اس وجہ سے عیسائیوں کی ہمدردیاں بھی اسماعیل کے ساتھ تھیں۔ اسماعیل نے بڑی گہری نظر سے حالات کا مطالعہ کیا۔

اُسے معلوم تھا کہ کس طرح سو سال پہلے تیمور نے بایزید کو شکست دی تھی اور کس طرح شیعوں نے بغداد کو تباہ کیا تھا۔ وہ نہایت اولوالعزم و دور اندیش بادشاہ تھا اور تہیہ کر چکا تھا کہ سلطنت عثمانیہ کو ختم کر کے ہی دم لوں گا اسی لئے اُس نے بایزید ثانی کے زمانہ میں اس سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ اُس نے اسماعیلیوں کی طرح تمام عثمانی مقبوضات میں اپنے جاسوس پھیلا دیئے اسماعیل نے بعض سرحدی علاقوں پر قبضہ کر لیا جب سلیم اپنے بھائیوں سے اُلجھا ہوا تھا تو اسماعیل ان پر نہایت گہری نظر رکھے ہوئے تھا۔ اسماعیل نے اس حد تک اپنا جال پھیلا کہ جب سلیم اپنے بھائیوں سے اُلجھا ہوا تھا اسماعیل کی گہری سازش کے فریب میں آکر سلیم کے بھائی احمد کا ایک بیٹا مراد اس کے پاس پہنچ گیا۔ اسماعیل نے مراد کو بہکا رکھا تھا۔ وہ مراد کو آگے بڑھانا چاہتا تھا کہ سلیم اس خانہ جنگی سے فارغ ہو کر حالات کا جائزہ لینے لگا۔ اس نے تمام ملک میں اپنے جاسوس پھیلا دیئے اور حکم دیا کہ شیعیت کی تبلیغ کرنے والوں اور اسماعیل کے جاسوسوں اور داعیوں کی فہرستیں تیار کریں یہ فہرستیں جب سلیم کے سامنے پیش ہوئیں تو معلوم ہوا کہ ستر ہزار آدمی ایسے ہیں جو اسماعیل صفوی کے حملہ آور ہوتے ہی اس کی فوجوں کے ساتھ مل جائیں گے۔ یہ دیکھ کر سلطان کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی مگر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور بالکل کسی قسم کی گھبراہٹ کا اظہار نہ کیا اس نے نہایت احتیاط سے ہر باغی کے لئے ایک ایک مسلح آدمی منتخب کیا اور ہر جگہ کے غداروں کی فہرستیں اپنے مسلح آدمیوں کے سالاروں کو دے کر روانہ کیا۔ اور سب کے قتل کی ایک تاریخ مقرر کر دی اور سخت تاکید کی کہ قبل از وقت یہ راز ہرگز فاش نہ ہو۔ غرضیکہ ملک کے طول و عرض میں بیک وقت ستر ہزار افراد اس طرح قتل کر دیئے گئے کہ کسی عثمانی سپاہی کی نکسیر تک نہ پھوٹی۔ اسماعیل نے جب یہ سنا تو سخت پیچ و تاب کھایا اس کے روحانی اجداد کی صدیوں کی محنت اور اس کی سالہا سال کی کوششوں پر اس طرح پانی پھر گیا کہ وہ سناٹے میں آگیا۔ اب اس نے اعلان لشکر کی فراہمی اور جنگ کی تیاری شروع کر دی ادھر سلیم عثمانی نے اعلان کیا کہ ہمیں ایران پر حملہ کرنا چاہیے مگر اسماعیل اس سے پہلے ترکستان کے بادشاہ شیبانی کو قتل کر چکا تھا اور اسماعیل پر حملہ کرنا

عثمانی اُمرا خطرناک تصوّر کرتے تھے۔ سلیم کے اس اعلان پر سب دربار میں سنّاٹا چھا گیا۔
اب ذرا اسماعیل صفوی کے ذاتی حالات بھی سُن لیجئے۔

اسماعیل کا مورث اعلیٰ صفی الدین پیری مریدی کرتا تھا۔ تیمور جب بایزید کو گرفتار کر کے اردبیل پہنچا تو صفی الدین کے بیٹے صدرالدین کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ اگر میرے لائق کوئی کام ہو تو فرمایئے۔ صدرالدین نے کہا ترک قیدی رہا کر دو وہ لوگ واپس جانے کی بجائے صدرالدین کے پاس ہی اقامت گزیں ہو گئے۔

وقت گزرتا رہا یہ لوگ بڑھتے رہے۔ صدرالدین کے پوتے جنید کے زمانہ میں جہان شاہ حاکم اردبیل نے جنید کی اندرونی سازشوں سے متنفر ہو کر اُسے اردبیل سے نکال دیا جنید مع اپنے مریدوں کے دیار بکر کے حکمران حسن طویل کے پاس پہنچ گیا حسن طویل نے جنید سے اپنی بہن کا نکاح کر دیا۔ شیخ جنید اب درویش نہیں بلکہ شاہی خاندان کا فرد بن گیا۔ جنید نے انتقاماً اردبیل پر حملہ کیا مگر مارا گیا۔ اب اس کا جانشین حیدر ہوا۔ حسن طویل کی بیوی طرابزن کے عیسائی بادشاہ کی بیٹی تھی جسے عثمانیوں نے طرابزن سے نکال کر اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ حسن طویل نے اپنی لڑکی حیدر سے بیاہ دی جس کے بطن سے علی، ابراہیم اور اسماعیل پیدا ہوئے۔ ان بھائیوں نے جب پر پرزے نکالنے شروع کئے تو حسن طویل نے انہیں نظر بند کر دیا۔ مگر یہ بھاگ نکلے۔ وہ مر گئے اسماعیل گیلان پہنچ گیا۔ ۹۰۶ھ میں جبکہ اسماعیل کی عمر چودہ سال تھی اس کے مرید اس کے پاس جمع ہونے شروع ہو گئے۔ چند سال میں اس کی طاقت بہت بڑھ گئی۔ ترکی سپاہیوں کی اولاد کی اولاد کی مدد سے اس نے اردگرد کے علاقوں پر قبضہ کرنا شروع کیا اسی عرصہ میں اس نے ایشیائے کوچک میں اپنی ریشہ دوانیوں کا جال پھیلانا شروع کیا گویا جن ترکوں کی مدد سے اسے بادشاہی ملی تھی انہیں کے ملک کو تاخت و تاراج کرنے کے منصوبوں میں منہمک ہو گیا۔ اندرون ملک اُس نے سُنیوں کی مسجدیں منہدم کرا دیں، مقبرے گرا دیئے۔ اُنہیں ذلیل سے ذلیل کرنے کا کوئی حربہ نہ چھوڑا اپنی تمام قلمرو میں جبراً شیعہ مذہب کی تبلیغ و اشاعت کی اور جن راسخ العقیدہ مسلمانوں نے انکار کیا ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے۔
پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ سلسلہ عثمانی مملکت تک پھیلایا گیا۔
اس کے بعد کے حالات اوپر بیان ہو چکے ہیں اب اس نے براہ راست عثمانی حکومت

سے ٹکر لینے کا پروگرام بنایا۔ سلطان سلیم کو معلوم ہوا تو وہ ربیع الاوّل ۹۲۰ھ اسماعیل کی فتنہ انگیزیوں سے اللہ کی مخلوق کو بچانے کے لئے دارالحکومت سے نکلا سب سے پہلے اُسے ایک طویل خط لکھا جس میں لکھا کہ تو نے نفسِ امّارہ سے مغلوب ہو کر بہت بڑی زیادتیاں اور معیوب باتیں کی ہیں۔ اصحابِ ثلاثہ رضی پر تبرّا کرنے کی کھلی اجازت دے رکھی ہے۔ ہمارے علمائے دین نے تیرے قتل کا فتویٰ دیدیا ہم تجھ سے خواہاں ہیں کہ خود اپنے اعمالِ بد کا محاسبہ کر کے صدقِ دل سے تائب ہو اور آئندہ کے لئے اپنی بداعمالیوں کو ترک کر دے۔

اسماعیل نے چند لفظوں میں مختصر سے جواب کے ساتھ افیون کا ڈبہ سلطان کے پاس بھیجا یعنی تم افیون کھاتے ہو اور بہکی بہکی باتیں کرتے ہو۔

اب سلطان آگے بڑھا تو معلوم ہوا کہ تمام ویران پڑا ہے اسماعیل نے تمام علاقے کی کھیتیاں برباد کر دیں، کنوئیں پاٹ دیئے درخت جلا دیئے تاکہ سلطان کی فوج تنگ آ کر واپس چلی جائے۔ مگر سلطان بڑھتا ہی چلا گیا۔ آگے آگے اسماعیل اور پیچھے پیچھے سلیم ایک مقام پر فوج نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا تو سلطان نے اس امیر کی گردن مار دی جس نے فوج کی ترجمانی کی تھی۔ پھر ان کے سامنے ایک پُر درد تقریر کی اور آخر میں کہا کہ اگر تم سب بھی واپس چلے جاؤ گے تو میں اکیلا ہی آگے بڑھوں گا۔ اب اسماعیل تبریز سے بیس کوس کے فاصلے پر وادی چالدران میں رک گیا۔ اسماعیل کی فوج تازہ دم تھی اور سلطنت کی فوج سخت تھکی ہوئی تھی۔ سلطان نے وہاں پہنچتے ہی اسماعیل نے حملہ کر دیا یہ جنگ ۲۳ راگست ۱۵۱۴ء مطابق ۲۰ رجب ۹۴۰ھ کو ہوئی سلطان اسی ہزار پیدل اور چالیس ہزار سوار لے کر چلا تھا جس میں سے آدھی فوج عقب کی حفاظت اور رسد کے بندوبست کے لئے راستہ کی چوکیوں پر چھوڑ دی گئی۔ اسماعیل کی فوج اسی ہزار تھی۔ اس حساب سے ساٹھ ہزار تھکی ہوئی فوج کا اسی ہزار تازہ دم فوج کے ساتھ مقابلہ تھا۔ مگر عثمانیوں نے صفویوں کو کاٹ کر رکھ دیا۔ اسماعیل گرفتار ہو چکا تھا کہ اس کے کسی ہمراہی نے کہا میں اسماعیل ہوں۔ گرفتار کرنے والے اُدھر متوجہ ہوئے اور یہ بھاگ نکلا سلطانؒ آگے بڑھ کر اُسے کردستان اور عراق سے بھی نکالنا چاہتا تھا مگر اس کے دارالخلافت سے فوج کی سرکشی کی خبریں آنے لگیں اور وہ اسماعیل کے آدھے ملک کو ہی اپنی سلطنت

میں شامل کر کے واپس ہو گیا۔

اسماعیل صفوی مسلمانوں کے لئے ایک مسلسل عذابِ خداوندی سے کم نہ تھا اگر وہ اپنے منصوبوں میں کامیاب ہو جاتا تو سلطنت عثمانیہ کا دنیا پر نام و نشان نہ رہتا اور آج آدھی دنیا پر شیعیت کی حکمرانی ہوتی مگر اللہ تعالیٰ نے سلطان سلیم کے ہاتھوں اس دشمنِ اسلام کو نیست و نابود کرا دیا اس نے مصر فتح کیا اور وہاں سے عباسی خلیفہ المتوکل علی اللہ الثالث سے ان چند تبرکات کو جن کو بطور نشان خلافت اپنے ساتھ رکھتا تھا لے کر واپس آیا اور خلیفۃ المومنین ہونے کا اعلان کیا یورپ میں لوتھر ہندوستان میں کبیر داس اسی کے زمانہ میں ہوئے آخر یہودی ریشہ دوانیوں نے انجمن اتحاد ترقی کی بنیاد رکھ کر مصطفےٰ کمال کو اپنا مہرہ بنا کر ۱۳۴۲ھ میں خلافتِ عثمانیہ کو ختم کر دیا اور مصطفےٰ کمال نے اسلامی وحدت کے تمام علمی، ادبی، مذہبی، دینی اور ثقافتی نشانات مٹا کر عالمِ اسلام کی دھڑکنوں کے مرکزی مقام کو ہی سرے سے ختم کر دیا۔ جس کا مداوا آج تک نہیں ہو سکا۔

مغلیہ دور میں شیعہ

شیعیت نے جاہل سنیوں پر کیا اثر ڈالا

انگورہ کے المیہ کے ایک سو چوبیس سال بعد اسی تیمور کی نسل سے ۱۵۲۶ء میں بابر نے ہندوستان میں ابراہیم لودھی کو شکست دے کر دہلی پر قبضہ کر لیا۔ اس وقت ہندوستان میں حنفیت کا دور دورہ تھا قطب الدین بیگ فخرالدین کوفی کا پروردہ تھا۔ فخرالدین کوفی حضرت ابوحنیفہ کی اولاد سے تھا۔ قطب الدین سے پہلے ہندوستان میں تمام غیر مقلد تھے اور یا غال غال شوافع اور باطنی یعنی اسماعیلی تھے۔ خاندان غلامان کے بعد خلجی، تغلق اور لودھی سبھی حنفی تھے۔ البتہ خاندان سادات تقیہ کی آڑ میں حنفی تھے۔ بابر کو مذہب سے لگاؤ تھا نہ تعلق البتہ ورثہ میں ملی ہوئی شیعیت کے جراثیم سے خالی نہ تھا۔ اس لئے اس نے تورہ چنگیزی کو اپنا دستور العمل قرار دیا۔

بابر کے مرنے کے بعد سلطنت ہمایوں کو ملی جب آتے شیر شاہ سوری نے یہاں سے

وار بھگایا تو اُس نے ایران کے شیعہ بادشاہ طہماسپ کے ہاں پناہ لی طہماسپ کے لئے یہ ایک سنہری موقع تھا اس نے ہمایوں کی بڑی آؤ بھگت کی اور اپنی فوج دے کر اُسے ہندوستان پر حملہ کرنے کی ترغیب دلائی۔ ہمایوں کی فوج میں بقول مؤلف دربار اکبری[1] گدا علی، مسکین علی، زلف علی، پنجہ علی اور کشف علی وغیرہ کی اکثریت تھی۔

جس پر حمید سنبھلی نے بادشاہ کو کہا کہ ہم لشکر شما یار افضی ہیم بندہ علی۔ کلب علی، پنجہ علی کے ساتھ "یا علی مدد" کا نعرہ بھی جاری ہو گیا مشہور شیعہ مؤرخ جسٹس امیر علی نے جامع الاحکام فی فقہ الاسلام میں لکھا ہے کہ ہمایوں کے زمانہ تک شیعہ مذہب گولکنڈہ اور بیجاپور کی ریاستوں تک محدود تھا مگر ۱۵۵۵ء میں جب ہمایوں شاہِ ایران سے مدد لے کر واپس لوٹا تو اس کے ساتھ ایران سے جو شیعہ آئے تھے انہوں نے اپنا رنگ جمانا شروع کیا اور مذہب شیعہ شائع ہونا شروع ہوا۔

۱۵۷۶ء میں شاہ اسماعیل ثانی نے شیعیت ترک کر کے سنی مسلک اختیار کیا تو دربار کے شیعہ وزراء و امراء نے مخالفت کی اس وجہ سے اُس نے سختی کا برتاؤ کیا۔ تو وہ تمام شیعہ اُمراء ایران سے بھاگ کر ہمایوں کے پاس پہنچ گئے۔ مشہور شاعر عرفی اور نظیری، مشہور مصور عبدالصمد، میر علی فرخ مشہور مدبر علی مردان اور آصف خان سبھی شیعہ تھے ہمایوں کی بیرباعی تمام تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔

ہستیم ہمیشہ شاد با یاد علیؓ	ہستیم زجان بندۂ اولاد علیؓ
کردیم ہمیشہ ورد خود ناد علیؓ	چوں سرِ ولایت ز علی ظاہر شُد

ہمایوں کے زمانہ میں ہی سادات بارہہ کو عروج حاصل ہوا جن کا ایک بزرگ محمود خان بارہہ رانا سانگا کے خلاف ہلدی گھاٹ کے معرکہ میں بابر کی فوج میں تھا۔

اکبر کے زمانہ میں شیعوں نے اس قدر مستحکم حیثیت حاصل کر لی تھی کہ اکبر کے دین الٰہی کی ایجاد پر ان کے ایک مجتہد ملا محمد یزدی قاضی القضاۃ نے فتویٰ دیا کہ اکبر کافر ہو گیا ہے جسے اکبر نے قتل کرا دیا۔ قیام اکبر آباد کے زمانہ میں شیعہ تمام عہدوں پر قابض تھے

---

[1] :۔ دربار اکبری محمد حسین آزاد کی تالیف ہے۔ محمد حسین آزاد بھی شیعہ تھا جسے انگریزوں نے ایک جاسوسی مشن پر افغانستان، تاشقند اور سمرقند وغیرہ کی طرف بھیجا تھا۔

نواب خان کے زمانہ میں کشمیر میں شیعوں نے فساد پیدا کیا اور بہت کشت و خون ہوا دراصل شیعہ مغلیہ سلطنت کے اندر ایک آزاد ریاست بنانا چاہتے تھے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں کشمیر کو دور افتادہ شہر سمجھ کر بغاوت کر دی مگر نواب خان نے ان کے کس بل نکال کر رکھ دیئے۔

بیرم خان نے تو اکبر کا کانٹا ہی درمیان سے نکلنے کا منصوبہ تیار کر لیا۔ اور خود اکبر کی فراست اور عیاری کی بھینٹ چڑھ گیا۔ عہد اکبری کا پہلا شیخ الاسلام گدائی بھی شیعہ تھا۔ اکبر کے زمانہ میں قاضی نوراللہ شوستری متولد ۱۵۴۹ء جسے شیعہ شہید ثالث کہتے ہیں، ۱۵۸۷ء میں ہندوستان پہنچا۔

اکبر کے متعلق عام طور پر مشہور ہے کہ اُسے بے دینی کی راہ شیخ مبارک اور اس کے بیٹوں ابوالفضل اور فیضی نے دکھائی مگر یہ بالکل غلط ہے اکبر کو بے دینی کی راہ نوراللہ شوستری اور ملا محمد یزدی نے دکھائی اور راہ نہیں دکھائی بلکہ اس پر چلایا بھی۔

ملا محمد یزدی نے بادشاہ کی خلوت کی ملاقاتوں میں پہلے تین خلفا اور بعض صحابہ اور اولیائے کبار فرقہ اہل سنت و جماعت کو بُرا بھلا کہا اور سب کے جہنمی ہونے کا فتویٰ دیا۔

(منتخب التواریخ جلد دوم ۲۰۹/۲۵۹)

ادھر بادشاہ پر ملا محمد یزدی حاوی تھا دوسری طرف نوراللہ نے قاضی القضاۃ کی حیثیت میں گول مول فتوے دینے شروع کئے ادھر ایک اجودہنی شیخ تاج الدین نامی نے جسے ثانی ابن عربی ہونے کا دعویٰ تھا وحدت الوجود کا راگ الاپنا شروع کر دیا اور بادشاہ کو خلیفۃ الزمان کے خطاب سے پکارنا شروع کر دیا۔ متعہ کی مالکی فقہ کی رو سے چھٹی مل گئی ان حالات میں اگر اکبر دین الٰہی جاری نہ کرتا تو کیا کرتا ملا یزدی حضرت اجمیری کی دشنام طرازی کی وجہ سے قتل ہوا۔

قاضی نوراللہ شوستری کو مذاہب اربعہ کے فقہی مسائل پر ید طولےٰ حاصل تھا۔ اُس نے تقیہ کر رکھا تھا۔ اکبر نے اسے قاضی القضاۃ بنا دیا قاضی نے امامیہ مذہب کے مطابق فتوے دینے شروع کئے اگر کوئی اعتراض کرتا تو جوڑ توڑ کر کے ائمہ اربعہ کی فقہ سے ثبوت پیش کر دیتا۔

اس عرصہ میں یہ شخص خفیہ طور پر تصنیف و تالیف میں مشغول رہا۔ اکبر کے بعد جہانگیر کے زمانہ میں راز کھلنے لگا چونکہ نورجہاں اور اس کا بھائی آصف خان شیعہ تھے اور در پردہ

قاضی کی مدد بھی کرتے تھے۔ مگر اہل سنت کو اب قاضی مذکور کھٹکنے لگا چنانچہ ایک آدمی شیعہ بن کر قاضی مذکور کے پاس پہنچا اور اس سے مجالس المؤمنین مستعار لے کر نقل کی اور بادشاہ کے پیش کر دی۔

قاضی کے لئے حکم ہوا کہ دُرّے مارے جائیں ۶۳ سال کی عمر میں قاضی اس سزا سے مر گیا۔ اس کا مزار آگرہ میں ہے (تلخیص از ترجمہ نجوم السماء ص۱۵-۱۶) یہ قول مصنف نجوم السماء کا ہے ورنہ قاضی کو دُرّے اس وجہ سے مارے گئے تھے کہ اس نے جہانگیر کے پیر شیخ سلیم کے حق میں ناجائز کلمات استعمال کئے تھے بعد میں جہانگیر نے نورجہاں کے کہنے پر ان تمام علماء کو قتل کرا دیا۔ جنہوں نے قاضی نوراللہ کی سزا کا فتویٰ دیا تھا۔

(نورالمجالس مصنفہ منشی نورالحسن)

نورجہاں نے قاضی نوراللہ کے مرنے کے بعد نور محمد مجتہد کو آگے بڑھانے کی کوششیں شروع کر دیں اور اُسے ہر طرح سے تیار کر کے جہانگیر کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ نور محمد مجتہد کا مولانا ابوالحسن سے مناظرہ کرایا جائے بادشاہ کی موجودگی میں مناظرہ ہوا۔ نور محمد شیعہ مجتہد مولانا ابوالحسن سے پوچھا کہ علیؓ کے متعلق کیا کہتے ہو؟ مولانا نے کتاب و سنت کے مطابق آپؓ کی تعریف کی پھر مولانا نے نور محمد مجتہد سے پوچھا در حق سلیم چشتی چہ میگوئی؟ شیعہ مجتہد نے اوّل قول بکنا شروع کر دیا۔ جہانگیر شیخ کا بڑا معتقد تھا اس نے شیعہ مجتہد کی زبان گُدّی سے کھنچوا دی۔ نورجہاں بہت چیخی چلائی مگر اس کا کوئی بس نہ چلا۔

جہانگیر کے بعد شاہجہاں کی باری آئی اس کی چہیتی ملکہ ممتاز محل شیعہ تھی جس کے مرنے پر اس نے قوم کے خزانے کا کروڑوں روپیہ اس کی قبر پر خرچ کر دیا۔ قوم کے روپے سے تختِ طاؤس بنوایا۔ باغات لگوائے بارہ دریاں بنوائیں محلات تعمیر کروائے غرضیکہ تعیش کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا چار پشتوں کی جمع شدہ دولت بے دریغ لٹوائی اس کے دین کے متعلق اندازہ لگانے کے لئے یہی کافی ہے کہ اس کی چہیتی ملکہ شیعہ تھی ایسے بادشاہ کے گھر میں جو کچھ ہوتا رہا ہوگا وہ گو ہمیں تاریخی شواہد سے معلوم نہ ہو سکے۔ مگر ہم اس کے اثرات دیکھ سکتے ہیں اس کے بیٹے شجاع کے عقائد اثنا عشری عقائد کا چربہ تھے۔ دارا کے عقائد باطنیوں اور قرامطیوں کے عقائد کا ملغوبہ تھے۔

اورنگ زیب پر اپنا رنگ چڑھا ہوا تھا جس نے باپ کو تختہ نہ بھائیوں کو ....

شاہ جہاں کی تربیت کا اثر تھا۔

شاہ جہان کے بعد اورنگ زیب سر پر آرائے سلطنت ہوا آج اورنگ زیب کو مجدّد وقت کہنے والے بھی موجود ہیں اور اُسے بڑا پکا اور سچا مسلمان کہنے والے بھی اگر کسی کے پاس کسی کی مسلمانی ماپنے کا کوئی آلہ ہو تو یہ اُسے ہی معلوم ہوگا مگر ایک مبصر کی حیثیت سے جب کوئی شخص ایک غیر جانبدارانہ انداز سے نظر ڈالے گا تو صاف نظر آئے گا کہ اورنگ زیب نے جو کچھ کیا یا اُس سے سرزد ہوا بحیثیت مجموعی وہ ہندوستانی مسلمانوں کے زوال کی خشتِ اوّل کہا جا سکتا ہے میرا موضوعِ سخن اس وقت چونکہ صرف شیعیت ہے اس لئے میں صرف اسی موضوع کی طرف قارئین کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

اورنگ زیب کو جس وقت حکومت ملی اس وقت دکن کی شیعہ سلطنتوں کے ساتھ ساتھ مرہٹے بھی زور پکڑ چکے تھے۔ شمالی ہند میں سکھ اور جاٹ پر پُرزے نکال رہے تھے۔ اورنگ زیب نے ان خطرات سے آنکھیں مُوند کر پہلے بھائیوں کی گوشمالی کی اور ان کا کانٹا درمیان سے نکالا اس کے بعد بجائے اس کے کہ اپنے گھر کی خبر لیتا مرہٹوں پر چڑھ دوڑا وہ جانتا تھا کہ میری فوج میں شیعوں کی بہت بڑی تعداد موجود ہے اُس نے آنکھیں مُوند کر ان لوگوں کو اوپر اُٹھایا۔

بالسٹر لکھتا ہے کہ اورنگ زیب کے اُمراء کی کثریت شیعہ فرقہ سے تعلق رکھتی تھی۔ اگرچہ احتیاط کے طور پر بعض نے اپنے عقائد پر مصلحت کوشی کا پردہ ڈال رکھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اورنگ زیب مرہٹوں کے مقابلے میں ناکام رہا۔ اورنگ زیب خوب جانتا تھا کہ جس گھر میں میری پرورش ہوئی ہے وہ گھر از رفض کے جراثیم سے خالی نہیں۔ مگر بجائے اس طرف توجہ کرنے کے اس کی سطحی ذہنیت نے اُسے ایک اور ہی راستہ پر ڈال دیا۔ یعنی اُس نے ملک کے تمام جلیل القدر علماء کو اکٹھا کر کے سو سے زائد جناتی۔ مجہول الاسم غیر معروف اور غیر متداول کتابوں سے ایک اور ناقابلِ عمل قطعاً غیر ضروری کتاب کی تدوین پر وقت، دولت اور بہترین دماغوں کے ضیاع کی بنیاد رکھی کاش کہ اورنگ زیب فتاویٰ عالمگیریؒ کی تدوین کی بجائے کتاب و سنت

لہ: شیخ محمد اکرم ایم اے نے رود کوثر میں فتاویٰ عالمگیری کے متعلق کیا خوب لکھا ہے کہ فتاویٰ عالمگیری ایک معرکۃ الآرا کتاب ہے لیکن ماحول اور نقطۂ نظر کا فرق ہے آج اگر اس کے باب تکفیر پر عمل کیا جائے تو قوم کا شیرازہ بکھر جائے ص۴۴۲ (مکمل عبارت حصہ اوّل میں گزر چکی ہے)

کی روشنی میں بدعات، منکرات اور مشرکانہ رسوم ورواج اور عقائد کے رد میں کوئی کتاب تالیف کرتا تو شیعوں کا خود ہی زور ٹوٹ جاتا مگر اس مردِ خدا نے اُمت کے راستے میں ایک اور سنگِ گراں لڑھکا دیا۔

اورنگ زیب کو شیعہ دشمن کہا گیا ہے مگر یہ قطعاً غلط اور اس پر بہتان ہے اُسے شیعیت سے نفرت ضرور تھی۔ مگر اس ضمن میں وہ چند شوقیانہ قسم کی وقتی حرکات سے آگے نہ بڑھ سکا۔

کہ نہ نوحہ کرو، نہ ماتم کرو، صحابہؓ کو بُرا نہ کہو اس کی سطحی ذہنیت ان خطرات کا اندازہ نہ کر سکی کہ اگر ان لوگوں کا تعاقب قرآن وسنت کی روشنی میں نہ کیا گیا تو آگے چل کر یہ پودا شجرِ عظیم بن جائے گا۔ ہمیں کسی تاریخ کی کتاب سے اورنگ زیب کی شیعہ دشمنی کا ایک واقعہ بھی نہیں ملتا اس نے اگر بھائیوں کو قتل کرایا تو حکومت کے لئے قتل کرایا دکن کی شیعہ سلطنتیں[1] ختم کیں تو وہ جوع الارض تھی یا اپنا بچاؤ۔ اگر وہ شیعہ دشمن تھا تو اس نے بقول بالسٹر فوج کے بڑے بڑے عہدے شیعوں کو کیوں دے رکھے تھے اور آخر وہی شیعہ طباطبائی اور ابن علقمی ثابت ہو کر رہے جن کو اس نے اہم عہدے تفویض کر رکھے تھے۔

۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب مر گیا تو اس کے جانشین نے خطبہ جمعہ میں "علیؓ، ولی اللہ وصیؐ رسول اللہؐ" کے الفاظ کے اضافے کا حکم دیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اورنگ زیب کے گھر میں شیعیت پروان چڑھتی رہی۔

---

[1] : بابر کے ہندوستان میں وارد ہونے سے ۲۶۰ سال پہلے یعنی ۱۳۴۷ء میں حسن بہمن شاہ نے دکن سلطنت کی بنیاد رکھی یہ ہندوستان میں پہلی شیعہ سلطنت تھی جو ۱۴۸۲ء کے لگ بھگ یعنی بابر سے سوا سو سال پہلے ہی ختم ہوگئی اس کے بعد عادل شاہ نے بیجاپور میں نظام شاہ نے احمد نگر میں عماد شاہ نے برار میں برید شاہ نے بیدر میں قطب شاہ نے گولکنڈہ میں آزاد شیعہ سلطنتیں قائم کیں یہ تمام سلطنتیں مغل حکمرانوں کے سامنے پروان چڑھیں مرہٹوں کے لئے یہ ریاستیں جائے پناہ تھیں مرہٹے مغلیہ سلطنت میں لوٹ مار کر کے ان ریاستوں میں پناہ گزین ہو جاتے تھے اور اورنگ زیب ان وجوہات سے انہیں ختم کرنے پر مجبور ہو گیا ان شیعہ ریاستوں کا سقوط شیعہ مرہٹہ گٹھ جوڑ تھا اور بنیادی وجہ مرہٹوں کی خود سری تھی نہ کہ شیعہ دشمنی۔ تفصیل کے لئے میری تالیف سلطان ٹیپو شہید دیکھئے۔

احمد آباد کے خطیب نے اس حکم پر عمل کیا تو نمازیوں نے اُسے قتل کر دیا مگر بہادر شاہ باز نہ آیا لاہور کے حاجی یار محمد نے کھری کھری سنائیں مگر بہادر شاہ پر بُری طرح یہ خبط سوار تھا یہاں تک کہ توپخانہ کی مدد سے شاہی مسجد میں ۲ر اکتوبر ۱۸۱۰ء جمعہ کے روز اس بدعت کے اجراء کا فیصلہ کیا مگر پٹھان سر بکف میدان میں نکل آئے اور بہادر شاہ کا دماغ ٹھکانے آگیا۔ اب ہندوستان میں نئی نئی ریاستیں اور حکومتیں قائم ہو رہی تھیں۔ مرشد آباد، لکھنو، رام پور، عظیم آباد، جہانگیر نگر شیعیت کے مرکزی مقام بن چکے تھے۔ بہادر شاہ کا وزیر اعظم منعم خان دہلی میں وہی کردار ادا کر رہا تھا جو ابن علقمی نے بغداد میں کیا تھا اورنگ زیب کی بیٹی زیب النساء کا استاد ایک شیعہ عالم محمد سعید اشرف مازندرانی تھا۔ جس کے چند روزہ ایران جانے پر زیب النساء نے نہایت افسوس کا اظہار کیا۔ الغرض مغلیہ حکومت اب شیعوں کے ہاتھ میں ایک کٹھ پتلی کی طرح تھی۔ منعم خان کے بعد دہلی میں حسین علی اور عبداللہ کا ستارہ چمکا ۱۷۱۳ء سے ۱۷۱۹ء تک فرخ سیر کے زمانے میں ان کا طوطی بولتا رہا۔ مرکز کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر سکھوں کا ایک چیلا بندہ بیراگی کے نام سے سرہند میں ستر ہزار مسلمانوں کو شہید کرنے کے بعد آگے بڑھنے کے لئے پر تول رہا تھا کہ فرخ سیر نے اُسے گرفتار کر لیا اب اس نے سید برادران کی طرف توجہ کی وہ مرہٹوں کو چڑھا لائے۔ یہ انتشار تمام کا تمام شیعوں کا پیدا کردہ تھا اور مسلمانوں کے لئے یہ پوری صدی گویا ایک قسم کا عذابِ الٰہی تھا۔ آج یہ حکمران ہے کل وہ، ادھر جاٹ ہیں اُدھر سکھ۔ ایک طرف مرہٹے ہیں دوسری طرف انگریز اور ان سب کو آگے بڑھانے اور پیچھے ہٹانے والے ہاتھ اس وقت تک پس پردہ ہیں جب تک ادھر میں اپنی حکومت مستحکم نہیں کر لیتے۔

سید برادران نے ۱۸ر فروری ۱۷۱۹ء سے ۱۴ر اگست ۱۷۱۹ء تک یعنی صرف چھ ماہ یکے بعد دیگرے تین بادشاہ تخت پر بٹھائے۔ مگر حسین علی اور عبداللہ کے وجود میں ہزاروں شیعہ دربار میں موجود تھے وہ مرہٹوں کو چڑھا لائے۔ یہ گویا حسین طباطبائی، ابن علقمی اور شادر کے کردار کا اعادہ تھا۔ شاہ ولی اللہ کی تحریک پر احمد شاہ ابدالی مرہٹوں کا زور توڑنے کے لئے پانی پت پہنچا تو ابراہیم گاردی نامی ایک شیعہ مرہٹوں کے توپخانے کا افسر اعلیٰ تھا۔ اور آخر مرہٹوں کے ساتھ خود بھی بھسم ہو گیا۔

اس دور کی تاریخ صاف بتاتی ہے کہ تقیہ کی آڑ میں چھپے ہوئے شیعہ کھل کر سامنے

آچکے تھے اور آخر انہوں نے سعادت علی خان کو اودھ کی حکومت دلا کر ہی دم لیا۔

بندہ بیراگی جس نے سرہند کے مقام پر ستّر ہزار مسلمانوں کے گھر گھر شہید کیا اسے شیعہ سازشوں نے ہی جرأت دلائی تھی اور پھر قانون کی ایک نیرنگی دیکھئے کہ یہ سب کچھ خواجہ احمد فاروقی کی قیومیت کی بستی اور جو تھے قائم کی موجودگی میں ہوا۔

فتنہ کفر مغلوں کے مورث اعلیٰ نے سلطان بایزید کو اس وقت گرفتار کیا جب وہ تمام یورپ کو فتح کرنے کے ارادے سے گھر سے نکلا تھا۔ امیر تیمور میں ذرّہ بھر بھی دینی حمیّت ہوتی تو وہ عیسائیوں کا ساتھ دیتے ہوئے ہرگز بایزید سے جنگ نہ کرتا پھر اس کے بعد بابر سے لے کر معراج الدین ظفر تک شیعوں نے ہر مقام پر اپنی بالادستی کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔

محمد شاہ کے زمانے میں نادر شاہ درّانی دہلی میں جو قتل عام کیا اس کی نظیر اس کے پیش رو شیعہ فاتحین یعنی آلِ بویہ، تیمور، ابن علقمی جیسن طبا طبائی وغیرہ کے علاوہ کہیں نہیں ملتی۔ قاضی نور اللہ کے قتل کا ردِّ عمل مغل حکمرانوں کی ذہنیت کا بہت بڑا ثبوت ہے۔ قاضی مذکور کے خلاف فتوے صرف دُرّے لگانے کا تھا اس وقت اس کی عمر ۶۳ سال کے قریب تھی وہ اس سزا میں مر گیا یعنی قتل نہیں کیا گیا بلکہ خود مرا مگر اس کے مرنے کے جرم میں جہانگیر نے اپنی دعوت کے بہانے پر ان تمام علماء کو قتل کر دیا جنہوں نے قاضی مذکور کے خلاف دُرّے لگانے کا فتویٰ دیا تھا۔ اکبر کا دینِ الٰہی بھی شیعیت کی تبلیغ کا اثر تھا جس نے اسلام میں امامت کا تصوّر پیدا کیا تھا۔

(سیّد محمد جونپوری)

دکن کی مہدوی تحریک بھی اسی دور کی پیداوار ہے نظام شاہی خاندان کے چھٹے بادشاہ اسماعیل نے مہدوی عقائد اختیار کئے اور ۱۵۹۰ء میں شیعوں نے اسے قتل کر دیا اور دو سال کے بعد احمد نگر میں پھر شیعی اثرات غالب آگئے۔

اس تحریک کے بانی سید محمد جونپوری ۱۴۴۳ء میں پیدا ہوئے ظاہری باطنی علوم میں دستگاہ کامل رکھتے تھے ۱۴۹۵ء میں تین سو ساٹھ ہمراہیوں کے ساتھ حج کو گئے اور وہاں حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ واپسی پر کھمبایت پہنچے وہاں سے پٹن۔ جالور۔ ناگور۔ جیسلمیر سے ہوتے ہوئے ٹھٹھہ پہنچے کہیں مخالفت ہوئی اور

کہیں موافقت آخر خراسان کی طرف روانہ ہوئے اور فرہ کے مقام پر ۲۳ اپریل ۱۵۰۵ء میں وفات پائی۔

مہدوی تحریک نے دکن کی عسکری اور سیاسی زندگی میں بھی بھرپور حصہ لیا مہدوی سپاہی اور افسر بڑے بہادر اور جانثار، جوشیلے اور سریع الغضب ہوتے تھے۔ راجہ چندو لال کے زمانہ میں حیدر آباد مہدوی گروہ کا مرکز تھا محمود بن لطیف خان ۹۴۴ھ کے زمانہ میں مہدویوں کا طرزِ عمل بالکل حسن بن صباح کے فدائیوں کی طرح تھا۔ شیخ علائی بھی اسی سلسلہ کے پُرجوش داعی تھے۔ نواب بہادر یار جنگ بھی مہدوی تھے آج کل کراچی میں ان کی ایک انجمن "ذکر مہدوی انجمن" موجود ہے۔ گجرات، جے پور، حیدر آباد میں بھی یہ لوگ موجود ہیں۔

شیخ محمد اکرام ایم۔ اے رود کوثر میں لکھتے ہیں کہ بابر نے ہمایوں کے لئے جو وصیت لکھی اس میں یہ بھی مرقوم تھا کہ شیعہ سُنی اختلافات کو ہمیشہ نظر انداز کرتے رہو۔ سندھ میں محمد بن قاسم نے جو مبارک طریق کار شروع کیا تھا بعد کی فقہی تدوین نے اس میں رخنے ڈال دیئے (اور مغلوں نے سب کو ملیامیٹ کر کے رکھ دیا۔

(للمؤلف)

مغلیہ دور میں شیعیت کے بڑھتے ہوئے خطرہ کو بھانپ کر حضرت احمد فاروقی سرہندی نے ردِّ روافض میں ایک رسالہ لکھا یہ رسالہ دراصل اس رسالے کا جواب تھا جو علمائے شیعہ نے علمائے ماوراء النہر کو اس وقت بھیجا جب عبداللہ خان ازبک نے مشہد کا محاصرہ کر رکھا تھا لیکن اس کی تصنیف کی فوری وجہ یہ تھی کہ ہندوستان میں کئی شیعہ علماء مشہد کے مضامین دوہراتے اور امراء سلاطین کی مجلسوں میں انہیں بڑے فخر سے بیان کرتے حضرت خواجہ ان محفلوں میں اس کی تردید کرتے مگر عوام الناس کے فائدہ کے لئے رسالہ ہی لکھنا ضروری سمجھا۔

ہندوستان میں جہانگیر کی منظورِ نظر ملکہ نور جہاں شیعہ تھی۔ بادشاہ کا وزیر شیعہ تھا۔ شیعہ عقائد ملک میں شروع ہو گئے تھے اکبر کو خیال ہوا کہ کسی حرم کو رخصت کئے بغیر زیادہ عورتوں سے کس طرح متمتع ہوا جائے ایک نے متعہ کا راستہ دکھایا دوسروں نے اس کی حنفی فقہ کی رو سے مخالفت کی۔ اس پر بدایونی نے کہا کہ اگر ایک مالکی قاضی اس کے

حق میں اپنے اصول کی رُو سے فتویٰ دیدے تو ایک حنفی کے لئے بھی متعہ جائز ہے۔ بادشاہ کو ادر کیا چاہیے تھا۔ حنفی قاضی کو رخصت کر دیا گیا اور مالکی قاضی کو تعیناتی کا پرزہ مل گیا۔ جس نے حسبِ الطلب فتویٰ دیدیا یہ بھی گویا شیعیت کی فتح تھی۔

مغلوں کی بے دینی نے ہندوؤں کو اس قدر جرأت دلائی کہ انہوں نے کئی مقامات پر مساجد کو منہدم کر کے اپنے معبد اور مندر تعمیر کئے چنانچہ تھانیسر میں ایک مسجد اور ایک بزرگ کا مزار گرا کر بڑا بھاری مندر تعمیر کر لیا۔ رمضان میں برملا نان وطعام کے دور چلتے تھے مگر مسلمانوں کو ہندوؤں نے ایکادشی کے موقعہ پر روٹی پکانے اور بیچنے سے روک دیا۔

بدایونی لکھتا ہے کہ تاج الدین سنبھلی نقشبندی اکبر کے ہاں آزادانہ آمد و رفت رکھتا تھا اور بعض اوقات پوری راتیں شطحیات و ترہات کی نذر ہو جاتی تھیں۔

خافی خان ۱۶۲۹ء کے ضمن میں صوبہ کابل کے متعلق لکھتا ہے کہ یہاں ایک گمراہ پیر کے احکام کو قرآن و حدیث کا درجہ دیکر عوام نے ملحدوں کے طریقے اختیار کر رکھے ہیں حضرت میاں میر کے ایک خلیفہ ملّا شاہ کی وارستہ گوئی اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ ایک بار کہہ اُٹھا (نقلِ کفر، کفر نہ باشد)

پنجہ در پنجہ خدا دارم من چہ پروائے مصطفےٰ دارم

علماء کشمیر کے واویلا پر شاہجہان نے میاں میر سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یہ ایک حال ہے اس کی وجہ سے اس کا قتل واجب نہیں اور ملّا شاہ بچ گیا۔ آخر دارا شکوہ اور اس کی بہن جہاں آرا ملّا شاہ کے مرید بن گئے۔

مغلیہ دور کا ایک اور شاہکار سرمد نامی یہودی النسل ہے۔ یہ شخص گویا منصور حلّاج کا مثنیٰ تھا عام طور پر ننگا رہتا تھا۔ اور خلافِ شرع اشعار کہتا رہتا تھا۔ عوام کے پُر زور احتجاج پر قتل ہوا۔

مصنف دبستان مذاہب لکھتا ہے کہ اس دور میں عجیب عجیب قسم کے فرقے اور مذاہب نمودار ہو گئے تھے۔ بیراگی ایک گروہ تھا جس میں ہندو و مسلمان دونوں شامل تھے اور وشنو کی پوجا کرتے تھے۔

ڈاکٹر ہنٹر لکھتا ہے کہ الحاد و تشکک اس حد تک بڑھ چکا تھا اور بدچلنی و بداخلاقی

اس مقام پر پہنچ چکی تھی کہ ان کا سدِ باب کسی کے بس کا روگ نہ تھا۔

دہلی کے محلہ شیطان پورہ میں بدچلنی کے ساتھ توہم پرستی بھی آگئی تھی جادوگروں۔ عاملوں اور کرامت کے دعویداروں سے دار الخلافہ بھرا پڑا تھا۔ (آج کل کے نقاش اور رمال انہیں کی روحانی ذریت ہیں مؤلف)

ایک دفعہ اورنگ زیب نے کہا تھا کہ تمام ہندوستان میں صرف دو شخص ایسے ہیں جو شراب نوشی سے مجتنب رہے ہیں ایک میں خود اور دوسرے قاضی عبدالوہاب۔

منوچی لکھتا ہے کہ قاضی کو تو میں خود شراب بہم پہنچاتا رہا اور پھر قاضی کے مرنے کے بعد اس کے گھر سے ایک لاکھ اشرفیاں اور پانچ لاکھ روپیہ نقد کے علاوہ جواہرات اور بے حساب مال نکلا (یاد ایام مولانا عبدالحی صہ ۶۸)

اورنگ زیب بیچارے کو قاضی صاحب کی اندرونی زندگی کی کیا خبر تھی مسائل المشائخ میں لکھا ہے کہ بنگال میں شطاری درویشوں نے اودھم مچا رکھا تھا اور ان کے ساتھ مداریہ فرقہ تو بنگال پر پیر تسمہ پا بنکر لپٹا ہوا تھا۔ آج تک ڈھاکہ میں مدار جھنڈا کی گلی، مداری پور، مدار باری کی بستیاں موجود ہیں۔ موضع بلیا ضلع دیناج پور ایسے غیر شرعی فقیروں کا مرکز تھا جنہوں نے ہندو لوگ اسلامی تصوف اور اخلاقی آزادی کی ایک کھچڑی بنا رکھی تھی۔ یہ لوگ صرف ایک لنگوٹی میں رہتے۔ پاؤں میں بیڑیاں پہنتے (آج کل بھی علیؓ کے اکثر ملنگ اسی ہیئت میں گھومتے پھرتے نظر آتے ہیں مؤلف) ان کے مورثِ اعلیٰ کوئی شاہ سلطان حسنی تھے جنہوں نے ایک ہندو راجہ کو گھر سے بلیا سے بھگا کر وہاں قبضہ کر لیا تھا۔ ان شاہ سلطان اور ان کے خلفا نے اپنے چیلوں کو اجازت دے رکھی تھی کہ تم جہاں جاؤ۔ علم، جھنڈے، پھریرے، بانس، عصا، باجے، ماہی مراتب اپنے ساتھ رکھو۔ اٹھارہویں صدی میں جب ان کی حکومت کا نظم و نسق ڈھیلا پڑ گیا تو ہزاروں کی تعداد میں "مولا علیؓ" کے یہ ننگ دھڑنگ ملنگ آبادیوں اور بستیوں پر ٹوٹ پڑتے۔

اصل میں یہ وہی مجوسی اور یہودی تحریک کی مختلف صورتیں تھیں جن کا اصل مقصد اسلام کو مٹانا تھا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ مٹانا تو ہمارے بس میں نہیں البتہ اسلامی تعلیمات کو بگاڑنا آسان ہے تو یہ لوگ ہمہ تن اس کام میں جُٹ گئے۔ آج مسلمانوں میں جتنی مشرکانہ رسومات عین اسلام سمجھی جاتی ہیں وہ سب مغلیہ دور کے ان مسلمان نما تر

شجرہ نوابانِ اُودھ

۱۷۲۴ء تا ۱۸۵۶ء (۱۳۲ سال)

۱- بانی ریاست نواب برہان الملک سعادت خان نیشاپوری

۱۱۳۵ھ / ۱۷۲۴ء تا ۱۱۵۱ھ / ۱۷۳۹ء (۱۶ سال)

۲- نواب صفدر جنگ منصور علی خان شوہر ـــ صدر النساء بیگم دختر

۱۱۵۱ھ / ۱۷۳۹ء تا ۱۱۶۷ھ / ۱۷۵۳ء (۱۶ سال)

۳- نواب شجاع الدولہ مرزا جلال الدین حیدر

۱۱۶۷ھ / ۱۷۵۳ء تا ۱۱۸۸ھ / ۱۷۷۵ء (۲۱ سال)

۴- نواب آصف الدولہ مرزا یحییٰ عرف مرزا آماتی[1]

۱۱۸۸ھ / ۱۷۷۵ء تا ۱۲۱۲ھ / ۱۷۹۷ء (۲۲ سال)

۵- نواب یمین الدولہ مرزا سعادت علی خان پسر شجاع الدولہ

۱۲۱۳ھ / ۱۷۹۸ء تا ۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۴ء (۱۶ سال)

۶- غازی الدین حیدر بادشاہ

۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۱ء تا ۱۲۴۳ھ / ۱۸۲۷ء

۷- نصیر الدین حیدر بادشاہ

۱۲۴۳ھ / ۱۸۲۷ء تا ۱۲۵۳ھ / ۱۸۳۷ء

(۸) محمد علی پسر سعادت علی خان

۱۸۳۷ء تا ۱۸۴۲ء

(۹) امجد علی شاہ ۱۸۴۲ء تا ۱۸۴۷ء

(۱۰) واجد علی شاہ ۱۸۴۷ء تا ۱۸۵۶ء

---

[1] آصف الدولہ لاولد مرگیا۔ ایک مجہول الحال غریب علوی لڑکے کو اپنا متبنیٰ بنایا۔ ان کے مرنے کے بعد وہی جانشین ہوا مگر تھوڑے عرصے کے بعد معزول کرکے شجاع الدولہ کے بیٹے سعادت علی خان کو بادشاہ بنایا گیا۔

"زردشتی اور یہودی" لوگوں کی پیدا کردہ ہیں اور ہمارے وہ بھائی جنہوں نے شیعیت کو ایک مذہب کے طور پر پایا اور قبول کیا وہ آج تک اس سازش سے بے خبر ہیں۔

اس مذہبی انتشار، من چلوں کی آنکھ مچولیوں، قسمت آزماؤں کی ریشہ دوانیوں میں اورنگ زیب جیسا آدمی کہاں تک کامیاب ہو سکتا تھا۔ پھر وہ اصل مرض کی بنیاد ہی نہ سمجھ سکا کہ یہ سب ہنگامے بالواسطہ یا بلاواسطہ شیعیت کی پیداوار ہیں۔ اور شیعیت اس کی گود میں پلتی، بڑھتی، پھلتی اور پھولتی رہی اور اس نے یہاں تک ترقی کی کہ اورنگ زیب کی آنکھ بند ہوتے ہی اس کے جانشین نے علی ولی اللہ وصی رسول اللہ کا نعرہ لگا دیا کیا ان حالات میں کوئی عقلمند اورنگ زیب کو شیعہ دشمن کہہ سکتا ہے؟ آج شرک و بدعت کی جتنی صورتیں ہمارے درمیان موجود ہیں یہ سب شیعیت کی پیدا کردہ اور اورنگ زیب کے زمانہ کی پیداوار ہیں۔

۱۔ بُرہان الملک سلطنت اُودھ جس کا دارالحکومت لکھنؤ رہا اس کا بانی برہان الملک سعادت خان تھا۔ جب اورنگ زیب نے دکن کی شیعہ سلطنتوں کو زیر کر لیا تو اس کے بعد اودھ میں ایک اور شیعہ سلطنت ۱۷۲۴ء میں قائم ہوئی۔ سعادت علی کو کھینچ تان کر شیعہ مؤرخوں نے زید بن موسیٰ بن جعفر صادق کی اولاد سے قرار دیا ہے۔ زید کو بعض نسابین نے غیر معقب قرار دیا ہے۔ اور جنہوں نے ان کی اولاد بیان کی ہے انہوں نے بھی چار بیٹے حسن، حسین، جعفر اور موسیٰ الاصم بیان کئے ہیں مگر سعادت خان کے شجرہ میں پانچواں بیٹا فخر الدین بیان کیا گیا ہے۔ حالانکہ اس دور میں بلکہ اس سے چند صدیاں بعد بھی اس قسم کے نام تاریخوں میں نہیں ملتے۔ بہرحال سعادت خان علوی تھا۔ یا مجہول النسب تھا۔ اس کی پیدائش نیشاپور میں ہوئی ہندوستان میں وارد ہونے کی تاریخ نہیں ملتی ۱۷۱۱ء میں سربلند خان کا فوجدار تھا فرخ سیر کے زمانہ میں ۱۷۱۹ء میں بیانہ کا فوجدار بن گیا۔

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار کا کہنا ہے کہ سعادت خان میں حب جاہ اور مطلب پرستی بے انتہا تھی حسین علی خان جیسے شخص کو جس کا حاشیہ نشین اور مورد عنایت رہا تھا اس کو بھی نہ بخشا اور باوجود سیّد اور شیعہ ہونے کے اسے قتل کر دیا (جلد اول ص ۱۳۲)

اس صلہ میں محمد شاہ کی طرف سے پنجہزاری کے منصب پر فائز ہوا۔ ۱۱۴۳ھ میں اکبر آباد کا منصبدار بن گیا۔ دو سال بعد اودھ کی صوبیداری پر تقرر ہوا۔ اب اپنی شیعیت کے جوہر دکھانے لگا۔ شہزادگان لکھنؤ کو بیدردی سے کچلا جونپور اور غازی پور کے علماء شرفا کے وظائف بند کر دیئے اہل سُنت کے مدارس بند کر دیئے جو قدیم سے علم و فضل کے مخزن تھے۔

(بحتہ المرجان)

۱۱۴۵ھ میں مرہٹوں کی یورش کا استیصال کیا مگر ساتھ ہی بقول غلام حسین طباطبائی مؤلف سیر المتاخرین نادر شاہ درانی سے ساز باز کر کے محمد شاہ پر حملہ کرا دیا اس کا مقصد مغلیہ سلطنت کو شیعہ حکومت میں بدلنا تھا۔ نادر شاہ تو ستّر کروڑ کی مالیت کا نقد و جنس اور تخت و طاؤس لے کر واپس چلا گیا۔ مگر ہندوستان کی مغلیہ سلطنت کو تباہ کر گیا۔

نادر شاہ کے قتلِ عام سے ایک دن پہلے ہی سعادت خان بعارضہ سرطان مر گیا تاریخ وفات ایک عدد کی زیادتی سے۔ ’’سعادت نمکحرام بمرد ہوئی‘‘
۱۱۵۲ھ

سعادت خان صرف شیعہ ہی نہیں تھا بلکہ شیعہ گر بھی تھا۔ خواجہ موسیٰ خان نقشبندی اس کی صحبت میں شیعہ ہوا اور اس کی اولاد کو لکھنؤ میں جاگیر ملی۔

۲۔ صفدر جنگ ۱۷۳۹ء سے ۱۷۵۴ء تک:۔

سعادت خان لاولد مر گیا۔ اس کے بعد حکومت صفدر جنگ کو ملی جو اس کا بھانجہ اور داماد تھا۔ مجہول النسب تھا مؤلف تاریخ اودھ اسے ایک کاسہ ساز کا بیٹا بیان کرتا ہے نہایت غریب گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ سعادت خان نے بہن اور بھانجے کو ہندوستان بلا کر اپنی بیٹی صدر جہان اس کے نکاح میں دی (آخر تاجدار اودھ ص۱۱)

نادر شاہ نے ۱۱۵۰ھ میں محمد شاہ بادشاہ دہلی سے خلعت صوبیداری دلوایا۔ صفدر جنگ نے اپنے ماموں کی نسبت زیادہ عروج پایا ۱۱۵۶ھ میں دہلی میں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اودھ کی صوبیداری کے علاوہ صوبجات کشمیر اور الٰہ آباد کا انتظام بھی اس کے سپرد ہوا اور شاہی توپ خانہ کا انتظام بھی اس کے ذمّہ ہوا۔

لطیفہ:۔ سعادت خان کو یارانِ طریقت نے علوی بنا دیا اور اس کے داماد اور بھانجے کو ایک غریب کاسہ ساز کا بیٹا یعنی سعادت خان کی بہن کسی ٹھٹھیارے سے بیاہی گئی۔ اور اس ٹھٹھیار کا بیٹا سعادت خان کا داماد بنا جو بعد میں اُودھ کا صوبیدار ہوا۔

۱۱۶۱ھ میں احمد شاہ ابدالی کے لشکر کو شکست دی (سیر المتاخرین ج ۳ ص۱۴) اور اس سلسلہ میں لاہور اور ملتان کا ناظم مقرر ہوا۔ صفدر یار جنگ ولی عہد احمد شاہ کو شکست دینے کے بعد ابھی نواح پانی پت میں تھا کہ محمد شاہ مر گیا اب ولی عہد احمد شاہ کے نام سے بادشاہ بن گیا۔ صفدر جنگ وزیر (رجب ۱۱۶۱ھ میں) جملۃ الملک مدار المہام وزیر الممالک برہان الملک ابو المنصور خان بہادر صفدر جنگ کے خطاب ہشت ہزاری کے منصب پر فائز ہوا۔

اس زمانہ میں مرہٹے اور انگریز ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔ صفدر جنگ نے اُن سے لڑنے کی بجائے بنگش خان، افغانوں اور روہیلوں کے خلاف جنگ شروع کر دی۔ احمد خان بنگش سے شکست کھا کر دو آبے کے علاقے پر مرہٹوں کو مسلط کرا دیا۔ پھر محمد شاہ برادر خورد احمد شاہ بادشاہ کو جو مسلکاً شیعہ تھا۔ قتل کرانے کی سازش کی بادشاہ

نے انتظام الدولہ کو وزیر مقرر کر دیا اب ہر طرف سے آوازیں اُٹھنے لگیں کہ صفدر جنگ شیعہ ہے اسی حالت میں ۱۷ ذی الحج ۱۱۶۷ھ کو سرطانی پھوڑے سے مر گیا۔

۳۔ شجاع الدولہ ۱۷۵۳ء سے ۱۷۷۵ء تک

۲۳/۴ سال کی عمر میں مسندِ وزارت پر بیٹھا لہو و لعب اور صحبت زنان اور دیگر افعال مذمومہ میں بے باک تھا۔ شاہ عالم سے وزیر الممالک کا خطاب پایا۔ دغا، فریب، بدعہدی، ظلم و تعدی، بے رحمی و فسادات کے کئی واقعات ہمعصر مورخین نے لکھے ہیں۔

قاسم علی خان حاکم بنگالہ انگریزوں سے شکست کھا کر خزانہ اور دیگر قیمتی اشیاء لے کر اس کے پاس پہنچا اس نے عترت طاہرہ عباس بن علیؑ کے نام کی قسمیں کھا کر حفظِ جان و مال اور عزت و آبرو کا معاہدہ لکھ دیا۔ پھر قاسم علی خان کو ساتھ لے کر انگریزوں سے جنگ کے لئے روانہ ہوا۔ بکسر کے مقام پر شکست کھائی کسی نے رو بند شیدا فرنگی ۱۱۷۸ھ تاریخ لکھی۔ انگریزوں کے تمام مفتوحہ علاقے کا انہیں حکمران تسلیم کر کے ان سے صلح کر لی اور قاسم علی خان سے سب کچھ چھین لیا اور اُسے گدائے محتاج بنا دیا۔ روہیلوں کو مٹانے میں بھی ظلم و شقاوت کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ حافظ رحمت خان روہیلہ کو شہید کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۱ صفر ۱۱۸۸ھ کا ہے اس کے بعد روہیلوں کی جائدادیں ضبط کیں شجاع الدولہ کی فوجیں قہر الٰہی بن کر روہیلہ بستیوں میں داخل ہوئیں مدرسوں، خانقاہوں، مسجدوں کی بے حرمتی کی گئی۔

جو کچھ سعادت خان نے جونپور، غازی پور اور کڑہ مانک پور کے سُنی رؤسا سے کیا تھا اس نے اس پر اور زیادتیاں کیں۔

پدر نتواند پسر تمام کند کے مصداق اس نے سُنیوں کی بستیوں کی بستیاں جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیں۔

سُنیوں کی ضبطئ جائداد کے سینکڑوں واقعات شیعہ مورخ طباطبائی اور دیگر مورخوں نے لکھے ہیں۔ مخدوم شاہ مینا عباسی کی جائداد باپ نے ضبط کی شاہ اجمل عباسی کے ۳۲ دیہات بیٹے نے ضبط کئے شاہ صاحب نے ایک نظم میں یہ واقعہ بطور ردّ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

نشنیدنی شنیدم خادیدنی بدیدم!
در رنج و غم تپیدم فریاد رس الٰہی

اس واقعہ کے تین ماہ بعد اس کے جوڑ میں پھوڑا نکلا۔ درد سے بے تاب لوٹ پوٹ ہوتا رہا۔ ماں نے ہر چند سمجھایا کہ روہیلوں کے اہل و عیال جو قید میں ہیں آزاد کر دو۔ جن لوگوں کی جائیدادیں ضبط کی ہیں واگذار کر دو، مگر وہ اپنی ضد پر اڑا رہا۔ سیر المتاخرین کا شیعہ مصنف لکھتا ہے کہ اپنے بُرے کاموں کی وجہ سے عین عالم جوانی میں ۱۵ ذی قعد ۱۱۸۸ھ کو اس دنیا سے چل بسا (جلد ۳ صفحہ ۹۴)

مزید چند بدکرداریاں

شجاع الدولہ کے ظلم و ستم مذہبی تعصب اور لہو و لعب وغیرہ کی فہرست طویل ہے اختصاراً چند باتیں سن لیجئے۔

۱۔ قاسم علی کو باوجود پختہ عہد و پیمان کے لوٹ لیا۔
۲۔ روہیلوں پر بلا وجہ بے پناہ ظلم کئے۔
۳۔ خواہش نفس کا اس قدر حریص تھا کہ راستہ میں سواری پر ہی بے تاب ہو کر صحبت کر لیتا تھا۔ اور اس غرض کے لئے ہر وقت عورتیں ساتھ رکھتا تھا۔
۴۔ کھتری قوم کی ایک ہندو دوشیزہ کو جبراً اٹھوا کر منگوایا اور منہ کالا کیا۔
۵۔ مدخولہ متاعی اور غیر متاعی عورتوں کی دو ہزار بتائی جاتی ہے۔
۶۔ اس کی ان بے حیائیوں سے تمام ملک میں رنڈیوں نے وہ زور پکڑا کہ منکوحہ عورتیں بے بس ہو کر رہ گئیں۔

۴۔ آصف الدولہ ۱۷۷۵ء سے ۱۷۹۷ء تک

شجاع الدولہ کے مرنے کے بعد مسند نشین وزارت ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ خوش قامت نہ تھا۔ اوپر کا دھڑ بڑا اور نیچے کا اس قدر چھوٹا کہ گھوڑے کی سواری نہیں کر سکتا تھا۔ بچپن سے ہی بد وضع خواجہ سراؤں کی صحبت میں نہایت بُری عادتوں اور بد افعالیوں کا عادی ہو گیا۔ اس وقت اودھ کے علاوہ تمام روہیلکھنڈ صوبہ الہ آباد چکلہ کوڑا، چکلا ماؤ

فارس کا علاقہ، اضلاع جونپور، غازی پور وغیرہ اس کی عملداری میں تھے۔ آخری تین اضلاع شروع میں ہی انگریز کمپنی کے حوالے کر دیئے۔

ہندوؤں کی مصاحبت اختیار کی۔ فضول خرچیوں کی وجہ سے ماں اور دادی سے خود بھی دولت چھینتا رہا اور انگریزوں سے بھی چھنوا تا رہا ماں۔ یعنی بہو بیگم کو آخر میں اس سے سخت نفرت پیدا ہو گئی تھی۔ لہو ولعب مثل شراب نوشی، چوپڑ بازی، ہاتھیوں اور کبوتروں کی جنگ مرغیوں کی لڑائی۔ پتنگ بازی اور کھیل تماشوں کے علاوہ ہولی اور بسنت کے جشنوں پر سالانہ تیس تیس لاکھ روپیہ خرچ کر دیتا ماں اور دادی سے علیحدگی اختیار کر کے فیض آباد کی جگہ لکھنؤ کو دار الحکومت بنایا۔

شیعہ مورخ طباطبائی وو دفعہ اس سے علاوہ لکھتا ہے کہ آصف الدولہ کے تمام مصاحب اور ندیم اراذل اور پوچ قسم کے لوگ تھے بے محابا مشروع اور خارج از غیرت کاموں میں آس نے بازاری لوگوں کو بھی مات کر دیا تھا۔ مگر ان باتوں کے باوجود فروغ شیعیت میں بڑا ہوشیار تھا۔

۱۔ اس کی کوششوں سے ہزاروں سنی خاندان شیعہ ہو گئے اور جو اپنی ضد پر قائم رہے ان کی جاگیریں ضبط کر لیں (گل رعنا صـ ۱۵۳)

۲۔ روہیلکھنڈ میں شیعیت کی تبلیغ و تحریص میں بجائے جائداد کو آلہ کار بنایا (تاریخ اودھ جلد ا ۳۰ ۱۹ء)

۳۔ اس سے پہلے بلگرام میں ایک شیعہ نہ تھا مگر اس کے زمانہ میں سب شیعہ ہو گئے۔ (مآثر الکرام)

اس سلسلہ میں محمد ایوب قادری ایم اے کا مقدمہ فضائل صحابہ و اہلبیت مولوی آل حسن موہودوی کی تحفۃ التواریخ۔ تذکرۃ الکرام، تاریخ اودھ قیصر التواریخ، شیعان ہند، سیر المتاخرین کا مطالعہ کیجئے کہ آصف الدولہ نے تبلیغ شیعیت میں کیا کیا حربے استعمال کئے۔

۴۔ آصف الدولہ نے لکھنؤ میں امام باڑہ بنانے کی بنیاد رکھی بقول ابو طالب مؤلف تفریح الغافلین لوگوں کے مکان جبراً چھینے جس کے مکان میں کوئی اچھا ملبہ ملا اس کے لئے وہ مکان منہدم کرا دیا۔ بقول سر سید مؤلف، آثار الصنادید دہلی کا ایک

مقبرہ منہدم کر کے یہاں کے سُرخ پتھر لکھنؤ منگوائے مکانوں کے علاوہ مسجدوں اور مزاروں کو بھی منہدم کرا کے سامان حاصل کیا (معارف ۲۸، دسمبر ۱۹۳۱ء)۔

۵۔ فقیرا نامی ایک من چلے نے ایک علم دریائے گومتی کے کنارے دفن کر دیا پھر مشہور کیا کہ مجھے خواب میں بتایا گیا ہے کہ فلاں مقام پر عباس کا علم مدفون ہے پھر اُسے نکالا جو بھرت کا سہ شاخہ تھا اور منادی کرائی کہ یہ عباس کا علم ہے۔

(تاریخ اودھ جلد ۴ صـ ۳)

آصف الدولہ نے فقیرا کو ایک ہزار روپیہ دیا اب علم کی درگاہ بن گئی جہاں باقاعدہ میلہ لگتا تھا اور ہزاروں پری پیکری آکر دعوتِ نظارہ دیتی تھیں۔

۶۔ مرضِ موت کے وقت بار بار کہتا تھا "یا عباس میری مدد کرو" اور مجھے اس وقت بچا لو۔ (قیصر التواریخ صـ ۲۰ ، جلد ۲)

۷۔ اس کی دیکھا دیکھی اُمرا نے بھی حسبِ استطاعت امام باڑے تعمیر کرائے۔

۸۔ تبرا بازی شجاع الدولہ کے زمانے سے شروع ہو گئی تھی مگر اب باقاعدہ ایک فریضہ کے طور پر بجا لائی جانے لگی دہلی کا مغل شہزادہ عباس مرزا اس کا مہمان تھا۔ جو مسلکاً سُنّی تھا۔ ایک مجلس میں جب تبرا بازی شروع ہوئی تو وہ اُٹھ کر چلا گیا۔ آصف الدولہ نے اس کا وظیفہ بند کر دیا۔ (قیصر التواریخ جلد ا صـ ۱۷۵)

۹۔ لکھنؤ میں سُنّی کا شیعہ قاتل پھانسی کی سزا نہیں پاتا تھا۔ مسٹر سلیمن جو ۱۸۴۹ء سے ۱۸۵۶ء تک لکھنؤ میں ریزیڈنٹ رہا لکھتا ہے کہ لکھنؤ میں کوئی شیعہ قتل کرنے کے جُرم میں خواہ کسی سُنّی ہی کو کیوں نہ قتل کیا ہو ہندو کا تو ذکر ہی کیا پھانسی کی سزا نہیں پاتا تھا۔ (شیعان ہند صـ ۱۶۲ بحوالہ رپورٹ سلیمن)

۱۰۔ مولانا شرر نے گذشتہ لکھنؤ میں اس قسم کے واقعات کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔

۱۱۔ لکھنؤ سے تبرا اور سبِ صحابہ و خلفا کی وبا ایک فن بن کر تمام ملک میں پھیل گئی اور شیعہ مبلغین اور مقررین نے اس پر وہ حاشیہ آرائیاں کیں کہ گویا شیعہ مذہب اصل میں صرف صحابہ کرام کو گالیاں دینا بن کر رہ گیا۔

۱۲۔ آصف الدولہ کے زمانے میں ہی ۱۲۰۰ھ میں نماز جمعہ و جماعت شیعہ کی ابتداء ہوئی۔

اس سے پہلے تمام ہندوستان میں شیعہ سُنیّوں کے پیچھے ہی نمازیں پڑھتے تھے اور مرزا حسن رضا نائب آصف الدولہ کی تحریک پر نجف جاکر سند اجتہاد لے کر آئے تھے۔ خطیب و پیش امام مقرر ہوئے یہ تمام واقعات مولوی دلدار علی نے اپنے رسالہ اجازہ میں قلمبند کئے ہیں۔

۱۳۔ اسی دور میں شیعوں نے خود ساختہ اذان شروع کی۔ تفصیل اسی کتاب کے گذشتہ صفحات میں بیان ہو چکی ہے۔

۱۴۔ آصف الدولہ کے زمانہ میں ہی عید بابا شجاع کی بدولت جاری ہوئی۔

۱۵۔ تعزیہ سازی اور ماتم اسی کے زمانہ میں شروع ہوا۔

۱۶۔ مرثیہ گوئی اسی کے زمانے میں شروع ہوئی اور اس نے باقاعدہ ایک فن کی شکل حاصل کی۔ تحت اللفظ خوانی، روضہ خوانی، حدیث خوانی، سوز خوانی رفتہ رفتہ مستقل فن بن گئے۔ سینکڑوں تنخواہ دار اس کام کے لئے نوکر رکھے گئے۔ بے شمار وضعی اور من گھڑت روایات مرثیوں کے ذریعے بیان ہونے لگیں۔ کسی شخص نے ایک بار مشہور مرثیہ گو شاعر انیس سے پوچھا کہ وقائع نگاری سے بے نیاز ہو کر تم کیسے من گھڑت واقعات بیان کرتے ہو تو انیس نے جواب دیا کہ کوئی صاحب دس بند ہی ایسے کہہ کر سنا دیں جن میں صحیح روایات سے مطلق تجاوز نہ ہو۔ اور پھر بھی کلام موثر ہو تو میں مان لوں گا کہ وہ بہت بڑا شاعر ہے (یادگار انیس)

۱۷۔ متعہ کو رواج دیا جس سے غیر دائم متعہ کے کاروبار کو اس حد تک رونق ملی کہ طوائفوں اور رنڈیوں کے ہاں شرفاء اور مہذب لوگ بھی بے جھجک جانے لگے چنانچہ شرر لکھتے ہیں کہ لکھنؤ میں عورتوں کو رتبہ حاصل ہو گیا کہ مہذب و شائستہ اُمراء کی محفلوں میں ان کے پہلو بہ پہلو بیٹھنے لگیں۔ اور رنڈیوں کے مکان شرفاء کے اچھے خاصے کلب بن گئے۔ (گذشتہ لکھنؤ ص ۳۲۹)

متعہ کے اس رواج نے شاہان بازاری کو متصوفین کی سماع کی مجلسوں تک پہنچا دیا اور یہ سلسلہ اجمیر اور دوسری درگاہوں تک جا پہنچا۔ غالی حنفیوں کے ہاں آج کل جو قبوری بدعتیں نذر و نیاز، عرس، رنڈیوں کے مجرے، پیری مریدی کے گورکھ دھندے قوالی کی محفلیں یا عریب نواز کے نعرے ملتے ہیں یہ اسی متعہ

برگ و بار ہیں۔

۱۸۔ فرقہ وادیت کا عذاب یہ بھی اسی دور کی پیداوار ہے۔ مغلیہ دور میں یوں تو شیعہ کافی تھے مگر ان کے تعلقات ایک دوسرے سے بظاہر خوشگوار تھے مگر شیعوں کی تبرّا بازی اور اس کے مقابلہ میں سُنیوں کے چار یاری نعرے نے دونوں فرقوں کے درمیان شدید مغایرت اور دشمنی پیدا کر دی۔

۵۔ نواب یمین الدولہ مرزا سعادت علی خان پسر شجاع الدولہ ۱۷۹۸ء سے ۱۸۱۴ء تک

آصف الدولہ لاولد مر گیا۔ ایک مجہول الحال غریب علوی لڑکے کو اپنا متبنّیٰ اور جانشین بنایا۔ مگر تھوڑے عرصے کے بعد اُسے معزول کر کے شجاع الدولہ کے بیٹے سعادت علی خان کو بادشاہ بنایا گیا۔ آصف الدولہ کے زمانہ میں سعادت علی خان نے لکھنؤ میں قیام مناسب نہ سمجھا بلکہ کچھ عرصہ دہلی اور پھر آخر بنارس جا رہا وہاں منجم الملک ایک رضوی سیّد کی بیٹی کی تعریف سُنی اپنے بیٹے غازی الدین کے لئے منجم الملک سے لڑکی کا رشتہ طلب کیا، ۱۷۹۴ء میں بڑی دوڑ دھوپ کے بعد یہ نکاح ہو گیا۔ سعادت علی خان ۱۱ر جولائی ۱۸۱۴ء کو مر گیا۔

۶۔ غازی الدین حیدر بادشاہ ۱۸۱۴ء سے ۱۸۲۷ء تک

"کمپنی بہادر" کے نمائندے کی مدد سے نواب وزیر الممالک رفعت الدولہ رفیع الملک غازی الدین حیدر خان بہادر شہامت جنگ کے خطاب سے ملقب ہو کر مسند حکومت پر بیٹھے۔

بادشاہ بیگم سے شادی کے کچھ عرصہ بعد اپنی بیوی کی باندی صبح دولت پر طبیعت آئی اور اُسے حمل ہو گیا۔ بادشاہ بیگم آپے سے باہر ہو گئی ۱۲۱۸ر جمادی الاوّل کو لڑکا پیدا ہوا مگر بادشاہ بیگم نے صبح دولت کو مروا دیا۔ عجیب بات یہ ہے کہ ماں کو مروا دیا مگر اس کے بیٹے پر بڑی مہربان ہو گئی۔

یہی لڑکا آگے چل کر نصیر الدین حیدر کے نام سے سلطنت اودھ کا پانچواں حکمران تھا۔

بادشاہ بیگم

بادشاہ بیگم نہایت تند مزاج، سرکش، من چلی اور ہیجانی غصہ کی مالک تھی۔ یہاں تک کہ اس کا شوہر غازی الدین حیدر بھی اس سے کنارہ کشی پر مجبور ہو گیا۔ اپنے جاہ و جلال اور قوت اقتدار بڑھانے کی وہ حد درجہ حریص تھی وہ چاہتی تھی کہ تمام اودھ کی سلطنت اس کی مٹھی میں ہو۔ مذہب کے معاملہ میں وہ صرف متشدد ہی نہ تھی بلکہ اس نے اس ضمن میں عجیب و غریب بدعتیں شروع کیں وقائع دلپذیر مصنفہ عبدالاحد رابط مولانا شرر مرحوم کا گذشتہ لکھنؤ محمد تقی احمد کی تصنیف مبلغ مسٹر ہالسٹر کی تصنیف شیعانِ ہند میں یہ تمام خرافات تفصیل سے مذکور ہیں۔

چند باتیں آپ بھی سن لیجئے :۔

۱۔ تاریخ کی کتابوں سے دوازدہ آئمہ کی شادیوں کی تاریخیں چھانٹ لیں اور ان کے مطابق ساچق اور حنابندی کی رسمیں شروع کیں حتیٰ کہ جس روز حضرت فاطمہؓ کا نکاح ہوا تھا اس روز مورتیاں تیار کراتی۔ ایک علیؓ کی اور دوسری فاطمہؓ کی اور ان کی باقاعدہ شادی کراتیں تدبیریں پیش ہوتیں خود تعظیماً کھڑی رہتی۔

۲۔ ایام محرم کی مدت سعادت علی خان کے زمانہ تک ۱۰ محرم تھی اس نے ۲۰ صفر تک بڑھا دی اور اس عرصہ میں تمام کام اپنی عملداری میں بند کرا دیئے۔

۳۔ امام مہدی کی چھٹی کی بدعت شروع کی یہ رسم ہندوؤں میں مروج تھی یعنی بچہ پیدا ہونے کے بعد چھٹے روز دعوتیں ہوتیں اور خوشیاں منائی جاتیں ہر سال ماہ شعبان میں یہ رسم منائی جاتی۔

۴۔ سیدوں کی خوبصورت لڑکیاں حاصل کر کے ان کی پرورش کرتی اور گیارہ اماموں سے منسوب کر کے ان کی بیویاں بنائی جاتیں۔ اگر والدین لڑکی بخوشی نہ دیتے تو جبراً حاصل کی جاتی۔ ہر لڑکی کا نام کسی کی بیوی کے نام پر رکھا جاتا۔ انہیں اچھوتیاں کہا جاتا۔ ہر اچھوتی کے لئے تین تین باندیاں مقرر کی گئیں۔ بادشاہ بیگم خود ان اچھوتیوں سے جھک کر ملتی ان کے لئے بیش قیمت لباس اور اعلیٰ کھانے مہیا کئے جاتے۔

یہ نوجوان لڑکیاں اپنے آپ کو سخت مجبور پاتیں کہتے ہیں ایک دن ایک اچھوتی نے رات کو رونا پیٹنا شروع کر دیا۔ بادشاہ بیگم آگئیں پوچھنے پر اچھوتی نے بتلایا کہ مجھے تو امام نے طلاق دے دی ہے۔ بادشاہ بیگم نے اُسے معہ اسباب اُس کے والدین کے گھر بھیج دیا اور اس طرح وہ غریب لڑکی اپنی عقلمندی اور حاضر دماغی سے اس قید سے چھوٹی۔

۵۔ اچھوتیوں کی طرح اچھوت بھی تھے محل کے مخصوص کمرے مخصوص اماموں کے ناموں سے موسوم کر کے ان کو ہر طرح سجایا جاتا۔ بادشاہ بیگم خود بھی وہاں جھک کر جاتی امام کی مفروضہ بیوی کو اس کے مفروضہ خاوند کے کمرے تک بڑی عزت و تکریم سے پہنچایا جاتا۔

۶۔ بیگم نے اپنے محل میں ہر امام کے نام کا الگ الگ مقبرہ تیار کرا رکھا تھا۔ (یہ بدعت اس وقت بھی پاکستان کے مختلف قصبات میں دیکھنے میں آئی ہے[1] اور ہر امام کے مقبرے کے ساتھ چھوٹی سی مسجد بھی تیار کرائی۔ حضرت عباس کا مقبرہ الگ تیار کیا گیا ہے۔

۷۔ بادشاہ بیگم کبھی کبھی بن ٹھن کر نہایت ستھرائی اور صفائی سے تخت پر بیٹھتی اور کہتی کہ مجھ پر شاہ جناب آیا ہے لوگوں کے سوالوں کا جواب دیتی اور غیب کی باتیں بتاتی۔ (اس کی یہ بدعت آج تک پاکستان کے متعدد مقامات پر کئی من چلی عورتوں کے ذریعہ معاش کا سبب بنی ہوئی ہے[2])

۸۔ اماموں کی فرضی بیویوں کو زچگی کے تمام دور سے گزارا جاتا۔ سونے کی گڑیاں بنا کر بچے کی شکل دی جاتی۔

بادشاہ بیگم کی ان ہی خرمستیوں کے پس منظر میں روپوش غازی الدین حیدر مر گیا۔

---

[1] :۔ قصبہ پھلروان میں امام موسیٰ کاظم کے نام کا مزار ایک شیعہ نے بنوا رکھا ہے۔ چکوال اور ڈھڈیال کے درمیان ایک سنی زنخے نے بھی اس قسم کا مزار تیار کر کے لوگوں کو لوٹنے کا جال بچھایا اور لطف یہ کہ وہ زنخہ حافظ عبدالکریم صاحب راولپنڈی والے کی مریدی کا مدعی تھا۔

[2] :۔ ایسی ہی ایک عورت قصبہ رہتاس ضلع جہلم میں بھی ہے۔

۷۔ نصیر الدین حیدر بادشاہ ۱۸۲۷ء سے ۱۸۳۷ء تک

"گذشتہ لکھنؤ" میں مولانا شرر لکھتے ہیں کہ نصیر الدین حیدر بادشاہ میں عورتوں میں رہتے رہتے اس درجہ زنانہ مزاجی پیدا ہوگئی تھی کہ عورتوں کی سی باتیں کرتا۔ عورتوں کا سا لباس پہنتا۔ زنانہ مزاجی کے ساتھ مذہبی عقیدت نے یہ شان پیدا کردی کہ ائمہ عشرہ کی فرضی بیبیوں کی طرح خود حاملہ عورت بن کر زچہ خانہ میں بیٹھتا۔ چہرے اور حرکات سے وضع حمل کی تکلیف ظاہر کرتا۔ اور پھر خود ایک فرضی امام جنتا۔ جس کے لئے ولادت چھٹی اور نہانے کے تمام سامان اصل کے مطابق کئے جاتے یہ تقریبیں اس قدر زیادہ تھیں کہ بادشاہ کو سال بھر انہیں سے فرصت نہ ملتی تھی سلطنت کی طرف کون توجہ کرتا۔ مگر ان زنانہ اور طفلانہ حرکتوں کے باوجود نہایت ظالم تھا۔ چونکہ تمام زندگی عورتوں میں ہی گزری تھی اس لئے اس کے ظلم کی شکار اکثر عورتیں ہی ہوتیں سینکڑوں عورتوں کو ادنیٰ قصور اور معمولی بدگمانی پر زندہ دیوار میں چنوا دیا۔ (ملخصاً)

اس سے بادشاہ بیگم دو ہاتھ بڑھ کر قاسم اور عباس کی بھی فرضی بیویاں نامزد کیں۔ نصیر الدین حیدر کی موت اور بیگم کے معاملات کی بربادی کے بعد یہ طلسم ٹوٹا اور زندہ درگور نوجوان عورتیں آزاد ہو کر شادیاں کرکے زندگی کی مسرتوں سے لطف اندوز ہونے لگیں۔

غازی الدین حیدر اور نصیر الدین حیدر کا زمانہ ایک طرف بدعات و اختراعات میں اپنی مثال آپ تھا اور دوسری طرف اس دور میں بیگمات اودھ کی نہایت دردناک تاریخ دہرائی جاتی رہی۔

بیگمات اودھ میں سے پہلی نواب صدر النساء بیگم جو سعادت خان کی بیٹی صفدر جنگ کی بیوی اور شجاع الدولہ کی ماں تھی۔

دوسری بہو بیگم جو دہلی کے ایک شہنشاہ کی لاڈلی لے پالک یعنی محمد اسحاق خان بہادر کی بیٹی اور شجاع الدولہ کی بیوی تھی۔

تیسری، ضعیف العقل غازی الدین حیدر کی جوشیلی بیوی بادشاہ بیگم تھیں۔

چوتھی، حضرت محل جو واجد علی شاہ جیسے سادہ لوح مگر عاشق مزاج نواب کی

الوالعزم بیگم تھیں۔

پہلی دوسری اور چوتھی کا حال انگریزی ریولوں میں بڑی تفصیل سے آیا ہے اور بادشاہ بیگم کا صرف منا خان کے سلسلہ میں۔

۸۔ محمد علی پسر سعادت علی خان ۱۸۳۷ء سے ۱۸۴۲ء تک

نصیر الدین حیدر کے مرنے کے بعد منا خان[1] کے ایک طویل المیہ کے بعد محمد علی کو مسند آرائے حکومت کیا گیا۔ یہ دور بادشاہ بیگم کے لئے نہایت عبرتناک ثابت ہوا

۹۔ امجد علی شاہ ۱۸۴۲ء سے ۱۸۴۷ء تک

محمد علی اور امجد علی کے زمانہ میں مروجہ بدعات میں کمی حد تک کی آئی۔ مگر تبرا۔ متعہ، تعزیہ، مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی کے علاوہ فحاشی، بے حیائی اور جنسی آوارگی میں پہلے کی نسبت ترقی ہوئی۔

۱۰۔ واجد علی شاہ:۔ ۱۸۴۷ء سے ۱۸۵۶ء تک کے حالات اس کی اپنی زبان سے سنئے:۔

مخفی نہ رہے کہ خداوند عالم نے ہر متنفس کو لذت عشق عطا فرمائی ہے بنا بر آں میرا خمیر بھی اسی آب و گل سے بنا ہوا ہے اور یہی درد جگر روز ازل سے مجھ کو بھی ملا ہے۔ اب میری عمر کا چھبیسواں سال ہے اور میں اس صحرائے پُر فضا میں بہت کچھ بادیہ پیمائی کرچکا ہوں۔

جب میرا سن آٹھ برس کا تھا اس زمانے میں ایک عورت (رحیمن نامی جس کی عمر تقریباً ۴۵ سال تھی) میری خدمت کے لئے متعین تھی۔ ایک روز اس نے عین عالم خواب میں مجھے چھیڑنا شروع کیا اور پھر اس کا روز کا معمول ہوگیا۔ یہاں تک کہ

---

[1] تاریخ اودھ کا یہ ایک طویل اور دردناک باب ہے مگر یہاں چونکہ ہمارے موضوع سے باہر ہے اس لئے نظر انداز کیا جاتا ہے۔

میں دس سال کا ہوگیا۔

پھر امیرن نامی ایک عورت جس کی عمر ۳۵/۴۰ سال تھی۔ گیارہ برس کی عمر تک اس کا خیال رہا۔ گیارہ سال کی عمر میں ہر عورت سے جھجکتا نہ چھیڑ چھاڑ کرتا تھا اس زمانہ میں بنّو نامی ایک شوہر دار عورت کے عشق میں گرفتار رہا اسی زمانے میں حاجی خانم جس کی عمر بائیس سال تھی اور گود میں پچیسالہ بچہ بھی تھا کے عشق میں گرفتار رہا۔ اماجی خانم کے ذریعہ اس سے تعلق پیدا کرنا چاہا مگر اماجی خانم جو نہایت بدشکل تھی مجھ پر ڈورے ڈالنے لگی مگر میں نے توجہ نہ کی میں تو حاجی خانم کے عشق میں گرفتار تھا۔ حاجی خانم جب کبھی اپنے خاوند کا ذکر کرتی تو میں از حد ملول اور افسردہ خاطر ہوتا پندرہ سال کی عمر میں نواب علی نقی خان مرحوم کی بیٹی سے میری نسبت قرار پائی۔ دو ماہ بعد شادی ہوگئی شادی کے پانچ ماہ بعد نصیر الدین حیدر مر گئے اور میرے دادا نصیر الدولہ محمد علی تخت حکومت پر بیٹھے اور میرے والد امجد علی شاہ کو اپنا ولی عہد بنایا۔ میرے والد ثریا جاہ نے پانچ سو روپیہ میرا اور چار سو روپیہ میرے محل کا ماہانہ اپنی جیب سے مقرر فرمایا۔

میں اس عرصہ میں پوشیدہ طور پر اکثر اپنے محل کی خادماؤں سے چھیڑ چھاڑ کرتا رہتا تھا۔ اس سبب سے میرے محل نے اکثر عورتوں کو ملازمت سے برطرف کر دیا۔ میرے والد کی ولی عہدی کو ایک سال گزرا تھا کہ نواب اعظم بہو صاحبہ محل کے بطن سے ایک فرزند پیدا ہوا جس کا نام مرزا نوشیرواں قدر بہادر رکھا ۱۲۵۵ھ میں محل مذکور کے بطن سے مرزا فلک قدر بہادر پیدا ہوا۔ اس زمانہ میں میری عمر سترہ برس کی تھی از بسکہ عنفوان شباب تھا۔ مجھے جوش جوانی اور ولولہ طبیعت کی وجہ سے خیال گزرا کہ کس طرح ایام شباب حسین و خوش جمال عورتوں کی صحبت میں بسر کرنا چاہیے۔ آخر وحشت قلب و جوش سودا نے یہ ترکیب ذہن نشین کرائی کہ میں اپنی راحت کے واسطے عورتوں کو بطریق خدمت گزاری رکھ کر ان سے پوشیدہ رابطہ محبت پیدا کروں میں نے حکمت عملی سے کام لے کر موتی خانم نامی ایک عورت نوکر رکھی۔ مگر میرے محل نے اُسے نکلوا دیا۔

اس کے بعد مجبوراً میں نے شعر و شاعری کی طرف اپنے دل کو منعطف کیا۔ میں نے قسم کھائی کہ جب تک وہ عورت مجھے نہ ملے گی مجھ پر کھانا پینا حرام ہے میں نے اُس عورت کے عشق میں دو دیوان اور تین مثنویاں لکھیں اور کبھی چشم لطف سے اپنے محل کی

طرف نہ دیکھا۔ انہوں نے منت و خوشامد سے لاکھ لاکھ پوچھا مگر میں نے کوئی جواب نہ دیا۔
اسی زمانہ میں تیسرا لڑکا مرزا کیواں قدر بہادر پیدا ہوا۔

ان ہی دنوں صاحب خانم ایک عورت جو والد ماجد کی ملازم اور شوہر دار تھی میری نظر سے گزری اس کا سن ۳۲ سال یا اُس سے کچھ زیادہ تھا اور نہایت حسین تھی ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ از حد محبت پیدا ہوگئی۔ ہر وقت میرے پاس بیٹھی ہوئی گنجفہ کھیلا کرتی یا گانے بجانے میں مصروف رہتی۔

ایک دن اُس نے میری مندری کو آگ میں گرم کی اور اپنی ران پر لگا دی جو اس کے گوشت میں پیوست ہوگئی اس کے بعد ایک برس تک ہم دونوں کے درمیان لیلیٰ مجنوں کی طرح رابطۂ محبت قائم رہا۔

اس کے بعد عمدہ بیگم جو پہلے نصیر الدین حیدر کے یہاں نوکر تھی اور اس کی عمر ۲۷ سال تھی اس کی محبت میرے دل میں گھر کرنے لگی۔

اسی زمانہ میں والد ماجد کے یہاں تین بہنیں جو مرثیہ خوانوں میں ملازم تھیں اور انشاء کی نواسیاں تھیں حیدری بیگم۔ چھمری بیگم اور ننھی بیگم ان سے تعلق پیدا ہوا۔ والد ماجد کو سلطنت مل چکی تھی اور میں ولی عہد بن چکا تھا۔ میری ولی عہدی کے زمانہ میں عمدہ بیگم خورد محل بن گئیں پہلے تو اس نے انشاء کی نواسیوں کو ٹکنے نہ دیا مگر آخر میں ننھی بیگم بھی محل بن گئیں۔ اسی زمانہ میں نجم النساء بیگم میرے محل میں داروغگی کے عہدے پر سرفراز تھیں۔

اس کے بعد امن اور امان نام کی دو عورتیں جو پہلے رئیس فرخ آباد کے گانے پر ملازم تھیں میرے پاس پہنچیں انہیں "سرور محل دالیاں" کے خطاب سے سرفراز کیا۔ پھر داروغہ نجم النساء بیگم اور ان گانے والیوں کے ذریعہ وزیرن کو گھیرنا شروع کیا مگر کامیابی نہ ہوئی آخر ایک روز چلبلے پن سے "بادشاہ منزل" پر چڑھ گیا۔ اندر سے چیخنی لگا کر چاہا کہ اپنا کام تمام کر دوں۔ آخر شیخ غلام علی اُسے لے آیا میں نے دوڑ کر اُسے گود میں اٹھا لیا اور رات بھر اس کی شمع جمال پر پروانہ وار نثار ہوتا رہا۔

اس کے آنے پر مشکل کشا کا دسترخوان کیا۔ ملازموں نے نذریں گزاریں اور سب حسب مراتب سرفراز کیے گئے اُس وقت میری عمر بائیس سال تھی۔ اسی عرصہ میں اٹھارہ نفر اساميان چنور بردار داروغہ نجم النساء بیگم کی معرفت ملازم ہوئیں انہیں حضور والیاں

کے خطاب سے سرفراز کیا میں دو برس تک ہزار حیل و فریب کے ساتھ ہر ایک سے محبت کرتا رہا اسی عرصہ میں بشیر خواجہ سرا کی بدولت ایک ماہ تاباں کے وصل سے کامیاب ہوا پھر گانے بجانے کی طرف طبیعت راغب ہوئی۔ قطب علی خان ستار باز کو استاد مقرر کیا اب صرف گانے بجانے والی عورتوں سے محبت رہ گئی جیدری اور دلبر دو طوائفوں سے تعلقات پیدا ہوئے۔ دلبر کی بڑی بہن پہلے ہی میرے ساتھ تعلق رکھتی تھی۔

اُس نے دلبر کو میری نظر گزارا اور میں نے اُسے سلطان پری کا خطاب دیا اس کے بعد بشیر خواجہ کے ذریعہ یاسمین پری اور میر اکبر علی کے ذریعہ سلیمان پری۔ نواب خاص محل کے ذریعہ عزت پری داروغہ نجم النساء کی معرفت مجھ تک پہنچیں اس کے بعد داروغہ ارباب نشاط جس کا نام مہدی تھا محبوب جان کو جو سرود بجانے میں شہرۂ آفاق تھی حیلے سے میرے گھر پہنچایا۔ اُسے ماہِ رُخ پری کا خطاب دیا۔ ایک روز اس کے عزیزوں میں سے ایک عورت نے اپنے آپ کو میری بگھی کے آگے ڈال دیا دریافت کیا تو اُس نے بتایا کہ داروغہ ارباب نشاط جبری میری لڑکی کو لایا ہے میں نے پانچ صد روپیہ ماہِ رُخ پر تصدق کرکے اس کے حوالے کیا اور اپنی جان چھڑائی۔

مجھ کو جلسہ ترتیب دینے اور گانے والیوں کے جمع کرنے کا بہت خیال تھا۔ اس سبب سے سازندے اور علم موسیقی کے کاملوں کی تلاش بہت تھی۔ ہر شخص سے یہی فرمائشیں تھیں کہ اس قسم کی عورتیں تلاش کرو۔ اب جو آدمی اس قسم کی عورت پیش کرتا وہ لفظ "معروضہ" عرض کرنا یعنی فلاں معروضہ حاضر ہے۔

اس کے بعد منا جان کے عشق میں گرفتار ہوا نجم النساء بیگم اُسے گھیر کر لائی اور اس کے عشق سے شاد کام ہوا اور اُسے امتیاز پری کا خطاب دیا ایک دن وہ اپنے گھر گئی اور واپس نہ آئی میں نے محمد علی خان خواجہ سرا بھیجا وہ گھسیٹ کر لایا اور میں نے اُس کے منہ پر تھوک دیا۔

ایک دفعہ اکبر الدولہ کے وسیلہ سے چھنی نامی ایک طوائف مجرا کے لئے حاضر ہوئی میں اس پر عاشق ہو گیا۔ اُسے دلربا پری کا خطاب دیا۔

میں نے اپنی پریوں کے لئے رنگ برنگے لباس تیار کرائے۔ کئی لاکھ روپیہ سالانہ ان اشغال وافعال میں صرف ہوتا تھا۔ ایک روز ایک کسبیہ عورت جس کا نام گنا تھا اور

شوہر دار تھی مجھ پر عاشق ہو گئی۔ میں نے مجتہد العصر والزمان سے اس کی طلاق کا فتویٰ لے کر گھر میں داخل کر لیا اور سرفراز پری کا خطاب دیا۔

اسی زمانے میں امن داماں کی معرفت مجھ پر طوائف کی گیارہ سالہ خوبصورت لڑکی کو سردار پری کا خطاب دیکر پریوں میں شامل کیا۔

ایک روز ان تمام پریوں کو عمدہ عمدہ لباس اور مرصع زیورات سے آراستہ کر کے پُر تکلف فینسوں اور نفیس نفیس پالکیوں میں سوار کرکے درگاہ زیارت حضرت عباسؑ میں بھیجا۔ درگاہ کے تمام متولی حیران ہو کر دیکھنے لگے حیدر حسین خان سے نظارہ بازی کے سلسلہ میں جھگڑا بھی ہو گیا۔

اسی عرصہ میں نواب نشاط محل سے مرزا سپہر قدر اور سلیمان محل کے بطن سے سپہر آرا کبرائے بیگم نواب خاص محل کی بطن سے مرزا بیدار بخت فرخندہ خانم کے بطن سے شمس آرا بیگم پیدا ہوئے۔

اسی عرصہ میں اچھے صاحب بیبیا والی طوائف کو دیکھ کر فریفتہ ہوا اور اپنے گھر میں داخل کیا۔ معشوق پری کو محل بنایا اس سے فریدوں قدر بہادر پیدا ہوا" ۔ کوئی کہاں تک لکھا جائے" (للمؤلف)

اسی عرصہ میں تیس عورتوں کی ایک فوج بنائی۔ یہ اس لئے کیا کہ مردوں کی فوج کے لئے تنخواہ بہم نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اس فوج کے سردار محمد شریف علی کو خان بہادر کے خطاب سے سرفراز کیا۔

اس تماش بینی کے باوجود شیعیت سے کس قدر اُنس تھا یہ بھی سُن لیجئے۔

چونکہ مجھ سے غلام رضا وغیرہ اُمن کے عزیز واقارب سے روز بروز اختلاط و ارتباط بڑھتا جاتا تھا اور یہ سب سُنّت جماعت تھے اور قطب الدین خان میرے استاد بھی سُنّی المذہب تھے، مجھ کو رات دن یہی تشویش و فکر رہتی تھی کسی طرح یہ لوگ میرے مذہب میں آجائیں۔ جب اس امر میں ان لوگوں کا عندیہ لیتا تھا تو انہیں ناراض پاتا تھا۔ آخر ایک روز برسات کی فصل میں میں نے نہایت دلجوئی اور منت وسماجت اور طمع دے کر ان لوگوں کو تبدیلیٔ مذہب کے لئے پھر فرمایا۔ چونکہ اس کار خیر کا انجام میرے ہاتھوں ہوتا تھا۔ سب نے منظور کیا میں نے اُسی وقت سوار کروا کر سب کو

سلطان العلماء مولوی سید محمد مجتہد وقت کی خدمت میں بھیج دیا۔ اور وہاں یہ سب برصدق دل مذہب امامیہ سے سرفراز ہوئے۔

انہی دنوں میں مہک پری کے بطن سے مرزا برجیس قدر پیدا ہوا۔ اس زمانے میں گانے والیوں کا مجمع پریوں کا ہجوم میرے عشق کا ولولہ اور زمانہ شباب اس درجہ پر تھا کہ دن کا رات اور رات کا دن ہوتا معلوم نہ ہوتا تھا۔ میں ہمیشہ شاہد عشرت سے ہم آغوش رہتا تھا۔

اسی زمانہ میں پریوں کو رہس دھاری کی تعلیم دی۔ رہس دھاری ایک ناچ کا سامان ہے ہندوؤں کے مذہب میں اس کی پرستش کی جاتی ہے۔ اس میں کنہیا اور اس کے معشوقوں کی شبیہ بناتے ہیں۔ سلطان پری کو رادھا بنایا۔ ماہ رُخ کو کنہیا بنایا اور کئی لاکھ روپے سے لوازمات فراہم کئے، یاسمین پری، عزت پری، دلربا پری، حور پری وغیرہ کو کنہیا کے دوسرے معشوق کی صورت بنیں جنہیں سنسکرت میں لوانیس کہا جاتا ہے۔ ان کا ناچ مثل سنگیت لچھمی اور برم کے ہے جو نام تالیوں کے ہیں اس ناچ میں صرف کنہیا اور رادھا کے مباحثے کی کیفیت ہوتی ہے اس کے پریوں کا مینا بازار لگوا تا۔

سابقین کا پابند بادشاہوں نے رسم قدیم کے مطابق اپنے نظر کردوں کو ہر فن کی تعلیم دلوائی اور اسے درجہ کمال تک پہنچانے میں بہت کوشش کی ہے من جملہ ان کے محمد شاہ بادشاہ دہلی، ابراہیم بادشاہ، سلطان بیجاپور وغیرہ شاہانِ سلف (یہ دونوں شیعہ تھے سُنیوں کو اللہ تعالےٰ نے ان بے حیائیوں سے بچائے رکھا۔ (للمؤلف)

اکثر جمیل و شکیل عورتوں کو علم موسیقی کی تعلیم دلوا کر گاتن کے لقب سے ملقب کیا۔ واجد دولت نے بھی سابقین کا پابند ہو کر کئی ماہ تمثال کو گانے کی تعلیم دلوائی اور ایک دن اس کا مظاہرہ کرایا اس میں سلطان پری نے ایسے کمال کا اظہار کیا کہ عشق کی نوبت پہنچی۔

رمضان میں :- ایک سحری کھا کر سویا کہ محمد معتمد علی خان خواجہ سرا نے بیدار کیا۔ پوچھنے پر اس نے بتایا کہ ایک حور تمثال حضور کے عشق میں مبتلا ہو کر خدمت میں پہنچی

ہے۔ میں اٹھا تو وہ میرے گلے سے چمٹ گئی۔ رخصت کے وقت اس سے پوچھا کہ پھر ملنے کا کیا طریقہ ہوگا۔ کہنے لگی کہ ماتم کے دن ختم ہونے کے بعد خود کو تم تک پہنچاؤں گی۔

بے وفائی :- ولی عہد کے زمانے میں ہی پریوں کی بے وفائی ظاہر ہو چکی تھی سب کو روپے کا لالچ دے کر پردے میں بٹھانے کی کوشش کی لیکن اکثر بھاگ گئیں۔

خفقان :- اس عرصے میں دل کو خفقان ہوگیا۔ رفع خفقان کے لئے از سر نو گانے بجانے کے لئے چند عورتیں نوکر رکھیں۔

صر بگریبان :- نواب سکندر محل نے ایک روز کہا سب حسرتیں پوری ہوگئیں صرف آپ سے نکاح کی خواہش باقی ہے (اتنا عرصہ یلا نکاح جھک ہی مارتے رہے للمؤلف) میں نے کہا تمام لوگ ہنسیں گے کہ یہ بھی نصیر الدین حیدر کی طرح دیوانہ ہوگیا ہے۔

سنگ تفرقہ :- تنگ آکر ایک روز سب محلوں اور پریوں کو کہا کہ جو جہاں جانا چاہتی ہے چلی جائے۔ میرا خیال تھا کہ قیصر بیگم مجھ پر مرتی ہے۔ مگر باقی کے ساتھ وہ بھی چلی گئی۔ یا بجڑے سے اب کیا غرض۔ (للمؤلف)

رَبَّنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّار :- اسی زمانہ میں قیصر بیگم کی عنایت سے نار فارسی (آتشک) کے عارضے میں مبتلا ہوا۔ مرض بڑھتا گیا زخم آگ کی طرح جلتے تھے۔ طرّہ یہ کہ محبوب گلرخوں کا رنج میرے دل سے نہ جاتا تھا۔ ایک روز نواب معتمد صاحبہ نے اپنا ہاتھ مجھے لگایا اور بعد میں بیسن مل کر دھویا۔ دل میں سخت ٹھیس لگی رات بھر زخموں کی تکلیف سے جاگا کرتا تھا۔ کئی بار مسہل حب السلاطین کھائی کئی مرتبہ فصد کرائی۔ آخر بہزار مصیبت ۱۲۶۵ھ میں چند زخم خشک ہوئے۔

سید الشہدا کے چہلم کے بعد ہڑ کھائی اس سے خفقان پیدا ہوگیا۔ گریبان چاک کر ڈالا۔ کپڑے پھاڑ ڈالے دوسرے روز غشی آگیا۔ اس روز سے آج تک دُنبل نکل رہے ہیں (وہی خاندانی مرض للمؤلف) اسی جھگڑے میں گرفتار ہوں۔ اگر کسی وقت ہوش آجاتا تو شعر و شاعری کا شغل شروع ہو جاتا۔ پھر غفلت ہو جاتی ہے اور تمام اعضاء معہ منہ آنکھیں بید کی مانند لرزتے ہیں۔

(ملخص از خود نوشت واجد علی شاہ)

برِّصغیر میں شیعیّت کی مختلف شکلیں

یہ بات تو مسلّمہ ہے کہ اہلِ سنّت میں فرقہ بندی کی ابتداء ڈیڑھ صدی ہجری سے بہت بعد شروع ہوئی۔ گویا ڈیڑھ سو سال تک تمام اہلِ سنّت و جماعت کا مسلک وہی تھا جو آج جماعت اہلحدیث کا مسلک ہے۔ مگر شیعیت کی ابتداء سیّدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانے میں شروع ہو چکی تھی۔ برّصغیر کے جنوبی حصّوں یعنی سیلون اور ملیبار میں مسلمان تاجر خلیفہ اوّل کے زمانے میں پہنچ چکے تھے فاروق اعظمؓ کے دور میں مکران فتح ہوا ولید بن عبدالملک کے زمانے میں عبیداللہ بن نبہان اور بدیل نے سندھ کا کچھ حصہ فتح کیا۔ سنہ ۹۲ھ میں محمد بن قاسم نے ملتان تک کا علاقہ فتح کیا اس تمام دور میں جتنے مسلمان سندھ میں آئے تمام اہلحدیث تھے اس کے بعد ۹۹۷ھ سے ۱۰۳۰ھ تک محمود غزنوی نے برّصغیر پر ۱۷ حملے کئے محمود غزنوی شروع میں حنفی تھا مگر ابو رغال کی وجہ سے بعد میں شافعی ہو گیا تھا۔

اس کے بعد ۱۱۷۵ سے ۱۲۰۶ تک شہاب الدین محمد غوری نے ہندوستان پر گیارہ بار حملہ کیا ۱۲۰۶ میں قطب الدین کو دہلی کی گورنری ملی قطب الدین قاضی القضاۃ امام فخرالدین کوفی کا جو امام ابوحنیفہ کی اولاد سے تھے۔ پروردہ تھا اس وجہ سے وہ حنفی تھا اور اس نے حنفیت کی ترویج و اشاعت شروع کی۔

محمود غزنوی کا پہلا حملہ ملتان پر ہوا اور اس نے حاکم ملتان ابوالفتح کو شکست دے کر ملتان پر قبضہ کیا۔ گویا محمود کا پہلا حملہ باطنیوں یا قرامطی شیعیوں پر ہوا تمام تاریخیں گواہ ہیں کہ محمود نے ابوالفتح پر اس لئے حملہ کیا تھا کہ اس نے یہاں کے مسلمانوں کے ساتھ وہی سلوک کیا تھا جو مصر کے فاطمیین نے اہلِ سنّت کے ساتھ حسن بن صباح نے تمام عالم اسلام کے ساتھ یا بعد میں اودھ کے حکمرانوں نے اہلِ سنّت کے ساتھ روا رکھا۔

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ۹۹۱ھ سے بہت پہلے شیعیوں کے یہ فرقے برصغیر میں پہنچ کر اپنے قدم مضبوط کر چکے تھے۔ اس کے بعد دمیک ضلع جہلم کے مقام پر شہاب الدین محمد غوری بھی باطنیوں کے ہاتھ سے شہید ہوا۔ سلطان رضیہ کے

زمانے میں ہزارہا باطنیوں نے اکٹھے ہو کر عین نماز جمعہ میں مشغول ہزارہا اہلِ سنت کو تلوار کی دھار پر رکھ لیا مگر چند سربرآوردہ امراء نے پہنچ کر حالات کو سنبھال لیا اور ان کا خاتمہ کیا۔[1]

تصریحات بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ محمود غزنوی سے بہت پہلے شیعہ لوگ برّصغیر میں پہنچ چکے تھے اور ملتان میں انہوں نے اپنی سلطنت بھی بنالی تھی اور ان کی تمام کوششیں برّصغیر سے اہل سنت و جماعت کو ختم کرنے کی تھیں۔ مگر جب ملتان میں محمود غزنوی نے انہیں ختم کیا۔ دہلی میں سلطان رضیہ کے زمانے میں ان کی طاقت پارہ پارہ کر دی گئی۔

اس کے بعد خلجیوں، تغلقوں، سیّدوں اور لودھیوں کے زمانہ میں یہ لوگ شمالی ہندوستان سے دکن کی طرف چلے گئے اور چند شیعہ سلطنتوں کی بنیاد رکھنے پر قادر ہو گئے اورنگ زیب کے زمانہ میں ان کی حکومتیں تباہ ہوئیں تو انہوں نے اپنے پرانے انداز سے کام لینا شروع کیا۔ اسماعیلی تو ۹۹۷ھ سے پہلے ملتان میں خودمختار سلطنت قائم کر چکے تھے۔ شیعیوں کے دو فرقوں نے پٹھانوں کے دور میں دکن میں آزاد سلطنتیں قائم کر لیں اور اورنگ زیب نے ان شیعیوں کی سلطنتوں کا خاتمہ کیا تو انہوں نے پرانے انداز یعنی خفیہ قتل و غارت، دھوکے فریب اندرونی ریشہ دوانیوں دجل و تلبیس، خودساختہ تصوّف و فقر مکاریوں اور حیلوں سے کام لینا شروع کیا۔ ہر دور میں ان لوگوں کی تکنیک اتنی گہری ان کی سیاست اتنی پیچیدہ ان کا تبلیغی انداز اتنا تلبیسانہ رہا کہ ہزاروں بلکہ لاکھوں افراد ان کے پنجۂ تلبیس میں گرفتار ہو کر جان، مال، عزت، آبرو، دولت، حشمت اور وقار سے محروم ہو گئے اور شیعیت کی بھول بھلیّوں میں سر پٹکتے مر گئے مگر پیچھے مڑ کر نہ دیکھ سکے اورنگ زیب کے بھائی۔ اس کا بیٹا بہادر شاہ، حسین علی اور عبداللہ اور سرمد کی قسم کے لوگ سلطنت مغلیہ کے زوال کے دور میں یعنی ۱۷۰۷ء سے لیکر ۱۸۵۷ء تک مختلف شکلوں میں نمودار ہوتے رہے انیسویں صدی یعنی مغلیہ سلطنت کے زوال کے دور میں شیعہ پوری مہارت اور کوشش سے اسلام کو نیست و نابود

---

[1] تاریخ مبارک شاہی

کرنے پڑتے رہے اور موحد بنگال کے آخری کونوں سے لے کر شمال مغربی سرحد کی آخری
سنگلاخ چٹانوں تک اس انارکی اور طوائف الملوکی کے درمیان ملک اور قوم کی
ڈگمگاتی ناؤ کو سنبھالا دیئے رکھا۔ میں بڑے وثوق اور یقین سے کہتا ہوں کہ اگر اس
وقت جماعت موحدین عملاً میدانِ جہاد میں نہ کودتی تو آج شاید اس برِصغیر کی حالت
ہسپانیہ کی طرح ہوتی۔

سلطنت میسور شیعوں کی غداریوں سے تباہ ہوئی۔ بنگال میں شیعوں کی غداریوں
نے انگریزوں کے لئے راستہ ہموار کیا دہلی میں صرف ایک سال ۱۷۱۹ء میں شیعوں نے
تین بادشاہوں کو یکے بعد دیگرے تخت سے اتارا پھر مرہٹوں کو چڑھا لائے اور ابراہیم
گاردی ان کے توپخانے کے انچارج کی حیثیت سے ان کے ساتھ تھا۔

اور آخر میں سعادت خان بحیثیت نواب وزیر اودھ کا حکمران بن گیا۔ شیعوں کی سلطنت
تو بن گئی مگر وہ گروہ جو تقیہ کی آڑ میں تصوف، پیری، فقیری، ولایت کے لباس میں تمام
برِصغیر میں پھیلا ہوا تھا اس نے تخریب کی ایک نئی طرح ڈالی حسن نظامی دہلوی کی
قسم کے بیسیوں پیر نسلی عصبیت کے کالبوں میں گرفتار ہو کر ان شیعہ داعیوں کی سرپرستی
کو اپنی ذات کے لئے فخر سمجھتے تھے۔ چنانچہ فاطمی دعوت اسلام اسی ذہنیت کی منہ بولتی
تصویر ہے جس میں خواجہ صاحب نے نہایت فخر سے ایسے بے دین، لامذہب
اور مجہول الاحوال فرقوں کو شیعہ داعیوں کی تبلیغ اسلام کا شاہکار قرار دیا ہے۔ جن کے
کے واقعات پڑھتے ہی ایک صحیح العقیدہ مسلمان کی روح تڑپ اٹھتی ہے اور
وہ بے قرار ہو کر پکار اٹھتا ہے کہ الٰہ العالمین کیا محمدؐ کا دین یہی تھا مگر خواجہ صاحب کو
باصرار اس پر فخر ہے۔

مجھے اپنی فقیرانہ سیاحت کے دوران اس قسم کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں افراد سے
واسطہ پڑا جو نہ ہندو نظر آتے تھے نہ مسلمان مگر وہ اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے نظر
آئے ان میں سے بعض کی مذہبی رسمیں پارسیوں، جینیوں، مسلمانوں، ہندوؤں اور
بدھوں کے عقائد کا ملغوبہ نظر آئیں۔ میں ایک "ہر رنگ" فقیر اور سادھو کے لباس
میں جہاں بھی کسی ایسے گدی نشین عالم، فقیر کے متعلق سن کر اس کے پاس پہنچا عجیب
رنگ دیکھا، عجیب ڈھنگ دیکھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے عربی، فارسی، اردو

ہندی اور انگریزی میں ضرورت کے مطابق کام چلا سکتا تھا اس لئے جس مجلس میں بھی
پہنچتا اپنا مقام بنا لیتا مگر اس وقت ذہن میں اس بات کا تصور تک نہ تھا کہ کسی وقت
مجھے ان معجون مرکب فرقوں کے متعلق کچھ لکھنا پڑے گا۔ مجھے آج اس کمی یا غلطی کا بھرپور
احساس ہے مگر اب اس کا ذکر "نکل گیا ہے۔ سانپ اب لکیر پیٹا کرتا" کے مصداق محض
تضیع اوقات ہے۔

بہر حال
کے مصداق اس بات پر
فخر کرتے ہیں۔ ذرہ بھر ہچکچاہٹ نہیں کہ امتِ مرحومہ کی تخریب کے لئے جن جن
ہتھیاروں سے کام لیا گیا ہے۔ ان سے پردہ اٹھا رہا ہوں۔ شاید ایک قاری کہے کہ
ان لوگوں نے آخر دین کو کیا نقصان پہنچایا میں کہتا ہوں شرک و بدعت کے یہ دنگل
اسی بے دینی کے جنگل کے برگ و بار ہیں اور جن لوگوں نے جس غرض کے لئے اس بے دینی
کی طرح ڈالی تھی وہ اپنے مطلب میں کامیاب ہو گئے ایک پکا اور سچا مسلمان پوری ملت
آپ سن چکے ہیں کہ پوری ڈیڑھ
ہے۔
صدی تک چند موحدین نے پورے برِصغیر میں انگریزوں کو حواس باختہ کئے رکھا
سکھوں کو ناکوں چنے چبوائے۔ مسلمانوں کے ایک کثیر گروہ نے دامے، درمے، سخنے،
قلمے انگریزوں کی مدد کی۔ موحد مجاہدین کے خلاف فتووں کے انبار کے انبار جمع کر
دیئے مگر یہ لوگ اپنے مسلک، اپنے ارادے اپنے نظریہ اور اپنے پروگرام سے
ذرہ بھر نہ ہٹے اور اگر بجائے ان مٹھی بھر موحد کے پورے برِصغیر میں ایک چوتھائی
ہی اس کردار کے حامل مسلمان ہوتے تو اوّل تو انگریز یہاں حکومت ہی حاصل نہ کر
سکتے اور اگر بفرضِ محال وہ حکومت حاصل کر بھی لیتے تو چند سالوں میں انہیں یہاں
سے بھاگنا پڑتا۔

فلسفہ تاریخ کی روشنی میں بنظرِ تعمق اس بات کا جائزہ لیجئے تو صاف نظر آئے
گا کہ شیعوں نے اس رہبانیت اور شرک و بدعات کے ذریعہ اس ملت
میں پنجے گاڑ دیئے ان کی پُرتعیش اور فقیری میں نوابانہ ٹھاٹھ سے مرعوب ہو کر اور ان
کی تبلیغی سرگرمیوں سے متاثر ہو کر سنیوں کا ایک پورا گروہ اسی رنگ میں رنگا گیا۔
شیعہ داعی جو کبھی عارعارتے رہے ادھر آ اس ملت میں اپنے پنجے گاڑتے رہے اور

اور اُدھر ادیانِ باطلہ کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے رام کرشن، وشنو شوجی برہما کی تعریفوں کے راگ الاپتے رہے ہندوؤں کے ورن شاستر نے شودروں کو سطح ارضی کے ایک پلید، حقیر اور ناپاک کیڑے کے مقام پر پہنچا دیا تھا۔ ان نیچی ذات کے لوگوں کو شیعہ داعیوں کی اس دعوت میں ابھر کر انسانیت کے مقام پر کھڑا ہونے کا موقع ملتا نظر آیا مگر درپردہ شیعہ خود فاطمی اور غیر فاطمی کی عصبیّت کو بھی طرح ابھارتے رہے۔ شیعہ کے لئے ہندی اچھوت ان کی پناہ گاہ ثابت ہوئے وہ ان لوگوں کو شیعہ داعیوں کے اس دجل و فریب میں مکتی اور شانتی کے اسباب نظر آئے۔ نتیجتہً چند ایسے فرقے ظہور پذیر ہوئے جو یوں تو دیگر مذاہب کیلئے بے ضرر ہی ہیں مگر جاہل اور کمزور عقیدہ مسلمانوں کے لئے مشرک گر ثابت ہوئے ہیں یہ سب کچھ اپنے تجربات کی بنا پر بیان کر رہا ہوں۔ میں نے چند مقامات پر اب بھی دیکھا کہ جاہل اور ان پڑھ مسلمان ایک مسلمان عالم کی نسبت ان مشرک گروں کو ترجیح دے کر ان سے اپنی حاجات طلب کرتے ہیں۔ ان سے مشورے لیتے ہیں ان کی عبادت گاہوں میں سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ ان کے آستانوں پر جانور ذبح کرتے ہیں۔ ان کی دعاؤں پر بھروسہ کرتے ہیں اور انہیں اپنا حاجت روا سمجھتے ہیں اور جب کسی کو اس کی غلطی سے آگاہ کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کے الٹے سیدھے جوابوں سے اچھے بھلے امام بھی خاموش ہو کر رہ جاتے ہیں۔

اس قسم کے لوگوں میں سرفہرست گرو نانک ہے جس کی راہبانہ مگر نیم مسلم، نیم ہندوانہ زندگی نے اس کے گرد جمِ غفیر اکٹھا کر دیا۔ گرو نانک کی تمام زندگی کے نشیب و فراز پورے طور پر ایک اسماعیلی داعی کے ہتھکنڈوں، عیاریوں اور دجل و تلبیس کے گرد گھومتے نظر

مسٹر الطاف حسن قریشی نے مولانا ظفر احمد انصاری سے انٹرویو لیتے وقت ان کی زبان سے سنا کر ترکی انجمن اتحاد و ترقی یہودیوں کی انجمن تھی اور مصر کے جمالی انقلاب یا جمالی ذہن کے پیچھے بھی یہودیت کام کر رہی ہے یا روس میں کمیونزم کا سیلاب یہودیوں کا لایا ہوا تھا تو قریشی صاحب بھی یہ سنکر ایک بار چکرا گئے تھے جس طرح اس وقت تمام دنیا کی سیاست یہودیت کے محور پر گھومتی رہی ہے اسی طرح یہودیت کے اس اوّلین پودے نے جو کچھ عالم اسلام میں کیا آپ کے لئے ضرور اچنبھے کا موجب ہوگا۔

آتے ہیں وقتی طور پر گرو نانک ایک بے ضرر قسم کا فقیر تھا مگر آگے چل کر گوبند سنگھ اور بندہ بیراگی قسم کے لوگ اسلام کے لئے ایک تباہی ثابت ہوئے دیانند سرسوتی ایک مجہول النسب ہندو تھا۔ اُس نے مسئلہ توحید جس مسلمان سے سیکھا وہ یقیناً شیعہ داعی تھا۔ آگے چل کر دیانند نے ہندوؤں کو اس طرح آریہ نام سے روشناس کرایا اور آریہ فرقے کی طرح ڈالی یہ کسی مجہول النسب دیانند کا کام نہیں بلکہ ایک نہایت ہی چالاک اور عیّار قسم کے جہاندیدہ انسان کی صحبت کا اثر ہے قارئین کے لئے یہ باتیں بالکل نئی اور حیران کن ہیں مگر میں اپنے وسیع تجربات اور معلومات کی بنا پر اپنے اندر ان حقائق کو جھٹلانے یا انہیں نہ ماننے کے متعلق ذرّہ بھر بھی لچک نہیں پاتا۔

میں نے تیس سال کا طویل زمانہ اپنی پوری طالب علمانہ کوششوں کو بروئے کار لاتے ہوئے شیعہ سنی چپقلش کے مالہٗ اور ماعلیہ کے سمجھنے پر صرف کیا ہے۔ بات طویل ہوتی جا رہی ہے میں یہاں صرف برّصغیر میں شیعی تبلیغ کے اثرات بیان کرنا چاہتا تھا۔ نانک سے دیانند تک جتنے من چلے پیدا ہوئے ان کے علاوہ ہندومت میں جتنے مصلح یا ریفامر یا بالفاظ دیگر مجدّد پیدا ہوئے بالواسطہ یا بلاواسطہ سب کے سب کا مطمعٔ نظر صرف اسلام دشمنی تھا اور مگر حسن نظامی جیسے سیّد، پیر، ملنگ، صحافی، فقیر، خواجہ جیسے لوگ بھی اس پر فخر کرتے ہیں۔ آخر — ؎

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

چند مثالیں:-

۱۔ ضلع ایٹہ کے قصبہ مارہرہ میں مولانا نوروا جس مہاراج ایک بزرگ تھے جو قادری کہلاتے تھے۔ ستار بجاتے تھے مثنوی مولوی رومی، دیوان حافظ اور کبیر کے اشعار گاتے رہتے تھے۔ انہیں ہندو اور بعض مسلمان شو کا اوتار مانتے تھے بیسویں صدی کے پہلے عشرہ میں زندہ تھے انہوں نے ہزاروں مسلمانوں کو "قادری" کی اصطلاح کے چکر میں مرتد کیا اور میں نے خود تقسیم ملک تک لوگوں کو اس چکر میں مبتلا پایا۔ "واللہ اعلم بالصواب" اب کیا حالت ہے۔

آغا خان محمد شاہ اپنی سیاسی، مالی اور امیرانہ زندگی کی وجہ سے تمام دنیا میں اچھی پوزیشن رکھتے تھے۔ انہوں نے ہندوؤں کو ہمنوا بنانے کے لئے ایک دفعہ کہا تھا کہ:-

علیؑ	———	وشنو ہیں
برہما	———	حضرت محمدؐ ہیں
مہیش	———	حضرت آدمؑ ہیں
شکتی	———	حضرت حوّاؑ ہیں

اور اس کلجگ کا اتھر وید قرآن ہے اور جگت گرو حضرت محمد مصطفےٰؐ ہیں ابتدائے آفرینش سے حضرت علیؓ کا نور اولاد در اولاد منتقل ہوتے ہوتے آغا خان میں حلول کر گیا ہے اور اس طرح تا قیامت ہوتا رہے گا۔

جب علیؓ کا نور وشنو بن کر جلوہ افروز ہوا تب حضرت محمدؐ کا نور برہما بن کر نمودار ہوا۔

جب علیؓ کا نور رام بن کر نمودار ہوا تب حضرت محمدؐ کا نور رود ربیاس بن کر ظاہر ہوا۔

جب امام سام تھے تب پیغمبر نوحؑ تھے۔

جب امام ہارون تھے پیغمبر موسیٰؑ تھے۔

جب امام خزیمہ اور سمعون تھے تو پیغمبر عیسیٰؑ تھے۔

اسی طرح علیؓ اور محمدؐ ساتھ رہ کر بشری خیالات کی اصلاح کرتے۔

جب امام علیؓ ہوئے تو پیغمبر محمدؐ مصطفےٰ ہوئے۔

امام شاہی پنتھ

آج کل پاکستان میں بھی کہیں کہیں امام شاہی فقیر ملتے ہیں اور جاہل مقلد ان کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ اپنے نومولود ان کی گود میں ڈالتے ہیں۔ انہیں واصل بحق فقیر سمجھتے ہیں مگر انہیں معلوم نہیں کہ یہ لوگ پیر نور دین نور ست گرو ہی کے مرید ہیں۔ نوردین نزاری داعی تھے بعد میں نزاریوں سے الگ ہو گئے اور اپنا سلسلہ چلایا۔ تمام ہندوانہ مشرکانہ اعمال ان میں ہیں۔

سنسکرت میں جے آدم بمعنی معبود دیا ہے آتا ہے۔ شیعہ داعیوں نے اس لفظ کا حلیہ بگاڑ کر اس طرح لکھ کر ہمد (علی) بنا لیا اور کہا کہ کوئی رسم الخط میں علی اس طرح لکھا جاتا ہے جس طرح ہے۔ پھر اسے (قرآن) سے ثابت کیا۔

آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ یہ لوگ کس قدر دور کی کوڑیاں لاتے ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ مولوی رومی نے مثنوی وشنو کے نام سے شروع کی ہے وشنو سے بشنو بنا دیا اور علیؓ کو وشنو ہی دیکھیے۔

"بشنو از نے چوں حکایت میکند" کا کس طرح حلیہ بگاڑا گیا ہے۔ امام شاہیوں کا مرکز احمد آباد کے قریب پیرانہ ہے ان کی مذہبی کتاب ست دیتی ہے ان کا موجودہ پیر کاکا کے نام سے مشہور ہے ان کے دو فرقے ہیں گپتی جب پر گھٹی بن جاتا ہے تو اُسے مومن کہتے ہیں۔

امام شاہ کا زمانہ ۸۵۶ھ سے ۸۹۸ھ تک ہے پیرانہ ضلع احمد آباد میں ان کا مزار ہے۔

ان کی ایک شاخ "نوساری" ہے۔ نوساری ست گورو نور حسینی قمر الدین کے مرید ہیں اور دوسرے امام شاہ کے۔

نانک پنتھ، معراج پنتھ اور لبیر پنتھ وغیرہ اسی پنتھ سے نکلے ہیں۔

پیر مشائخ کے پیروکار

پیر مشائخ ۱۰۶۰ھ میں جنترال علاقہ گجرات میں پیدا ہوئے۔ ہندو کانی تعداد میں ان کے مرید تھے۔ پیر مشائخ نزاری اسماعیلیوں کے داعی تھے۔ پیر مشائخ کی تصنیفات میں سے ان کے مریدوں کے پاس مندرجہ ذیل کتابیں ملتی ہیں۔ حلیہ مبارک، نور نامہ، ایمان مفصّل دو حصے، جنگ نامہ دو حصے، طریقتی، غزوات سے متعلق ایک کتاب خلفائے راشدین، معراج نامہ، کتاب المنجرات، وفات نامہ غالی، حنفیوں کے نور نامے، معراج نامے، وفات نامے انہی کتابوں کے چربے ہیں۔

پیر مشائخ یا ان کے پیرو مذہبی تعصب میں اس قدر غالی نہیں تھے جس قدر دوسرے شیعہ

سورت میں

سورت میں سنگ خارا کا ایک مندر ہے اس کا مہنت رنگی لال ایک ہندو تھا۔ ان کے مندر میں قلزم سروپ نامی کتاب کی پوجا ہوتی ہے یہ لوگ پرنامی کہلاتے ہیں۔ شروع میں تقیہ کی آڑ میں شیعہ داعی تھے اور ان کی اولاد آج پرنامی کے نام سے مشہور ہے۔ ان کی تعداد بھی لاکھوں کے قریب ہے

یہ لوگ کہتے ہیں کہ کرشن مہاراج اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی ہیں پہلے کرشن کے روپ میں جلوہ گر ہوئے اب محمدؐ کے روپ میں عرب میں نمودار ہوئے دسویں صدی میں امرکوٹ کے مقام پر دیوچند نامی کسی منچلے نے ایک دھرم کا اعلان کیا۔ معلوم ہوتا ہے وہ کوئی مینجھا ہوا اسماعیلی یا امامیہ داعی تھا۔ اس شخص نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا اور قلزم روپ الہامی کتاب کے طور پر پیش کی۔

اس مذہب کا پیروکار چھترسال نامی ایک راجہ مذہب کے بارہ میں اورنگ زیب سے لڑا تھا۔ اس کا مقبرہ مہوبا میں ہے قلزم سروپ میں ۱۸۷۵ شعر بیان کئے جاتے ہیں ان میں اکثر عربی کے الفاظ ہیں جام نگر میں ہر سال ان لوگوں کا میلہ ہوتا ہے ان کے نام آج تک ہندوانہ ہیں سکھ لال دھنی داس وغیرہ قسم کے ناموں کے لوگ گدی نشین چلے آرہے ہیں مگر ان لوگوں کا ہندوؤں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور نہ یہ خود ہندو کہلاتے ہیں۔